بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تالیف: آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور دیگر علماء ودانشور

کلامِ

امیر المومنین علی علیہ السلام

نہج البلاغہ کی جدید، جامع شرح اور تفسیر

(جلد سوّم)

ترجمہ زیر نگرانی

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی

پیشکش

باب العلم دارالتحقیق، مسجد باب العلم

فروغِ ایمان ٹرسٹ، شمالی ناظم آباد، بلاک ڈی، کراچی، پاکستان

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... کلام امیر المومنین علی علیہ السلام

جلد........................سوّم

مؤلف........................ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ

معاونین........................ حجۃ الاسلام محمد جعفر امامی، حجۃ الاسلام محمد رضا آشتیانی

حجۃ الاسلام محمد جواد ارسطا، حجۃ الاسلام ابراہیم بہادری

حجۃ الاسلام سعید داؤدی، حجۃ الاسلام احمد قدسی

ترجمہ........................ باب العلم دار التحقیق (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی، پاکستان

زیرنگرانی........................ حجۃ الاسلام مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی

تعداد........................۱۰۰۰

طبع........................اوّل ء

ناشر ....مصباح القرآن ٹرسٹ

تاریخ اشاعت .... ستمبر ۲۰۱۶ء بطابق روز عید غدیر ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۳۷ ہجری

مطبع ....

ہدیہ ....

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

باب العلم دار التحقیق

مسجد باب العلم بلاک ڈی، شمالی ناظم آباد، کراچی، پاکستان

https://downloadshiabooks.com/

انتساب

بہ روحِ پُرفتوح

مُحسن علم وادب وثقافت اسلامی،

شریف اجل

ذوالمنقبتین

رضی ذُوالحَسبین

سیّد محمد الشریف الرضی

اعلی اللہ مقامہ الشریف

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

فہرست مطالب

عرض مترجم ۲۳

پیش لفظ ۲۷

اکسٹھواں خطبہ

شرح وتفسیر ۲۹

شامی دہشت گردوں اور خوارج میں فرق ۲۹

نکات ۳۲

۱۔خوارج سے بھی زیادہ گمراہ! ۳۲

۲۔حق کے طالب گمراہ اور باطل پر اڑنے والے ہوشیار ۳۴

باسٹھواں خطبہ

شرح وتفسیر ۳۵

میں موت سے کیوں ڈروں؟ ۳۵

تریسٹھواں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۴۱

شرح وتفسیر ۴۲

دنیا جلد گزر جانے والے سائے کی طرح ہے! ۴۲

چونسٹھواں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۴۷

شرح وتفسیر ۴۸

موت نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ۴۸

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر ۵۵
زادِ سفر جتنا ممکن ہو لے لو ۵۵
شرح وتفسیر ۶۲
غافل انسانوں پروائے ہو ۶۲
نکات ۶۵
۱۔موت کے مخفی ہونے کا فلسفہ ۶۵
۲۔آرزوؤں کے فریب میں نہ آؤ ۶۶
۳۔شیطان کا زینت دینا ۶۶
۴۔انسانوں کی عمر خود ان کے خلاف دلیل ہے ۶۸
۵۔نعمتوں کا غرور ومستی ۶۸

پینسٹھواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۷۱
شرح وتفسیر ۷۲
پروردگار کی تعریف وتوصیف ۷۲
شرح وتفسیر ۸۳
جلال وجمال کے جلوے ۸۳
نکتہ ۸۹
خدا کی معرفت کے تربیتی آثار ۸۹
صفاتِ ذاتی ۸۹
صفاتِ افعالی ۸۹

چھیاسٹھواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۹۱

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر ۹۳
جہاد کے چند اصول ۹۳
نکتہ ۹۷
پہلے اور آج کے جنگی طریقے ۹۷
شرح وتفسیر ۹۹
مضبوطی سے ڈٹے رہو اور قیام کرو ۹۹
سوادِ اعظم (بڑا گروہ) ۱۰۲

سڑسٹھواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۰۷
شرح وتفسیر ۱۰۸
امامت کے مسئلے پر منطقی دلائل ۱۰۸
نکات ۱۱۱
مسئلۂ خلافت اور سقیفہ بنی ساعدہ کی داستان ۱۱۱
داستان سقیفہ کے چند دلچسپ نکات ۱۱۷

اڑسٹھواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۲۱
شرح وتفسیر ۱۲۲
محمدؓ بن ابی بکر اور مصر کی حکومت ۱۲۲
قابل توجہ نکتہ ۱۲۴
نکات ۱۲۵
۱۔ ہاشم مرقالؓ کون تھے؟ ۱۲۵
۲۔ کچھ محمدؓ بن ابی بکر کی زندگی کے بارے میں ۱۲۷

https://downloadshiabooks.com/

انہتر واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۲۹
شرح وتفسیر ۱۳۰
سست وکمزور دوستوں سے سخت شکایتیں ۱۳۰
نکتہ ۱۳۷
اس قدر جھڑکنے اور ڈانٹنے کی وجہ ۱۳۷

سترّ واں خطبہ

شرح وتفسیر ۱۳۹
میں نے رسول خدا کو خواب میں دیکھا ۱۳۹
نکات ۱۴۳
۱۔ یارانِ علی علیہ السلام ۱۴۳
۲۔ بددُعا کے مستحق کون لوگ ہیں؟ ۱۴۷

اکہتر واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۵۱
شرح وتفسیر ۱۵۳
ناسمجھ پیروکاروں سے شکوہ ۱۵۳
نکات ۱۵۸
سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں علیؑ تھے۔ ۱۵۸
ایک اہم اعتراض کا جواب ۱۶۰

بہترّ واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۶۵
شرح وتفسیر ۱۶۶

https://downloadshiabooks.com/

اے بلند آسمانوں کو سنبھال کر رکھنے والے ۱۶۶
شرح وتفسیر ۱۷۰
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام ۱۷۰
شرح وتفسیر ۱۷۷
پروردگارا! ہمیں آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ قرار دے ۱۷۷
اپنے اور دوستوں کے حق میں دعا ۱۷۹
نکتہ ۱۷۹
پیغمبر اکرمؐ پر درود وسلام کی غیر معمولی اہمیت ۱۷۹
چند سوالات کے جوابات ۱۸۳
اتنی زیادہ اہمیت کیوں؟ ۱۸۳
کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجنے کا کوئی اثر ہے؟ ۱۸۴
کن الفاظ میں درود وسلام بھیجنا چاہیے؟ ۱۸۵
پیغمبر اکرمؐ پر درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب؟ ۱۸۶
صلوات کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ ۱۸۷

تہتّرواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۸۹
شرح وتفسیر ۱۹۰
مَروان کی بیعت کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ۱۹۰
نکتہ ۱۹۳
مروان کا عجیب وغریب ماجرا ۱۹۳

چوہتّرواں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۱۹۷

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر ۱۹۹
تم سب جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ لائق ہوں ۱۹۹
چند سوالات اوران کے جوابات ۲۰۱

پچھتّر واں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۲۰۵
شرح وتفسیر ۲۰۶
صُلح نہ کرنے والے منحرف دشمن ۲۰۶

چھہتّر واں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۲۱۱
شرح وتفسیر ۲۱۲
بیس گراں قدر نکات ۲۱۲
ایک نکتہ ۲۱۷
فرصت کے لمحے کو غنیمت جاننا اور صبر سے کام لینا ۲۱۷

ستّتر واں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۲۱۹
شرح وتفسیر ۲۲۰
بنی اُمیہ کی سیاہ کاریوں کا ایک نمونہ ۲۲۰
نکات ۲۲۲
میں سعید بن عاص سے بخوبی آگاہ ہوں ۲۲۲
بنی امیّہ کو خوب جانتا ہوں ۲۲۳
بنی امیّہ،قرآن کی روشنی میں ۲۲۴
بنی امیّہ روایات اہلسنّت میں ۲۲۴

https://downloadshiabooks.com/

بنی امیہ، نہج البلاغہ کی روشنی میں ۲۲۵
بنی امیہ کی تباہ کاریاں ۲۲۶
۱۔اسلامی خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہوجانا ۲۲۶
۲۔اسلامی تعلیمات میں تحریف کی اور حقائق کو مسخ کردیا ۲۲۸

اٹھتّر واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۳۱
شرح وتفسیر ۲۳۲
سبق آموز دعاؤں کے چند حصے ۲۳۲
نکتہ ۲۳۸
انسانی زندگی میں دُعا کے عجیب وغریب اثرات ۲۳۸

اُناسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۴۳
شرح وتفسیر ۲۴۶
نجومیوں کی غلطیاں ۲۴۶
وضاحت ۲۴۷
شرح وتفسیر ۲۴۸
نجومیوں کی پیشن گوئیوں سے بچیں ۲۴۸
کہانت کیا ہے؟ ۲۵۰
نکات ۲۵۱
علم نجوم کیا ہے؟ اور اس کا کونسا شعبہ منع ہے؟ ۲۵۱
علم نجوم کفر کی صف میں کیوں؟ ۲۵۲
نجومیوں کی پیشن گوئیاں کیسے وجود میں آتی ہیں ۲۵۵

https://downloadshiabooks.com/

اسّی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۵۷
شرح وتفسیر ۲۵۸
انسانی معاشرے میں خواتین کا مقام ۲۵۸
نکات ۲۶۳
۱۔ عورتوں اور مردوں میں برابری اور فرق ۲۶۳
۲۔ حضرت عائشہ سے متعلّق کچھ باتیں ۲۶۸
خلیفہ ثالث کے خلاف بغاوت ۲۶۸
کتوں کے بھونکنے کا واقعہ ۲۷۲

اکیاسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۷۳
شرح وتفسیر ۲۷۴
زہد کی حقیقت ۲۷۴
نکتہ ۲۷۶
زہد یہ ہے کہ حاکم بن جاؤ، نہ کہ دنیا کے اسیر ۲۷۶

بیاسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۸۱
شرح وتفسیر ۲۸۲
دنیا وسیلہ ہے ہدف نہیں ۲۸۲
نکات ۲۸۸
۱۔ دوسری دنیا میں اعمال کا حساب کیسا ہوگا؟ ۲۸۸
الف: حساب کی عمومیت ۲۸۹

https://downloadshiabooks.com/

ب: حساب میں جلدی ۲۸۹
ج: حساب میں باریک بینی ۲۹۰
د: حساب میں سختی ۲۹۰
ہ: آسان حساب کتاب ۲۹۱
و: وہ لوگ جو بغیر حساب کے بہشت میں جائیں گے ۲۹۱
۲۔ دنیا پرستی مذموم ہے، نہ کہ دنیا داری ۲۹۲

تیراسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۲۹۵
شرح وتفسیر ۲۹۷
شرح وتفسیر ۳۰۱
تقویٰ، انسانی زندگی کا تقدیر ساز مسئلہ ۳۰۱
نکتہ ۳۰۶
ہمیشہ اور ہر جگہ تقویٰ کی دعوت ۳۰۶
شرح وتفسیر ۳۰۸
دنیا کا حقیقی چہرہ ۳۰۸
نکتہ ۳۱۴
اس جہاں کی ناپائیداری ۳۱۴
شرح وتفسیر ۳۱۵
حشر کا ہولناک میدان ۳۱۵
نکات ۳۲۰
۱۔ معاد جسمانی کی منظر کشی ۳۲۰
۲۔ آکل وماکول کا مشہور شبہ ۳۲۱
۳۔ مردے قبروں سے کس طرح باہر نکلیں گے؟ ۳۲۲

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر ۳۲۳
ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانے والے ہیں؟ ۳۲۳
نکتہ ۳۲۶
دنیا مشق اور آزمائش کا میدان ہے ۳۲۶
شرح وتفسیر ۳۲۸
جھنجھوڑنے والی نصیحتیں ۳۲۸
نکتہ ۳۳۳
تقویٰ کی جڑیں اور شاخیں ۳۳۳
شرح وتفسیر ۳۳۴
ہم سب اللہ کے احسان مند ہیں ۳۳۴
شرح وتفسیر ۳۳۹
ہوشیار رہو، تمام نعمتیں ختم ہونے والی ہیں ۳۳۹
شرح وتفسیر ۳۴۲
آخرکار تر وتازہ جسم بوسیدہ ہوگئے ۳۴۲
شرح وتفسیر ۳۴۷
درپیش ہولناک راستہ ۳۴۷
نکات ۳۵۱
(۱)۔صراط سے باآسانی کیسے گزریں؟ ۳۵۱
(۲) نمازِ شب، کیمیائے سعادت ہے ۳۵۴
شرح وتفسیر ۳۵۷
شیاطین کے وسوسے، ایک دوسری رکاوٹ ۳۵۷
نکتہ ۳۶۱
شیطانی جال کی اقسام ۳۶۱

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر ۳۶۲
انسانی زندگی کا آغاز وانجام ۳۶۲
نکتہ ۳۶۶
تیرا عفو اور میری خطا، میرا بخل اور تیری عطا ۳۶۶
شرح وتفسیر ۳۶۷
موت اچانک آجاتی ہے ۳۶۷
شرح وتفسیر ۳۷۰
موت کے بعد حوادث ۳۷۰
نکات ۳۷۳
۱۔پس ماندگان کا وداع اور عبرت آمیز لمحات ۳۷۳
۲۔سوالِ قبر کیا ہے؟ ۳۷۴
شرح وتفسیر ۳۷۷
قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے ۳۷۷
شرح وتفسیر ۳۸۱
قدر ناشناس، توانا لوگوں کا انجام ۳۸۱
شرح وتفسیر ۳۸۳
اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھیئے ۳۸۳
شرح وتفسیر ۳۸۵
آخری بات ۳۸۵

چوراسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۳۸۹
شرح وتفسیر ۳۹۰
اس جھوٹے شخص کو پہچانیے ۳۹۰

https://downloadshiabooks.com/

نکات ۳۹۷
۱۔عمر و عاص کون تھا؟ ۳۹۷
۲۔اسلام کی نظر میں مزاح ۴۰۰

پچاسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۴۰۵
شرح وتفسیر ۴۰۶
معرفتِ خدا کی راہ میں ۴۰۶
نکتہ ۴۱۰
ذاتِ خدا کی نسبت معرفتِ انسان کی کیفیت ۴۱۱
شرح وتفسیر ۴۱۳
عبرتوں سے نصیحت حاصل کریں ۴۱۳
شرح وتفسیر ۴۱۷
بہشتی درجات ۴۱۷

چھیاسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۴۲۱
شرح وتفسیر ۴۲۲
اللہ تمہارے باطن سے آگاہ ہے ۴۲۲
شرح وتفسیر ۴۲۵
زادِ راہ تیار کرلیں ۴۲۵
شرح وتفسیر ۴۲۸
تمام چیزوں کو بیان کرنے والی ۴۲۸
نکتہ ۴۳۰

https://downloadshiabooks.com/

جو چاہو وہ قرآن میں ہے ۴۳۰
شرح وتفسیر ۴۳۲
فرصت کو غنیمت جانو ۴۳۲
نکتہ ۴۳۴
شیطانی نفوذ کے راستے ۴۳۴
شرح وتفسیر ۴۳۶
سعادت مند کون ہے؟ ۴۳۶
نکتہ ۴۳۸
سعادت کا سرچشمہ تمہارے اندر ہی ہے ۴۳۸
شرح وتفسیر ۴۴۰
خطرناک عادتیں ۴۴۰
نکتہ ۴۴۴
واضح اور روشن نصیحتیں ۴۴۴

ستاسی واں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۴۴۵
شرح وتفسیر ۴۴۷
اللہ کے پسندیدہ بندے ۴۴۷
نکتہ ۴۵۲
بہترین الٰہی بخشش ۴۵۲
شرح وتفسیر ۴۵۵
خدا کے مخلص بندوں کی خصوصیات ۴۵۵
نکات ۴۶۰
۱۔ اِجتہاد کے دروازے کا کھلا رہنا ۴۶۰

https://downloadshiabooks.com/

۲۔قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ۴۶۱
شرح وتفسیر ۴۶۲
مخلص علماء اور عالم نما ۴۶۲
نکات ۴۶۸
۱۔گمراہ دانشمند ۴۶۸
۲۔تفسیر بالرّائے ،شیطان کا ایک بڑا جال ۴۶۹
۳۔بدعتیں انحرافات کا سر چشمہ ہیں ۴۷۱
شرح وتفسیر ۴۷۳
عترت کی موجودگی میں گمراہی کیوں؟ ۴۷۳
نکتہ ۴۷۶
اہل بیتؑ کا اعلیٰ وارفع مقام ۴۷۶
شرح وتفسیر ۴۷۸
ہدایت کے پرچم ۴۷۸
شرح وتفسیر ۴۸۵
بنی اُمیہ کی مختصر مدّتِ حکومت ۴۸۵
نکتہ ۴۸۸
بنی اُمیّہ کی حکومت کی ناکامی ۴۸۸
الف: بنی امیّہ کے خلاف خوارج کا قیام ۴۸۸
ب: بنوامیّہ کے خلاف دیگر گروہوں کا قیام ۴۹۰

اٹھاسی واں خطبہ

خطبہ،ایک نگاہ میں ۴۹۳
شرح وتفسیر ۴۹۴
سننے والے اور دیکھنے والے کہاں ہیں؟ ۴۹۴

https://downloadshiabooks.com/

نکتہ ۴۹۷
ظالموں کا مقدّر ۴۹۷
شرح وتفسیر ۴۹۹
ہٹ دھرمی اختلاف کا سرچشمہ ہے ۴۹۹
غیب پر ایمان ۵۰۰
نکتہ ۵۰۲
ہٹ دھرم گمراہ لوگ ۵۰۲

نواسی واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۵۰۵
شرح وتفسیر ۵۰۶
ظہورِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب دنیا کا حال ۵۰۶
نکتہ ۵۱۳
ہمارے دور کی جاہلیت ۵۱۳
شرح وتفسیر ۵۱۵
تم سب سے باز پرس ہوگی! ۵۱۵

نوّے واں خطبہ

خطبہ، ایک نگاہ میں ۵۲۱
شرح وتفسیر ۵۲۲
وہ تھا اور کوئی نہ تھا ۵۲۲
شرح وتفسیر ۵۲۷
وہ تمھارے وجود کے تمام رازوں سے واقف ہے ۵۲۷
شرح وتفسیر ۵۳۱

https://downloadshiabooks.com/

کوئی بھی اُس کا مثل نہیں ہے......۵۳۱
شرح وتفسیر......۵۳۴
اپنا محاسبہ خود کرو......۵۳۴
نکات......۵۳۷
محشر میں میزان اور حساب......۵۳۷
اندرونی ناصح......۵۳۹

https://downloadshiabooks.com/

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت علامہ سیّد صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے، جن سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم وتفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی، شائع کی اور انشاءاللہ العزیز شائع کی جاتی رہے گی۔

قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو عام کرنا اور انہیں گھر گھر پہنچانا ہمارے ادارے ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' لاہور کا پہلے روز سے ہدف رہا ہے۔ اس سلسلے میں دسیوں علمی کام جو علمائے کرام کی تالیف وتصنیف اور ترجمے کی صورت میں منظر ومشہود ہیں۔ ان میں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہٗ کی تالیف شدہ ''تفسیرِ نمونہ، تفسیرِ پیامِ قرآن'، سرِ فہرست ہیں۔ ادارہ ہٰذا نے چاہا کہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہٗ کی شرح نہج البلاغہ ''پیام امام امیر المومنین علیہ السلام'' کا ترجمہ پیش کیا جائے۔ اگرچہ خود حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہٗ نے مجھے اجازت دی تھی، یہاں ممنونِ احسان ہیں حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج السیّد ذوالقدر رضوی دامت برکاتہٗ (وکیل ونمائندہ آقائی مکارم شیرازی برائے لندن) کے جن سے تحریری اجازت حاصل کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ امید ہے بہت جلد تمام جلدوں کو پیش کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن ایک خود مختار ادارہ ہے۔ اس کے بانی مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سیّد صفدر حسین نجفیؒ تھے۔ انہوں نے اس ادارے کا ایک الگ ٹرسٹ تشکیل دیا جو اوّل دن سے اخراجات کا خود انتظام کرتا ہے۔ ادارہ مصباح القرآن ٹرسٹ حجۃ الاسلام مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی کا تہہ دل سے مشکور ہے کہ اُنہوں نے شرح نہج البلاغہ کے ترجمہ کی نگرانی کے فرائض از خود انجام دیئے، نیز ادارہ ''باب العلم دار التحقیق'' کا بھی ممنون ہے کہ اُنہوں نے کتابِ ہٰذا کی اشاعت کی اجازت دی۔

مصباح القرآن کی تمام کتابیں آپ کے استفادے کے لیے انٹرنیٹ پر موجود ہیں، جن کا مطالعہ آپ ان ویب سائٹس پر کر سکتے ہیں:

www.misbahulqurantrust.com

https://downloadshiabooks.com/

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی، کمی یا غلطی محسوس کریں تو ہمیں مطلع فرمائیں، ہم آپ کے شکرگزار ہیں۔ ادارے کی ترقی اور اس کے بانی محسنِ ملت علامہ سیّد صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہٗ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کا طالب

مسئول
مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، پاکستان

https://downloadshiabooks.com/

عرض مترجم

قرآن مجید اللہ کا وہ کلام ہے جو تمام گزشتہ آسمانی صحیفوں کے بعد اپنی تمام تر جامعیت اور ضرورت کے مطابق پیکرِ علم الٰہی سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا جو قیامت تک رہنمائی عطا کرتا رہے گا اور اس کی تفسیر و تفہیم کی ذمے داری بعد از پیغمبر اسلام ﷺ عترت و اہل بیت علیہم السلام کو دی گئی۔ چنانچہ ان پاک اور عظیم ہستیوں نے اپنی احادیث، فرامین اور عملی اقدامات کے ذریعے اسے تصویرِ مجسّم عطا کی اور عملی جامہ پہنایا، یعنی اہل بیت علیہم السلام کی روش، ان کے فیصلے اور طرزِ زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے، البتہ اس عظیم سرمائے کو جمع کر کے کتابی شکل دینا ایک اساسی خدمت ہے جسے علامہ سیّد شریف رضی علیہ الرحمہ نے اپنے ذوقِ ادبی و علمی کے مطابق جمع کر کے "نہج البلاغہ" نام دیا جو ایک ہزار سال سے عقلوں کی بیداری و ہدایت، ضمیروں کی سالمیت، فطرت کی اصالت، سماج کی قیادت اور ان سب کے محور اللہ کی عبادت کو فروغ دے رہی ہے۔ مولا علی علیہ السلام کے کلام کا معیار اس درجے کا ہے کہ ادبائے کرام نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ یہ اللہ کے کلام سے نیچے اور بندوں کے کلام سے اوپر ہے۔

تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ

مسلم و غیر مسلم علمائے کرام اور اہل ادب نے اسے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے سیکڑوں مفصل و موضوعاتی شرحیں، مقالے اور مضامین لکھے، ایسی ہی شروح میں سے ایک مرجع عالی قدر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی (مدظلہ العالی) اور دیگر علما و دانشوروں کی مرتب کردہ بہترین، سلیس اور نئی شرح "پیام امام امیر المومنین علیہ السلام" ہے۔ نہج البلاغہ اور مولا علی علیہ السلام کی خدمت و نوکری کا کسے شوق نہیں ہوگا۔ چنانچہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور کے مسئول محترم جناب سیٹھ محمد امین ساعتی کی فرمائش پر دفتر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی لندن کے مسئول و نمائندہ محترم عالم بزرگوار حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین سیّد ذوالقدر رضوی دامت برکاتہ کی تحریری اجازت اور حضرت آیۃ اللہ علّامہ سیّد عقیل الغروی دامت برکاتہ سے مفید مشوروں اور رہنمائی کے بعد باب العلم دار التحقیق، کراچی، پاکستان کے اراکین، مولانا محمد حسین کریمی، مولانا غلام علی عارفی، مولانا فدا حسین انقلابی، مولانا محمد یعقوب شاہد آخوندی، مولانا منظور حسین ابوالحسنی، جناب مظہر حسنین

https://downloadshiabooks.com/

نقوی (مرحوم)، محترم آغا نادر رضوی، محترم سیّد ذوالفقار حسین نقوی سمیت محترم مرزا محمد علی، محترم محمد مرسلین، محترم ذاکر اسدی، محترم سیّد شہزاد عالم زیدی، محترم ضمیر الحسن جعفری، محترم سیّد سجاد رضا رضوی اور محترم سیّد اسد علی زیدی کی باہمی تعاون سے ترجمے کا کام شروع ہوا جس کی تیسری جلد اب الحمدللہ آپ کے سامنے ہے۔

اس کتاب کے مکمل دورے کے بعد چند جلدوں کا ضمیمہ ترتیب دیا گیا ہے، جس میں روات کا ذکر، جو کہ منہاج البراعہ (خوئیؒ) سے استفادہ ہے اور حوالہ جات بھی مزید بڑھائے جائیں گے۔ اسی طرح قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین اور برصغیر کے بلند مرتبہ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کی شرح کے علاوہ باب العلم دار التحقیق کی جانب سے معلومات کا اضافہ ہے۔

قابل ذکر ہے کہ پیام امیر المؤمنین علی علیہ السلام میں اردو ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم اور علامہ سید ذیشان حیدر جوادی سے لیا گیا ہے۔

نہج البلاغہ کا اگر پوری ملّت مطالعہ کرلے تو یقیناً ترقی وعظمت مسلمین وتشیع میں کئی گنا اضافہ ہوگا اور انشاءاللہ یہ کاوش اس راہ میں مددگار ثابت ہوگی۔ شہید پروفیسر سیّد سبط جعفر زیدی سے اس کتاب کے بارے میں مشورے رہے کہ نہج البلاغہ کا منظوم ترجمہ کیا جائے، چنانچہ اس پر کام شروع کردیا گیا ہے۔

والسلام

سیّد شہنشاہ حسین نقوی

مدیر: باب العلم دار التحقیق، کراچی، پاکستان

https://downloadshiabooks.com/

مجوز نامہ کا عکس

مرکز باب المراد - لندن
دفتر حضرت آیت اللہ العظمی
مکارم شیرازی (مدظلہ)
سڈبری، ویمبلی، لندن
انگلستان

باسمہ سبحانہ وتعالی

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین سید شہنشاہ حسین نقوی دامت معالیکم
ڈائرکٹر ــــــ باب العلم دارالتحقیق،
فروغ ایمان ٹرسٹ،
ناظم آباد، کراچی، پاکستان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انشاءاللہ العزیز آپ ہر طرح سے بخیر وبعافیت ہوں گے۔

یہ جان کر مجھے بے انتہا مسرت ہورہی ہے کہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ ناصر مکارم شیرازی کی زیر نگرانی تالیف ہونے والی نہج البلاغہ کی سلیس و نفیس شرح ـــ پیامِ امامؑ ـــ کا اردو ترجمہ باب العلم دارالتحقیق میں آپ کی زیرِ نگرانی انجام پارہا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی کے نمائندہ اور اُن کے لندن کے آفس کے مسئول کی حیثیت سے میں آپ کی خدمت میں صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دعا گزار ہوں کہ ربِّ کریم آپ کے توفیقات میں اضافہ فرمائے اور آپ کے مساعی جمیلہ وجلیلہ کو شرف قبول سے سرفراز فرمائے۔

تبلیغِ دین اور خدمتِ مکتب و مذہب اہل بیتِ عصمت وطہارت کی غرض سے حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی مدظلہ العالی کی جانب سے آپ کو اُن کی تمام کتابوں کے ترجمہ اور اشاعت کی اجازت حاصل ہے۔ بشرطیکہ اُن کے مضامین اور محتویٰ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہو۔

میں اس عظیم الشان کتاب کی تکمیل اور اشاعت کے لیے بھی دست بہ دعا ہوں۔ ربِّ اکبر ـــ سبحانہ وتعالی ـــ آپ کے دست وبازو کو قوت وطاقت عطا فرمائے اور اس جیسے کارناموں کے لیے زیادہ سے زیادہ امکانات فراہم فرمائے ـــ آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین!

دعاگو
۲۶ صفر المظفر ۱۴۳۳ ہجری
سید ذوالقدر رضوی
مرکز باب المراد
لندن، یو۔ کے۔

Babul Murad Centre
856-858 Harrow Road, Sudbury Town, Wembley, Middlesex, London HA0 2PX .U.K
Tel: 0208 908 1525 • Fax: 0208 537 1232 • Answer Phone: 0208 908 0055

Head Office
دفتر حضرت آیت اللہ العظمی
مکارم شیرازی (مدظلہ)
حوزہ علمیہ، قم
جمہوری اسلامی
ایران
Tel: (0098) 251 774 3110
(0098) 251 774 3120
Fax: (0098) 251 774 3114
www.makarem.ir

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

پیش لفظ

نہج البلاغہ آج کی دنیا میں تصور سے کہیں زیادہ بہتر طریقے سے روشنی پھیلا رہی ہے، کیوں کہ بہت ساری اجتماعی اور انفرادی مشکلات اور دشواریوں کا حل اس میں موجود ہے اور بشریت کی جان لیوا بیماریوں کے لیے دوا اِس میں پوشیدہ ہے۔ نہج البلاغہ کی روشن شعاؤں نے دنیائے اسلام کی سرحدوں کو پار کر کے اب غیر مسلموں کے دلوں کو بھی منور کرنا شروع کر دیا ہے، وہ ایسے فیضیاب ہو رہے ہیں کہ کبھی ان کے ایسے بیانات نہج البلاغہ کے بارے میں آتے ہیں کہ دوستوں کی جان و دل کو جھنجوڑ کے رکھ دیتے ہیں اور شوق کے آنسوؤں کو آنکھوں سے بہا دیتے ہیں۔

ایک عرب عیسائی مفکر میخائیل نعیمہ اپنی کتاب "نہج البلاغہ اور اُس کے صاحب" کے بارے میں لکھتا ہے کہ کیا علیؑ صرف اسلام کے لیے ہے؟ اگر ایسا ہے تو ۱۹۵۶ء میں ایک عیسائی ان کی گزشتہ زندگی کے بارے میں تحقیق و جستجو اور دقت کیوں کرتا؟ یہ جارج جرداق جو ایک لبنانی عیسائی مصنف ہیں جنھوں نے کتاب "اَلْاِمَامُ الْعَلِیُّ صَوْتُ الْعَدَالَۃِ الْاِنْسَانِیَّۃِ" لکھی ہے یہ ان کی طرف اشارہ ہے۔ وہ (امیر المومنینؑ) ایسے دل پذیر شاعر، دل فریب واقعات، نرم اور لطیف حکایات اور حیرت انگیز جنگی واقعات کو شاعرانہ انداز سے پیش کرنے والے، ایک ایسے مردِ میدان، جو نہ صرف جنگ کے میدان میں، بلکہ دوراندیشی اور پاک دلی میں، فصاحت، بلاغت اور سحر انگیز بیانی میں، بہترین اخلاق اور جوشِ ایمانی میں، بلند ہمتی میں، مظلوموں اور ناامیدوں کی مدد کرنے میں، حق اور سچ کی پیروی کرنے میں، من جملہ تمام صفاتِ حسنہ میں ایسے مردِ میدان تھے کہ تاریخ میں آپؑ کی کوئی نظیر نہیں۔

نہج البلاغہ کی کشش اس حد تک ہے کہ سخت پیاسی ارواح کو اپنی شفاف حقیقت سے ایسا سیراب اور مست کر دیتی ہے کہ وجودِ انسان سے شراب طہور کے نشے کے تمام اثرات آشکار ہو جائیں، گویا حوض کوثر ہے اور مولا علیؑ ساقی کوثر کنارے پر بیٹھے ہر کسی کو اس کی قابلیت کے مطابق فائدہ پہنچاتے ہیں۔ مگر افسوس! کہ نہج البلاغہ کی تفسیر و تشریح اور معانی کی وضاحت کے بارے میں مسلمان دانشوروں نے گروہی شکل میں اگر چہ بہت کوششیں کی ہیں، مگر اب بھی گہری اور بیشتر تشریحات کی ضرورت ہے۔ پہلے زمانے میں بزرگان دین نے اپنے حساب سے عمدہ لیکن محدود شرحیں لکھی ہیں، مگر آج کی دنیا کو تازہ اور

https://downloadshiabooks.com/

تفصیلات کے ساتھ شرحیں درکار ہیں، اسی بنا پر تفسیر نمونہ کا کام ختم کرنے کے بعد، مولا امیر المومنین علیہ السلام کی عنایات اور مدد سے مالی مشکلات کے باوجود ہم نے نہج البلاغہ کی مکمل شرح و تفسیر کا ارادہ کیا۔ اس امید کے ساتھ کہ اس کتاب سے دانشور حضرات، علما، فضلا، محققین اور عام لوگ بھی استفادہ کر سکیں۔

اس شرح و تفسیر کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر خصوصیت کے ساتھ کام کیا گیا ہے۔

۱۔ اس کے ساتھ تمام جملوں کا ترجمہ و تفسیر۔

۲۔ تمام لغات اصلی و غیر لغات کی تفسیر۔

۳۔ خطبوں اور خطوط سے مربوط تاریخی مسائل کے بیان کی اہمیت۔

۴۔ مختلف عقیدتی، اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی ۔۔۔ بحثوں پر ضروری تجزیہ و تحلیل۔

۵۔ اضافی نکات جن پر مکمل بحث کی گئی ہے، جو شاید محترم پڑھنے والوں کو دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز کر دے۔

بحمد اللہ اس کام میں ہمارے ساتھ کچھ نئے ساتھیوں اور تفسیر نمونہ میں کام کرنے والے ساتھیوں نے مدد کی، جس کے نتیجے میں ابحاث مزید توضیحات اور تشریحات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان عزیزوں کے تشکر کے ساتھ امید ہے عنایات پروردگار سے اس شرح و تفسیر کا مناسب اثر عالم اسلام و مسلمین میں پیدا ہوگا اور یوم آخرت کا ذخیرہ قرار پائے گا۔

ناصر مکارم شیرازی

۱۳ رجب ۱۴۲۰ھ

حوزۂ علمیہ، قم

https://downloadshiabooks.com/

اکسٹھواں خطبہ

وَمِنْ کَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ [۱]

لَاتُقَاتِلُوا (تقتلوا) الْخَوَارِجَ بَعْدِي، فَلَيْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَأَخْطَأَهُ كَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَأَدْرَكَهُ

آپؑ نے فرمایا:

خبردار! میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا کہ حق کی تلاش میں نکل کر بہک جانے والا اُس جیسا نہیں ہوتا ہے جو باطل کی تلاش میں نکلے اور حاصل بھی کرلے۔

شرح وتفسیر

شامی دہشت گردوں اور خوارج میں فرق

دوسری جلد کے آخر میں کچھ خطبوں یا گفتگو میں خوارج سے متعلق باتیں ذکر ہوئی تھیں، ان میں سے ہر ایک ان کی زندگی کے اہم ترین حصوں اور خراب کاریوں کی انجام دہی کی طرف اشارہ تھا۔

اور تیسری جلد کے شروع میں بھی ایک مختصر جملے میں بہت اہم نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اپنے بعد ان کے ساتھ مسلح ہوکر جنگ کرنے کے بارے میں بہترین دستور دیا ہے۔فرماتے ہیں:

"لَاتُقَاتِلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِي"

[۱] سند خطبہ: یہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا کلام محاسن بیہقی، مروج الذہب مسعودی، کامل مبرد، علل الشرائع صدوق اور تہذیب شیخ طوسی میں آیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ ۴۰)

https://downloadshiabooks.com/

تم لوگ میرے بعد خوارج کے ساتھ جنگ نہ کرنا، بلکہ اپنے تابڑ توڑ حملوں کا رخ بنی امیہ کی ظالمانہ حکومت اور ان کی بربادی کی طرف موڑ دینا۔

۱۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ امامؑ کے دورِ حکومت کا ایک قابل ذکر حصہ ان خوارج سے جنگ کرتے ہوئے گزرا، خصوصاً نہروان کی جنگ میں آپؑ نے ان پر فیصلہ کن وار کیا اور ان کے نظریات کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

۲۔ امامؑ کے سخت ترین دشمنوں میں خوارج سرفہرست تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ شہادت امامؑ ان کے ہاتھوں ہی ہوئی، مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ جنگ سے منع کرنے والا حکم ذہنوں میں سوال ضرور پیدا کرتا ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام اس بات کو ایک واضح دلیل کے ذریعے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَلَيْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَأَخْطَأَهُ كَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَأَدْرَكَهُ"

"جو شخص حق کی تلاش میں نکلے اور وہ غلطی کر جائے تو وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے کہ جس نے باطل کی تلاش میں جستجو کی اور اسے پالیا۔" (یعنی حق کا متلاشی غلطی کر جائے اور باطل پرست کو وہ حاصل ہو جائے تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں)

جس طرح مرحوم سیّد رضیؒ نے "يَعْنِي مُعَاوِيَةَ وَأَصْحَابِهِ" کے جملے کے ذریعے اشارہ کیا ہے، امامؑ کا مطلب یہاں پر امیر شام اور ان کے دوست ہیں۔ اس لیے اپنے اصحاب کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں، تمہارے لیے دو محاذوں پر جنگ لڑنے سے بہتر ہے اپنی جنگ اور طاقت کا رخ بنی امیہ کے دہشت گردوں اور غاصبوں کی طرف موڑ دو۔

امامؑ کے ساتھیوں میں آپؑ کے بعد یقیناً دو محاذوں پر لڑنے کی ہمت نہ رہی تھی، اسی لیے آپؑ اس اہم دستور کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ اپنی طاقت و قدرت کو بٹنے نہ دو اور ایک ہی وقت میں دو دشمنوں سے جنگ بھی نہ کرو۔ خصوصاً اس اعتبار سے کہ خوارج حکومت شام کے سخت مخالف تھے، اور ممکن تھا مومنین کے ساتھ کسی محاذ پر شامیوں سے جنگ میں بھی شامل ہو جاتے، ان سب سے اہم تر یہ کہ خوارج امیر المومنینؑ کی مرکزی حکومت میں رہتے تھے، اس صورت میں ممکن تھا کہ وہ لوگ وفاقی حکومت میں آسانی کے ساتھ بدامنی پھیلا دیتے۔ ان تین وجوہات کی وجہ سے امامؑ نے جنگی اصولوں پر مبنی ایک جامع دستور اپنے بعد کے وقتوں کے لیے اپنے دوستوں کو دے دیا۔

یہاں پر نہج البلاغہ کے مفسرین نے ایک مشہور سوال نقل کیا ہے لیکن بعض نے اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا اور وہ یہ کہ امامؑ نے خود خوارج کے ساتھ جنگ کی مگر اپنے دوستوں کو ان کے ساتھ جنگ سے کیوں منع فرمایا ہے؟

جواب: اس سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ امام علیہ السلام کے زمانے کے حالات اور بعد میں آنے والے حالات میں بڑا فرق تھا۔ ایک لائق اور حکمت عملی سے کام لینے والا حاکم وہ ہے جو حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا قانون بنائے جو ہر

https://downloadshiabooks.com/

وقت اور ہمیشہ لوگوں کے کام آسکے اور کسی ایک پہلو سے بھی غیر واضح نہیں ہونا چاہیے۔

ان سب سے مہم تر یہ کہ امامؑ اس دستور کی جو وجہ بیان فرماتے ہیں اس میں بہت گہرائی اور لطیف نکتہ ہے:

”خوارج اور شامی ظالموں کے موازنے میں یہ نہ بھولیں کہ خوارج نادان واحمق تھے کہ وہ اپنے حساب سے سچائی اورحق کے لیے اٹھے تھے مگر ان کی جہالت اور تعصب نے انہیں راہ راست سے بھٹکا دیا اور اسی کو وہ حق سمجھ بیٹھے، لیکن امیر شام اور ان کے ماننے والے جان بوجھ کر باطل کے پیچھے چلے گئے اور انہوں نے باطل تک رسائی حاصل بھی کر لی۔“

بنابرایں اگر انسان ان دو دشمنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ لڑنا چاہے اور دونوں کا سامنا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو وہ کس گروہ کا انتخاب کرے گا؟ بغیر شک اور تردّد کے دوسرے گروہ کو مقابلے کے لیے انتخاب کرنا چاہیے اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو دشمن کے گروہ اوّل کے ساتھ جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔

ایک حدیث جسے مبرّد نے کامل میں نقل کیا ہے، اس طرح ہے کہ شہادت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بعد خوارج کے کچھ سرداروں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ امیر شام کے خلاف قیام کیا اور اس وقت امیر شام کوفے میں موجود تھا اور امام حسن علیہ السلام کوفے سے مدینے کی طرف سفر کے لیے نکل چکے تو امیر شام نے کسی کو امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپؑ خوارج سے مقابلے کا ذمہ لیں، امام حسن علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، میں نے تیرے ساتھ جنگ سے فقط اس لیے ہاتھ روکا ہے کہ مسلمین کے خون کی حفاظت ہو، کیا تیری طرف سے میں ایک ایسے گروہ سے جنگ کروں کہ ان سے زیادہ مارے جانے کا تُو حق دار ہے۔ [۱]

اس جواب سے امامؑ کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ خوارج گمراہ ہیں لیکن خوارج کی گمراہی امیر شام اور اس کے دوستوں کی ضلالت وگمراہی سے کہیں کمتر ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام خوارج کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسلامی دنیا میں انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور اس کی پیش گوئی حضرتؑ کے دور میں ہو چکی تھی لیکن پھر بھی امامؑ ان سے جنگ کرنے اور انتقام لینے سے منع کرتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے بعد بھی اپنے ماننے والوں کو ان سے کسی قسم کی لڑائی سے منع فرماتے ہیں۔ یہ حضرتؑ کی عدالت خواہی کی بڑی نشانیوں میں سے ہے اور دنیا کے سربراہوں میں اس کی بہت کم مثال ملتی ہے۔

بات بالکل واضح ہے یہ دستور امامؑ اس زمانے سے متعلق ہے کہ خوارج مسلمین کے شہروں کے لیے بدامنی وشرارت کا باعث نہ بنیں اور اگر ایسا ہو تو وہ کافر حربی شمار ہوں گے اور مفسدین فی الارض کے حکم میں آتے ہیں، اُس وقت ان سے جنگ کی جائے۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ علّامہ خوئی، جلد ۴، صفحہ ۳۸۳، کامل مبرد، جلد ۲، صفحہ ۱۱۶۴

https://downloadshiabooks.com/

نکات

ا۔خوارج سے بھی زیادہ گمراہ!

خوارج کے اوصاف و حالات اور ان کے عقائد و زندگی کے بارے میں اسلامی مورّخین نے بہت زیادہ مطالب لکھے ہیں، جن کا ذکر ہم نے جلد دوّم کے آخر میں کیا ہے۔ یقیناً یہ بڑے سنگدل اور گمراہ و خطرناک اور منحرف لوگ تھے، لیکن امام علیہ السلام مذکورہ خطبے میں امیر شام اور اس کے اصحاب کو ان سے زیادہ گمراہ شمار کرتے ہیں کہ اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک سے مقابلے کی طاقت ہو تو امیر شام اور اس کے اصحاب کے ساتھ جنگ کو ترجیح دو اور پہلے ان سے لڑو۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح نہج البلاغہ میں اس مسئلے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ہمارے بہت سے دوستوں نے امیر شام کے دینی اعتقادات پر اعتراض کیا ہے اور صرف ان کے فاسق ہونے پر بس نہیں کرتے، بلکہ ان کو مسلمان نہیں سمجھتے اور ان سے ایسے جملے نقل کرتے ہیں جو ان کی بے ایمانی پر دلیل ہیں۔

من جملہ ان میں سے زبیر بن بکّار جو نہ شیعہ تھے، نہ امیر شام کو بُرا بھلا کہتے تھے (حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ان کا برتاوٴ اچھا نہیں تھا اور مولا علی علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہت دور رکھتے تھے) اس کا کہنا ہے، مغیرہ بن شعبہ کا بیٹا کہتا ہے، میں اپنے والد کے ساتھ امیر شام کے پاس گیا، میرے والد اکثر ان کے پاس جا کر باتیں کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو ان کی ذہانت اور ہوشیاری کے گن گاتے تھے، لیکن ایک رات جب امیر شام سے ملاقات کے بعد واپس آئے تو بہت ناراض تھے، یہاں تک کہ رات کا کھانا نہیں کھایا وہ بہت دکھی لگ رہے تھے۔ میں نے تھوڑا انتظار کیا لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہ دیکھی تو میں نے سوچا شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے، میں نے کہا، بابا آج آپ اتنے ناراض کیوں ہیں؟ کہا، میرے بیٹے "جِئْتُ مِنْ عِنْدِ أَكْفَرِ النَّاسِ وَ أَخْبَثِهِمْ" آج میں کافر ترین اور خبیث ترین شخص سے مل کر آرہا ہوں، میں نے کہا، ایسا کیا ہوا ہے؟ کہا، آج رات امیر شام اور میں اکیلے تھے، میں نے اس سے کہا، تم اب کافی عمر کے ہوگئے ہو، اپنے بھائیوں (بنی ہاشم) کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لو تو تمہارے لیے بہت مناسب ہوگا، تم صاحب اقتدار ہو، اگر ان سے نیک سلوک کرو تو تمہاری نیک نامی تاریخ اسلام میں باقی رہ جائے گی اور تمہیں اس کا ثواب بھی ملے گا، کیوں کہ اب بنی ہاشم تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکتے۔

امیر شام غصے میں آ گیا اور کہا، میرا کیا نام رہے گا، خلیفۂ اوّل ایک مدت تک خلافت پر رہا اور عدل اختیار کیا اور اہم

https://downloadshiabooks.com/

کام کیے،لیکن جیسے ہی دنیا سے گیا اس کا نام ذہنوں سے مٹ گیا۔فقط لوگ کہتے ہیں خلیفہ اوّل ایسا ویسا تھا،اس کے بعد عمر خلیفہ ہوا اور دس سال اسلام کی پیشرفت کے لیے کوششیں کی، جیسے ہی وہ بھی دنیا سے گیا،اس کا نام بھی ختم ہوگیا اور لوگ کہتے ہیں،عمر ایسا تھا،عمر ویسا تھا۔

لیکنا بن ابی کبشہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ① کا نام لوگ ہر روز اذان میں پانچ مرتبہ بلند آواز کے ساتھ لیتے ہیں "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ" اور مسلسل ان کے نام کو ہر چیز سے زیادہ عظمت کے ساتھ زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ان حالات میں میرا کون سا عمل باقی رہے گا اور کون سی چیز ہماری تاریخ یادرکھے گی، اے بن باپ کے!، پھر اس نے مزید کہا، "لَا وَاللهِ إِلَّا دَفْنًا دَفْنًا"، "خدا کی قسم! اس کے علاوہ کوئی راہ نہیں کہ یہ نام (نام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دفن ہوجائے اور ذہنوں سے مٹ جائے۔"(اس بات نے مغیرہ بن شعبہ جو خود ایک منحرف شخص تھا،کو ایسا ناراض کیا کہ نہ صرف امیر شام کی تکفیر کی بلکہ اسے سب لوگوں سے بڑا کافر شمار کیا) ②

ابن ابی الحدید اس بات کو نقل کرنے کے بعد امیر شام کے کاموں کا تجزیہ پیش کرتے ہیں اور اس کی سرکش اور عیاش زندگی کا نقشہ کھینچتے ہیں اور اس کے غلط کاموں کو یکے بعد دیگرے شمار کرتے ہیں کہ ہر دیکھنے والے انصاف پسند شخص کو امیر شام کے اعتقاد و عمل کے فسق و فجور میں شک باقی نہ رہے اور یہ واضح دلیل ہے امامؑ کی مندرجہ بالا گفتگو پر کہ امیر شام کے ساتھ پہلی فرصت میں جنگ کی جائے۔

ابن ابی الحدید مزید لکھتے ہیں: امیر شام کا دین اسلام مخالف کردار سب کے سامنے آشکار تھا، جیسے ریشم کا لباس پہننا، سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال، اپنے لیے غنائم (مال غنیمت) جمع کرنا، اپنے رشتے داروں اور دوستوں پر اسلام کی مقرر کردہ حدود جاری نہ کرنا، زیاد کو اپنے ساتھ رکھ کر اسے اپنا بھائی کہنا، اس کے باوجود کہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا۔

"أَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ"

"بچہ باپ کے ساتھ ملحق ہوگا اور زنا کار کی سزا سنگسار کرنا ہے۔"

حجر بن عدیؓ اور ان کے دوستوں کو قتل کرنا، ابوذرؓ کی توہین کرنا اور انہیں بغیر پالان کے اونٹ پر سوار کر کے مدینے

---

① علامہ مجلسی بحارالانوار میں اس مطلب کی وضاحت میں کہ امیر شام کیوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کے نام سے یاد کیا کرتا تھا، فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب آپؐ کو اس نام سے پکارتے تھے اور آپؐ کو ابن ابی کبشہ سے تشبیہ دیتے تھے، جو قبیلہ خزاعہ کا فرد تھا اور قریش کی بت پرستی کے مسئلے میں مخالفت کرتا تھا (بحارالانوار، جلد ۱۸،ص ۲۱۳)۔

② شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۵، صفحہ ۱۲۹

https://downloadshiabooks.com/

بھیجنا، منبروں سے امیر المومنین علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام اور ابن عباسؓ کی شان میں گستاخی کرنا، یزید شرابی و جواری کو اپنا ولی عہد قرار دینا اور بہت سے ایسے کام ہیں جو اس کے کفر والحاد پر دلیل ہیں۔

ابودرداء کہتے ہیں، میں نے امیر شام سے کہا کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پیئے گا آتش جہنم اسے اپنے اندر گھیرے گی، امیر شام نے کہا، "أَمَّا أَنَا فَلَا أَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا" لیکن میں اس میں کوئی اشکال نہیں سمجھتا۔ ابودرداء نے جواب دیا، کتنا عجیب ہے کہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتا ہوں اور تو اپنی شخصی رائے کا اظہار کرتا ہے! بس آج کے بعد جس جگہ تُو ہوگا میں وہاں نہ رہوں گا۔ [1]

۲۔ حق کے طالب گمراہ اور باطل پر اڑنے والے ہوشیار

اوپر کی گفتگو میں امام علیہ السلام، امیر شام اور اس کے ماننے والے اور شامی افواج کے خوارج کے ساتھ موازنے میں خوارج کو اُن پر ترجیح دیتے ہیں اور اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں کہ خوارج بزعم خود حق کی تلاش میں تھے، لیکن غلطی کر بیٹھے (اور جہل، ضدی پن اور تعصب کی وجہ سے) حق سے تجاوز کیا اور حد سے بڑھ جانے والوں میں قرار پائے، لیکن امیر شام اور اس کے پیروکار جان بوجھ کر باطل کے پیچھے چلے گئے اور اسے پالیا۔

یہ موازنہ صرف امام علی علیہ السلام کے زمانے سے مخصوص نہیں، بلکہ ایسے دو گروہ ہر زمانے میں ملیں گے، اب بھی ہم ایسے دشمنان اسلام کو جانتے ہیں جو جان بوجھ کر باطل کی طرف جاتے ہیں اور اسلام و مسلمین کو مٹانے پر کمر بستہ ہیں، جبکہ ایسے گروہ بھی ہیں جو حق کو چاہتے ہیں، لیکن بہت سے اسباب کی وجہ سے حق تک رسائی نہیں کر پاتے اور وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں قرار پاتے ہیں۔ مسلمانوں کو دونوں گروہوں کو ایک جیسا نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ اپنی جنگوں کو پہلے گروہ کے ساتھ مخصوص کرنا چاہیے اس لیے کہ پہلے گروہ سے مسلح جہاد و جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر فساد و باطل کے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ زیادہ سے زیادہ اچھے کاموں کی تبلیغ و تربیت کا محتاج ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نہروان کے میدان میں امیر المومنینؑ کے بیانات کے بعد خوارج کی بڑی اکثریت نے توبہ کی اور حضرتؑ کی جانب لوٹ آئے اور بارہ ہزار لوگوں میں سے آٹھ ہزار افراد امام علی علیہ السلام کے پرچم کے سائے میں آ گئے جو توابین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۵، صفحہ ۱۳۰

https://downloadshiabooks.com/

باسٹھواں خطبہ

وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ [1]
لَمَّا خُوِّفَ مِنَ الْغِيلَةِ [2]

یہ بیان حضرت امام علی علیہ السلام نے اُس وقت ارشاد فرمایا، جب آپؑ کو قتل و سازش کی دھمکی دی گئی۔

وَإِنَّ عَلَيَّ مِنَ اللهِ جُنَّةً حَصِينَةً. فَإِذَا جَاءَ يَوْمِي انْفَرَجَتْ عَنِّي وَأَسْلَمَتْنِي؛ فَحِينَئِذٍ لَا يَطِيشُ السَّهْمُ، وَلَا يَبْرَأُ الْكَلْمُ

"یادرکھو! میرے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط و مستحکم سپر ہے، اس کے بعد جب میرا دن آ جائے گا تو یہ سپر مجھ سے الگ ہو جائے گی اور مجھے موت کے حوالے کر دے گی، اس وقت نہ تیر خطا کرے گا اور نہ زخم مندمل ہو سکے گا۔"

شرح و تفسیر

میں موت سے کیوں ڈروں؟

[1] سند خطبہ اس کلام کے پہلے حصّے کو ابن کثیر نے ''البدایۃ والنھایۃ'' میں ابی داوٗد کی کتاب سے نقل کیا ہے اور ابی داوٗد وہ شخص ہے جو سیّد رضیؒ سے ایک سو تیس سال پہلے اس دار فانی سے کوچ کر چکا تھا اور سیّد رضیؒ کے بعد زمخشری نے ربیع الابرار میں کچھ فرق سے نقل کیا ہے اور یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اسے نہج البلاغہ کے علاوہ کسی دوسرے ماخذ سے لیا ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ ۴۲) کتاب صفین میں نصر بن مزاحم ''متوفی دوسری صدی ہجری'' نے بھی یہ خطبہ ذکر کیا ہے (نہج البلاغہ طبع جامعہ مدرسین)

[2] غیلہ، دھوکے سے مارنے کے معنیٰ میں ہے اور اغتیال بھی فریب سے مارنے اور کبھی بدنی نقصان پہنچانا جو قتل تک نہ پہنچے، کے معنیٰ میں آیا ہے، دھوکے سے مارنا اس کے مصادیق میں شمار کیا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اس بیان کے بارے میں کچھ اس طرح لکھا گیا ہے: "امیر المومنین علیہ السلام کے دوستوں نے ابن ملجم کی بدنیتی سے امام علیہ السلام کو کئی مرتبہ آگاہ کیا اور اس کی حرکتوں کے ذریعے خطرناک ارادے سے آگاہ کیا۔ یہاں تک کہ جس وقت آپؑ یہ خطبہ دے رہے تھے، اس وقت ابن ملجم منبر کے ساتھ بیٹھا زیر لب آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا:

"وَاللهِ لَأُرِيحَنَّهُمْ مِنْكَ"

"خدا کی قسم! تجھ سے لوگوں کی جان چھڑاؤں گا۔"

جن لوگوں نے اس کی یہ بات سنی، خطبے کے بعد اسے گرفتار کر کے امامؑ کے پاس لے آئے، امامؑ نے فرمایا "اسے آزاد کر دو۔" اس کے بعد جو باتیں چل رہی تھیں ان سے متعلق فرمایا:[1]

"وَ إِنَّ عَلَيَّ مِنَ اللهِ جُنَّةً حَصِينَةً. فَإِذَا جَاءَ يَوْمِي انْفَرَجَتْ عَنِّي وَ أَسْلَمَتْنِي، فَحِينَئِذٍ لَا يَطِيشُ[2] السَّهْمُ[3] وَلَا يَبْرَأُ[4] الْكَلْمُ[5]۔"

"میرے پاس خدا کی طرف سے ایک مضبوط ڈھال ہے جو مجھے حادثات سے بچاتی ہے، جب موت کا وقت آجائے گا تو خدا کی یہ ڈھال مجھ سے الگ ہو جائے گی اور مجھے حالات کے حوالے کر دے گی، اُس وقت نہ تیر خطا کرے گا، نہ زخم ٹھیک ہوگا۔ (لیکن آج مجھے اس بارے میں کوئی ڈر نہیں ہے)

یہ مثال ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ جب تک انسان کی موت کا صحیح وقت نہیں آجاتا، اُس وقت تک وہ دنیا سے نہیں جائے گا۔ اس بنا پر موت کا وقت خداوند عالم کی جانب سے متعین ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ارادہ رکھتا ہے کہ کون کس وقت تک زندہ رہتا ہے، اس لیے کہ موت کا صحیح وقت خدا کو معلوم ہے اور یقیناً کوئی بھی چیز پروردگار کے ارادے کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا خدا کی طرف سے معین موت کو حالات و حادثات کے برابر ایک محکم ڈھال قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

[1] مصادر نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ ۴۲، ۴۳، مرحوم ابن میثم نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں یہ مطلب بیان کیا ہے۔ (جلد ۲، صفحہ ۱۵۷)

[2] یطیش، مادّہ طیش (بروزن عیش) کم عقلی کے معنی میں ہے اور جب تیر ہدف سے خطا کرے تو یہ لفظ اس کے بارے میں استعمال ہوتا ہے گویا تیر نے غیر عاقلانہ عمل کیا ہے۔ کچھ نے اس کو ایک وسیع تر معنی یعنی ہر قسم کی سبکی سے تعبیر کیا ہے، چاہے تیر میں ہو یا عقل میں یا ان کے علاوہ میں۔ (کتاب العین اور مقائیس اللغۃ اور لسان عرب)۔

[3] سھم، اصل میں تیر کی لکڑی کے معنی میں ہے اور اس وجہ سے کہ کبھی کبھی قرعہ اندازی سے لوگوں کا حصہ معین کرنے کے لیے تیر والی لکڑیوں سے کام لیا جاتا تھا، اس لیے اس لفظ کا اطلاق افراد کے حصے پر بھی ہوتا ہے اور مساھمۃ قرعہ اندازی کے معنی میں ہے، اس لیے کہ قرعہ اندازی کے وقت ناموں کو تیروں کی لکڑیوں پر لکھتے تھے اور آپس میں ملا دیتے تھے اس کے بعد ان لکڑیوں میں سے ایک اُٹھاتے تھے اور جس کا نام نکلتا تھا اس کو شامل قرعہ کرتے تھے۔

[4] یَبْرَأُ، بُرْء کے مادّے سے بیماری سے شفا پانے کے معنی میں ہے اور بَرْءٌ، پیدا کرنے کے معنی میں ہے اس لیے خداوند تعالیٰ کو باری تعالیٰ کہتے ہیں۔

[5] کلم، (نظم کا ہم وزن) اصل میں زخم کے معنی میں ہے اور چوں کہ بات دلوں میں اثر کرتی ہے، اس لیے اس کو کلام کہتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

نہج البلاغہ کے کلمات قصار میں بالکل اسی معنی میں جملے تکرار ہوئے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ الْأَجَلَ جُنَّةٌ حَصِينَةٌ"

"زندگی کا خاتمہ خدا کی طرف سے معین ہے۔ یہ ایک مضبوط ڈھال کی طرح ہے۔"(۱)

دوسری جگہ فرمایا:

"كَفَى بِالْأَجَلِ حَارِسًا"

"زندگی کا یقینی خاتمہ انسان کی حفاظت کے لیے کافی ہے" (یعنی جب تک عمر ختم نہ ہوگی کوئی حادثہ اسے ختم نہیں کرسکتا)(۲)

بلکہ اس معنی کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ (۳)"

انسان کی حفاظت کے لیے کچھ محافظ ہیں جو سامنے اور پیٹھ پیچھے کی طرف سے اسے حادثات سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے، فرماتے ہیں:

"يَقُوْلُ: بِأَمْرِ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يَقَعَ فِيْ رَكِيٍّ أَوْ يَقَعَ عَلَيْهِ حَائِطٌ أَوْ يُصِيْبَهُ شَيْءٌ حَتّٰى إِذَا جَاءَ الْقَدَرُ خَلَّوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ يَدْفَعُوْنَهُ إِلَى الْمَقَادِيْرِ وَهُمَا مَلَكَانِ يَحْفَظَانِهِ بِاللَّيْلِ وَمَلَكَانِ بِالنَّهَارِ يَتَعَاقَبَانِهِ"

"خدا کے حکم سے انسان محفوظ رہتا ہے اس چیز سے کہ وہ کسی جگہ سے گرے یا کوئی دیوار اس پر گرے، یا کوئی حادثہ اسے پیش آئے جب اس کی یقینی موت کا وقت آئے گا اس وقت وہ فرشتے وہاں سے ہٹ جائیں گے اور اسے موت کے حوالے کردیں گے، وہ محافظ چار فرشتے ہیں رات دن میں دو دو فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی بدلتے ہیں۔"(۴)

سوال: اگر یہ بات ہے، تو پھر ہمیں اپنے آپ کو دنیا کے خطرات سے بچانے کی ضرورت نہیں ہے اور سیلاب، زلزلے، بیماری اور ڈرائیونگ کے حادثات سے بچنے کی کوشش کیوں کریں، بلکہ بے پروائی سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے اور کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہیے؟

---

(۱) کلمات قصار، کلمہ ۲۰۲

(۲) کلمات قصار، کلمہ ۳۰۶

(۳) سورۂ رعد، آیت ۱۱

(۴) تفسیر برہان، جلد ۲، صفحہ ۲۸۳

https://downloadshiabooks.com/

جواب: انسانی زندگی کے لیے دو قسم کی موت ہے: ایک "حتمی موت" اور دوسری "غیر حتمی موت"

حتمی موت: ایسی موت ہے کہ جس کے بعد انسان کبھی واپس نہیں آتا، جب تک انسان کے دل کی دھڑکنیں چل رہی ہوں وہ مر نہیں سکتا اور جب حتمی موت کا وقت آجائے تو انسان کا دل حرکت کرنا چھوڑ دیتا ہے، جیسے گھڑی سیل ختم ہونے سے رک جاتی ہے۔

غیر حتمی موت: ایسی موت کہ جس سے انسان دو صورتوں میں بچ سکتا ہے:

پہلی صورت: یہ موت انسان کے اختیار میں ہے کہ اگر انسان ان موقعوں پر عقل سے کام لے تو موت سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً جنگ کے میدان میں بدن پر زرہ پہن لے اور لوہے کہ ٹوپی سر پر رکھے اور ڈھال ہاتھ میں اٹھائے۔ یہ کام فوج کی اہم ذمّے داریوں میں شامل ہے کہ وہ ایسے حالات میں اپنی ذمّے داری کا احساس کرے۔

دوسری صورت: ناگہانی موت، یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے، جیسے ڈرائیونگ حادثات (روڈ ایکسیڈنٹ) اچانک کوئی حادثہ پیش آنا، کسی جگہ سے گرنا، آگ لگنا۔ جب تک حتمی موت کا وقت نہیں پہنچے گا فرشتے خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کریں گے اور اسی حادثے میں اگر اس کی حتمی موت ہے تو فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔

البتہ اس حصے کو بھی دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

مشروط: انسان ایسے کام کریں جیسے صدقہ دیں، دعا کریں، صلۂ رحمی کریں اور نیک کام کریں تو ان چیزوں کے ذریعے فرشتے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

غیر مشروط: مذکورہ شرائط کے بغیر بھی اللہ کے فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حتمی موت ٹل نہیں سکتی باقی مشروط موت یا اچانک آنے والی موت قابل تغیر ہے کبھی انسان اپنی تدبیر و احتیاط سے اور کبھی نیک اعمال کی انجام دہی سے جیسے صلۂ رحمی، راہِ خدا میں صدقہ دینا اور کبھی ان فرشتوں کے ذریعے جو انسان کی غیر معمولی خطرات کے مقابلے میں حفاظت پر مامور ہیں۔

یہاں یہ بات واضح ہے کہ وہ آیات جیسے:

فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ [1]

"جب ان کو حتمی موت آجاتی ہے تو نہ ایک ساعت (سکنڈ) اس سے پیچھے ہوگی اور نہ ایک ساعت اس سے پہلے آئے گی۔"

[1] سورۂ اعراف، آیت ۳۴۔

https://downloadshiabooks.com/

اور آیۂ شریفہ:

"وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا"

"جس کی موت کا وقت آ چکا ہو خداوند متعال ہرگز نہیں ٹالتا۔" (۱)

ان آیات اور آیہ "لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِنۡ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ" کے مطالب کے ساتھ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں، معنی ومفاہیم میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اور اسی طرح بہت سی روایات جو کہتی ہیں، صلۂ رحمی اور صدقہ انسان کی موت کو ٹال دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور حقیقت میں موت کی تین یا چاروں مذکورہ قسموں پر توجہ کرنے سے یہاں پر آیات وروایات کا جمع کرنا واضح ہو جاتا ہے۔ (۲)

---

(۱) سورۂ منافقون، آیت ۱۱

(۲) اقسامِ اجل کے بارے میں مزید تشریح تفسیر نمونہ جلد ۱۸، صفحہ ۲۰۷، سورۂ فاطر آیت ۱۱ کے، ذیل میں آئی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

تریسٹھواں خطبہ

وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ [۱]
يُحَذِّرُ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا

جس میں دنیا کے فتنوں سے ڈرایا گیا ہے۔

اس خطبے میں امامؑ لوگوں کو دنیا کے فتنہ وفساد اور اس کے مکروفریب سے ڈراتے ہیں (اور اس کی ناپائیداری سے آگاہ کرتے ہیں)

خطبہ، ایک نگاہ میں

خطبے کے موضوع سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے فتنہ وفساد اور مکروفریب کے خطرات سے بچنے کے لیے تمام اہل دنیا کے لیے اس میں ایک واضح پیغام موجود ہے، امامؑ اس خطبے میں دو اہم مطالب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

پہلا مطلب: دنیا انسانوں کی نجات کا سبب اور بدبختی کی وجہ بن سکتی ہے۔ اور دنیا کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا اسے جس نگاہ سے دیکھا جائے گا، رائے بھی مختلف ہوگی۔

اگر یہ دنیا انسان کا ہدف ہو، مال وثروت، مقام، رزق اور اس کی چمک دمک انسان کی آخری خواہش ہو، تو بے شک یہ دنیا قابل مذمت ہے اور حسرتوں اور غم واندوہ کا سرمایہ ہے۔

اور اگر دنیا کو آخرت کے لیے وسیلہ اور کھیتی کے طور پر استعمال کرے اور یہ انسان کو بلند مقام ومنزلت تک پہنچانے کا

---

[۱] سند خطبہ: مصادر نہج البلاغہ کے مصنف نے اس خطبے کی اسناد کے بیان میں کہا ہے، اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اس خطبہ میں بیان ہوا ہے وہ ایک طویل تر خطبے کا حصہ ہے، جس میں سے سیّد رضی مرحوم نے مندرجہ بلا حصہ منتخب کیا ہے، اس کے بعد مزید اضافہ کرتے ہیں، میں اس جگہ وہ تحریر کر رہا ہوں جو ''آمدی'' نے ''غرر الحکم'' میں حرف ''الف'' کے ذیل میں دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو فرق تعبیرات اور اضافات جو کہ ''آمدی'' سے نقل کردہ ہیں، یہ نشان دہی کرتی ہیں کہ ''آمدی'' نے یہ خطبہ نہج البلاغہ کے علاوہ کسی ماخذ سے لیا ہے، توجہ رہے کہ آمدی، ''غرر الحکم کے مصنف، چھٹی صدی ہجری کے علما میں سے ہیں جبکہ سیّد رضی مرحوم چوتھی صدی ہجری کے علما میں سے تھے۔ (مصادر نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۴۴)

https://downloadshiabooks.com/

سبب بن جائے تو یہ قابل تعریف اور فخر کا مقام ہے۔

دوسرا مطلب: آپؑ نے اس خطبے میں فرمایا: دنیا زوال پذیر اور ناپائیدار ہے۔ یہ اس درخت کی طرح ہے جس کے سائے میں انسان چند لمحے ستانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد سایہ دوسری طرف چلا جاتا ہے اور پہلے والی جگہ کو دھوپ میں جلنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

"أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا دَارٌ: لَا يُسْلَمُ مِنْهَا إِلَّا فِيهَا، وَلَا يُنْجِي بِشَيْءٍ كَانَ لَهَا: ابْتُلِيَ النَّاسُ بِهَا فِتْنَةً، فَمَا أَخَذُوهُ مِنْهَا لَهَا أُخْرِجُوا مِنْهُ وَ حُوسِبُوا عَلَيْهِ، وَ مَا أَخَذُوهُ مِنْهَا لِغَيْرِهَا قَدِمُوا عَلَيْهِ وَ أَقَامُوا فِيهِ: فَإِنَّهَا عِنْدَ ذَوِي الْعُقُولِ كَفَيْءِ الظِّلِّ، بَيْنَا تَرَاهُ سَابِغًا حَتَّى قَلَصَ، وَزَائِدًا حَتَّى نَقَصَ"

"آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جا سکتا ہے اور کوئی ایسی شے وسیلۂ نجات نہیں ہو سکتی ہے جو دنیا ہی کے لیے ہو۔ لوگ اس دنیا کے ذریعے آزمائے جاتے ہیں جو لوگ دنیا کا سامان دنیا ہی کے لیے حاصل کرتے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور پھر حساب بھی دینا ہوتا ہے اور جو لوگ یہاں سے وہاں کے لیے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں جا کر پا لیتے ہیں اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا درحقیقت صاحبان عقل کی نظر میں ایک سائے جیسی ہے جو دیکھتے دیکھتے سمٹ جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے رات کے آنے سے ختم ہو جاتا ہے۔"

شرح و تفسیر

دنیا جلد گزر جانے والے سائے کی طرح ہے!

دنیا کی رنگینیوں میں زیادہ دلچسپی کی وجہ سے انسان حد سے گزر جاتا ہے اور دنیا سے یہی لگاؤ گناہ کبیرہ کا مرتکب، سیدھے راستے سے بھٹکنے اور شقاوت و بدبختی کے بھنور میں گرنے کا سبب بنتا ہے۔ خدا کے نمائندے اور رہنما اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ ان خطرات سے ڈراتے اور آگاہ کرتے رہے ہیں اور نہج البلاغہ کا ایک اہم حصہ خطبوں، خطوط، اور کلمات قصار میں سے انہی خطرات سے آگاہی اور ڈرانے پر مشتمل ہے۔ اس خطبے کے مطالب قابل عمل اور جلدی اثر پیدا کرنے والے ہیں کہ جس میں امام علیہ السلام چھے (۶) نکات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جن میں سے ہر ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

پہلا نکتہ: فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"أَلَا وَإِنَّ الدُّنْيَا دَارٌ لَا يُسْلَمُ مِنْهَا إِلَّا فِيهَا۔"

"آ گاہ ہو جاؤ! یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جا سکتا ہے۔"

یہ بات واضح ہے کہ سلامتی کی اہم ترین وجہ اخلاقی فضائل، معنوی اقدار اور اطاعت و عبادت پروردگار ہے۔ صرف اس دنیا میں انسان یہ کام انجام دے سکتا ہے، دوسری دنیا میں وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لیے امامؑ نے فرمایا، سلامتی کو خود اسی دنیا میں ڈھونڈ و اور تلاش کرو۔

دوسرا نکتہ: فرماتے ہیں:

"وَلَا يُنْجَى بِشَيْءٍ كَانَ لَهَا"

"وہ کام جو دنیا سے مخصوص ہیں ان سے نجات پیدا نہیں کر سکتے۔" اگر انسان کے اعمال وعبادات اور حرکات و سکنات کا اصل مقصد دنیا حاصل کرنا ہے اور ریاکاری کے لیے انجام دینا ہے تو یقیناً نجات نہیں پائے گا، بلکہ اُس نے اپنے لیے خود گڑھا کھودا ہے۔

تیسرا نکتہ: فرماتے ہیں:

"أُبْتُلِيَ النَّاسُ بِهَا فِتْنَةً"

"لوگوں کا دنیا کے ذریعے امتحان لیا جائے گا"، کیوں کہ دنیا نعمتوں، مشکلات اور مصیبتوں سے بھری پڑی ہے، ایک طریقے سے نعمتوں کے ذریعے امتحان لیا جائے گا اور مصیبتوں سے دوسرے طریقے سے۔

کیا نعمتیں ملنے پر لوگ سرکشی پر اتر آتے ہیں یا عمل اور زبان کے ذریعے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں؟ مصیبتوں میں گھر جانے پر ناامید ہو کر زبان سے ناشکری کی باتیں کرتے ہیں یا اس پر صبر و تحمل کرتے اور شکر ادا کرتے ہیں؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی میں ہر روز اس قسم کے امتحانات سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ قانون حضرت آدمؑ کی پیدائش سے آج تک چلا آ رہا ہے، جو دنیا کے ختم ہونے تک جاری رہے گا۔[

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝٢ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝٣" [1]

"کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، وہ آزاد ہو جائیں گے اور

[1] سورۂ عنکبوت، آیات ۲، ۳

https://downloadshiabooks.com/

ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا؟ ہم نے ان سے پہلے والے لوگوں کو بھی آزمایا ہے اور خدا کا علم سچے اور جھوٹے لوگوں کے لیے ثابت ہو گا۔" (اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے)

چوتھا نکتہ: فرماتے ہیں:

"فَمَا أَخَذْتُمُوهُ مِنْهَا لَهَا أُخْرِجْتُمْ مِنْهُ وَحُوسِبْتُمْ عَلَيْهِ"

"اور وہ چیز جو دنیا میں اسی دنیا کے لیے حاصل کی جاتی ہے وہ ان سے الگ ہو جائے گی اور اس کا حساب بھی دینا پڑے گا۔"

پانچواں نکتہ: فرماتے ہیں:

"وَمَا أَخَذْتُمُوهُ مِنْهَا لِغَيْرِهَا قَدِمْتُمْ عَلَيْهِ، وَأَقَمْتُمْ فِيهِ"

"اور وہ چیز جو اس دنیا کے علاوہ آخرت کے لیے حاصل کی جائے گی، وہ ان کو ملے گی، اور وہ اُسی میں رہیں گے۔"

یہ ان دو مشہور نظریوں کی طرف اشارہ ہے جس کا نہج البلاغہ میں تکرار کے ساتھ ذکر ہوا ہے اور اس پر بھروسا کیا ہے:

۱۔ دنیا کا وسیلہ ہونے کا نظریہ:

اگر اس دنیا کے وسائل، اموال، ثروت، مقام، نعمتیں، یہ چیزیں آخرت کی بہترین زندگی کے لیے ہمیشہ خوش بختی کا ذریعے بنیں تو ان سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اور اگر دنیا کے یہ وسائل بت بن جائیں اور لوگ ان کے سامنے سجدہ کرنے لگیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ نظریہ انسانوں کو پاکیزگی، تقویٰ اور آزادی و عزت کی طرف بلاتا ہے اور دنیا کی فانی نعمتوں کو آخرت کی باقی رہ جانی والی نعمتوں میں بدل دیتا ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ پہلے نظریے کے برعکس حرص و طمع اور ظلم و بے انصافی اور ذلت کی جانب دعوت دیتا ہے۔ اس نظریے کے باعث نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اور ان نعمتوں کے نتیجے میں عائد ہونے والی ذمّے داری باقی رہ جاتی ہے۔

اس بات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کیوں بہت سی آیات و روایات میں دنیا کی تعریف کی گئی ہے اور دوسرے بہت سے حصّوں میں دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے، ممکن ہے ناواقف لوگوں کو یہاں پہلی نظر میں ان مختلف روایات میں ٹکراؤ دکھائی دے، جب کہ ہر ایک بات اپنی جگہ پر درست اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہے، ایک کی نظر دنیا کے ظاہری وسائل پر ہے اور دوسرے کا مقاصد کی طرف اشارہ ہے، ان باتوں کی مزید وضاحت ہم خطبوں کی شرح میں مناسب جگہ پر بیان کریں گے۔

چھٹا نکتہ: اس میں دنیا کی حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہیں، اور اسے سائے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ انسان اس تک پہنچا نہیں ہے کہ وہاں سے ہٹ جاتا ہے، فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"فَإِنَّهَا عِنْدَ ذَوِي الْعُقُولِ كَفَيْءِ الظِّلِّ، بَيْنَا تَرَاهُ سَابِغًا[1] حَتَّى قَلَصَ[2] وَزَائِدًا حَتَّى نَقَصَ"

"دنیا عقل مندوں کی نظر میں اس سائے کی طرح ہے جو سورج کے ڈھلنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے، تم اسے پھیلا ہوا دیکھتے ہو مگر وہ ایک دم سے جمع ہو جاتا ہے اور (رات کے آنے پر) اس سائے میں کمی ہو جاتی ہے اور اسے ختم دیتی ہے۔"

"ظل" ہر قسم کے سائے کے لیے بولا جاتا ہے چاہے سورج ڈھلنے سے پہلے کا ہو یا بعد کا، اور کبھی ظہر سے پہلے والے سائے کے لیے خصوصی طور پر کہا جاتا ہے جسے سورج آہستہ آہستہ سے ختم کر دیتا ہے، لیکن "فی" سورج ڈھلنے کے بعد کے سائے کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ پہلے اور بعد کے معنی اس لفظ کے مفہوم میں خاص طور پر چھپے ہوئے ہیں اور جتنا سورج مغرب سے قریب تر ہوتا ہے یہ سایہ مزید پھیلتا ہے اور مغرب کی تاریکی ان سب کو ختم کر دیتی ہے اور ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ گویا امیر المومنین علیہ السلام اس مثال کے ذریعے ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: دنیا پرست لوگ آئے دن زیادہ سے زیادہ مال اور اسباب جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور جتنی ان کی زندگی خاتمے کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے ان چیزوں میں اور مزید اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن زندگی کا ڈوبتا ہوا سورج ان کی جمع کی ہوئی تمام چیزوں کو نابود کر دیتا ہے اور موت کا اندھیرا ان تمام وسائل کو مٹا دیتا ہے۔ خطبے کی اس تفسیر کو ایک اہم نکتے کے ذریعے ختم کرتے ہیں، وہ یہ کہ امام علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبوں میں بار بار دنیا سے وابستگی کے غلط اثرات سے خبردار کرتے ہیں، اور لوگوں کو فریب دنیا سے ڈراتے ہیں اور اس کی ناپائیداری کو طرح طرح کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں، اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی یہ کہ دنیا کی چمک دمک اور رنگینیوں سے محبت ہمیشہ گناہوں کا سرچشمہ تھی اور ہے، ایک سمجھدار رہنما کو چاہیے کہ اپنے چاہنے والوں کو اہم مواقع پر اس خطرے سے بچائے۔

دوسری یہ کہ امامؑ کے دور حکومت میں اسلامی فتوحات کی وجہ سے مکہ و مدینہ اور کوفہ میں غنائم اموال زیادہ جمع ہو گئے تھے اور لوگ اموال کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپس میں اختلافات اور جھگڑے بھی بڑھتے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں کے حق سے منحرف ہونے کا سبب بھی بنتے تھے اور لوگ حُسن پرستی کی طرف پر تعیّش طرز زندگی کے دلدادہ ہو گئے تھے اور دشمن کے مقابلے میں جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اسی وجہ سے امامؑ لوگوں کو شعور دلانے اور بیداری کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی سادہ زندگی اس کام کی

---

[1] سابغ، مادّہ ٔ سبوغ سے کسی چیز کی کشش اور ادا کے معنی میں ہے اور نعمت سابغہ، طولانی نعمتوں کو کہا جاتا ہے اور "اسباغ الوضوء" فراواں پانی سے، اسراف کیے بنا، وضو کرنا۔

[2] قلص مادّہ ٔ قلوص (بروزن خلوص) سمٹ جانے کے معنی میں ہے اور بالائی خطبے میں بعد از ظہر، رات کی آمد کے قریب، سائے کے سمٹ جانے کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

مشق کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

چونسٹھواں خطبہ

من خطبة له علیه السلام
في المبادرة الی صالح الاعمال (۱)

اس خطبے میں امامؑ لوگوں کو نیک اعمال بجالانے کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

اس میں بھی پہلے والے خطبے کی طرح دنیا کی ناتوانی و کمزوری کا تذکرہ ہے اور یہ زہد و تقویٰ کے حصول کے بارے میں ہے۔ امامؑ لوگوں کو آخرت کی طرف چلنے اور تیاری کی دعوت دیتے ہیں۔ اس خطبے کے ایک دوسرے حصے میں دنیا کی پستی کی اس طرح تصویر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "تمھارے اور جنت و دوزخ کے درمیان صرف موت کا فاصلہ ہے، ایسی موت جو لحظوں اور گھڑیوں میں آتی ہے اور رات دن کی گردش انسانوں کو اس کے اور قریب کرتی ہے۔"

ایک اور حصے میں لوگوں کو توبہ کرنے اور خدا کی طرف پلٹ کر جانے کی رغبت دلاتے ہیں اور موت کو ہمیشہ یاد رکھنے کے بارے میں تاکید کرتے ہیں اور لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پروان چڑھانے سے منع فرماتے ہیں، کیوں کہ موت کو بھول کر لمبی آرزوئیں لوگوں کو آخرت کے کاموں سے روک دیتی ہیں۔ پھر اچانک انسان کو موت آجاتی ہے جب کہ وہ گناہوں میں ڈوبا ہوتا ہے اور دل سے دنیا کو اُکھاڑ پھینکنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

---

(۱) سند خطبہ، اس خطبے کے بعض حصے آمدی نے کتاب "غرر" میں کچھ فرق سے ذکر کیے ہیں اور جو فرق نہج البلاغہ اور غرر کے مابین پایا جاتا ہے، اس فرق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی دوسرا ماخذ تھا۔ "سبط ابن جوزی" نے کتاب تذکرۃ الخواص میں اس خطبے کے کچھ حصوں کو نہج البلاغہ میں نہ پائے جانے والے حصّوں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کسی دوسرے ماخذ سے حاصل کیا ہے اور قابل توجہ ہے کہ مذکورہ شخص اپنی کتاب میں تصریح کرتے ہیں کہ وہ امیرالمومنینؑ کے کلام میں سے، فقط ان عبارتوں کو ذکر کر رہے ہیں، جن کی اسناد متصل ہوں، اگرچہ وہ اسناد اختصار کی خاطر حذف کر دی گئی ہیں۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۴۷، ۴۸)

https://downloadshiabooks.com/

پہلا حصّہ

"وَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ، وَ بَادِرُوْا آجَالَكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ، وَابْتَاعُوْا مَا يَبْقَى لَكُمْ بِمَا يَزُوْلُ عَنْكُمْ، وَتَرَحَّلُوْا فَقَدْ جُدَّ بِكُمْ، وَاسْتَعِدُّوْا لِلْمَوْتِ فَقَدْ أَظَلَّكُمْ، وَ كُوْنُوْا قَوْمًا صِيحَ بِهِمْ فَانْتَبَهُوْا، وَ عَلِمُوْا أَنَّ الدُّنْيَا لَيْسَتْ لَهُمْ بِدَارٍ فَاسْتَبْدَلُوْا؛ فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثًا، وَلَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى"

"اللہ کے بندوں! اللہ سے ڈرو اور اعمال کے ساتھ موت کی طرف سبقت کرو۔ اس دنیا کے فانی مال کے ذریعے باقی رہنے والی آخرت کو خرید لو اور یہاں سے کُوچ کر جاؤ کہ تمہیں تیزی سے لے جایا جا رہا ہے اور موت کے لیے آمادہ ہو جاؤ کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اس قوم کے جیسے ہو جاؤ جسے پکارا گیا تو فوراً ہوشیار ہو گئی۔ اور اس نے جان لیا کہ دنیا اس کی منزل نہیں ہے تو اسے آخرت سے بدل لیا۔ اس لیے کہ پروردگار نے تمہیں بیکار نہیں پیدا کیا اور نہ مہمل چھوڑ دیا ہے۔"

شرح وتفسیر

موت نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

خطبے کے پہلے حصے میں امام علیہ السلام لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تیزی سے گزرنے والی عمر اور ختم ہونے والی دنیا اور وہ مقصد جس کے لیے پیدا کیا ہے، اسے یاد رکھیں۔ ان اہداف کو ایک مختصر عبارت مگر مفہوم کے اعتبار سے انتہائی پُرمعنی چھے دستورات کے وسیلے سے بیان فرماتے ہیں:

پہلا دستور: فرماتے ہیں:

"وَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ"

"اے خدا کے بندو، خدا کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا وجود اسی خدا سے ہے اور تم سر سے پاؤں تک اس کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو اور تم اُس کے بندے ہو۔ کس طرح ممکن ہے خدا کے بندے، خدا کے حکم کو حقیر سمجھ کر اس کی مخالفت کریں؟

https://downloadshiabooks.com/

اس خطبے سمیت نہج البلاغہ کے بہت سے خطبوں میں پرہیز گاری کو قابل بھروسا سہارا بتایا گیا ہے کہ انسان کا اصل سرمایہ تقویٰ ہے۔ قرآن میں اللہ نے آیت، "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ" "تم لوگوں میں خدا کے نزدیک سب سے عزت دار صاحبِ تقویٰ ہے۔"(۱) اور "وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى" "سفرِ آخرت کے لیے زادِ سفر حاصل کرو اور اس راستے کے لیے بہترین زادِ سفر تقویٰ ہے۔"(۲)، کے ذریعے تقویٰ کے بارے میں بات مکمل کی اور اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔

دوسرا دستور: فرماتے ہیں:

"وَبَادِرُوْا آجَالَكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ"

"اپنے نیک اعمال کے ذریعے موت پہ سبقت حاصل کرلو۔" (اس سے پہلے کہ موت تمھیں مہلت نہ دے، نیک اعمال کے انبار لگا دو)

گویا موت اور انسانوں کے درمیان سخت مقابلہ ہے اور اگر انسان نیک اعمال کو اپنی سواری بنالے تو اس سے پہلے کہ موت اسے اس کے مقصد سے روک دے وہ بہت جلد اسے پالے گا حقیقت میں انسان کا آخری مقصد کامل سعادت وخوش بختی ہے اور "قربِ الی اللہ" ہے۔

اگر وہ پرہیز گاری اور نیک اعمال کے رہوار پر سوار ہے تو زندگی کے اختتام سے پہلے ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو موت اس سے بازی لے جائے گی اور انسانی زندگی کا خاتمہ کردے گی۔

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

"وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾"(۳)

"اور ہم نے جو کچھ تمھیں دیا ہے اس میں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کر ڈالو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو (اس کی نوبت نہ آئے کہ) کہنے لگے کہ پروردگارا تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں سے ہوجاتا۔"

(۱) سورۂ حجرات، آیت ۱۳

(۲) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۷

(۳) سورۂ منافقون، آیت ۱۰

https://downloadshiabooks.com/

اگلی آیت میں فرماتا ہے:

"وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا"۔[۱]

"اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔" (تمہاری یہ دعا اور درخواست قابل قبول نہیں ہے)

تیسرا دستور: فرماتے ہیں:

"وَابْتَاعُوْا مَا يَبْقٰى لَكُمْ بِمَا يَزُوْلُ عَنْكُمْ"

"وہ چیز جو تمہارے ہاتھ سے چلی جائے گی اُس سے اپنے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی چیز خرید لو"۔

دنیا اور اس کی چیزیں بہت جلد ختم ہونے والی ہیں، لیکن آخرت اور اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والا سرمایہ ہے، کون عقلمند انسان ایسا ہوگا جو ہمیشہ رہنے والی چیز کے بدلے میں جلد خراب ہونے والی چیز خریدے؟

ابتاعوا مادّہ ابتیاع سے ہے اور خریداری کے معنی میں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید کی متعدد آیات میں آئی ہے، ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾[۲]

"بے شک خداوند متعال نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے اموال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے (اس لیے کہ) وہ خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، دشمن کو مارتے ہیں یا خود مارے جاتے ہیں یہ ایک ایسا سچا وعدہ ہے جس کے پورا کرنے کے بارے میں خدا نے تورات وانجیل اور قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور خدا سے زیادہ کون وعدہ وفا کرسکتا ہے، پس (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو خوشخبری ہو کہ جو معاملہ تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

یہ آیت [خدا کے ساتھ انسانوں کے معنوی وروحانی معاملات کو خوب صورت ترین انداز میں بیان کررہی ہے اور یہ دس عدد تاکیدوں پر مشتمل ہے] اگرچہ جہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن ایک معنی کے اعبار سے تمام انسانوں کی زندگی کے بارے میں بھی ہے، کیونکہ جہاد زندگی کا اہم حصہ ہے اور اُس پر حاکم اصول تمام روحانی اور الٰہی امور کو بھی شامل ہوتا ہے۔

اسی معنی میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

---

[۱] سورۂ منافقون، آیت ۱۱

[۲] سورۂ توبہ، آیت ۱۱۱۔

https://downloadshiabooks.com/

"يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩" [۱]

"اے ایمان والو! آیا تمھیں ایک ایسی تجارت کی جانب رہنمائی کریں جو تمھیں دردناک عذاب سے آزاد کردے گی؟"

واقعاً اس سے بڑی نفع بخش اور عاقلانہ تجارت کوئی نہیں ہوگی کہ ایک طرف معاملے میں خداوند کریم وغفور ورحیم ہے، اور دوسری طرف انسان کے پاس صرف دنیاوی مال ہے جو فنا ہوجانے والا اور زوال پذیر ہے، جسے بہرحال ختم ہوجانا ہے مگر وہ اُسے قبول کرتا ہے اور تیسری طرف اس ختم ہونے والے مال کے بدلے میں قیمتی اور پائیدار ترین چیز (اجر و ثواب) مرحمت کرتا ہے۔

چوتھا دستور: دنیا کو ایک ایسی آرام گاہ سے تشبیہ دیتے ہیں، جہاں قافلے والے آکر تھوڑی دیر تھکن دور کرنے کے لیے آرام کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر سے اپنا سفر شروع کرتے ہیں، جیسے انہیں بہت لمبا سفر کرنا ہو اور قافلہ سالار بھی انہیں ایک نہ ختم ہونے والے سفر کے لیے جلدی سے تیار کرتا ہو۔ فرماتے ہیں:

"وَ تَرَحَّلُوْا [۲] فَقَدْ جُدَّ [۳] بِكُمْ"

"اس دنیا کی وقتی آرام گاہ سے سفر کے لیے تیار ہوجاؤ؛ تمھیں یہاں سے لے جانے کے لیے حکم جاری ہو چکا ہے۔"

اس کا مطلب یہ کہ اس دنیا سے دوسرے جہاں میں جانا کوئی مذاق اور آسان کام نہیں ہے، بلکہ انتہائی سخت و دشوار مگر حتمی ہے، ہماری اندرونی اور بیرونی قوتیں اس دنیا سے چلے جانے پر مجبور کر رہی ہیں، کیوں کہ ان میں ناتوانی اور کمزوری آجاتی ہے جس کی وجہ سے ہم مزید برداشت نہیں کرسکتے۔ اس کے علاوہ زمینی اور آسمانی بلائیں، حالات و واقعات اور طرح طرح کی بیماریاں ہمیں اور کمزور کردیتی ہیں۔ یہ سب جیسے ہمیں کہہ رہے ہوں کہ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔

پانچواں دستور:

"وَاسْتَعِدُّوْا لِلْمَوْتِ فَقَدْ أَظَلَّكُمْ"

"اُس موت کے لیے تیار جاؤ، جس نے تم پر سایہ کیا ہوا ہے۔"

ایک ہوشیار و سمجھدار قافلہ سالار جب محسوس کرتا ہے کہ ایک لمبا سفر درپیش ہے اور راستے مشکلات اور خطرات سے

---

[۱] سورۂ صف، آیت ۱۰

[۲] ترحلوا، مادۂ رحلت سے ہے، سفر کرنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرنے کے معنی میں ہے۔

[۳] "جُدّ، جِدّ کے مادّے سے، کسی چیز میں تندی کے معنی میں ہے اور اہمیت دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ تعبیر جب مسافرت کے لیے استعمال ہو تو تیز سفر کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

بھرے پڑے ہیں تو وہ قافلہ والوں کو راستے کی سختیوں سے آگاہ کرتا ہے کہ تمام مسافر اپنے آپ کو ہر قسم کے امتحانات و مشکلات کے لیے تیار کر لیں اور ضروری چیزیں اپنے ساتھ رکھیں۔

بات بالکل واضح ہے کہ موت کے لیے تیار رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا میں کوشش کرنا چھوڑ دے اور گھر کے کونے میں موت کے انتظار میں بیٹھ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کے ذریعے نفس کو پاک اور اخلاقی فضیلتوں کو حاصل کرے اور ہمیشہ پہنچنے والی نیکیوں کے لیے اسباب فراہم کرے، دوسرے الفاظ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی میں انسان کے لیے فائدہ پہنچانے والے کام اس دنیا میں انجام دینے چاہئیں۔

"فَقَدْ أَظَلَّكُمْ" (تم پر سایہ فگن ہے) یعنی تمہارے بالکل قریب ہے اور وہی چیزیں سائے کی طرح رہتی ہیں جو انسان کے بہت قریب ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اور موت میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، کبھی ایک طاقتور اور تندرست انسان ایک ناگوار حادثے میں چند لحظوں میں ہڈیوں اور گوشت کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور کبھی ایک کمزور و عمر رسیدہ انسان یا طاقتور جوان دل و دماغ کا دورہ پڑنے کی وجہ سے دنیا کو خیر باد کہہ دیتا ہے جیسے وہ دنیا میں تھا ہی نہیں، کبھی ایک روٹی کا نوالہ یا پانی کا گھونٹ گلے میں پھنس جائے تو انسان دم گھٹنے سے مر جاتا ہے اور کبھی زہریلا کھانا انسان کا کام تمام کر دیتا ہے، اگر عام حالات میں بھول جانے کی کیفیت کو خداوند متعال نے مصلحت کی خاطر انسانوں پر مسلّط نہ کیا ہوتا تو کسی انسان کا ایک لمحہ بھی سکون سے بسر نہ ہوتا۔

چھٹا دستور: امامؑ خطبے کے اس حصے میں ایک اہم نکتے کے ذریعے پہلے نکات کی تکمیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ كُونُوا قَوْماً صِيحَ بِهِمْ فَانْتَبَهُوا، وَ عَلِمُوا أَنَّ الدُّنْيَا لَيْسَتْ لَهُمْ بِدَارٍ فَاسْتَبْدَلُوا"[1]

"ان لوگوں میں سے ہو جاؤ کہ جن کو بلایا جائے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ دنیا ان کی ابدی قیام گاہ نہیں ہے، لہٰذا انہوں نے اسے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی جگہ سے بدل لیا ہے۔"

وہ کون آواز دیتا ہے اور دنیا والوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے، تاکہ نہ ختم ہونے والے سفر کے لیے تیار کیا جائے؟ کیا وہ آواز دینے والا وہی فرشتہ ہے کہ جس کا ذکر امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت میں اور امیر المومنینؑ سے منسوب اشعار کے مجموعے میں کیا ہے:

---

[1] مذکورہ بالا خطبے میں موجود قرائن ظاہر کرتے ہیں کہ "فاستبدلوا" فعل ماضی کی شکل میں، "فانتبھوا" کی طرح ہے اس لیے کہ یہ دونوں گزشتہ جملے کا نتیجہ ہیں۔ انتباہ اور بیداری، "جاگتے رہو" کی صدا کا نتیجہ ہے اور دنیا کو آخرت میں تبدیل کرنا، ان دونوں کے مقام سے علم و آگہیہ کا نتیجہ ہے، لیکن بڑا تعجب ہے کہ نہج البلاغہ کے بعض شارح کا اس بات پر اصرار ہے کہ "فاستبدلوا" کا جملہ فعل امر کی صورت میں ہے، یہ بات اس جملے اور بعد والے جملوں کے مفہوم میں زیادہ فرق پیدا کر دے گی۔

https://downloadshiabooks.com/

لَهُ مَلَكٌ يُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ   لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ

"وہ ایک فرشتہ ہے جو ہر روز بلند آواز سے کہتا ہے کہ مرنے کے لیے پیدا کرو! اور خراب ہونے کے لیے مکانات بناؤ۔"(۱)

یا انسان کے بدن کی اندرونی اور بیرونی آواز ہے، جو آہستہ آہستہ خرابی کا شکار ہے اور انسان کمزور و ناتواں ہو رہا ہے، یا اچانک کوئی واقعہ پیش آتا ہے اور وہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اب ہمیں بھی مرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اس بارے میں امامؑ سے منسوب کچھ عمدہ اشعار ہیں، جن کا ذکر کرنا ضروری ہے، فرماتے ہیں:

إِلیٰ مَا تَجُرُّ أَذْيَالَ التَّصَابِي   وَ شَيْبُكَ قَدْ نَضَا بَرْدَ الشَّبَابِ

کب تک عشق و عاشقی کرتا رہے گا   بڑھاپے نے تیری جوانی کے نشے کا خاتمہ کر دیا ہے

بِلَالُ الشَّيْبِ فِيْ فَوْدَيْكَ نَادیٰ   بِأَعْلَى الصَّوْتِ حَيَّ عَلَى الذِّهَابِ

بڑھاپے نے تیرے کانوں میں اذان کا نغمہ سنایا ہے   اور چلنے میں جلدی کرو کہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں

خُلِقْتَ مِنَ التُّرَابِ وَ عَنْ قَرِيْبٍ   تَغِيْبُ تَحْتَ أَطْبَاقِ التُّرَابِ

تجھے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور بہت جلد   منوں مٹی کے نیچے تجھے دفن کیا جائے گا

طَمِعْتَ إِقَامَةً فِيْ دَارِ ظَعْنٍ   فَلَا تَطْمَعْ فَرِجْلُكَ فِي الرِّكَابِ

تجھے اس دنیا میں رہنے کی زیادہ خواہش ہے   تُو سفر کے لیے تیار ہے، ایسی خواہش کبھی نہ کر

وَ أَرْخَيْتَ الْحِجَابَ فَسَوْفَ يَأْتِيْ   رَسُوْلٌ لَيْسَ يُحْجَبُ بِالْحِجَابِ

تم کتنے ہی پردوں میں چھپنے کی کوشش کرو لیکن   آنے والے کے لیے پردوں کی کوئی ضرورت نہیں

أَعَامِرُ قَصْرِكَ الْمَرْفُوعِ؟ أَقْصِرْ!   فَإِنَّكَ سَاكِنُ الْقَبْرِ الْخَرَابِ(۲)

اپنے بڑے گھر کی مرمت کی فکر کو تو چھوڑ دو!   کیوں کہ تم بہت جلد ویران قبر میں جانے والے ہو

ان چھے دستورات کے اختتام پر، جن میں دنیا کی کمزوریوں اور سفر آخرت کے لیے تیار رہنے کی ضرورت پر زور دیا ہے، امامؑ پہلے والے بیان کے لیے دلیل کے طور پر فرماتے ہیں:

---

(۱) منہاج البراعۃ علامہ خوئی، جلد ۴، صفحہ ۳۹۹، اور یہ معنی کلمات قصار نہج البلاغہ میں بھی وارد ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں، "ان للہ ملکا ینادی فی کل یوم لدوا للموت واجمعوا للفناء وابنوا للخراب"

(۲) منہاج البراعۃ، جلد ۴، ص ۳۹۹

https://downloadshiabooks.com/

"فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثًا، وَلَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى" [1]

"خداوند متعال نے تم لوگوں کو نہ بے کار پیدا کیا ہے اور نہ ہی بے مقصد آزاد چھوڑا ہے۔"

یہ بیان درحقیقت قیامت کی واضح دلیلوں میں سے (حکمت کی دلیل) ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر انسان کی زندگی کا مقصد اس چندروزہ زندگی میں کھانا پینا اور سونا ہوتا تو بے فائدہ مقصد ہوتا، یہ عظیم خلقت، یہ آسمان وزمین اپنے عجوبوں اور حیران کن چیزوں کے ساتھ، یہ انسانی جسم کی عجیب بناوٹ اتنی خوشنما و دل کش اور دقت نظری کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ اسے بے قیمت اور بے کار مقصد کے لیے بنایا گیا ہو، دنیا میں انسان کی پیدائش کے بارے میں تمام دلائل کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک بہت بڑے مقصد کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

اور اس حکمت سے کام لینے والے خالق نے انسان اور دنیا و آخرت کو ایک بڑے ہدف کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ ہدف انسانوں کو معنوی طور پر کمال تک پہنچانے اور اللہ سے نزدیک کرنے اور ہمیشہ رہنے والی سعادتوں سے بھری زندگی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

دوسرا حصہ

"وَمَا بَيْنَ أَحَدِكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ إِلَّا الْمَوْتُ أَنْ يَنْزِلَ بِهِ. وَإِنَّ غَايَةً تَنْقُصُهَا اللَّحْظَةُ، وَتَهْدِمُهَا السَّاعَةُ، لَجَدِيرَةٌ بِقِصَرِ الْمُدَّةِ. وَإِنَّ غَائِبًا يَحْدُوهُ الْجَدِيدَانِ: اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، لَحَرِيٌّ بِسُرْعَةِ الْأَوْبَةِ. وَإِنَّ قَادِمًا يَقْدُمُ بِالْفَوْزِ أَوِ الشِّقْوَةِ لَمُسْتَحِقٌّ لِأَفْضَلِ الْعُدَّةِ. فَتَزَوَّدُوا فِي الدُّنْيَا، مِنَ الدُّنْيَا، مَا تَحْرُزُونَ [تجوزون] بِهِ أَنْفُسَكُمْ غَدًا"

"اور یاد رکھو کہ تمہارے اور جنت وجہنم کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہے کہ موت نازل ہوجائے اور انجام سامنے آجائے اور وہ مدتِ حیات جسے ہر لحظہ کم کررہا ہو اور ہر ساعت اس کی عمارت کو منہدم کررہی ہو وہ قصیر المدۃ ہی سمجھنے کے لائق ہے اور وہ موت جسے دن ورات دھکیل کر آگے لا رہے ہوں اسے بہت جلد آنے والا ہی خیال کرنا چاہیے اور وہ شخص جس کے سامنے کامیابی یا ناکامی اور بدبختی آنے والی ہے اسے بہترین سامان مہیا ہی کرنا چاہیے۔ لہٰذا تم دنیا میں رہ کر دنیا سے زادِراہ حاصل کرلو جس سے کل اپنے نفس کا تحفظ کرسکو۔"

---

[1] سدیٰ کا مادّہ سدو ہے، آزاد، بے ہودہ و بے مقصد۔ اسی لیے عرب ان اونٹوں کو، جو ساربان کے بغیر آزاد ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں چرنے کے لیے نکل پڑتے ہیں، سدیٰ کہتے ہیں۔ اس خطبے میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ نے انسان کو کھلم کھلا نہیں چھوڑا ہے اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

زادِ سفر جتنا ممکن ہو لے لو

امام علیہ السلام پہلے حصے پر بحث جاری رکھتے ہوئے یہاں تین اور نکات کا اضافہ کرتے ہیں جس سے وہ چھے نکات مکمل ہو جاتے ہیں:

پہلا نکتہ: پہلے جملے میں لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَمَا بَيْنَ أَحَدِكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ إِلَّا الْمَوْتُ أَنْ يَنْزِلَ بِهِ"

"جنت وجہنم اور تمہارے درمیان کا فاصلہ صرف موت سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔"

تمہیں خبردار کر دیا ہے کہ موت کے لیے تیار ہو جاؤ، اور نیک اعمال کے ذریعے اپنی موت کی طرف بڑھو، اس لیے کہ جنت و دوزخ اور تمہارے درمیان بہت تھوڑا فاصلہ ہے، ایک لمحے میں موت آ پہنچے گی اور اپنے آپ کو جنت یا دوزخ کے درمیان (اپنے اعمال کے حساب سے) پاؤ گے۔

جو لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہیں وہ اس تھوڑے سے فاصلے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور زمان کے اعتبار سے اسے قریب دیکھتے ہیں:

"اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①" [1]

"قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔"

مکان کے اعتبار سے بھی سے قریب دیکھتے ہیں:

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ ⑥ [2]

"وہ (قیامت) ان کی نگاہ میں بہت دور ہے اور ہماری نظر میں نزدیک ہے۔"

یہ قیامت صغریٰ کی طرف اشارہ ہے، اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ انسانوں کے لیے دو قیامتیں ہیں:

---

[1] سورۂ قمر، آیت ۱

[2] سورۂ معارج، آیت ۶

https://downloadshiabooks.com/

قیامت صغریٰ: جو ہر ایک کی موت کے ساتھ آجاتی ہے، اس کا دنیا سے رابطہ ختم ہو جاتا ہے، اعمال کی کتاب بند ہو جاتی ہے اور رحمت یا عذاب الٰہی کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں اور قبر، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے۔

قیامت کبریٰ: جس میں تمام اوّلین و آخرین ایک ہی وقت میں محشر کے میدان میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک کا حساب ہوگا، نیکی کرنے والے خالق کی عنایتوں کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے اور برے کام کرنے والے اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"إِنَّ لِلْقَبْرِ كَلَامًا فِي كُلِّ يَوْمٍ يَقُوْلُ: أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ... أَنَا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ"[1]

"قبر ہر روز پکار پکار کر کہتی ہے کہ میں غربت کا گھر ہوں، میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوں یا جہنم کے گڑھوں میں سے آگ کا ایک گڑھا ہوں۔"

اس سے مراد آخرت والی جنت و جہنم یقیناً نہیں ہے، بلکہ برزخی جنت و دوزخ مراد ہے، بہر حال امام علیہ السلام خطبے کے اس حصے میں قیامت کے قریب ہونے اور جزا و سزا سے باخبر کر رہے ہیں جب کہ دنیا پرست سوچ رہے ہیں کہ ابھی قیامت بہت دُور ہے۔

دوسرا نکتہ: دوسرے جملے میں امام علیہ السلام ایک اہم نکتے کی جانب اشارہ فرماتے ہیں، جو ظاہر کرتا ہے کہ موت جنت یا جہنم کا دروازہ ہے اور لوگوں سے زیادہ دور نہیں ہے، جب کہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، فرماتے ہیں:

"وَإِنَّ غَايَةً تَنْقُصُهَا اللَّحْظَةُ، وَتَهْدِمُهَا السَّاعَةُ، لَجَدِيرَةٌ بِقِصَرِ الْمُدَّةِ"

"وہ مقصد جو گزرے ہوئے وقتوں کا فاصلہ کم کرتا ہے اور باقی وقت تیزی سے گزرتا ہے اور فاصلے ختم ہوتے ہیں لازمی ہے کہ یہ بہت مختصر ہو۔"

"غایۃ" سے مراد عمر انسانی یا اس کا ختم ہونا ہے جو لحمہ بہ لحمہ کم ہوتی جاتی ہے، اور ہر گزرتے وقت کے ساتھ اس میں کمی آتی ہے، جس سے وہ برباد ہو جاتی ہے، کیوں کہ عمر کا مجموعہ گھنٹوں اور منٹوں سے مل کر بنتا ہے۔

یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف سورۂ عصر میں اشارہ ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] اصول کافی، جلد ۳، صفحہ ۲۴۲

https://downloadshiabooks.com/

"إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ"

"ہر انسان خسارے میں ہے۔" (خواہ ناخواہ اس کی زندگی کا سرمایہ آہستہ آہستہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے)

کلمات قصار میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے:

"نَفَسُ الْمَرْءِ خُطَاهُ إِلَى أَجَلِهِ" [۱]

"ہر وہ سانس جو انسان لیتا ہے وہ اسے موت سے قریب کر دیتی ہے۔"

کیونکہ دل، دماغ اور ہر انسانی عضو کو زندہ رکھنے کے لیے ان میں ایک مخصوص وقت تک طاقت رہتی ہے، اگر کوئی بیماری یا رکاوٹ اس کی راہ میں نہ آئے جو اس کی عمر کو کم کرے تو ایک وقت آئے گا کہ جس طرح موم بتی کے درمیان سے دھاگہ ختم ہو جائے تو وہ بجھ جاتی ہے، بالکل طرح انسان کے جسم کے تمام اعضا خود بخود کام کرنا چھوڑ دیں گے اور وہ مر جائے گا۔

واقعاً یہ عجیب بات ہے کہ اگر کسی انسان کو کہا جائے اپنی تمام عمر کس چیز کے بدلے میں دو گے؟ تو وہ کہے گا کسی چیز کے بدلے میں نہیں! لیکن زندگی کا ہر لحہ وہ مفت میں دے رہا ہے، جبکہ عمر کا مجموعہ ان ہی لحظات وساعات کا مرکب ہے۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ ایک جاذبِ فکر اور دل نشین داستان جو بزرگ فقہاء میں سے ایک فقیہ محقق نراقیؒ کی پند و نصیحت سے بھرپور کتاب "طاقدیس" میں شعری پیرائے میں بیان کی گئی ہے:

ایک مرتبہ ایک چالاک آدمی ایک دکان دار کے پاس گیا اور اخروٹ کی قیمت پوچھی، دکاندار نے کہا: ہر ہزار اخروٹ کی قیمت دس درہم ہے، پوچھا: ایک سو اخروٹ کی کیا قیمت ہے؟ کہا: واضح ہے ایک درہم، پھر پوچھا: دس اخروٹ کی قیمت کیا ہوگی؟ کہا: درہم کا دسواں حصہ، آخر میں ایک اخروٹ کی قیمت کا سوال کیا؟ کہا: اس کی کوئی قیمت نہیں، اس چالاک آدمی نے کہا: اگر اس کی کوئی قیمت نہیں تو ایک عدد مجھے دے دو۔ دکان والے نے ایک اخروٹ اسے دیدیا، وہ وہاں سے اخروٹ لے کر چلا گیا لیکن دوبارہ واپس پلٹا اور اس سے ایک اور مانگا، دکان والے نے ایک اور دے دیا، تیسری بار وہ پھر آیا، دکان والا سمجھ گیا کہ یہ آدمی مکار ہے کہا: تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا: فلاں جگہ سے۔ دکان والے نے کہا: اے دھوکے باز، جاؤ کسی دوسرے کو فریب دو (تم حیلے اور دھوکے سے میرا پورا مال لے لو گے کیا! اب میں ہرگز تمھارے فریب میں نہیں آؤں گا)۔

اس کے بعد آگے لکھتے ہیں: اگر ہماری عمر کے چالیس سال باقی ہوں، اور کوئی آکر کہے کہ یہ چالیس سال جو تمہاری عمر بچی ہے کس چیز کے بدلے فروخت کرو گے، ہم کہیں گے تمام دنیا بھی اگر ہمیں دے دی جائے پھر بھی اس کی قیمت

---

[۱] کلمات قصار، جملہ ۷۴

https://downloadshiabooks.com/

نہیں ہوگی۔

گر دھی صد ملک بی تشویش را   می فروشم کی حیات خویش را!

”اگر سو (۱۰۰) مما لک میرے اختیار میں دو گے، تب بھی میں اپنی زندگی فروخت نہیں کروں گا۔“

لیکن یہ نادان انسان اپنی پیاری عمر کو جو مہینوں، برسوں اور دنوں سے ترتیب پاتی ہے، آہستہ آہستہ بے کار اور بے مقصد کاموں میں ختم کر دیتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

لیکن این کودن ببین بی قیل و قال   می دھد مفت از کف خود ماہ و سال

ای دو صد حیف از چنین گنج نھان   کان زدست ما برون شد ناگھان

”اس بے وقوف کو دیکھو کہ بغیر کسی اعتراض کے اپنے سال و مہینے مفت میں فروخت کر رہا ہے، افسوس صد افسوس! یہ چھپا ہوا خزانہ (زندگی) ایک لمحہ میں اچانک ہمارے ہاتھ سے نکلا جا تا ہے۔“

تیسرا نکتہ: تیسرے جملے کو اور بہتر انداز سے مکمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنَّ غَائِبًا يَحْدُوهُ[۱] الْجَدِيدَانِ: اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، لَحَرِيٌّ بِسُرْعَةِ الْأَوْبَةِ[۲]۔

”جس طرح دن رات تیزی سے گزرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ موت انسان کا پیچھا کر رہی ہے اور بہت جلد اسے اپنی گرفت میں لے لے گی۔“

”غائب“ سے مراد موت اور زندگی کا خاتمہ ہے جو ایک تیز رفتار اونٹ کی طرح انسان کا پیچھا کر رہی ہے اور شب و روز دو محافظوں کی طرح اس حیوان کو بھگانے کے لیے مخصوص آواز ”حُدا“ کے ساتھ اسے ہانکنے میں مشغول ہیں اور ایسا اونٹ جلدی سے انسان کی طرف آتا ہے اور اس کے گھر کے دروازے کے سامنے آ کر بیٹھ جاتا ہے۔

”جدیدان“ کی مثال رات اور دن کے لیے کنایہ اس لیے ہے کہ یہ ہمیشہ نیا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کا بدل ہے اور ”آوبۃ“ کی مثال واپسی کی ہے، یعنی موت اور زندگی کے خاتمے کے بارے میں آیا ہے۔

قرآن مجید کی صراحت اور حسّی و یقینی دلیلوں کے مطابق شروع میں انسان ایک بے جان مادّہ کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس کے بعد زندگی کے لباس کو اس نے پہنا، پھر اسے موت آئی اور دوسری مرتبہ قیامت میں خدا کے حکم سے زندہ ہوگا۔ ارشادِ

---

[۱] ”یحدو“، حدو (بروزن ضرب) کے مادّے سے ہے اور حُدا بروزن دعا دراصل اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے ایک مخصوص آواز نکالنے کے معنی میں ہے، کیونکہ عربوں کا معمول تھا کہ وہ جب چاہتے تھے کہ اونٹوں کو تیز چلائیں تو ایک مخصوص آواز نکالتے تھے اور اس کا صحیح تلفظ حُدا ہے اور لسان عامہ میں حُدی کہا گیا ہے۔

[۲] اوبۃ جو کہ مصدری معنی رکھتا ہے اور ”ایاب“ دونوں کا معنیٰ رجوع کرنے اور لوٹنے کے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

باری تعالیٰ ہے:

"کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۲۸" (۱)

"تم لوگ کس طرح خدا سے کفر اختیار کرتے ہو، جبکہ تم مردہ جسم بے روح تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تمہیں مار دے گا اور دوبارہ پھر تمہیں زندہ کرے گا، اس کے بعد پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

اسی کے ہم معنی کلمات بہت وضاحت کے ساتھ کلمات قصار میں بھی بیان ہوئے ہیں، فرماتے ہیں:

"إِذَا کُنْتَ فِي إِدْبَارٍ وَ الْمَوْتُ فِي إِقْبَالٍ فَمَا أَسْرَعَ الْمُلْتَقٰی." (۲)

"جب کہ تُو عمر کو بچانا چاہتا ہے مگر موت آگے آتی ہے اور بہت جلد اس سے ملاقات ہوگی۔"

نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے یہ احتمال پیش کیا ہے کہ، مذکورہ جملے میں غائب سے مراد انسان ہے جو اپنے اصلی وطن آخرت کی طرف واپس جانا چاہتا ہے، یعنی وہ اپنی منزل گم کر بیٹھا ہے، دن اور رات اس انسان کو تیزی کے ساتھ اپنی اصلی منزل گاہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے اس کی بہت جلد واپسی عمل میں آئے گی۔ اسی طرح آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہوتا ہے:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۝۱۵۶"

"ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

اسی طرح امام حسن مجتبیٰؑ کو لکھے ہوئے اس تاریخی وصیت نامہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"وَ اعْلَمْ یَا بُنَيَّ أَنَّ مَنْ کَانَتْ مَطِیَّتُهُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ، فَإِنَّهُ یُسَارُ بِهِ وَإِنْ کَانَ وَاقِفًا، وَ یَقْطَعُ الْمَسَافَةَ وَإِنْ کَانَ مُقِیمًا وَادِعًا." (۳)

"اے میرے بیٹے جان لو! جس شخص کی سواری دن اور رات ہو، وہ ہمیشہ سفر میں ہے، اگرچہ وہ کسی ایک جگہ رکا اور ٹھہرا ہوا کیوں نہ ہو۔ اس کے راستے کی مسافت خود بخود طے ہو رہی ہوتی ہے، اگرچہ وہ آرام و سکون سے کسی جگہ مستقل زندگی کر رہا ہو۔

لیکن انسان کے لیے "غائب" کی مثال کچھ سمجھ میں نہیں آئی، کیوں کہ یہ دور از فہم ہے، جب کہ یہ مثال موت

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۸

(۲) نہج البلاغہ، کلمات قصار، ۲۸

(۳) نہج البلاغہ، نامہ ۳۱

https://downloadshiabooks.com/

اور زندگی کے خاتمے کے لیے ہو تو یہ ذہن میں جلدی آتی ہے۔

چوتھا نکتہ: اس بحث کو مکمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَإِنَّ قَادِمًا يَقْدُمُ بِالْفَوْزِ أَوِ الشِّقْوَةِ لَمُسْتَحِقٌّ لِأَفْضَلِ الْعُدَّةِ"

"وہ مسافر جو سعادت وخوش بختی یا شقاوت و بدبختی کے ساتھ ملاقات کرنے والا ہے اسے چاہیے کہ بہترین تیاری اس کے استقبال کے لیے رکھے۔"

"قادم" سے مراد انسان ہے جو ایک مسافر کی طرح دنیا سے ہمیشہ رہنے والی جگہ کی طرف چل رہا ہے۔ اب وہ سعادت وخوش بختی کا راستہ ہے یا شقاوت و بدبختی کا، کیا بہتر ہوتا کہ وہ سعادت مندی کے ساتھ اصلی منزل تک پہنچنے کے لیے راستے کا بہترین زادِ سفر حاصل کرتا۔ درحقیقت سب لوگ ایسے مسافروں کی مانند ہیں، جن کا سفر طولانی ہو، اگر اچھا زاد و توشہ اپنے ساتھ رکھیں گے، تو پورے سفر میں اپنی سلامتی کی حفاظت کریں گے اور خوشی و تازگی کے ساتھ مقصد تک پہنچ جائیں گے۔ اور اگر سفر خرچ غیر مناسب ہوگا تو بیمار، غمگین، کمزور اور بدبختی کے ساتھ اس جگہ پہنچیں گے۔

نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے "قادم" کی تفسیر موت اور اختتام عمر کی ہے کہ سعادت یا شقاوت کے پیغام کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور فطری طور پر سفر آخرت کے لیے انسان کے پاس بہترین تیاری ہونی چاہیے۔

"وَإِنَّ غَائِبًا...." اس جملے کی تفسیر بھی مفہوم کے اعتبار سے سابقہ جملے سے ملتی ہے اس لیے اہمیت رکھتی ہے۔

"أَفْضَلُ الْعُدَّةِ" سے مراد بہترین تیاری جسے قرآن مجید میں خیر الزاد، راستے کا بہترین خرچ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:

"وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوىٰ"[1]

"آخرت کا بہترین سفر خرچ پرہیزگاری ہے۔" جسے حاصل کرنا ہر ایک پر لازم ہے۔

اس بنا پر امام علیہ السلام آخری جملے میں خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَتَزَوَّدُوا فِي الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَحْرُزُونَ بِهِ أَنْفُسَكُمْ غَدًا"

"(اب جب دنیا کا یہ حال ہے) تو اس سے اپنے لیے کسب معاش حاصل کرو، تاکہ کل قیامت کے دن اس کے ذریعے اپنی حفاظت کرسکو۔"

امامؑ نے اپنی گفتگو میں یہ بہت عمدہ مثال بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۷۔

https://downloadshiabooks.com/

"دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے اسی دنیا سے زادِراہ حاصل کرلو۔"

مقصد یہ ہے کہ عالم آخرت میں معنوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس مادّی دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ انسان عملی طور پر اپنے وجود کو اس دنیا میں منوائیں، اور دنیا میں آنکھ بند کرنے سے پہلے یہاں سے اگلے خطرناک سفر کے لیے بہترین خرچ ساتھ رکھیں، تاکہ جس طرح دنیاوی سفر میں زادِسفر انسان کو بھوک، پیاس اور موت سے بچاتا ہے اس طرح توشۂ آخرت بھی ضروری ہے اور قیامت کے دن خدا کے عذاب سے انسان کو جو چیز بچاسکتی ہے وہ اس دنیا میں اختیار کیا جانے والا تقویٰ ہے۔

احادیث میں بھی اس معنی پر بہت زیادہ تاکید کے ساتھ زور دیا گیا ہے، ایک حدیث میں جو حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے "پرہیزگاری، مومن کا تحفظ" کے عنوان سے آئی ہے، فرماتے ہیں:

اَلتَّقْوٰی حِرْزٌ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا [1]

"پرہیزگاری مومن کی حفاظت کرتی ہے۔"

دوسری جگہ پر "تقویٰ ایک مضبوط قلعہ" کے عنوان سے آئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اَلتَّقْوٰی حِصْنٌ حَصِيْنٌ لِمَنْ لَجَأَ إِلَيْهَا" [2]

"تقویٰ پرہیزگاروں کے لیے ایک مضبوط اور محکم قلعہ ہے۔"

تیسری جگہ پر "مضبوط ڈھال" فرماتے ہیں:

اِلْجَأُوْا إِلَى التَّقْوٰی فَإِنَّهُ جُنَّةٌ مَنِيْعَةٌ [3]

تقویٰ کی پناہ میں آجاؤ، جو ایک مضبوط ڈھال ہے۔

تیسرا حصّہ

"فَاتَّقٰی عَبْدٌ رَبَّهُ، نَصَحَ نَفْسَهُ، وَ قَدَّمَ تَوْبَتَهُ، وَ غَلَبَ شَهْوَتَهُ، فَإِنَّ أَجَلَهُ مَسْتُوْرٌ عَنْهُ، وَ أَمَلَهُ خَادِعٌ لَهُ، وَ الشَّيْطَانُ مُوَكَّلٌ بِهِ، يُزَيِّنُ لَهُ الْمَعْصِيَةَ لِيَرْكَبَهَا، وَ يُمَنِّيْهِ التَّوْبَةَ لِيُسَوِّفَهَا، إِذَا هَجَمَتْ

[1] غررالحکم، حدیث، ۱۱۲۸
[2] غررالحکم، حدیث، ۱۵۵۸
[3] غررالحکم، حدیث، ۲۵۵۳

https://downloadshiabooks.com/

مَنِيَّتُهُ عَلَيْهِ أَغْفَلَ مَا يَكُونُ عَنْهَا؛ فَيَالَهَا حَسْرَةً عَلَى كُلِّ ذِي غَفْلَة أَنْ يَكُونَ عُمُرُهُ عَلَيْهِ حُجَّةً، وَ أَنْ تُؤَدِّيَهُ أَيَّامُهُ إِلَى الشِّقْوَةِ! نَسْأَلُ اللهَ سُبْحَانَهُ أَنْ يَجْعَلَنَا وَ إِيَّاكُمْ مِمَّنْ لَا تُبْطِرُهُ نِعْمَةٌ وَ لَا تُقَصِّرُ [تقتصروا] بِهِ عَنْ طَاعَةِ رَبِّهِ غَايَةٌ، وَلَا تَحُلُّ بِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ نَدَامَةٌ وَلَا كَآبَةٌ"

"اس لیے لازم ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے ڈرے۔ اپنے نفس کو نصیحت کرے، توبہ کو مقدم کرے۔ خواہشات پر غلبہ حاصل کرے اس لیے کہ اس کی اجل اس سے پوشیدہ ہے اور اس کی خواہش اسے مسلسل دھوکا دینے والی ہے اور شیطان اس کے سر پر سوار ہے جو مصیبتوں کو آراستہ کر رہا ہے تاکہ انسان مرتکب ہو جائے اور توبہ کی امیدیں دلاتا ہے تاکہ اس میں تاخیر کرے یہاں تک کہ غفلت اور بے خبری کے عالم میں موت اس پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔ ہائے کس قدر حسرت کا مقام ہے کہ انسان کی عمر ہی اس کے خلاف حجت بن جائے اور اس کا روزگار ہی اسے بدبختی تک پہنچا دے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں قرار دے جنہیں نعمتیں مغرور نہیں بناتی ہیں اور کوئی مقصد اطاعت خدا میں کوتاہی پر آمادہ نہیں کرتا ہے اور موت کے بعد ان پر ندامت اور رنج و غم کا نزول نہیں ہوتا ہے۔"

شرح و تفسیر

غافل انسانوں پروائے ہو

امامؑ اس حصے میں گزشتہ مباحث کا خلاصہ کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں اور جملے کی ابتدا فائے تفریع (ذمہ داریوں کو مخصوص کرنا تاکید کے ساتھ) سے فرماتے ہیں:

"فَاتَّقَى عَبْدٌ رَبَّهُ، نَصَحَ نَفْسَهُ، وَقَدَّمَ تَوْبَتَهُ، وَغَلَبَ شَهْوَتَهُ" [1]

"بندے کو چاہیے کہ اپنے پروردگار سے ڈرے اور اپنے آپ کو نصیحت کرے، توبہ کو مقدم کرے اور اپنی شہوات پر قابو رکھے۔"

پہلے جملے میں آپؑ تقویٰ کا حکم دیتے ہیں جو حقیقت میں "فَتَزَوَّدُوا فِي الدُّنْيَا" کے جملے کی وضاحت ہے جو پہلے

---

[1] وہ افعال جو ان جملوں میں ہیں اگرچہ وہ ماضی کی صورت میں آئے ہیں، لیکن امر کے معنی رکھتے ہیں گویا ایسا سننے والا مطیع فرمان ہے جو کہے بغیر ان کو انجام دیتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

گزر گیا، اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ بہترین زادِراہ، پرہیزگاری ہے۔

اور انسان کو بندوں کی طرف راغب کرنے والی چیز تقویٰ ہے جس پر بندہ اعتماد کرتا ہے اور اس کے بعد ان تینوں کا ذکر یوں کرتے ہیں: اپنے آپ کو نصیحت کرنا، اس کے بعد توبہ کرنا، اور آخر میں شہوات پر قابو رکھنا، جو انسانوں کی خوش بختی اور سعادت مندی کے لیے ایک کامل نسخہ ہے، وہ انسان جو اپنی نصیحت سے غافل رہے، طلبِ مغفرت اور چھوڑے ہوئے واجبات کو ادا نہیں کرتا ایسے انسانوں پر شہوت غالب آجاتی ہے۔

اس کے بعد ایک ایسے مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو حقیقت میں پہلے جملے کی وضاحت ہے، فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ أَجَلَهُ مَسْتُورٌ عَنْهُ، وَأَمَلَهُ خَادِعٌ لَهُ، وَالشَّيْطَانُ مُوَكَّلٌ بِهِ، يُزَيِّنُ لَهُ الْمَعْصِيَةَ لِيَرْكَبَهَا، وَيُمَنِّيهِ التَّوْبَةَ لِيُسَوِّفَهَا (۱) إِذَا هَجَمَتْ مَنِيَّتُهُ عَلَيْهِ أَغْفَلَ مَا يَكُونُ عَنْهَا"

انسان کی موت اس کی نظروں سے پوشیدہ ہے (اچانک آتی ہے جب کہ وہ توبہ نہیں کرتا اور شہوتوں کا اسیر رہتا ہے) اس کی آرزوئیں اس کو دھوکا دیتی ہیں، شیطان مسلسل اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، جو گناہ کو اس کی نظر میں اچھا بنا کر پیش کرتا ہے، تاکہ وہ اس کا مرتکب ہو جائے، اور اُسے توبہ کرنے سے روکتا ہے، تاکہ وہ موت کو دور سمجھتا رہے اور اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر موت کے وقت اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔

"أَغْفَلَ مَا يَكُونُ عَنْهَا" یہ جملہ موجودہ حالت کو بیان کرتا ہے اور اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت شیطان ایسے انسان کو جو شہوات کا اسیر اور شیطانی آرزوؤں کا طلبگار رہتا ہے مکمل طور پر غافل کر دیتا ہے اور جب وہ ہوشیار ہوتا ہے تو تمام ہو چکا ہوتا ہے اور موت اسے اپنی آغوش میں لے چکی ہوتی ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "إِذَا" کے معنی میں کوئی شرط نہ ہو، اور یہ مفاجات اچانک آنا، کے معنی میں ہو تو اس وقت جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ "اچانک اس کی موت آجاتی ہے، جبکہ وہ غافل ترین حالات میں ہوتا ہے۔" البتہ ان دونوں مثالوں کا نتیجہ ایک ہی ہے یعنی کسی تیاری کے بغیر موت کا اچانک آنا۔

امامؑ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"فَيَا لَهَا حَسْرَةً عَلَى كُلِّ ذِي غَفْلَةٍ أَنْ يَكُونَ عُمُرُهُ عَلَيْهِ حُجَّةً، وَأَنْ تُؤَدِّيَهُ أَيَّامُهُ إِلَى الشِّقْوَةِ!"

"غفلت و بے شعوری میں پڑے ہوئے اُس انسان پر افسوس ہے! کہ جس کی پوری زندگی اس کے خلاف ہے اور قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گی کیونکہ تمام چیزیں اس کے اختیار میں تھیں، لیکن اس نے فائدہ حاصل نہ کیا، اور

(۱) یسوفها، مادۂ تسویف سے ہے، ٹال مٹول کرنے یعنی کسی کام میں تاخیر کرنے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اُس انسان کے حال پر افسوس ہے کہ اس کے حالات نے اسے شقاوت و بدبختی کی طرف کھینچ لیا، جب کہ یہ اس کی سعادت کا سرچشمہ ہونے چاہئیں۔"

بلاشبہ! انسان کی پوری زندگی میں وقت سے زیادہ قیمتی اور بڑی چیز کوئی نہیں ہو سکتی، اگر وہ وقت سے تھوڑا سا بھی فائدہ اٹھالے تو پستی سے بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے، جس طرح "حضرت حرؑ بن یزید ریاحی" نے دشمنوں کی صف سے نکل کر اللہ کے بہترین نیک بندوں اور شہیدوں کی صفوں میں اپنے لیے جگہ بنالی ہے، یا ایک وار پیکرِ کفر پر کرے جس کا ثواب جن وانس کی عبادت سے بھی افضل ہو جائے۔ یہ تاریخی جملہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے یا جس طرح لیلیۃ المبیت کا واقعہ ہے، ایک رات بستر پر سو جانے کا معاملہ خداوند متعال کے ساتھ کر لے۔ ایک ایسی زندگی جس کا وقت اور لمحات اس قدر قیمتی ہیں اگر اس میں دسیوں سال انسان کے اختیار میں دیے جائیں اور وہ ان سے کوئی فائدہ نہ اُٹھائے، تو کیا یہ انتہائی افسوس کا مقام نہیں ہے اور یہی وجہ ہے امام علیہ السلام مذکورہ جملوں میں اسی بات پر افسوس کرتے ہیں۔

آخر میں آپؑ ایک بہت بامعنٰی دعا کے ساتھ خطبے کو تمام کرتے ہیں:

"نَسْأَلُ اللهَ سُبْحَانَهُ أَنْ يَجْعَلَنَا وَإِيَّاكُمْ مِمَّنْ لَا تُبْطِرُهُ[۱] نِعْمَةٌ وَ لَا تُقَصِّرُ بِهِ عَنْ طَاعَةِ رَبِّهِ غَايَةٌ، وَلَا تَحُلُّ بِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ نَدَامَةٌ وَلَا كَآبَةٌ." [۲]

"ہم خداوند متعال سے چاہتے ہیں کہ ہمیں اور تمہیں ایسے لوگوں میں قرار دے کہ کوئی نعمت انہیں مغرور اور سرکش نہیں بناتی، اور کوئی مقصد انہیں پروردگار کی فرماں برداری سے نہیں روکتا، اور مرتے وقت وہ کسی قسم کی پشیمانی اور افسوس کا سامنا نہیں کرتے۔"

امامؑ ان تین جملوں میں جو دعا کے طور پر ذکر ہوئے ہیں، اپنے چاہنے والوں کو اس میں تین قسم کی ہدایات بھی فرماتے ہیں:

پہلی ہدایت: خداوند متعال کی نعمتیں تمہیں کہیں مغرور نہ بنا دیں اس کا خیال رہے۔

---

[۱] تبطر، بطر کے مادّے سے، کسی چیز کو چیرنے کے معنی میں ہے اور بیطار (حیوانات کا ڈاکٹر) کو اس جہت سے بیطار کہتے ہیں کہ وہ حیوان کے علاج کے لیے اُس کے بدن کو نشتر کے ذریعے چیرتا ہے اس کے بعد یہ لفظ، کسی نعمت کے ملنے پر خوشی کا اظہار کرتے وقت ہر قسم کی طغیانی اور حد سے تجاوز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[۲] کآبہ بروزن خرابہ مصدری اور اسم مصدری معنی رکھتا ہے اور ناراضی اور غم کی وجہ دل شکستگی اور غمگین کے معنی میں ہے اور کبھی ایسی افسردگی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ جس سے غم کے آثار چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسری: ہوشیار رہیں کہ مادّی مقاصد تم لوگوں کو خدا کی اطاعت سے نہ روکیں۔

تیسری: یہ کہ جب مرنے کا وقت قریب آجائے تو تمہیں کسی قسم کی پشیمانی اور ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے، بلکہ اس کے لیے کافی تیاری پہلے ہی سے کرلینی چاہیے۔

نکات

۱۔ موت کے مخفی ہونے کا فلسفہ

اس خطبے میں موت کے مخفی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ "فَإِنَّ أَجَلَهُ مَسْتُورٌ عَنْهُ" یہ خلقت کے اہم رازوں میں سے ایک راز ہے، کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسری گھڑی میں زندہ ہے یا مردوں کی صف میں ہوگا؟ آج کے دن مخبر اور کل خود ایک خبر ہے۔

آج وہ کسی مرحوم دوست کی ایصال ثواب کی مجلس میں شریک ہے اور کل اس کے دوسرے دوست اس کی ایصال ثواب کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ بے شک اگر ہر ایک کو اپنی عمر کے اختتام کا علم ہوتا تو بہت فساد پھیلتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مشہور کتاب، توحیدِ مفضل میں اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"اے مفضل! انسان کی مدت حیات کے مخفی ہونے پر غور وفکر کرو، اگر انسان کو اپنی زندگی کے ختم ہونے کا وقت معلوم ہوتا تو دو حالتوں سے خالی نہ ہوتا۔ اگر اس کی عمر کم ہوتی، تو وہ اس میں سے کچھ مقدار موت کے انتظار میں کاٹنا اس کے لیے ناگوار ہوتا، بلکہ ایسے شخص کی طرح رہتا کہ جس کا مال ختم ہونے والا ہو، اور فقر وفاقہ اور تنگ دستی کا احساس کرتے اور ڈر اور وحشت میں رہتا، جب کہ عمر کا ختم ہونا مال کے ختم ہونے سے اہم تر ہے، کیونکہ مال کا جانشین ہے لیکن زندگی کا کوئی جانشین نہیں ہے۔

اور اگر اس کی عمر طولانی ہوتی اور اسے اس کا علم ہوتا تو امنیت اور بقا کا احساس کرتا اور معصیت و گناہوں میں غرق ہو جاتا، اس امید سے وہ تمام خواہشوں کو پورا کرتا اور جب اس کی عمر ختم ہونے کے قریب ہو جاتی تو توبہ کے لیے بیٹھ جاتا۔ یہ وہ چیز ہے جو خداوند کریم اپنے بندوں کے لیے پسند نہیں کرتا، (اس بنا پر عمر کی مدت کو مخفی رکھا ہے، تا کہ اس کے بندے ہمیشہ خوف و امید کے درمیان رہیں، یہی امر ایک طرف سے انسان کو سکون دیتا ہے اور دوسری طرف سے اس کے لیے تنبیہ اور

https://downloadshiabooks.com/

بلندیوں تک پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔"[1]

۲۔آرزوؤں کے فریب میں نہ آؤ

امامؑ ایک اور جملے میں تمناؤں کے دھوکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ أَمَلُهُ خَادِعٌ لَهُ"

سوال اٹھتا ہے کہ کیوں اور کس طرح تمنائیں انسان کو دھوکا دیتی ہیں؟ اور اس کی عمر کے بہترین لمحات کو فضول خیالوں میں ضائع کرادیتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمناؤں کا دامن کبھی محدود نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ سوچتے ہیں کہ اگر ان کا ایک چھوٹا سا گھر ہوتا تو وہ ہمیشہ اس گھر میں سکون و چین سے رہتے، لیکن گھر کے ملنے کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرتا یہ گھر ان کے لیے چھوٹا پڑنے لگتا ہے۔

اور اگر کوئی بڑا گھر مل جائے پھر بھی ان کے لیے یہ ناکافی ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے افراد ایسے ہیں کہ متعدد گھر اور بنگلے رکھنے کے باوجود ان کی اندرونی پیاس نہیں بجھتی، اور زیادہ گھر اور خوبصورت بنگلے رکھنے کی آرزو رکھتے ہیں، ان کی حالت اس مشہور مثال کی طرح ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ "اگر ایک بادشاہ کو سات ممالک دے دیے جائیں، پھر بھی وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ آسمانوں پر بھی ہاتھ ڈال کر کچھ اور ممالک کا ان میں اضافہ کرے۔"

یہ صرف رہائش کے بارے میں تھا، مادّی زندگی کے تمام وسائل میں بھی بالکل اسی طرح ہے، بڑی بڑی اور لمبی امیدیں لوگوں کو ایک لمحہ سکون سے بیٹھنے نہیں دیتیں اور ان کی سب طاقتیں اپنی طرف جذب کر لیتی ہیں، جب کہ یہ سوچوں کا ایک سمندر ہے، اور یہ وہی چیز ہے جسے امامؑ نے آرزوؤں کا فریب اور دھوکا فرمایا ہے۔

۳۔شیطان کا زینت دینا

مذکورہ خطبے کے اہم نکات جن کی طرف اشارہ ہوا، شیطان کا گناہوں کو زینت دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، جس کی طرف قرآنی آیات میں پچھلی قوموں کے بارے میں اس طرح بیان ہوا ہے:

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾[2]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۳، ص ۸۳، ۸۴ (حدیث توحید مفضل)

[2] سورۂ انعام، آیت ۴۳۔

https://downloadshiabooks.com/

”بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کر دیا ہے۔“

اور سورۂ حجر میں خود شیطان کا یہ کہنا لکھا ہے جب وہ درگاہ خداوندی سے نکالا گیا تو آدمؑ کی اولاد سے دشمنی شروع ہوئی اور ان کو گمراہ کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔

وہ کہتا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ [1]

”میں زمین میں لذت والی چیزوں کو ان کے لیے زینت دوں گا، سوائے تیرے مخلص بندوں کے سب کو راہِ راست سے بھٹکاؤں گا، گمراہ کروں گا۔“

شیطان کی تزئین مختلف طریقوں سے سامنے آتی ہے، کبھی لمبی لمبی امیدوں اور آرزوؤں کے ذریعے، کبھی باطل سوچوں سے اور کبھی جلد ختم ہونے والی لذتوں سے، جیسے کچھ گناہوں میں وقتی لذت ہوتی ہے۔ انسان کا اصل امتحان یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ غلط سوچ اور آرزوؤں کو کس طرح ختم کیا جائے اور زہریلے شہد کی طرح انسان وقتی طور پر تو مٹھاس محسوس کرتا ہے لیکن یہ اس کی آنتوں کو پھاڑ دیتا ہے۔ ایسی ظاہری لذتوں سے کس طرح اپنے آپ کو روکا جا سکتا ہے۔ اور حقیقت میں انسان کو اصل خطرہ شیطان اور نفس امارہ کے مزّین کیے ہوئے گناہوں سے ہے۔

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں اعمال کی زینت کی نسبت خدا کی جانب دی گئی ہے تو ایسی صورت میں مذکورہ آیتیں کیسے سازگار ہیں؟ اس سوال کا جواب سورۂ نمل میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ [2]

”جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کی نظروں میں ہم نے ان کی کارستانیوں کو اچھا کر دکھایا ہے اس لیے یہ لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں۔“

یہ آیت کھل کر وضاحت کرتی ہے کہ خداوند متعال کا یہاں برے اعمال کو زینت دینا یہ کافروں کے لیے ایک قسم کی سزا ہے یا دوسرے لفظوں میں ان کے برے اعمال کی وجہ سے خداوند متعال انہیں شیطان کے چنگل میں چھوڑ دیتا ہے اور ان کی حمایت نہیں کرتا، اس ترتیب سے آیات کے دونوں حصے ایک حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور شاید یہ تعبیر جو مذکورہ بالا

[1] سورۂ حجر، آیات ۳۹، ۴۰۔

[2] سورۂ نمل، آیت ۴۔

https://downloadshiabooks.com/

خطبے میں گزری "وَالشَّيْطَانُ مُوَكَّلٌ بِهِ يُزَيِّنُ لَهُ الْمَعْصِيَةَ لِيَرْكَبَهَا" اسی بات کی جانب اشارہ ہو۔

۴۔ انسانوں کی عمر خود ان کے خلاف دلیل ہے

ذکر شدہ خطبے میں جو با معنی مثالیں آئی ہیں ان میں سے ایک انسان کی عمر کا خود اس کے خلاف دلیل بننا ہے، کس طرح انسان کی عمر خود اس کے خلاف دلیل بن سکتی ہے؟ اس میں اہم نکتہ یہ ہے کہ خداوند متعال انسان کو اس کی لمبی زندگی میں کافی عبرت کا درس دے دیتا ہے اور حادثات و واقعات کے ذریعے اسے ہوشیار اور خبردار کرتا ہے، اس کے علاوہ خدا نے اپنے پیغمبروں اور اوصیا کے ذریعے ہدایت کا پیغام بھی بھیج دیا ہے۔ سورۂ فاطر میں آیا ہے:

"جب اہل دوزخ کی فریادیں بلند ہوں گی اور خدا کی بارگاہ میں درخواست کریں گے کہ ہمیں دوزخ سے نجات دے اور دوسری مرتبہ دنیا میں واپس کردے، تاکہ ہم نیک اعمال انجام دیں۔"

تو انھیں کہا جائے گا:

"اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ" (۱)

"کیا ہم نے تمہیں اتنی زندگی عطا نہیں کی تھی اگر تم اہلیت رکھتے تو اس میں ضرور غور و فکر کرتے اور کیا عذاب سے ڈرانے والے (رسول) تمہارے پاس نہیں آئے تھے۔"

۵۔ نعمتوں کا غرور و مستی

خطبۂ بالا میں دوسرا اہم نکتہ جس کی طرف اشارہ ہوا ہے، اللہ کی طرف سے نعمتوں کی فراوانی پر کم ظرف لوگوں کی حالت کے بارے میں ہے، جو بعنوان بطر، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا آیا ہے اور سورۂ انفال میں ارشاد ہوا:

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ" (۲)

"اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے۔"

بطر کا لفظ نظر کے وزن پر ہے، جس طرح پہلے بھی اشارہ ہوا، یہ کسی چیز کو پھاڑنے کے معنی میں ہے اور اس کے بعد نعمتوں کی فراوانی کے وقت غرور و سرکشی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ایسے حالات میں انسان پرہیزگاری اور اللہ کی اطاعت سے

---

(۱) سورۂ فاطر، آیت ۳۷۔

(۲) سورۂ انفال، آیت ۴۷۔

https://downloadshiabooks.com/

روگردانی کرتا ہے۔ اور یہ حالت جو بہت سے ان صاحبانِ نعمت میں پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان اور ظرفیت کے حوالے سے نعمتوں کی فراوانی کے لائق نہیں ہوتے، ان لوگوں کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے وہ مدہوش ہوں اور اپنی حرکات وسکنات اور باتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ یہ حالت ان کے لیے برائی اور ننگ وعار کا سبب بن جاتی ہے۔

امیرالمومنینؑ نے ایک حدیث میں فرمایا:

"یَنۡبَغِیۡ لِلۡعَاقِلِ أَنۡ یَحۡتَرِسَ مِنۡ سُکۡرِ الۡمَالِ وَ سُکۡرِ الۡقُدۡرَةِ وَ سُکۡرِ الۡعِلۡمِ وَ سُکۡرِ الۡمَدۡحِ وَ سُکۡرِ الشَّبَابِ"

"عاقل انسان کو چاہیے کہ مال کی مستی، اقتدار کی مستی اور علم کی مستی سے پرہیز کرے۔"

اور اس حدیث کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ لِکُلِّ ذٰلِکَ رِیَاحًا خَبِیۡثَةً تَسۡلُبُ الۡعَقۡلَ وَ تَسۡتَخِفُّ الۡوَقَارَ"

"کیونکہ یہ مستیاں خراب وآلودہ ہوائیں ہیں جو عقل کو ختم کر دیتی ہیں اور وقارِ انسانی کو برباد کر دیتی ہیں۔"[۱]

جی ہاں! ان امور کی مستی غالباً شراب کی مستی سے سنگین تر ہے، کیوں کہ شراب کی مستی ایک رات گزرنے سے چلی جاتی ہے، لیکن ان امور کی مستی کبھی کبھی پوری زندگی انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

[۱] غرر الحکم، حدیث ۱۰۹۴۸

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

پینسٹھواں خطبہ

(ومن خطبہ لہ علیہ السلام)

"وفیہ مباحث لطیفۃ من العلم الالٰھی" [١]

جس میں علمِ الٰہی کے لطیف ترین مباحث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

ذکرِ خدا اور اُس کے اسما وصفات کی جانب توجہ انسان کو ایک قوت بخشتی ہے اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کے بارے میں اسے ذمے داریوں سے بھی آشنا کرتی ہے۔

امام علی علیہ السلام جنگ سے پہلے اور جنگ کے پورے دنوں میں لوگوں کو خداوند متعال اور اس کی صفاتِ جلالی و جمالی کی جانب متوجہ کرتے تھے اور یہ خطبہ بھی امیر شام اور شامی دہشت گردوں کے ساتھ کسی دوسری جنگ کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں صفاتِ خدا کی اہم باتیں، خصوصاً اُس کے علم و قدرت کے بارے میں بیان فرمائی ہیں، تاکہ ان صفات کی جانب زیادہ توجہ، آگاہی اور نورانیت کے سائے میں سننے والوں کو زیادہ قدرت و توانائی حاصل ہو۔

پہلا حصّہ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ تَسْبِقْ لَهُ حَالٌ حَالًا فَیَکُوْنَ أَوَّلًا قَبْلَ أَنْ یَکُوْنَ آخِرًا وَ یَکُوْنَ ظَاهِرًا

---

[١] سندِ خطبہ: شیخ صدوق رحمہ اللہ نے اس خطبے کو تھوڑے فرق کے ساتھ اپنی کتاب توحید میں نقل کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ یہ خطبہ امام علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمایا جب لوگوں کو امیر شام سے جنگ کے لیے دوسری بار جمع کر رہے تھے۔ من جملہ ان افراد میں سے جنھوں نے اس خطبے کے حصوں کو نقل کیا ہے، مرحوم آمدی ہیں جنھوں نے غرر الحکم میں ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سیّد رضی رحمہ اللہ کے بعد زندہ تھے لیکن ان کی تعبیرات میں جو سیّد رضی رحمہ اللہ کے ساتھ تفاوت نظر آتی ہے، ظاہر کرتی ہے کہ انھوں نے دوسرے منابع سے خطبہ اخذ کیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ٢، صفحہ ٥٠)

https://downloadshiabooks.com/

قَبۡلَ أَنۡ یَکُوۡنَ بَاطِنًا کُلُّ مُسَمًّی بِالۡوَحۡدَةِ غَیۡرَهُ قَلِیۡلٌ وَ کُلُّ عَزِیۡزٍ غَیۡرَهُ ذَلِیۡلٌ وَ کُلُّ قَوِیٍّ غَیۡرَهُ ضَعِیۡفٌ وَ کُلُّ مَالِكٍ غَیۡرَهُ مَمۡلُوۡكٌ وَ کُلُّ عَالِمٍ غَیۡرَهُ مُتَعَلِّمٌ وَ کُلُّ قَادِرٍ غَیۡرَهُ یَقۡدِرُ وَ یَعۡجَزُ وَ کُلُّ سَمِیۡعٍ غَیۡرَهُ یَصَمُّ عَنۡ لَطِیۡفِ الۡأَصۡوَاتِ وَ یُصِمُّهُ کَبِیۡرُهَا وَ یَذۡهَبُ عَنۡهُ مَا بَعُدَ مِنۡهَا وَ کُلُّ بَصِیۡرٍ غَیۡرَهُ یَعۡمَی عَنۡ خَفِیِّ الۡأَلۡوَانِ وَلَطِیۡفِ الۡأَجۡسَامِ وَ کُلُّ ظَاهِرٍ غَیۡرَهُ بَاطِنٌ وَ کُلُّ بَاطِنٍ غَیۡرَهُ غَیۡرُ ظَاهِرٍ"

"تمام تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں جس کی صفات میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا، کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اوّل رہا ہو اور باطن بننے سے پہلے ظاہر رہا ہو۔ اس کے علاوہ جسے بھی واحد کہا جاتا ہے اس کی وحدت قلت ہے اور جسے بھی عزیز سمجھا جاتا ہے اس کی عزت ذلت ہے۔ اُس کے سامنے ہر قوی ضعیف ہے اور ہر مالک اُس کے علاوہ مملوک ہے، وہ عالم ہے باقی اُس کے سامنے متعلم ہیں اور ہر قادر اور قدرت منداُس کے سامنے کمزور ہے عاجز ہے اور ہر سننے والا اُس کے سامنے بہرہ ہے، لطیف آوازوں کے لیے اور اونچی آوازیں بھی اسے بہرہ بنا دیتی ہیں اور دور کی آوازیں بھی اس کی حد سے باہر نکل جاتی ہیں اور اس طرح اس کے علاوہ ہر دیکھنے والا مخفی رنگ اور لطیف جسم کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر ظاہر غیر باطن ہے اور ہر باطن غیر ظاہر۔"

شرح وتفسیر

پروردگار کی تعریف وتوصیف

صفاتِ خدا کی بحث سے پہلے اس نکتے کی جانب توجہ کرنا بہت ضروری ہے اور اس سے غفلت، گمراہی کا سبب ہے کہ اُس کی صفاتِ جلال و جمال کسی بھی مخلوق سے شباہت نہیں رکھتیں، وہ علم وقدرت رکھتا ہے، لیکن ہمارے علم وقدرت کی طرح نہیں، وہ دیکھنے اور سننے والا ہے لیکن ہمارے دیکھنے اور سننے کی طرح نہیں، اس لیے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ کسی لحاظ سے اُس کی کوئی انتہا نہیں اور جسم وجسمانیت سے بلند ہے، اس بنا پر جب ہم صفاتِ خدا کی بحث کرتے ہیں تو تعجب انگیز باتوں کا سامنا ہوتا ہے جو کسی دوسری جگہ دیکھی نہیں جاتیں۔

من جملہ یہ کہ وہ صفات جو تمام مخلوقات میں متضاد ہیں، وہاں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ مثال کے طور پر مخلوقات عالم میں جو چیز اوّل ہے وہ آخر نہیں اور جو آخر ہے وہ اوّل نہیں، اس میں جو چیز ظاہر ہے وہ باطن نہیں، اور جو چیز باطن ہے وہ ظاہر نہیں، لیکن خداوند متعال کی ذاتِ پاک میں اوّل و آخر اور ظاہر و باطن سب جمع ہیں۔ اس کے علاوہ مخلوقات

https://downloadshiabooks.com/

عالم میں صفات آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور کمال حاصل کرتے ہوئے شکل وصورت پیدا کرتی ہیں، لیکن صفات خدا میں نہ تدریج ہے نہ تقدم و نہ تاخر ہے، اس خطبے کے جملوں میں خصوصیت کے ساتھ اس حقیقت کی جانب اشارہ ہوا ہے۔

پہلی صفت میں فرماتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ تَسْبِقْ لَهُ حَالٌ حَالًا، فَیَكُوْنَ أَوَّلًا قَبْلَ أَنْ یَكُوْنَ آخِرًا وَیَكُوْنَ ظَاهِرًا قَبْلَ اَنْ یَكُوْنَ بَاطِنًا"

"تمام تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں جس کی صفات میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا ہے کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اوّل رہا ہو اور باطن بننے سے پہلے ظاہر رہا ہو۔"

اس مطلب کی دلیل صفاتِ پروردگار کے ساتھ مربوط ہے، جیسے دوسری بہت سی صفات کی طرح اُس میں یہ نکتہ چھپا ہوا ہے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو ہر لحاظ سے ازلی وابدی ہے اور ایسا وجود ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آغاز بھی ہے اور انجام بھی، کوئی اور وجود اس سے پہلے نہ تھا اور کوئی چیز اس کے بعد نہ ہوگی، جس طرح قرآن مجید میں آیا ہے:

"هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ و الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ"[۱]

"وہ اوّل بھی ہے آخر بھی ہے اور ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی ہے۔"

اور یہ بھی فرماتا ہے:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"[۲]

"اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔"

ابتدائی طور پر اللہ کا وجود ازلی وابدی ہے نہ اُس کی کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے اور اُس کے بارے میں اوّل و آخر اس معنی میں ہے کہ تمام مخلوقات اپنی پیدائش اور زندگی گزارنے میں اس کے وجود کی محتاج ہیں۔ لیکن اُس کے ظاہر بھی وہی اور باطن بھی وہی کے معنیٰ یہ ہیں کہ اُس کا وجود اور صفات تمام اشیاء سے زیادہ واضح ہے، کیونکہ آسمان کے یہ تمام ستارے، تمام زندہ موجودات، درختوں کے پتّے، بیابان کی ریتیلی زمین، بلکہ دنیا کے تمام ذرّات جن کی صحیح تعداد کو اُس کے علاوہ نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی تصور کرسکتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے وجود وصفات کے اثبات پر دلیل ہیں۔

---

[۱] سورۂ حدید، آیت ۳۔

[۲] سورۂ قصص، آیت ۸۸۔

https://downloadshiabooks.com/

لیکن جہاں اُس کی ذات کی کوئی انتہا نہیں ہے اور کوئی انسان اس ذات کی انتہا کا تصور نہیں کر سکتا (اس لیے کہ وہ لا محدود ہے کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا) وہ ذات سب پر حتیٰ کہ انبیا و اوصیا علیہم السلام پر بھی پوشیدہ ہے۔ اور انسان دنیا میں پھیلی ہوئی اُس کی نشانیوں کے ذریعے سب سے پہلے اس سے آشنا ہوتا ہے، اس کے بعد وہ اس کی پاک ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُس کی ذات پوشیدہ ہونے سے کہیں زیادہ ظاہر و آشکار ہے۔

بعض مسلم فلسفیوں کا کہنا ہے:

اُس کا مخفی ہونا اُس کی شدت ظہور کی وجہ سے ہے (یعنی پوری دنیا میں اور ہر جگہ اس کے نشانات، آثار، کہکشائیں، کرشموں کی کثرت کی وجہ سے اس کی ذات پوشیدہ نظر آتی ہے) کیا سورج جو اُس کی مخلوقات میں سے ہے، اپنی شدتِ ظہور کی وجہ سے زیادہ تر پوشیدہ نہیں ہے؟ کیا سورج کی قرص (ٹکیہ) کی طرف نگاہ کرنا انسانوں کے لیے آسان ہے؟

اس کے بعد امامؑ ذاتِ پروردگار کی دس صفات کمال و جمال کا مخلوقات کی صفات سے موازنہ کرتے ہیں، اور اُس کی صفات کی وحدت کو صفاتِ مخلوقات سے واضح اور روشن کرتے ہوئے فرمایا:

"كُلُّ مُسَمًّى بِالْوَحْدَةِ غَيْرَهُ قَلِيلٌ"

"اُس کے کمال کی حقیقت صرف اُس کی پاک ذات میں ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز میں کمی پائی جاتی ہے۔"

توحید ذات و صفات خدا کے بارے میں یہ بات انتہائی لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ خدا کی ذات و صفات کی وحدت کی کوئی انتہا نہیں ہے، یہاں پر وحدت بے نظیر و لا محدود ہونے کے معنی میں ہے۔ جب کہ مخلوقات کی وحدت گنتی کے اعتبار سے ہے اور یہ لفظ اُس جگہ بولا جاتا ہے جہاں اس کے مقابلے میں کثرت ہو اور ایسی وحدت کو قلت کا نام دیا جاتا ہے، جب کہ اُس کی ذاتِ پاک میں وحدت ایسی ہے جیسے اُس کے وجود کی وسعت، جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں زمان و مکان کے بغیر موجود تھی، ہے اور رہے گی۔

یہ وہی مطلب ہے جس کی طرف اُوپر اشارہ ہوا کہ جب صفات خدا تک پہنچ جائیں تو وہ بھی خدا کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں، اور وہ وحدت جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں، اس کی تعداد کم ہی ہوتی ہے، لیکن یہاں خدا کی صفات میں وحدت کی وسعت لا محدود ہو جاتی ہے۔

توحید صدوقؒ میں آیا ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر ایک عرب اُٹھا اور عرض کیا:

"یا امیر المومنینؑ، کیا آپؑ کہتے ہیں کہ خداوند متعال کی ذات ایک ہے؟"

لوگوں نے ہر طرف سے اسے گھیر لیا اور کہا:

https://downloadshiabooks.com/

”یہ کون سا وقت ہے سوالوں کا، تجھے کوئی اور جگہ نہیں ملی سوال کرنے کے لیے؟“ (ہر کسی کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون سی بات کہاں کرنی ہے)

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

”اس کو چھوڑ دو! یہ مردِ عرب وہی چیز جاننا چاہتا ہے جو اس میدان میں ہم دشمن سے چاہتے ہیں۔“ (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہی معارف کو سمجھانے کے لیے ہم جنگ کر رہے ہیں)

اس کے بعد فرمایا:

”یَا أَعْرَابِيُّ إِنَّ الْقَوْلَ فِيْ أَنَّ اللهَ وَاحِدٌ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ: فَوَجْهَانِ مِنْهَا لَا يَجُوْزُ عَلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ، وَوَجْهَانِ يَثْبُتَانِ فِيْهِ“

”اے مردِ عرب! یہ جو کہا جاتا ہے خدا ایک ہے، اس کے چار معانی ہیں، ان میں سے دو معنی خداوند متعال کے لیے جائز نہیں اور دو معنی اس کے لیے ثابت ہیں۔“

اس کے بعد ان دو معنی کی تشریح فرمائی جو خدا کے لیے جائز نہیں ہیں، ایک واحد عددی ہے، کیوں کہ جس چیز کے دو معنی نہ ہو (وہ اُس ذات کی طرح ہے جو بے مثل ہے) وہ اعداد کے باب میں داخل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا اپنی جنس میں واحد ہونا ہے (یوں کہا جائے کہ خداوند متعال اپنی جنس میں واحد و یکتا ہے) اس ذات کی نسبت اس طرح کہنا بھی درست نہیں ہے، یہ تشبیہ کی اقسام میں داخل ہے، جب کہ خداوند متعال ہر قسم کے شباہتوں سے پاک و منزہ ہے۔ اور وہ دو معنی جو خداوند متعال کے لیے صادق آتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کہا جائے نکہ وہ یکتا و تنہا ہے، اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔ جی ہاں! خدا کی ذات ایسی ہی ہے۔ یا یہ کہ کہا جائے کہ خداوند متعال احدیّ المعنیٰ ہے یعنی نہ اس کا کوئی ظاہری جز ہے، نہ وہ عقلی اجزا رکھتا ہے اور نہ وہ کسی ذہنی اجزا سے مرکب ہے، جی ہاں! خداوند متعال کی ذات ایسی ہی ہے۔ [1]

دوسری صفت میں فرماتے ہیں:

”وَ كُلُّ عَزِيزٍ غَيْرَهُ ذَلِيلٌ“

”اُس کے علاوہ ہر عزت والا اُس کے سامنے ذلیل ہے۔“

”عزت“ چاہے ”ناقابل شکست قدرت“ کے معنی میں ہو، چاہے ”احترام اور بزرگی“ کے معنی میں ہو، صرف خدا کی ذات

[1] توحید صدوق (نقل بحار الانوار، جلد ۳، صفحہ ۲۰۶، حدیث ۱، توحید خدا کی مزید وضاحت کے لیے کتاب پیام قرآن، جلد ۳ صفحہ ۲۶۰ اور اس کے بعد رجوع کریں۔

https://downloadshiabooks.com/

کے لیے لائق ہے، کیوں کہ خدا کے علاوہ سب ہی تو دنیاوی قوانین کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور قضا وقدر کے محکوم ہیں۔

اور دوسری طرف سب کے سب پروردگار کی ذاتِ پاک کے محتاج ہیں، اور تیسری طرف اس کی عزت ذاتی ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور صاحب عزت ہے بھی تو اُس کی ذات پاک سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ اس بنا پر کوئی بھی موجود اُس کی عزت کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا اور ہر موجود جتنا اُس کے نزدیک ہوگا، اُسیقدر اُس کی عزت کی کرنیں اس پر پڑیں گی۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

"اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾"

"(یہ منافقین جو کافروں کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں) کیا اپنی عزت و آبرو بچانے کے لیے ان کے پاس جاتے ہیں؟ جب کہ سب کی عزت و آبرو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔"[۱]

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا"

"جو شخص عزت چاہتا ہے اسے چاہیے کہ خدا سے طلب کرے کیونکہ تمام عزت خدا کے لیے ہے۔"[۲]

تیسری توصیف میں فرماتے ہیں:

"وَ كُلُّ قَوِيٍّ غَيْرَهُ ضَعِيْفٌ"

"اُس کے علاوہ ہر طاقتور ضعیف و کمزور ہے"، کیونکہ اس دنیا میں مخلوقات کی طاقت وقدرت ایک نسبی چیز ہے، تمام موجودات کا اُس ذات کے کمتر سے موازنہ ہے، نہ اُن کی قدرت وطاقت لامتناہی ہے اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ خدا کی ذاتِ پاک تک پہنچتا ہے، اُس کی قدرت بے انتہا ہے اور ایسی قدرت کہ اس سے اوپر کسی اور قوت کا تصور نہیں ہو سکتا کہ اس سے موازنہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک طاقتور انسان کبھی ایک چھوٹی سی مخلوق سے شکست کھا جائے۔ مثال کے طور پر ایک مکھی، مچھر یا چند جراثیم جو آنکھوں سے دکھائی نہ دیں حتیٰ کہ خوردبین سے بھی نہ دکھائی دیں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں سے انسان شکست کھا جائے، جس کی وجہ سے وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور ساری دنیا کے ڈاکٹر اس کے علاج سے عاجز آ جائیں، ایسی صورت میں غیر خدا کی طاقت وقدرت کی تعریف وتوصیف حقیقت میں ایک مجازی توصیف ہے اور "قوی" کے اصلی معنی اُس کی پاک ذات ہے۔

---

[۱] سورۂ نساء، آیت ۱۳۹۔

[۲] سورۂ فاطر، آیت ۱۰۔

https://downloadshiabooks.com/

"أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا"۔ (۱)

"(مشرکین قیامت میں جان لیں گے) ساری قوت خدا کے لیے ہے"

اور ان کے خیالی معبود کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

چوتھی توصیف میں فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ مَالِكٍ غَيْرَهُ مَمْلُوْكٌ"

"اُس کے سوا ہر مالک مملوک اور غلام ہے۔"

اس لیے کہ حقیقی ملکیت خلقت سے وجود میں آتی ہے، وہ ہستی مالک حقیقی ہے جس نے سب موجودات کو پیدا کیا اور انسان اپنی پیدائش کے وقت اس کے محتاج تھے اسی طرح اپنے وجود کی بقا کے لیے بھی اس کے محتاج ہیں، یہی وجہ ہے کہ غیر خدا کے بارے میں ملکیت کے معنیٰ مجازی ہیں اور دوسرے لفظوں میں اگر ہم کسی چیز کے مالک ہو جائیں تو مالک بننے کا سبب پروردگار ہے ورنہ کوئی موجود خود سے کوئی چیز نہیں رکھتا یہاں تک کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں:

"قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ"۔ (۲)

"اے رسولؐ تم کہہ دو خود اپنا آپ تو اختیار رکھتا ہی نہیں نہ نفع کا نہ ضرر کا مگر بس وہی جو خدا چاہے۔"

"قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾"۔ (۳)

"پیغمبر آپ کہئے کہ خدایا تو صاحبِ اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کر لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر ہے۔"

پانچویں توصیف میں امامؑ خداوند متعال کے (لامحدود علم کے) بارے میں فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ عَالِمٍ غَيْرَهُ مُتَعَلِّمٌ"

"خدا کے علاوہ تمام علم رکھنے والے طالب علم ہیں۔"

کیونکہ خدا کا علم ذاتی ہے اور اُس کی ذات کے علاوہ ہر جگہ، ہر زمانے اور ہر شرط و شرائط کے ساتھ کوئی چیز موجود نہیں

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۶۵

(۲) سورۂ اعراف، آیت ۱۸۸

(۳) سورۂ آل عمران، آیت ۲۶

https://downloadshiabooks.com/

ہوتی۔ اس بنا پر اس ذات کی نسبت پہلے جہل اور پھر بعد میں سیکھنا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور نہ اس کے علم کے لیے محدودیت کا تصور کیا جا سکتا ہے، بلکہ اُس کا علم اُس کی ذات کی طرح لامحدود ہے، جبکہ ہر شخص کا علم جہل کے بعد ہے اور تعلیم کا محتاج ہے۔

وہ دن جب انسان کا وجود نہ تھا، تو کوئی علم بھی نہ تھا، جب وجود میں آیا تو خداوند متعال نے علم کے سمندر سے کچھ حصہ اس کی فطرت میں رکھ دیا اور کچھ وہ تجربات سے حاصل کرتا ہے اور کچھ حصہ دوسروں سے سیکھتا ہے۔ یہ تینوں طریقے سیکھنے کی اقسام میں آتے ہیں۔

اس بنا پر خدا کی ذات کے علاوہ دنیا میں رہنے والے سب مختلف طریقوں سے سیکھنے کے مرحلے میں ہیں۔ فقط اُس کی پاک ذات ہے کہ جو ہر علم ودانش کا نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

”اور اللہ ہی نے تمہیں شکم مادر سے اس طرح نکالا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اسی نے تمہارے لئے کان آنکھ اور دل قرار دئے ہیں کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔“

چھٹی توصیف میں فرماتے ہیں:

”وَكُلُّ قَادِرٍ غَيْرَهُ يَقْدِرُ وَيَعْجَزُ“

”اُس کے سوا ہر طاقتور کبھی طاقتور اور کبھی عاجز ہے۔“

اس دلیل میں بھی دوسری تمام چیزوں کے محدود اور خداوند متعال کی ذات کے لامحدود ہونے کا راز پوشیدہ ہے۔ اس لیے کہ اُس کی ذات کی کوئی حد و حدود نہیں ہیں، قدرت اُس کی عین ذات ہے اور یہ بھی لامحدود ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی مخلوق ہے اس کی طاقت وقدرت محدود ہے، اسی بنا پر کچھ اہم کاموں کے مقابلے میں بعض کمزور امور بھی ہوتے ہیں، اسی لیے بعض موقع پر ایک معین کام کو اس کے شرائط کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں مگر بعض دفعہ شرائط کے ساتھ کام انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

ایک انسان کی عمر کا ہر دن یا اس کی زندگی کے ہر گزرنے والے وقت میں شاید طاقت وقدرت کے لحاظ سے کمی واقع ہو جائے۔ لیکن فقط وہ قادر متعال کی ہستی ہے کہ جو ہمیشہ ہر حال میں اور ہر چیز سے زیادہ طاقتور اور صاحب قدرت ہے۔ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر خداوند متعال کی قدرت تمام چیزوں پر قوی ہے تو کیا وہ پوری دنیا کو چھوٹا کر کے ایک انڈے میں قرار دے سکتا ہے؟ اور انڈا نہ بڑا ہو اور نہ اس کی فضا چھوٹی ہو! یہ تصور ہی درست نہیں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسرے لفظوں میں یہ سوال ہی غلط ہے، یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں کیوں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایک ہی وقت میں دنیا بڑی بھی اور چھوٹی بھی ممکن ہے؟ کہ انڈے کی فضا میں بھی کوئی کمی نہ آئے اور وہ کائنات کے برابر بھی ہو، یا سوال اس طرح ہو کہ خداوند قادر اس دنیا کو چھوٹا کرے کہ وہ انڈے میں آجائے یا اسے چھوٹا نہ کرے، بلکہ انڈے کی فضا کو دنیا کے برابر کرے اور ایسا نہ بھی کرے۔ کیا اللہ کی ذات ایسا کر سکتی ہے؟ بات بالکل واضح ہے کہ جب سوال ہی غلط ہوگا تو اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بالکل یہی سوال امیر المومنینؑ سے بھی کیا گیا:

"هَلْ يَقْدِرُ رَبُّكَ أَنْ يَدْخُلَ الدُّنْيَا فِيْ بَيْضَةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَصْغُرَ الدُّنْيَا أَوْ تَكْبُرَ الْبَيْضَةَ؟ فَقَالَ ؑ: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَا يُنْسَبُ إِلَى الْعَجْزِ وَالَّذِيْ ذَكَرْتَ لَا يَكُوْنُ۔" [1]

کیا تیرا پروردگار اس پر قدرت رکھتا ہے کہ دنیا کو انڈے میں داخل کر دے، اس سے نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو؟ امام علیؑ نے فرمایا: "خداوند متعال کو عجز کی نسبت نہیں دی جاسکتی لیکن جو چیز تو نے کہی ہے وہ غیر ممکن ہے"

کیوں کہ جہاں کام ممکن نہ ہو وہاں قدرت کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ خدا کی قدرت ذاتی بھی ہے لامحدود بھی، ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، اُس کے علاوہ جو بھی قدرت مند ہے، اُس کا سرچشمہ وہی ذات ہے اور جتنی مقدار وہ چاہتا ہے اتنی قدرت دیتا ہے اس کے علاوہ تمام دوسرے عاجز و کمزور ہیں۔

ساتویں توصیف میں فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ سَمِيْعٍ غَيْرَهُ يَصَمُّ عَنْ لَطِيْفِ الْأَصْوَاتِ وَيُصِمُّهُ كَبِيْرُهَا، وَيَذْهَبُ عَنْهُ مَا بَعُدَ مِنْهَا"

"انتہائی خفیف و کمزور اور بہت دور کی آوازیں اُس ذات کے علاوہ کوئی نہیں سن سکتا۔ دوسرے اس سے عاجز ہیں اور رزوردار اور گرجدار آوازیں انہیں بہرہ کر دیتی ہیں۔"

انسان کے سننے کی قوت میں امواج صوتی کے مقابلے میں امواج کے انتقال کا طریقہ حسّاسیت رکھتا ہے اور (صماخ) کان کے سوراخ اور پردے کے ذریعے آواز دماغ میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ان اسباب کا مرکز مختلف جہت سے محدود ہے انسان سب آوازوں کے سننے کی طاقت نہیں رکھتا اور دانش وروں کے مطابق انسان صرف ایسی آوازوں کو سن سکتا ہے جن کی امواج کی رفتار ایک سیکنڈ میں سولہ سے بیس ہزار مرتبہ کی رفتار سے ہو۔ یعنی جس طرح ایک سیکنڈ میں آواز کی بیس ہزار سے زیادہ رفتار رسائی نہیں دیتی اسی طرح سولہ مرتبہ فی سکنڈ کی رفتار سے بھی وہ نہیں سن سکتا۔

---

[1] بحارالانوار، جلد ۴، صفحہ ۱۴۳، حدیث ۱۰، اسی معنی کو حضرت امام جعفر صادقؑ سے کتاب کافی جلد ۱، صفحہ ۷۹، حدیث ۴ میں بیان کیا گیا ہے اور بحارالانوار میں آیا ہے کہ شیطان نے یہ سوال حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا تو انہوں نے یہی جواب دیا۔ (بحارالانوار، جلد ۱۴، صفحہ ۲۷۱، حدیث ۳)

https://downloadshiabooks.com/

البتہ یہ اعداد و شمار سب جانداروں میں برابر نہیں ہے۔ ایسے حیوانات بھی ہیں جن کی سننے کی قوت ہم سے کہیں زیادہ ہے اور وہ کمزور و خفیف آواز کو بھی سن سکتے ہیں، لیکن آوازوں کی تعداد کم ہو یا زیادہ وہ ہر آواز سننے کی قدرت نہیں رکھتے۔

اگر لہروں کی رفتار تیز ہو جائے تو ممکن ہے کان کے پردے پھٹ جائیں اور ہمیشہ کے لیے سننے کی نعمت سے محروم ہو جائے یہی وجہ ہے کہ جنگوں میں سپاہی بڑے گرجدار آواز والے اسلحے جب چلاتے ہیں گولہ پھینکتے وقت اپنے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے اچھی طرح بند کر لیتے ہیں کہ کہیں ان کے کان کے پردے کو نقصان نہ پہنچے۔

آواز جس قدر بھی طاقتور ہوا گر انسان سے زیادہ دور ہوگی تو پھر بھی اسے سننے کی طاقت نہیں رکھتا اس بنا پر انسانوں اور دیگر حیوانوں کی سننے کی قوت کئی جہت سے کمزور ہے، ہمارے چاروں جانب اس قدر امواج صوتی ہیں کہ ہم ایک لمحہ بھی پیدائش سے موت تک ان کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور محروم ہیں۔

لیکن خدا کا سمیع و سننے والا ہونا مادّی و جسمانی آلات سے نہیں ہے خداوند متعال کا سمیع ہونا اس کے صاحب علم ہونے کی بنا پر ہے یعنی وہ سب آوازوں سے آگاہ ہے اور ہر ایک سے بطور خاص آگاہ و باخبر ہے، آوازیں اسے تکلیف نہیں دیتیں اور کوئی چیز اس سے دور اور پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

"تو پیغمبر نے جواب دیا کہ میرا پروردگار آسمان و زمین کی تمام باتوں کو جانتا ہے وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"[1]

آٹھویں توصیف میں: خداوند متعال کے (بصیر) ہونے کے بارے میں بات کی ہے جو چند جہات سے اس کے سمیع ہونے سے شباہت رکھتی ہے، فرماتے ہیں:

"وَ كُلُّ بَصِيْرٍ غَيْرَهٗ يَعْمَىٰ عَنْ خَفِيِّ الْاَلْوَانِ وَلَطِيْفِ الْاَجْسَامِ"

"اللہ کے علاوہ ہر دیکھنے والا باریک رنگوں اور بہت چھوٹے اجسام کو دیکھنے سے عاجز ہے۔"

ہم اور دیگر جاندار آنکھوں سے ہی دیکھتے ہیں اور یہ بہت نازک اور پیچیدہ عضو ہیں جو مختلف طبقات سے تشکیل پاتے ہیں اور ان میں سے ہر کوئی ایک خاص کام انجام دیتا ہے اور جب وہ مل کر کام کرتے ہیں تو ایک چھوٹی تصویر اور روشنی کو جیسے ایک کیمرے کی طرح بالکل ٹھیک آنکھ کے پردے پر چھاپتے ہیں اور انتہائی حساس قوتوں کے ذریعے اس تصویر کو دماغ میں منتقل کرتے ہیں لیکن آنکھ کی تصویر لینے کی صلاحیت بھی مختلف حالات میں محدود ہے، اس لیے کہ وہ بہ یک وقت تمام چیزوں کی تصویر نہیں لے سکتی۔

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۴۔

https://downloadshiabooks.com/

اور ماہرین کہتے ہیں:

"انسان جن چیزوں کو دیکھتا ہے وہ نور کی شعاعوں کی لہریں ہیں جو ہر سیکنڈ میں ۴۵۸ ارب سے ۷۲۷ ارب ہوتی ہیں یا اس سے کم وزیادہ بھی ہوسکتی ہیں، فضا میں جو امواج اور نوری شعاعیں ہیں ان سب کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے۔"

ایسے جاندار ہیں جن کی دیکھنے کی قوت ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ من جملہ ان میں سے شکاری پرندے ہیں جو فضا کی بلندیوں سے زمین پر پڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں دیکھ لیتے ہیں لیکن ان کی بھی دیکھنے کی قوت محدود ہے۔ (وہ ایک وقت میں ایک ہی چیز دیکھ سکتے ہیں) چھوٹی چیزیں ایک معین حد تک تو آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں اور زیادہ چھوٹی چیزیں معمولی مائیکرواسکوپ سے دیکھ سکتے ہیں اور اس سے بھی چھوٹی چیزیں الیکٹرونک مائیکرواسکوپ سے دیکھ سکتے ہیں جو چیزوں کو بہت بڑی بنا کر دکھاتا ہے لیکن مزید یہ کہ ایسی چیزیں بھی وجود رکھتی ہیں، جو ان آلات سے بھی نہیں دکھائی دیتیں اور یہ کہ جس قدر نور کمتر ہوگا دیکھنے کی قدرت کمتر ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ شدید تاریکی میں کوئی چیز نہیں دیکھی جاسکتی۔ ممکن ہے بعض جانوروں کی آنکھ تاریکی میں انسان سے بہتر دیکھے اور ممکن ہے مخصوص دُوربین جو سرخ شعاعوں کی مدد سے بہت ساری چیزیں تاریکی میں انسان کے لیے ظاہر کرتی ہے لیکن ان کے علاوہ بہت ساری چیزیں ہیں جو تاریکی میں نہیں دیکھی جاسکتیں۔ (جسے صرف اللہ کی ذات دیکھ سکتی ہے)

یہ سب چیزیں مختلف جہات سے انسانی نظر کی محدودیت کو ظاہر کرتی ہیں، لیکن وہ جو سب چیزوں کو ہر جگہ اور ہر مخفی و آشکار حالت میں دیکھتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کا علم ان کا احاطہ کیے ہوئے ہیں وہ خدا کی پاک ذات ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑪ [1]

"کوئی چیز اُس جیسی نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔" (حقیقت میں واقعی اور حقیقی دیکھنے اور سننے والی خدا کی پاک ہستی ہے)

نویں اور دسویں توصیف میں فرماتے ہیں:

"وَكُلُّ ظَاهِرٍ غَيْرَهُ بَاطِنٍ وَكُلُّ بَاطِنٍ غَيْرَهُ غَيْرُ ظَاهِرٍ"

"اُس کے سوا ہر آشکار پوشیدہ ہے اور اُس کے سوا ہر باطن آشکار نہیں۔"

یہ توصیفات خداوند متعال کی دوسروں کی نسبت محدودیت ولا محدودیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، جہاں اُس کی

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۱۱۔

https://downloadshiabooks.com/

پاک ذات لامحدود ہے وہاں اس کے آثار تمام ہستی کو گھیرے ہوئے ہیں اور بغیر کسی قید و شرط کے ہر جگہ اور ہر زمان میں آشکار و واضح ہونا اسی کے لیے مخصوص ہے، جبکہ دوسرے موجودات چاہے ظاہر بھی ہوں لیکن ان کا آشکار ہونا محدود ہے اس بنا پر کہہ سکتے ہیں "مخفی اور غیر ظاہر ہیں"۔

کہکشاؤں اور ستاروں کی دنیا میں ایسے ستارے دریافت ہوئے ہیں جو ہماری دنیا کے چمکتے ہوئے سورج سے بہت بڑے اور پُرنور ہیں لیکن ہمیں ان کے کوئی آثار نہیں نظر آتے! اگر ہم نظامِ شمسی کے دائرۂ کار سے باہر آجائیں تو سورج پہلے کم رنگ اور پھر بے رنگ ہوجائے گا۔

مزید یہ کہ اگر کوئی چیز ظاہر ہو، چاہے ظہور نسبی ہو یا محدود، وہ بھی پروردگار کے وجود کی برکت سے ہے ورنہ تمام چیزیں اپنی ذات میں کامل طور پر تاریک اور غیر ظاہر ہیں اور یہ پروردگار کے نور کا وجود ہے جو ان میں چمک رہا ہے اور خود کو ظاہر کرتا ہے، اور یہ گرد و غبار کے ذرّات کی طرح ہے جو ہوا میں پھرتے نظر آتے ہیں اور غیر ظاہر ہوتے ہیں لیکن جب روشن دان سے سورج کی کرنیں کمرے کے اندر چمکتی ہیں تو گرد و غبار کے ذرّات ہوا میں نمایاں ہوجاتے ہیں۔

توصیف کے اس دوسرے حصے میں فرماتے ہیں:

"اُس کے سوا کوئی بھی باطن آشکار نہیں۔"

یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تمام موجودات میں خداوند متعال کی ذات مخفی ہے اور تمام انسانوں کی عقل سے بالاتر ہے حتیٰ کہ انبیاء و اولیائے کرام کی دسترس سے خارج ہونے کے باوجود اس کے آثار ہر جگہ ہیں اور چھپے ہونے کے باوجود وہ ظاہر ہے، جبکہ دوسرے موجودات اگر پوشیدہ ہوں تو ظاہر نہیں اور اگر ظاہر ہیں تو پوشیدہ نہیں۔ مثال کے طور پر وہ انسان جو چادر میں لپٹا ہوا ہو یہ ظاہر نہیں کہ انسان ہے یا کوئی اور چیز ہے اور جو شخص ظاہر ہے پوشیدہ نہیں ہے لیکن خداوند متعال کی ذات کاملاً مخفی ہے اس کے باوجود وہ کاملاً آشکار ہے اور پوشیدہ ہونے کے باوجود وہ بالکل ظاہر ہے۔ [1]

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ"

"وہی اوّل ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

---

[1] نہج البلاغہ کے متعدد نسخوں میں مذکورہ جملہ اس صورت میں آیا ہے: وَ كُلُّ ظَاهِرٍ غَيْرَهُ بَاطِنٌ، وَ كُلُّ بَاطِنٍ غَيْرَهُ غَيْرُ ظَاهِرٍ شارحین نہج البلاغہ میں سے بعض یہ اصرار کرتے ہیں کہ غیر دونوں جملوں (غیر باطن، غیر ظاہر) میں یا ہو یا دونوں سے حذف ہو، یہاں تک کہ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ صحیح صالح والے نسخے میں یقیناً غیر نہیں ہے اور دوسرے جملے میں ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے البتہ وحدت سیاق کا قرینہ ایسی اقتضا رکھتا ہے، لیکن جس طرح ذکر کیا گیا، یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ نسخہ غلط ہے بلکہ تفسیر و توجیہ کے قابل ہے جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسرا حصّہ

لَمْ یَخْلُقْ مَا خَلَقَهُ لِتَشْدِیْدِ سُلْطَانٍ وَ لَا تَخَوُّفٍ مِنْ عَوَاقِبِ زَمَانٍ وَ لَا اسْتِعَانَةٍ عَلٰی نِدٍّ مُثَاوِرٍ وَ لَا شَرِیْكٍ مُكَاثِرٍ وَ لَا ضِدٍّ مُنَافِرٍ وَ لٰكِنْ خَلَائِقُ مَرْبُوْبُوْنَ وَ عِبَادٌ دَاخِرُوْنَ لَمْ یَحْلُلْ فِي الْأَشْیَاءِ فَیُقَالَ هُوَ كَائِنٌ وَ لَمْ یَنْأَ عَنْهَا فَیُقَالَ هُوَ مِنْهَا بَائِنٌ لَمْ یَؤُدْهُ خَلْقُ مَا ابْتَدَأَ وَ لَا تَدْبِیْرُ مَا ذَرَأَ وَ لَا وَقَفَ بِهِ عَجْزٌ عَمَّا خَلَقَ وَ لَا وَلَجَتْ عَلَیْهِ شُبْهَةٌ فِیْمَا قَضٰی وَ قَدَّرَ بَلْ قَضَاءٌ مُتْقَنٌ وَ عِلْمٌ مُحْكَمٌ وَ أَمْرٌ مُبْرَمٌ الْمَأْمُوْلُ مَعَ النِّقَمِ الْمَرْهُوْبُ مَعَ النِّعَمِ!"

"اُس نے مخلوقات کو اپنی حکومت کے استحکام یا زمانے کے نتائج کے خوف سے نہیں پیدا کیا ہے۔ نہ اسے کسی برابر والے حملہ آور یا صاحبِ کثرت شریک یا ٹکرانے والے مدمقابل کے مقابلے میں مدد لینا تھی۔ یہ ساری مخلوق اسی کی پیدا کی ہوئی اور پالی ہوئی ہے اور یہ سارے بندے اسی کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ اس نے اشیاء میں حلول نہیں کیا ہے کہ اسے کسی کے اندر سمایا ہوا کہا جائے اور نہ اتنا دور ہو گیا ہے کہ بالکل الگ خیال کیا جائے۔ مخلوقات کی خلقت اور مصنوعات کی تدبیر اسے تھکا نہیں سکتی ہے اور نہ کوئی تخلیق اسے عاجز بنا سکتی ہے اور نہ کسی قضا و قدر میں اُسے کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اُس کا ہر فیصلہ محکم اور اُس کا ہر علم یقینی اور اُس کا ہر حکم مستحکم ہے۔ ناراضی میں بھی اُس سے امید وابستہ کی جاتی ہے اور نعمتوں میں بھی اُس کا خوف لاحق رہتا ہے۔"

شرح و تفسیر

جلال و جمال کے جلوے

دوسرے خطبے میں جو کہ اس خطبے کا آخری حصہ ہے، اسی انداز سے پروردگار عالم کے اوصاف کی یکے بعد دیگرے تشریح کی گئی ہے۔ تعبیرات سے صفات الٰہی کی گہرائیوں کی وضاحت فرماتے ہیں: اس حصے میں آٹھ اوصاف الٰہی کو بحث کے مورد میں قرار دیا گیا ہے جو انسانوں کی تربیت میں بہت موثر ہیں۔

پہلی صفت میں فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"لَمۡ یَخۡلُقۡ مَا خَلَقَهُ لِتَشۡدِیۡدِ سُلۡطَانٍ وَلَا تَخَوُّفٍ مِنۡ عَوَاقِبِ زَمَانٍ، وَلَا اسۡتِعَانَةٍ عَلٰی نِدٍّ[۱] مُثَاوِرٍ[۲] وَلَا شَرِیۡكٍ مُكَاثِرٍ[۳] وَلَا ضِدٍّ مُنَافِرٍ[۴]"

"اُس نے مخلوقات کو اپنی حکومت کے استحکام یا زمانے کے نتائج کے خوف سے نہیں پیدا کیا ہے۔ نہ اُسے کسی برابر والے حملہ آور یا صاحب کثرت شریک یا ٹکرانے والے کے مقابلے میں مدد لینا تھی۔"

ہم ہر چیز کو اپنے وجود وصفات وافعال پر قیاس کرتے ہیں، کبھی کبھی صفات جمال وجلالِ پروردگار کے بارے میں بھی اس قسم کی بڑی غلطی میں گرفتار ہوتے ہیں اور مثال کے طور پر یہ سوچتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنے مقصد اور فائدے کے لیے اعمال انجام دیتے ہیں اسی طرح افعال خداوندمتعال کے بارے میں بھی سوچتے ہیں، جب کہ وہ اپنے وجود میں ہر نظر سے کامل ولامحدود اور مطلق ہستی اور تمام کمالات کا مالک ہے اور اُس کی پاک ذات میں کسی کمی کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اس حقیقت کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اُس کے افعال دوسرے طریقے سے وجود میں آتے ہیں اور فاعل حکیم جب حکمت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تو ہمیں چاہیے اس کے افعال کے مقاصد کو اس کے وجود کے باہر اور اس کے بندوں میں جستجو کریں۔

مذکورہ توصیف کُلّی طور پر اس نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ تمام اہداف جن کی کمی ونقصانات کو دور کرنے کی ہمیں ضرورت ہے وہ انھیں خداوندمتعال کے افعال سے جدا کردیتے ہیں۔ ہمارے بہت سے کاموں میں ہمارا مقصد اپنی طاقت کو مزید بڑھانا ہوتا ہے اور کبھی آئندہ کے پیش نظر خراب اثرات سے بچنے کو ہدف قرار دیتے ہیں اور کبھی افراد پر غلبہ پانا چاہتے ہیں جو ایسے سازشی عناصر ہیں جو ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانا یا کمزور کرنا چاہتے ہیں۔

کبھی ایسے افراد کے مقابل کھڑا ہونا پڑتا ہے جو حد سے زیادہ لالچی اور طلبگار ہوتے ہیں اور ہمارا حق بھی چھین لینا چاہتے ہیں اور انھیں طاقت کے ذریعے خاموش کرنا پڑتا ہے اور کبھی ہمارے راستے میں بہت سی رکاوٹیں آجاتی ہیں اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ایسے مواقع اور ذریعے تلاش کریں جن کے وسیلے سے ان رکاوٹوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

خداوندمتعال کی توصیف میں اس بات پر تاکید ہوئی ہے کہ ذکر شدہ پانچ اہداف اس کے افعال میں موردِ توجہ نہیں

---

[۱] ند، بروزن ضد، اصل میں کسی چیز کے یا شخص کے مخالف یا مقابل کے معنی میں ہے، اور دوسرے لفظوں میں ایسے ایسے ایک جیسے کے معنی میں ہے جو مقابلے کے لیے کھڑا ہوجائے، اس لیے کبھی اس کی ضد سے بھی تفسیر کی گئی ہے۔

[۲] مثاور، اصل میں مادّۂ ثور سے ہیجان کے معنی میں آیا ہے، اس لیے اشارہ کسی چیز کے بکھر جانے کے معنی میں ہے، اور مشاورہ، دو شخص یا دو چیزوں کا ایک دوسرے کی مخالفت میں ہیجان کرنا کے معنی میں ہے اس لیے صحاربہ وجنگ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

[۳] مکاثر، مادّۂ کثرت سے ہے، بڑھانے کے معنی میں ہے اور مکاثر ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جو زیادتی طلب ہے یا مال وقدرت زیادہ ہونے پر فخر کرتا ہے۔

[۴] منافر، مادّۂ نفرت سے ہے، کسی چیز سے دوری اختیار کرنا اور ناراضی رکھنے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

ہیں۔ نہ اس کی قدرت میں کمی ہے، نہ وہ آنے والے حوادث سے خوف کھاتا ہے، نہ اس کی کوئی نظیر ہے، جو اس کی جگہ پر آجائے، نہ کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے، نہ ایسا مخالف ہے جو اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے اور اس کی نابودی وشکست کے لیے کام کرے۔ یہ ہم ہیں کہ اپنے وجود کے ذاتی نقائص کی وجہ سے ان امور میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر یہ سب امور بے مقصد ہیں تو پھر خداوندمتعال نے مخلوقات کی پیدائش کو کس ہدف کے لیے شروع کیا ہے؟ اس سوال کا جواب بعد والے جملوں میں آیا ہے فرماتے ہیں:

"وَلٰكِنْ خَلَائِقُ مَرْبُوبُونَ، وَعِبَادٌ دَاخِرُونَ" [1]

"یہ ساری مخلوق اسی کی پیدا کی ہوئی اور پالی ہوئی ہے اور یہ سارے بندے اُسی کے سامنے سرتسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔"

جی ہاں! خلقت کا ہدف یہ نہ تھا کہ خداوندمتعال اس سے کوئی فائدہ اٹھائے گا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بندوں پر لطف کرے، "مربوبون" کی مثال سے، اس پر توجہ رہے کہ یہ "ربّ" کے مادّے سے لیا گیا ہے، جو پرورش کرنے اور کمال بخشنے کے معنی میں ہے، یہ بالکل اس معنی کی طرف اشارہ ہے اور "وَعِبَادٌ دَاخِرُونَ" "اس کے مخلص بندے ہیں" یہ بھی اس معنی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے اس لیے کہ وجودِ انسان کا کمال وبندگی خدا کی راہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس بنا پر بندگان اور مخلوقات نہ صرف یہ کہ پروردگار کی شبیہ وضد نہیں ہیں، بلکہ اس کے فیضِ رحمت سے فیضیاب ہیں اور خلقت کا سارا فائدہ ان کو ہی ملتا ہے۔

دوسری اور تیسری صفت:

خداوندمتعال کی وسعت اور لامحدودیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرماتے ہیں:

"لَمْ يَحْلُلْ فِي الْأَشْيَاءِ فَيُقَالَ: هُوَ كَائِنٌ [2] وَلَمْ يَنْأَ [3] عَنْهَا فَيُقَالَ: هُوَ مِنْهَا بَائِنٌ"

"اُس نے اشیاء میں حلول نہیں کیا ہے کہ اسے کسی کے اندر سمایا ہوا کہا جائے اور نہ اتنا دور ہوگیا ہے کہ بالکل الگ خیال کیا جائے۔"

اس بات کی طرف توجہ رہے کہ اُس کی پاک ذات مکان وزمان سے برتر ہے اور اس کے لیے کسی کا وجود اور

---

[1] داخرون، مادّۂ دخور (بروزن حضور) سے ذلّت کے معنی میں ہے کہ کبھی مثبت امور میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی منفی امور میں، جب بندگان خدا، داخر کے عنوان سے معرفی ہوتے ہیں تو اس کے معنی حق تعالیٰ کے سامنے تسلیم وتواضع کرنا ہے۔

[2] نہج البلاغہ کے اکثر نسخوں میں مذکورہ جملہ "فیقال هو فیها کائن" کی صورت میں آیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جملے کا مفہوم اس نسخے کا مطابق واضح تر ہے اور متن والے نسخے میں لفظ "فیها" مقدر ہے۔

[3] ینأ، مادّہ نأی سے ہے بروزن رأی، دور ہونے کے معنٰی میں ہے اور بعض نے کسی چیز سے فاصلہ اختیار کرنے اور دور دراز نکتے کی طرف جانے کی تفسیر کی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اختصاص نہیں، یہ دونوں صفات حتمی نتائج لے کر سامنے آتی ہیں۔ وہ ہستی جو زمان و مکان سے بلند ہے ایسی جگہ نہیں جس میں وہ حُلول کرے اور اس کی محتاج ہو، اس بنا پر دور و نزدیک، جدائی اور بیگانگی اس کے بارے میں تصور نہیں ہو سکتی، یہ سب امور ان اشیا پر صادق آتے ہیں جو محدود ہوں اور اس نقطے میں حُلول کرتی ہیں جو ایک چیز کے نزدیک اور دوسری سے دور ہو۔ لیکن خداوند متعال کی لامحدود ذات ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کے قریب ہے، وہ کوئی محل و مکان نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں آیا ہے:

"وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾" (۱)

"تم لوگ جہاں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور تم جو انجام دیتے ہو خدا دیکھتا ہے۔"

اور فرماتا ہے:

"وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾" (۲)

"خداوند تعالیٰ ہم انسانوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔"

اور فرماتا ہے:

"وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾" (۳)

"مشرق و مغرب خدا کے لیے ہیں تم لوگ جس طرف بھی رخ کرو گے خدا وہاں پر ہے، خدا بے نیاز اور دانا ہے۔"

اور یہ واضح ہے کہ خداوند متعال کے اوصاف کمالیہ پر اعتقاد انسان کی تربیت میں بڑا اثر رکھتا ہے، اس لیے انسان ہر جگہ خود کو اس کے ساتھ دیکھتا ہے اور تمام عالم کو اس کی بارگاہ میں شمار کرتا ہے اور یہ یقین کر لیتا ہے کہ خدا اس کی خلوت و جلوت میں اس کے ساتھ ہے اور پھر اس حالت میں اسے شرم آتی ہے کہ اُس کی نافرمانی و گناہ کرے۔

چوتھی اور پانچویں صفت میں فرماتے ہیں:

"لَمْ يَؤُدْهُ خَلْقُ مَا ابْتَدَأَ، وَلَا تَدْبِيرُ مَا ذَرَأَ، وَلَا وَقَفَ بِهِ عَجْزٌ عَمَّا خَلَقَ"

"مخلوقات کی خلقت اور مصنوعات کی تدبیر اسے تھکا نہیں سکتی اور نہ کوئی تخلیق اسے عاجز بنا سکتی ہے۔"

اس مذکورہ عبارت میں چند نکتوں کی جانب اشارہ ہوا ہے جو سب پروردگار کی لامحدود قدرت کی طرف رہنمائی

(۱) سورۂ حدید، آیت ۴

(۲) سورۂ ق، آیت ۱۶

(۳) سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۵۔

https://downloadshiabooks.com/

کرتے ہیں:

پہلا: موجودات کی خلقت کے آغاز کے کام میں جہاں محنت ووقت زیادہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ توجہ رہے کہ "لَمْ یَؤُدْهُ" کا مادّہ "أَوْدَ" ہے، بروزن "عود" سنگینی کے معنی میں ہے۔

دوسرا: اس راہ کے تسلسل میں ان کی ربوبیت وتدبیر اُس کے لیے مشکل نہیں ہے۔

تیسرا: ان سب موجودات کی خلقت سے اس کی قدرت ختم نہیں ہوئی، بلکہ وہ "کُن" کے فرمان سے دوسرے کئی عالم، بلکہ لاکھوں کروڑوں عالم خلق فرما سکتا ہے۔

"اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾" [۱]

"اُس کا حکم اس طرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فقط اس سے کہتا ہے "ہوجا" تو وہ فوراً ہوجاتی ہے۔"

آخری جملے کے دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ موجودات کی خلقت ان کے ارادے ان کی گرفت سے باہر ہے۔ اس صورت میں اس کا مفہوم پہلے جملے کے لیے تاکید ہے۔ یہ اوصاف بھی اس کی ذات وصفات کے محدود نہ ہونے پر ایک دلیل ہیں۔ اس لیے کہ عجز وکمزوری وتھکاوٹ وسنگینی اس شخص کے لیے تصور ہوتی ہے جس کی قدرت محدود ہو اور وہ چاہتا ہو کہ جو اس کی بساط میں ہے اس سے زیادہ انجام دے لیکن وہ ہستی جس کی قدرت محدود نہ ہو اس کے لیے چھوٹا بڑا، وزنی اور ہلکا اور آسان ودشوار کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چھٹے وصف میں پروردگار کے لامحدود علم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"وَلَا وَلَجَتْ عَلَيْهِ شُبْهَةٌ فِيمَا قَضٰى وَقَدَّرَ، بَلْ قَضَاءٌ مُتْقَنٌ، وَعِلْمٌ مُحْكَمٌ، وَأَمْرٌ مُبْرَمٌ"

"اور نہ کسی قضا وقدر میں اسے کوئی شبہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ محکم اور اُس کا ہر علم متعین اور اس کا ہر حکم مستحکم ہے۔" ناراضی میں بھی اس سے امید وابستہ کی جاتی ہے اور نعمتوں میں بھی اس کا خوف لاحق رہتا ہے۔

انسان جن کا علم محدود ہے کبھی پکا ارادہ کرتے ہیں لیکن راہ کے تسلسل میں ایسے حقائق ان کو دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جو ان کو اپنے ارادے میں متزلزل کر دیتے ہیں اور کبھی کُلّی طور پر غلطی کو سمجھ لیتے ہیں اور راستے کے درمیان سے واپس لوٹ کر آتے ہیں، لیکن وہ ہستی جس کا علم لامحدود ہے اور پورے عالمِ ہستی میں اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور کوئی نیا مطلب اس کے لیے کشف نہیں ہوتا وہ اس کی ابتدا وانتہا کو جانتا ہے اور ہر چیز زمان ومکان اُس کی پاک ذات کے سامنے حاضر ہیں، وہ جب کوئی تدبیر کرتا ہے، حکم دیتا ہے اور کسی چیز کو مقدر کرتا ہے تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔ ہم یہاں ایک بار پھر دیکھتے

---

[۱] سورہ یٰسٓ، آیت ۸۲۔

https://downloadshiabooks.com/

ہیں کہ اللہ کی یہ صفت بھی اس کی ذات اور صفات کے لامحدود ہونے کی طرف اشارہ ہے، جی ہاں! اس کی صفات کا اصلی محور اس کی ذات وصفات کا لامحدود ہونا ہے۔

ساتویں اور آٹھویں صفت میں جن کے بیان کے ساتھ یہ خطبہ ختم ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

"اَلْمَأْمُولُ مَعَ النِّقَمِ، الْمَرْهُوبُ مَعَ النِّعَمِ"

"وہ ایسی ذات ہے جس کی طرف مصیبتوں اور ناکامیوں میں چشم امید اٹھتی ہے اور نعمتوں میں اُس سے خوف رہتا ہے۔" (مشکل کے حل کی امید اور کفران نعمت کی وجہ سے نعمتوں کے قطع ہو جانے کا ڈر)

آیاتِ قرآن مجید میں بھی، اس مسئلے کی جانب کئی بار اشارہ ہوا ہے، ایک جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾"[1]

یقیناً زحمت کے ساتھ آسانی بھی ہے اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔"

اور دوسری جگہ پر فرماتا ہے:

"اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾"[2]

کیا اہلِ قریہ اس بات سے مامون ہیں کہ یہ سوتے ہی رہیں اور ہمارا عذاب راتوں رات نازل ہو جائے یا اس بات سے مطمئن ہیں کہ یہ کھیل کود میں مصروف رہیں اور ہمارا عذاب دن دھاڑے نازل ہو جائے؟

جی ہاں! مشکلات جتنی بھی سخت، پیچیدہ اور خطرناک کیوں نہ ہوں، پھر بھی ان کا حل لطفِ خدا کے سامنے سادہ اور آسان ہے اور نعمتیں جتنی بھی زیادہ و بے حساب ہوں ان کا اُٹھا لینا ارادۂ خدا کے سامنے مشکل نہیں ہے۔ اس بنا پر نہ اس کی آزمائشوں سے مایوس ہونا چاہیے اور نہ نعمتوں اور آسائشوں میں اُس سے غافل ہونا چاہیے اسی لیے مومنین کو ہمیشہ خوف و امید کے درمیان قرار دیا گیا ہے جو انسانوں کی تربیت کا اصل عامل ہے۔

یہ دو صفتیں بھی ذات وصفات خدا کی لامحدودیت کا ایک اور جلوہ ہیں، اس لحاظ سے کہ اُس کی قدرت لامحدود ہے ہر مشکل کا حل اس کے لیے آسان اور کفرانِ نعمت کرنے والوں سے نعمتیں واپس لے لینا اس کے لیے آسان ہے۔ ایک طوفان سے ہر چیز فنا ہو جاتی ہے اور ایک زمینی زلزلے سے شہروں کے شہر اوپر نیچے ہو جاتے ہیں، ایک طاعون اور لاعلاج مرض سے

---

[1] سورۂ الم نشرح، آیات ۵، ۶۔

[2] سورۂ اعراف، آیات ۹۷، ۹۸۔

https://downloadshiabooks.com/

کروڑوں لوگ بستروں پر آجاتے ہیں اور ایک شدید گرمی یا سردی سے ممکن ہے لاکھوں افراد موت کے منہ میں چلے جائیں۔

نکتہ

خدا کی معرفت کے تربیتی آثار

بے شک اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی صفات و اسماء موضوعات کے لحاظ سے پہچانے جاسکتے ہیں اور ہر ایک معرفت پروردگار سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں "معرفتِ خدا خود انسان کے تکامل اور اسے اللہ سے قریب کرنے کا سبب ہے۔" لیکن یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کمال و جمال کی یہ صفات انسانی نفسوں کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں اور انسان کو خدا کے کمالِ مطلق کی طرف لے جانے میں مدد دیتی ہیں، اگرچہ وہ کمترین مرحلے میں ہی کیوں نہ ہو۔

صفاتِ ذاتی

اس عبارت کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ جب ہم خدا کی جانب ہر چیز کے علم وقدرت کی نسبت دیتے ہیں اور اس کی قدرت وعلم کی وجہ سے تعریف اور حمد وثنا کرتے ہیں تو ہم اپنے لیے کس طرح پسند کریں گے کہ بالکل جاہل اور ضعیف اور ناتواں ہوں۔ اُس کی حمد وثنا ہمیں کمالات اور قدرت وتوانائی حاصل کرنے کے لیے دعوت دیتی ہے۔

صفاتِ افعالی

جب ہم خدا کی تعریف رحمانیت ورحیمیت سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ؕ" (۱)

"اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔"

بلکہ کہتے ہیں اس کی خاص رحمت اگرچہ متقی بندوں کے لیے ہے لیکن اُس کی عام رحمت میں اس کے دوست و دشمن

(۱) سورۂ اعراف، آیت ۱۵۶۔

https://downloadshiabooks.com/

سب شامل ہیں اور اس کی بے پایاں نعمتوں کا دسترخوان ہر جگہ بچھا ہوا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ہم ایسی بلند صفت والے سے بہرہ مند نہ ہو سکیں اور نہ دوست پر رحم کریں، نہ اپنے دشمن پر اور ہمارے قلب کا پیمانہ مکمل طور پر اس کی رحمت سے خالی ہو؟

اس ترتیب سے اُس کی تمام صفات کمالیہ چاہے ذاتی صفات ہوں یا صفاتِ فعلی (جود وسخا و مغفرت، عزت و عفو و بخشش وغیرہ) کی طرف توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلند ترین صفات کی روشنی ہمارے وجود میں منتقل ہو جاتی ہے اور ہم اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

چھیاسٹھواں خطبہ

ومن کلام له علیه السّلام [1]
فی تعلیم الحرب والمقاتلة
وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ قَالَهُ لِأَصْحَابِهِ لَيْلَةَ الْهَرِيرِ، أَوْ أَوَّلَ اللِّقَاءِ بِصِفِّينَ

یہ خطبہ آداب وفنونِ جنگ کے بارے میں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے اس خطبے کو "لیلة الھریر" [2] میں جنگ صفین کے پہلے روز ارشاد فرمایا۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

امام علیہ السلام نے اس خطبے میں جنگ اور جہادِ حق طلبانہ کے فنون وآداب کو مکمل طور پر اور انتہائی جامع عبارات میں بیان فرمایا ہے اور ان کی معنوی اقدار کو اس طرح یکجا کیا ہے کہ جہاد کا جذبہ رکھنے والوں کا حوصلہ بلند ہو اور انہیں خداوند متعال کی راہ میں ایثار وقربانی کے لیے تیار کرے۔ (اسی ضمن میں جنگ صفین کی اہمیت اور اس میں مومنین کی ذمہ داریوں کے بارے میں اشارات ملتے ہیں)

امامؑ نے یہ خطبہ کب دیا؟ اس کے بارے میں نہج البلاغہ کے شارحین میں اختلاف پایا جاتا ہے (ابن ابی الحدید) کہتے ہیں: بہت سی روایات کے مطابق لیلة الھریر کا دن ختم ہونے کے بعد آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ (نصر بن مزاحم)

---

[1] سند خطبہ: اس خطبے کو مورّخین اور محدثین کے بڑے گروہ نے مرحوم سیّد رضیؒ سے پہلے اور اس کے بعد بطور کامل یا اس کے حصے کو نقل کیا ہے ان میں سے نصر ابن مزاحم کتاب صفین میں اور حافظ کتاب ''البیان والتبیین'' میں اور فرات ابن ابراہیم جو حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے زمانے میں تھے، نے اپنی مشہور تفسیر میں اور مسعودی نے ''مروج الذھب'' میں نقل کیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۵۲)

[2] لیلة الھریر یعنی وہ رات جس میں کتے شدتِ سردی کی وجہ سے آوازیں نکال رہے تھے اور ہریر اصل میں کتے کی آہستہ صدا کو کہتے ہیں جو سردی سے بے تاب ہو کر نکالتا ہے اور مشہور یہ ہے لیلة الھریر ان جنگی راتوں میں سے ایک رات ہے کہ حادثہ صفین میں جنگ دن سے رات تک مسلسل رہی۔ جنگ کی وہ رات خوف وخطر سے پُر تھی جس میں معاویہ کے لشکر کا ایک گروہ امیر المومنینؑ کے جنگجوؤں کے ہاتھوں خاک وخون میں غلطاں ہوا۔

https://downloadshiabooks.com/

کہتے ہیں کہ اسے ماہ صفر ۳۷ھ میں جنگ صفین کے پہلے دن ارشاد فرمایا۔ کتاب "بشارة المصطفیٰ" کے مؤلف طبری جو چھٹی صدی ہجری کے علما میں سے ہیں اور مصادر نہج البلاغہ کے مولف ہیں، اس واقعے کو ابن عباسؓ سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

دنیا کی تمام خواتین امیر المومنینؑ جیسی شخصیت پیدا نہیں کر سکتیں۔ خدا کی قسم! میں نے علی علیہ السلام جیسا تجربہ کار جنگجو کبھی نہیں دیکھا، میں اس واقعے کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ جنگ صفین میں ایک دن میں ان کے ساتھ بیٹھا تھا، میں نے دیکھا کہ کالا عمامہ ان کے سر پر ہے اور ان کی آنکھیں چراغ کی طرح چمک رہی ہیں اور اپنی فوج کے ہر دستے کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے لیے خطبہ دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے دستے کے پاس پہنچے، یہ فوج کا وہ دستہ تھا کہ جب امیر شام کی فوج کے پہلے دستے سے دس ہزار گھوڑے سواروں کو نکلتے ہوئے دیکھ کر وحشت زدہ ہو گئے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اہل عراق کی طرف رخ کیا اور فرمایا، "یہ لوگ انسان کی شکل میں کوئی اور مخلوق ہیں، یہ ایسے کمزور دل لوگ ہیں کہ اگر حق وصداقت کی تلواریں ان کے دلوں تک پہنچ جائیں تو ان کی حالت طوفان کے سامنے ٹڈیوں کی سی ہو جائے گی اور جلدی سے منتشر ہو جائیں گے۔"(۱)

پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

پہلا حصہ

"مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِيْنَ اسْتَشْعِرُوا الْخَشْيَةَ، وَ تَجَلْبَبُوْا السَّكِيْنَةَ، وَعَضُّوْا عَلَى النَّوَاجِذِ، فَإِنَّهُ أَنْبَى لِلسُّيُوْفِ عَنِ الْهَامِ. وَ أَكْمِلُوا اللَّأْمَةَ، وَ قَلْقِلُوا السُّيُوْفَ فِيْ أَغْمَادِهَا قَبْلَ سَلِّهَا، وَ الْحَظُوا الْخَزْرَ، وَاطْعُنُوا الشَّزْرَ، وَنَافِحُوا بِالظُّبَا، وَصِلُوا السُّيُوْفَ بِالْخُطَا"

"مسلمانو! خوفِ خدا کو اپنا شعار بناؤ۔ سکون و وقار کی چادر اوڑھ لو۔ دانتوں کو بھینچ لو کہ اس سے تلواریں سروں سے اُچٹ جاتی ہیں۔ زرہ پوشی کو مکمل کر لو۔ تلواروں کو نیام سے نکالنے سے پہلے نیام کے اندر حرکت دے لو۔ دشمن کو ترچھی نظر سے دیکھتے رہو اور نیزوں سے دونوں طرف وار کرتے رہو۔ اسے اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھو اور تلواروں کے حملے قدم آگے بڑھا کر کرو۔"

(۱) مصادر نہج البلاغہ تلخیص، جلد ۲، ص ۵۳۔

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

جہاد کے چند اصول

اس حصے میں امام علی علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جہاد سے متعلق نو (۹) جنگی اصول ذکر فرماتے ہیں جو جنگ میں کام آتے ہیں اور حقیقت میں اپنی فوج کے سپاہیوں کو جنگی اصولوں کے اسلحوں سے لیس کرتے ہیں۔

پہلا اور دوسرا اصول: فرماتے ہیں:

"مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اسْتَشْعِرُوا الْخَشْيَةَ، وَ تَجَلْبَبُوا السَّكِيْنَةَ"

"اے گروہِ مسلمین! اپنے اندر کے لباس کو خوفِ خدا (دشمنانِ حق کے مقابلے میں احساسِ ذمے داری) قرار دو اور اپنے اوپر کا لباس اطمینان اور وقار کو قرار دو۔"

استشعروا کا مادّہ شعار ہے، اس کے معنیٰ جسم سے ملا ہوا لباس ہے، اس کا جسم سے رابطہ ہے اور بعض جملوں یا مثالوں سے ایک گروہ یا ایک ملت کی علامت سمجھا جاتا ہے، شاید یہ اس لیے کہ ان کے دل کی کیفیات کے ساتھ ملا یا ہوا ہے، اسی لیے کبھی کلمات کے ذریعے اور کبھی فریاد کی صورت میں اظہار کیا جاتا ہے۔ اور "**تجلببوا**" جس کا مادّہ **جلباب** ہے، یہ جسم کے اوپر والے لباس کے معنیٰ میں آیا ہے اور عموماً ایسے لباس کو کہا جاتا ہے، جس سے خواتین اپنا سر و گردن اور سینہ و پیٹھ کو چھپاتی ہیں یعنی "**خمار**" یہ مقنعہ سے تھوڑا بڑا اور چادر سے چھوٹا ہوتا ہے جو سر سے لے کر سینے سے نیچے تک کے حصے کو چھپاتا ہے۔

پہلا جنگی اصول جس پر امام علی علیہ السلام زور دے رہے ہیں، وہ جنگجوؤں کو جھنجوڑنے کے لیے کافی ہے، یہاں خدا کے حکم کے مقابل خوفِ خدا اور احساس ذمّے داری کی تاکید ہے اور ایمان کی پختگی کے ساتھ جہاد کرنے والوں میں یہ اہم ترین جذبہ موجود ہونا چاہیے، تاکہ وہ آخر دم تک تحمل کے ساتھ برداشت کریں۔ جب ایسا ہو جائے تو دوسرے تمام جذبے اس کے سامنے بے اثر ہو جاتے ہیں۔

دوسرا اصول بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، جس میں میدان جنگ میں دوسرا اہم جنگی اصول اطمینان اور وقار کو قرار دیا

https://downloadshiabooks.com/

گیا ہے، کیوں کہ میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ہر قسم کی بے چینی گھبراہٹ، ضعف وناتوانی کی نشانی ہے اور یہ دشمن کی جرأت و بہادری کا باعث بنتی ہے۔قوی وطاقتور افراد ہمیشہ باوقار ہوتے ہیں، کمزور اور ڈرپوک افراد ہمیشہ پریشان اور جلد باز ہوتے ہیں۔قرآن کریم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کے بارے میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ [۱]

”اللہ وہ ہے جس نے مؤمنین کے دلوں میں آرام واطمینان کو پیدا کیا، تا کہ ان کی ایمانی قوت میں اضافہ ہو، اور زمین وآسمان میں پائے جانے والے تمام لشکر، خدا ہی کی طرف سے ہیں، خداوند متعال جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

اسلامی جنگوں میں یہی آرام واطمینان تھا کہ جس کی وجہ سے دشمنوں پر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی تھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غارِ ثور میں سخت اور مشکل ترین لمحات، جب کہ خونخوار دشمن آپؐ کو قتل کرنے کے لیے غار کے دروازے تک پہنچتے ہیں، اُس وقت اسی آرام واطمینان نے آپؐ کے قلبِ مبارک کو آرام وراحت سے رکھا۔

تیسرے اصول میں فرماتے ہیں:

وَعَضُّوا عَلَى النَّوَاجِذِ، فَإِنَّهُ أَنْبَى [۲] لِلسُّيُوفِ عَنِ الْهَامِ [۳]

”تم لوگ اپنے دانتوں کو بھینچ لو، اس کی وجہ سے سر کی ہڈیاں دشمنوں کی مار (ضربات) آسانی سے برداشت کرتی ہیں۔“

نواجذ، ناجذ کی جمع ہے کبھی دانتوں کے معنیٰ میں آیا ہے اور کبھی داڑھوں کے معنیٰ میں آیا ہے۔اس کے بعد دانت واقع ہیں۔اسے کبھی مخصوص عقل کے دانت کہا گیا ہے۔یہاں پر پہلے معنیٰ مناسب ہیں، یعنی تمام دانتوں کو آپس میں بھینچ لو، کہا جاتا ہے کہ اس کام کے دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: یہ کہ ڈر اور خوف کو ختم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب انسان ڈر کی وجہ سے لرزتا ہے تو دانتوں کو بھینچ لیتا ہے، تا کہ کپکپاہٹ ختم ہو جائے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ جسم کے تمام اعضا اور سر کی ہڈیوں کو مضبوط اور محکم رکھتا ہے، تا کہ دشمن کے وار سے چوٹ کم آئے۔

نہج البلاغہ کے بعض مفسرین دانتوں کو بھینچ لینے سے سر کی ہڈیوں اور بدن کے اعضا کے محکم ہونے کو درست نہیں

---

[۱] سورۂ فتح، آیت ۴۔

[۲] انبیٰ، نبو کے مادّے سے ہے بروزن نبض، ایک چیز کے دوسری چیز سے بلند ہونے کے معنیٰ میں آیا ہے، اسی وجہ سے جس وقت تلواریں کوئی کام نہ کریں تو خصوصی طور پر اس چیز کو وہاں کام میں لایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے اس سے دشمن دور ہو جاتا ہے۔

[۳] ”ھام“ ھامہ کی جمع ہے یہ ہر مخلوقات کے سر کے معنیٰ میں آیا ہے اور کبھی یہ معنیٰ ہر چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

سمجھتے، بلکہ یہ اس پورے جملے کو اطمینان قلب، گھبراہٹ کے خاتمے اور حفظ وامان جانتے ہیں، جب کہ ظاہری طور پر نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ یہ پہلے جملے سے تناسب رکھتا ہے، کیوں کہ یہ تکرار کے علاوہ کچھ نہیں۔

چوتھے اصول میں آپؑ فرماتے ہیں:

"وَأَكْمِلُوا اللَّأْمَةَ"

"زرہ کو کامل کرو۔"[1]

زرہ کا ٹھیک کرنے کا مقصد یہ کہ اپنے سر پر لوہے کی ٹوپی پہن لو، جو زرہ کی طرح دفاع کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ "وساعد بند" اور بازوؤں پر لوہے کی چادر سے تیار کی ہوئی آستین باندھ لو، تاکہ دشمن کی طرف سے تیر و تلوار اور نیزوں کے وار کو روک سکو۔

نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے "لامہ" کو ہر قسم کے جنگی اسلحے سے تعبیر کیا ہے۔ اس طرح اوپر دیے گئے حکم میں جنگ کے لیے مکمل طور پر اسلحے کی فراہمی مراد ہے۔

پانچواں اصول میں آپؑ فرماتے ہیں:

"وَقَلْقِلُوا[2] السُّيُوفَ فِيْ أَغْمَادِهَا[3] قَبْلَ سَلِّهَا"

تلواروں کو نیام سے نکالنے سے پہلے ہلاؤ جلاؤ، تاکہ لڑائی کے موقع پر آسانی سے نکال سکو۔ یہ نکتہ اگرچہ ظاہری طور پر چھوٹا نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں بہت اہم اصول ہے، کیوں کہ کبھی تلوار لمبی مدت تک غلاف میں پڑے رہنے کی وجہ سے ضرورت پڑنے پر فوراً کھینچنے سے باہر نہ آئے یا دیر سے نکلے، اس وقت تک کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ پیش آئے کہ جس کا ازالہ ممکن نہ ہو۔

چھٹا اور ساتواں اصول میں آپؑ فرماتے ہیں:

"وَالْحَظُوا الْخَزْرَ، وَاطْعُنُوا الشَّزْرَ"

دشمن کی طرف غیظ و غضب سے دیکھو!

اور ہر طرف سے ان پر حملہ اور وار کرو! "خزر" ترچھی نظروں سے اور کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے کے معنی میں

---

[1] لَأْمَةٌ، بروزن رحمۃ، اجتماع اور اتفاق کے معنیٰ میں آیا ہے۔

[2] قلقلوا، کا مادّہ قلقلہ ہے، بروزن مرحمہ، یہ حرکت کرنے اور لرزانے کے معنیٰ میں ہے۔

[3] أغماد، جمع ہے غمد کی، بروزن رند، تلوار کو نیام میں کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

ہے، جیسے عام طور پر سخت غصے کے وقت یا کسی کو اہمیت نہ دینی ہو تو انسان استعمال کرتا ہے، اس طریقے کو جنگ کے میدان میں اپنانے کے دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: یہ ہوتا ہے کہ انسان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اس کی سوئی ہوئی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور اس سے ایک جنگجو سپاہی کی قوت دو گنا اور تین گنا ہو جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ پوری آنکھیں کھول کر دیکھنے سے انسان میں ڈر، پریشانی، گھبراہٹ اور کمزوری ظاہر ہوتی ہے، اس وجہ سے دشمن جرأت پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا انھیں حقیر سمجھ کر کاٹ کھانے کے انداز سے دیکھنا چاہیے۔

"شزر" (نذر کے وزن پر)، پریشانی کے معنی میں آیا ہے۔ اور جنگ کے میدان میں دشمنوں پر دائیں بائیں طرف سے کیے جانے والے حملے کو بھی کہا جاتا ہے، اس روش (تیکنیک) کو امامؑ اس لیے سمجھا رہے ہیں کہ اگر جنگجو سپاہی ایک ہی طرف حملے کرتے رہیں تو دشمن اپنے آپ کو امن میں دیکھ کر دوسری طرف سے مقابل پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ صرف ایک طرف سے وار کیا جائے تو دشمن پر صرف ایک طرف سے تلوار لگے گی، لیکن اس کے برعکس اگر ہر دو طرف سے یعنی دائیں اور بائیں طرف سے حملہ آور ہو جائیں گے تو دشمن پر ہر وار میں ایک زخم ضرور لگے گا۔

ان مثالوں سے امامؑ کے جنگی تجربے کے بارے میں اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپؑ کس حد تک تجربات رکھتے تھے۔ اور آپؑ نے اپنی فوج میں یہ تجربات منتقل کرنے کی بہت کوشش بھی فرمائی، تاکہ ایک معمولی کام انجام دینے سے اگر کامیابی مل سکتی ہے تو اس چھوٹے کام کو بھی کر گزریں۔

آٹھواں اور نواں اصول میں دو اہم نکات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"وَنَافِحُوْا بِالظُّبَا، وَصِلُوا السُّيُوْفَ بِالْخُطَا"

"دشمن کو بالکل قریب سے تیز دھار والی تلوار کی نوک پر رکھ کر حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھو، تاکہ تمہاری تلوار دشمن کا بہتر طریقے سے استقبال کر سکے۔"

نَافِحُوْا، کا مادّہ نفح ہے بروزن فتح، یہ حملہ کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ یعنی حملے کے وقت دشمن کے بالکل نزدیک ہو جاؤ اور "ظبا" تلوار کی تیز دھار نوک کے معنیٰ میں ہے۔ کبھی نوک کے ساتھ والے پتلے حصے کو بھی کہا جاتا ہے۔ بہر صورت دشمن پر وار اس طرح کرو کہ ضرب کاری ہو۔ اور جملہ "صِلُوْا السُّيُوْفَ بِالْخُطَا" یہ ہے کہ دشمن کو مارنے کے لیے خالی تلوار کھینچنا کافی نہیں ہے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر دشمن کے جسم پر کاری ضرب لگاؤ۔ امامؑ فرماتے ہیں: "اس قسم کی کارآمد اور اہم تیکنیکی روش کو استعمال کرو، تاکہ موقع پر دشمن پر کاری ضرب لگا سکو۔

https://downloadshiabooks.com/

اس قسم کی جزئیات اور باریک جنگی نکات، پرانے زمانے کی جنگوں یا جنگی مشقوں میں دکھائی دیتے ہیں، امامؑ پہلے اور اپنے زمانے کے تمام جنگی طریقوں سے مکمل طور پر آگاہ ہیں اور اپنے سپاہیوں کو بہترین طریقے سے اسلحہ چلانا سکھاتے تھے۔ اگر جنگ میں ایک طرف سے کامیابی ہوجائے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے، تو اس صورت میں میدان جنگ میں کم خون بہے گا اور اس سے انسانی مسائل سے محفوظ رہیں گے۔

نکتہ

پہلے اور آج کے جنگی طریقے

ہمارے زمانے میں جنگی علوم بہت پیچیدہ ہیں۔ ان علوم کی اقسام میں سے بعض کو سیکھنے کے لیے اُستاد کے سامنے کئی سال بیٹھ کر پڑھنا اور میدانوں میں مشق کرنا پڑے گی۔ ان علوم سے آگاہی کے بغیر بہت بڑی فوج بھی کسی مشکل کو حل نہیں کر سکتی اور جدید جنگی اسلحوں سے بھی کوئی کام نہیں لے سکتے۔ اس سلسلے میں تمام مسلمانوں پر اپنے مذہب وملّت اور فائدے کے دفاع میں جنگ کے تمام جدید تجربات وتعلیمات سیکھنا، جہاں اور جیسے ملیں واجبِ کفائی اور کبھی واجبِ عینی ہے۔

پہلے زمانے میں یقیناً اسلحہ اور جنگی علوم وطریقے اتنے پیچیدہ نہ تھے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن زمانوں میں بھی جنگ کے مختلف علوم اور آداب کافی زیادہ تھے۔ کہ امامؑ کے معنیٰ ومفاہیم سے ہویدا چھوٹے چھوٹے جملوں میں باریک اور ظریف نکات کی طرف اشارہ ہوا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ سابقہ جنگی اسلحہ وعلوم اور ان کے طریقوں سے کس قدر آگاہ اور ہوشیار تھے۔

جنگ کے سلسلے میں امامؑ اپنے سپاہیوں کے رجحانات اور خیالات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، جن چیزوں کو میدان جنگ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم قرار دیتے ہیں، وہ دو ہیں۔ پہلی خداوند عالم کے ساتھ ذمّے داری کا احساس اور دوسری میدان جنگ میں سکون اور بے خوفی۔ اور یہی وہ دو اصول ہیں جو مولا علی علیہ السلام خطبے کے شروع میں بیان فرماتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی یہ سوچے کہ ان جنگی علوم وتجربات کی باریکیوں کے سیکھنے سے جنگ کے میدان میں خوں ریزی زیادہ ہونے کا سبب بن جائے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جنگی تعلیمات سے ان کے برعکس استفادہ کیا جاتا ہے، کیونکہ تمام اسلامی تعلیمات جنگ کا انحصار اس امر پر ہے کہ خونریزی کم سے کم ہو، لیکن ایک اہم نکتے پر توجہ کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس خطبے کی

https://downloadshiabooks.com/

تعلیمات میں بھی اسی راہ کو اپنایا گیا ہے۔ کیونکہ اگر مسلمان فنون جنگی میں اس حد تک ماہر ہوں کہ ایک تیز و تند مختصر حملے سے دشمن کے لشکر پر کاری ضرب لگا سکیں تو جنگ کا دورانیہ مختصر ہوجائے گا اور نتیجتاً خونریزی بھی کم ہوگی اور یہ بھی امکان ہے کہ مسلمانوں کی جنگی قدرت اور مہارت سے آگاہی دشمن کو جلدی ہتھیار ڈالنے اور صلح پر تیار ہونے پر آمادہ کردے، اس طرح بھی خوں ریزی میں بہت کمی ہوجائے گی۔

کیونکہ اسلام میں کچھ جنگی تعلیمات اس اُصول پر قائم ہیں کہ انسانوں کا خون کم سے کم بہایا جائے۔ جنگ کے خلاف یہ جملہ سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ جنگ کے بارے میں اسلامی تعلیمات اس بات پر انحصار کرتی ہیں کہ ایسی حکمت عملی اپنائی جائے، جس سے جنگ کے میدان میں کم از کم خون بہے۔

لیکن اس نکتے پر توجہ کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس خطبے کی تعلیمات میں بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے، کیوں کہ مسلمانوں کو اس قدر جنگی علوم و تجربات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر کوئی اچانک حملہ کرے تو دشمن پر پے در پے ایسی گہری چوٹ لگائیں کہ اسے سنبھلنے کی مہلت نہ دیں، اور ممکن ہے دشمن مسلمانوں کی جنگی قوت و طاقت دیکھ کر ہتھیار ڈال دے اور صلح کے لیے تیار ہوجائے۔ اس طرح جنگ کی مدت بھی کم ہوجائے گی، اور لوگوں کا خون بھی کم سے کم بہے گا۔ بنا بر ایں مذکورہ تعلیمات بھی اسی اہم ترین حکمت عملی کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن کا ابھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرا حصّہ

"وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ بِعَيْنِ اللهِ وَ مَعَ ابْنِ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَعَاوِدُوا الْكَرَّ، وَاسْتَحْيُوا مِنَ الْفَرِّ، فَإِنَّهُ عَارٌ فِي الْأَعْقَابِ، وَ نَارٌ يَوْمَ الْحِسَابِ وَ طِيبُوا عَنْ أَنْفُسِكُمْ نَفْسًا، وَامْشُوا إِلَى الْمَوْتِ مَشْيًا سُجُحًا، وَ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا السَّوَادِ الْأَعْظَمِ، وَ الرِّوَاقِ الْمُطَنَّبِ، فَاضْرِبُوا ثَبَجَهُ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ كَامِنٌ فِي كِسْرِهِ، وَ قَدْ قَدَّمَ لِلْوَثْبَةِ يَدًا، وَ أَخَّرَ لِلنُّكُوصِ رِجْلًا فَصَمْدًا صَمْدًا! حَتّٰى يَنْجَلِيَ لَكُمْ عَمُودُ الْحَقِّ وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ، وَاللهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ)

اور یہ یاد رکھو کہ تم پروردگار کی نگاہ میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابنِ عم کے ساتھ ہو۔ دشمن پر مسلسل حملے کرتے رہو اور فرار سے شرم کرو کہ اس کا عار نسلوں میں رہ جاتا ہے اور اس کا انجام جہنم ہوتا ہے۔ اپنے نفس کو ہنسی خوشی خدا کے حوالے کردو اور موت کی طرف انتہائی سکون و اطمینان سے قدم آگے بڑھاؤ۔ تمہارا نشانہ دشمن کا عظیم لشکر اور ایک طناب دار خیمہ ہونا چاہیے کہ اسی کے وسط پر حملہ کرو کہ شیطان اسی کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اس نے ایک قدم حملہ کے

https://downloadshiabooks.com/

لیے آگے بڑھا رکھا ہے۔ اور ایک بھاگنے کے لیے پیچھے کر رکھا ہے لہٰذا تم مضبوطی سے اپنے ارادے پر جمے رہو یہاں تک کہ حق صبح کے اجالے کی طرح واضح ہو جائے اور مطمئن رہو کہ بلندی تمہارا حصہ ہے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کر سکتا ہے۔

شرح وتفسیر

مضبوطی سے ڈٹے رہو اور قیام کرو

خطبے کے اس حصے میں امامؑ جنگ صفین میں فتنہ وفساد کو جڑ سے ختم کرنے کی غرض سے اپنی فوج کے سپاہیوں کی قوت اور ہمت بڑھاتے ہوئے انہیں تازہ حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَاعْلَمُوْا أَنَّكُمْ بِعَيْنِ اللهِ"

"جان لو! تمہیں جنگ کے میدان میں خداوند متعال دیکھ رہا ہے۔ (تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے، اور حق وصداقت کی راہ سے تمہاری حمایت کرتا ہے)۔

انسان کا یہ احساس کہ وہ اپنے ایسے مولا وآقا کے سامنے کھڑا ہے، جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، ایک طرف تو انسان کو طاقت وقدرت عطا کرتا ہے اور دوسری طرف ذمّے داریوں میں اضافہ کرتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے میں بھی اس سے ملتے جلتے معنیٰ ومفاہیم آئے ہیں، جہاں انہیں کشتی بنانے کے لیے کہا گیا، کیوں کہ کشتی نجات کا ذریعہ ہے۔

ارشادِ ربّانی ہوتا ہے:

"وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا"

اب تم وحی کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بنالو۔ [1]

توجّہ:

ممکن ہے تمہارے دشمن تمہارا مذاق اُڑا کر اور تم پر سختی کر کے جسمانی اور روحانی اعتبار سے تنگ کریں اور

---

[1] سورۂ ھود، آیت ۳۷۔

https://downloadshiabooks.com/

اذیت دے کر تمہیں تمہارے کام سے روکنے کی کوشش کریں، مگر تم ہمارے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق کام کررہے ہو، ڈر، خوف اور غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالکل اسی طرح پتھر دل اور سخت ترین دشمنوں کے مقابل، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی خداوند متعال فرماتا ہے:

"وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴿٤٨﴾"

"اپنے پروردگار کے حکم کو صبر و تحمل اور جرأت و ہمت سے پہنچاؤ، کیوں کہ آپؐ ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔"[1]

پھر فرماتے ہیں:

"وَمَعَ ابْنِ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

"تم لوگوں کے لیے فخر اور عزت و مقام کی بات یہ ہے کہ تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی کے ساتھ ہو۔"

وہ چچازاد بھائی جو آپؐ کا وصی، جانشین ہے، جو ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہتا تھا، اس لیے اپنی حقانیت کی راہ میں کوئی شک و شبہ نہ کرو اور ستمگر دشمنوں کے ساتھ قوت و طاقت سے لڑو۔

یہ سب اس صورت حال میں ہے کہ تمہارا دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ شدید دشمن یعنی ابوسفیان کا بیٹا ہے، جس کے دعویٔ خلافت کے باطل ہونے کے بارے میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔

سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قربت کا اظہار اور اس پر امامؑ کا بھروسا کرنا درحقیقت سمجھ دار لوگوں کے درمیان ایک جانا پہچانا اصول ہے، کیوں کہ جو کسی کا ساتھی رہا ہوگا اُسے اُس کے پوشیدہ رازوں کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہوگا اور اسے سب سے دانشمند انسان جانا جائے گا۔ مگر یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت موجود ہو۔

اور ہوسکتا ہے کہ اس بات کا اشارہ حدیث ثقلین کی طرف ہو، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنے بعد قرآن اور اہل بیتؑ کی پیروی کرنے کی دعوت دی ہے۔ امامؑ بات کو جاری رکھتے ہوئے دو اہم اُصول جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، سپاہیوں کے گوش گزار فرماتے ہیں:

"فَعَاوِدُوا الْكَرَّ، وَاسْتَحْيُوا مِنَ الْفَرِّ، فَإِنَّهُ عَارٌ فِي الْأَعْقَابِ، وَنَارٌ يَوْمَ الْحِسَابِ"

"دشمنوں پر پے در پے وار کرو اور جنگ کے میدان سے بھاگنے کی شرمناک حرکت نہ کرو۔ کیوں کہ جہاد سے بھاگنا غیرت مند انسان کے لیے ایسا ننگ و عار ہے جو تمہاری آئندہ نسلوں میں بھی باقی رہے گا اور ایسی آگ ہے جو قیامت کے دن تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔"

---

[1] سورۂ طور، آیت ۴۸۔

https://downloadshiabooks.com/

اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ اس خیال اور انتظار میں نہ رہو کہ ایک ہی حملے میں دشمن کو مار ڈالیں گے، بلکہ دشمن پر پے در پے وار کرو اور ہر بار نئے ولولے، جوش اور قوت و بہادری سے حملہ کرو اور ان کی قوت و حوصلے کو کمزور و ناتواں کرنے کی کوشش کرو۔

اور ایک اور اہم نکتہ یہ کہ جہاد سے فرار کا خیال بھی ذہن میں آنے مت دینا، کیوں کہ اس ننگ و عار کا دھبہ تمہارے دامن پر لگا رہتا ہے، بلکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس شرم ساری سے بچ نہیں سکیں گی۔ [١] اور قیامت کے دن جہاد سے فرار ہو کر بھاگنے کی پاداش میں تم خداوند متعال کے غیظ و غضب میں گرفتار ہو جاؤ گے، کیوں کہ گناہانِ کبیرہ میں ایک اہم ترین گناہ جہاد سے فرار ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید میں کئی جگہ اشارہ ہوا ہے۔ ایک جگہ خداوند متعال تمام مؤمنین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ۚ﴿۱۵﴾ وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰٮهُ جَهَنَّمُ ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۶﴾

”اے ایمان لانے والو! جب کافروں کے گروہ کے ساتھ لڑائی کے میدان میں آمنا سامنا ہو جائے تو تم جنگ میں انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ (فرار نہ ہو جاؤ) اور جو کافروں سے ڈر کے بھاگے گا، سوائے اس کے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ تازہ حملے کے لیے لڑائی کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کرے یا مجاہدوں کے کسی گروہ سے ملنے کے ارادے سے پسپائی اختیار کرے، ایسے لوگ خدا کے غیظ و غضب کا شکار ہو جائیں گے اور ان کی جگہ جہنم ہے اور کیسا برا ٹھکانہ ہے۔“ [٢]

اس کے بعد حکمِ جہاد پر تاکید کرتے ہوئے مزید دو دستور اور دیتے ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”وَطِيبُوا عَنْ أَنْفُسِكُمْ نَفْسًا [٣] وَامْشُوا إِلَى الْمَوْتِ مَشْيًا سُجُحًا“

”اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر شہادت کا استقبال کرو۔ اور اطمینان سے اس کی طرف قدم بڑھاؤ۔“

سُجُح بروزن صحف ہے اس کے معنی ہیں سیدھا، مستقیم۔ یہ خصوصی طور پر سیدھے راستوں اور سیدھی شاہراہوں کے

---

[١] اس بات کی طرف توجہ رہے کہ اوپر کی تفسیر، اعقاب جس کی جمع عقب ہے، آئندہ نسلوں کے معنیٰ میں ہے۔ اگر مجہول، عُقب پڑھیں تو اس کے معنیٰ کام کا انجام ہوگا۔

[٢] سورۂ انفال، آیات ١٥، ١٦۔

[٣] طیبوا انفسکم کے جملے کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان رضا و رغبت کے ساتھ کسی چیز کا استقبال کرے۔

https://downloadshiabooks.com/

لیے استعمال ہوتا ہے اور جہاں چلنے کے لیے اس قسم کے بہت سے آسان اور مشکل راستے موجود ہوں، یہ مشکل اور آسان کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربوں میں یہ ضرب المثل پائی جاتی ہے کہ "مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ" جب کسی پر قابو پاؤ تو سخت گیر نہ بنو اور عفو و درگزر کرنا سیکھو۔

حقیقت میں حضرت امام علی علیہ السلام شہادت کو تمام اہل ایمان کے لیے ایک گمشدہ خزانہ قرار دیتے ہیں اور اس کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہیں شہادت کی موت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مدتوں بچھڑے ہوئے دو، دوستوں کی طرح بازوؤں کو پھیلا کر اس کا استقبال کرنا چاہیے، شہادت کی راہ کو سیدھی صفوں اور صاف شاہراہوں کی طرح ہموار جانیں اور اطمینان قلب کے ساتھ اس کی طرف قدم بڑھائیں۔

امامؑ کی مبارک ذات خود عاشقانِ شہادت کے لیے نمونہ کامل تھی اور قسم کھا کر فرماتے تھے:

"خدا کی راہ میں موت اور شہادت کے ساتھ ابوطالبؑ کے بیٹے کا لگاؤ ایسا ہے جیسے دودھ پیتے بچے کا ماں کے سینے سے لگاؤ ہوتا ہے۔"[1]

ان مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد امامؑ حتمی نتیجے کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اپنے اصحاب کو شامی افواج کی کثرت، امیر شام اور اس کے ساتھیوں کی صفین کے میدان میں دور تک پھیلی ہوئی خیمہ بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم فرماتے ہیں:

"وَعَلَيْكُمْ بِهٰذَا السَّوَادِ الْأَعْظَمِ، وَالرِّوَاقِ الْمُطَنَّبِ، فَاضْرِبُوا ثَبَجَهُ"

"امیر شام کی رنگارنگ فوجی چھاؤنی کا مرکزی نقطہ مضبوط طنابوں سے کھینچا ہوا وہ خیمہ ہے۔ اسے اپنی نظر میں رکھو اور اس پر فیصلہ کن حملہ کر کے نابود کر دو۔"

کیوں شیطان اسی خیمے کے کسی گوشے میں چھپا بیٹھا ہے۔ اگر حملہ اطراف سے کرو گے یا خوف اور احتیاط سے شروع کرو تو دشمن ہوشیار ہو جائے گا اور کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر حملہ اچانک آسمانی بجلی کی طرح دشمن کے قلب لشکر، فوجی تنصیبات اور کمانڈروں پر کیا جائے تو ان کی حوصلہ شکنی اور جنگی حکمت عملی درہم برہم ہو جائے گی۔ ان کی قدرت و طاقت اور گھمنڈ پر یہ حملہ اس وقت ایک واضح دلیل بن جاتا ہے۔ امامؑ نے اسی جاندار نکتے سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی افواج کو دشمن کی فوجی تنصیبات اور سپہ سالاروں کو نشانہ لے کر سخت حملے کا حکم صادر فرمایا۔

سوادِ اعظم (بڑا گروہ)

---

[1] اس کی مزید وضاحت کے لیے، جلد اوّل، خطبہ ۵ کی طرف رجوع فرمائیں۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ کلمہ گروہوں کی کثرت کے لیے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جو ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور دور سے بہ صورت عظیم سیاہی اور تاریکی دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں امیر شام اور شامی افواج کی چھاؤنی کی طرف اشارہ ہے۔

رواق، بروزن کتاب، یہ گھروں کے بڑے دالان اور ان کمروں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو عمارت کے سامنے کے حصے میں کھلتے ہیں اور یہاں پر امیر شام کے لیے لگائے گئے اس بڑے خیمے کی طرف اشارہ ہے جو شامی افواج کا مرکزی نقطہ تھا۔ اور مطنب ایسی چیز ہے جسے رسیوں سے مضبوط طریقے سے باندھا گیا ہو۔

ثبج، کسی بڑی چیز کے درمیانی حصے کے معنی میں آتا ہے اور جملہ "فاضربوا ثبجه" قلب لشکر اور امیر شام کے خیمے کو نشانہ بنانے کے لیے تاکید کے طور پر ذکر ہوا ہے۔ اس کے بعد امامؑ حملے کے حکم کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ الشَّيْطَانَ كَامِنٌ فِي كِسْرِهِ (۱) وَقَدْ قَدَّمَ لِلْوَثْبَةِ (۲) يَدًا، وَأَخَّرَ لِلنُّكُوصِ (۳) رِجْلًا"

"(یہ جو میں نے کہا ہے کہ امیر شام کے خیمے پر حملہ کرو، یہ اس لیے کہ) شیطان اس کے کسی گوشے میں چھپا بیٹھا ہے، جس کا ہاتھ ایک طرف تو حملے کے لیے بڑھا ہوا ہے اور دوسری طرف بھاگنے کے لیے قدم پیچھے ہٹا رکھا ہے۔"

یہاں شیطان سے مراد امیر شام ہے جس کی فکر و کردار شیطانی تھا۔ نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے کہا ہے آپؑ نے یہ جملہ عمرو عاص کے لیے کہا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے شیطان سے مراد یہاں ابلیس لعین ہے کہ جس نے امیر شام اور اس کی افواج کو اس نازک موقع پر قتل و غارت گری اور جنگ کے لیے تیار کیا۔

یہ جملہ درحقیقت امیر شام کی قلبی و روحی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے کہ جو ایک طرف سے اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار کرتا ہے اور دوسری طرف سے فرار ہونے اور جنگ سے بھاگنے کی طرف کہ حالات جیسا رخ اختیار کریں، مادّہ پرست سیاست دانوں (گیدڑ) کی طرح رخ بدلنے کے لیے تیار رہتا تھا، اس کا کوئی بڑا مقصد نہ تھا کہ جس کے عشق میں اور اسے بچانے کی خاطر لڑتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس پر نچھاور کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ جب مومنین کے ایسے گروہوں کے سامنے آتے ہیں جو کسی بلند مقصد کے خاطر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوں تو شکست فاش کھاتے ہیں۔

قرآن مجید شیطان کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے:

"وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ

---

(۱) کسر، بروزن مصر، خیمے کا کنارہ یا اس کے نیچے کا حصہ ہے، شکست اور ٹوٹ پھوٹ کے آثار جو اس وقت خیمے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) وثبہ، کا مادّہ وثب ہے، یہ کامیابی اور فتح کے معنی میں آتا ہے۔

(۳) نکوص، عقب نشینی اور کام ختم کر کے واپس آنے کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۴۸﴾"

"اور جب شیطان نے ان کی کارستانیوں کو عمدہ کر دکھایا اور ان کے کان میں پھونک دیا کہ لوگوں میں آج کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تو تمہارا مددگار رہوں ہی، پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور کہنے لگا کہ میں تو تم سے بیزار رہوں میں تو وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نہیں سوجھتی، میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور خدا بہت سخت عذاب کرنے والا ہے۔"[۱]

نہ صرف ابلیس، بلکہ ایسے کاموں میں انسان نما شیاطین بھی لوگوں کو بہلا پُھسلا کر گناہ میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جب حالات کو وہ اپنے حق میں نہیں دیکھتے تو انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلتے ہیں۔

خطبے کے آخر میں حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"فَصَمْدًا صَمْدًا[۲] حَتّٰى يَنْجَلِيَ لَكُمْ عَمُوْدُ الْحَقِّ وَ أَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ"

"مستعدی سے کھڑے رہو اور برداشت کرو۔ یہاں تک کہ حق تم لوگوں پر واضح و آشکار ہو جائے، تم کود پڑو۔ تمہارا مقام بلند ہے اور پروردگار عالم تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے نیک اعمال میں سے وہ کم نہیں کرے گا، بلکہ بہترین طریقے سے تمہیں اس کا اجر و ثواب دے گا۔"

امامؑ درحقیقت اپنے اصحاب اور دوستوں کو جس چیز کی پہلے تعلیم دے چکے ہیں، یہ آخری جملہ اسی کا نتیجہ ہے، یعنی اب تک تمہیں کافی چیزوں کو یاد کرایا جا چکا ہے اور جنگی ٹیکنیک تمہیں سکھائی جا چکی ہے، عز و وقار کے ساتھ ثابت قدم رہنے اور قلب دشمن پر کس طرح حملہ کرنا ہے، اس کے بارے میں تم نے درس حاصل کر لیا ہے، پس اپنے دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ، سخت مزاحمت کرو، تاکہ حق کی فتح ہو، اور باطل کے چہرے پر سے نقاب الٹ دو۔

اس کے بعد سورۂ محمدؐ کی آیت ۳۵ کے مطابق جس میں تمام سچے مسلمانوں کے لیے کامیابی اور فتح کا وعدہ کیا گیا ہے یہ تین جملے انہیں کامیابی کا وعدہ دیتے ہیں۔ پہلے جملے میں فرماتے ہیں: "تم دشمن سے لڑو، جنگ میں کود پڑو۔" اس کے بعد

---

[۱] سورۂ انفال، آیت ۴۸۔

[۲] صمد، بروزن حمد دو معنی میں آیا ہے، ایک قصد کرنے کے معنی میں، اور ایک استحکام و صلابت، شاید ان دنوں کا مرجع ایک ہی ہو، کیوں کہ جب قصد محکم و مضبوط ہو تو سختی و مصیبت تو آتی ہی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

فرماتے ہیں: "خداتمہارے ساتھ ہے۔" آخر میں فرماتے ہیں: "اس راہ میں ہمت وجرأت کے ساتھ قدم اٹھاؤ، خداوندمتعال تمہارے نیک اعمال میں سے کبھی کمی نہیں کرے گا۔" مجموعی طور پر خطبے کے ان چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعے نہ صرف حضرت امام علیؑ کے زمانے کے مسلمان سپاہیوں کے لیے ایک وسیع اور جامع درس ہے بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے ایثاروقربانی کا درس موجود ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ یہ اور اس قسم کی گفتگو نے اپنا کام خوب انجام دیا ہے اور جس طرح "نصر بن مزاحم" کی کتاب "صفین" میں آیا ہے کہ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ اپنے دوستوں کو جب ایک حتمی اور فیصلہ کن حملے کا حکم دیتے ہیں تو دس سے بارہ ہزار جنگجو آپؑ کے ساتھ آگے بڑھے، منظر یہ تھا کہ تلواریں کندھوں پر تھیں۔

فوج شام پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ ان کی صفیں درہم برہم کر کے رکھ دیں اور ان کی دفاعی پوزیشن اور فوجی تنصیبات یکے بعد دیگرے تباہ وبرباد کرتے ہوئے (اُمّ الفساد) امیر شام کے خیمے تک پہنچ گئے۔ امیر شام پریشانی اور گھبراہٹ میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میرے گھوڑے کو تیار کرو تا کہ میں اس مصیبت سے نجات پاؤں، چاہتا تھا کہ سوار ہو کر بھاگ جائے مگر پھر ارادہ بدل دیا (شاید اس لیے کہ اس سے اور زیادہ رسوائی اور ذلّت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور فوج شام پسپائی اختیار کرے گی) لہٰذا چیخ چیخ کر وفاداروں کو اپنے دفاع اور حمایت کے لیے بلایا۔ اس نازک موقع پر عمرو عاص کا مکر و فریب کارگر ثابت ہوا، اور قرآن مجید کے مقدس اوراق کو نیزوں پر بلند کرنے کے ساتھ ہی اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا، کوفے کی فوج کے سادہ لوح سپاہیوں نے فریب کھایا اور یوں امیر شام نے اپنے آپ کو نجات دی۔ [1]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، مرحوم تستری، جلد ١٣، ص ٥٤٣۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

سڑسٹھواں خطبہ

ومن کلام له علیه السلام ①

قالوا: لمّا انتهت إلی امیر المؤمنین علیه السلام أنباء السقیفة بعد وفاة رسول الله صلّی الله علیه و آله و سلّم، قال علیه السلام: ما قالت الأنصار؟ قالوا: قالت: منّا أمیر، و منکم امیر؛ قال علیه السلام"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ کی خبریں امیر المومنینؑ تک پہنچیں، تو آپؑ نے دریافت کیا کہ انصار اس بارے میں کیا کہتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ ایک ہم میں سے امیر ہو جائے اور ایک تم میں سے اور امرِ خلافت ہم دونوں گروہوں میں تقسیم ہو جائے۔ اس موقع پر امیر المومنین علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد کیا۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

خلافتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسئلے کے سلسلے میں دو قسم کے دعووں پر ہونے والی یہ گفتگو دو جوابوں پر مشتمل ہے:

پہلا جواب: اس سے پہلے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر توجہ دیتے، اصحاب میں سے کچھ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بنانے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔ اور انصار چاہتے تھے کہ خلافت دو نفری کمیٹی چلائے۔ ایک نفر ان (انصار) میں سے لیا جائے اور ایک نفر مہاجرین میں سے نامزد کیا جائے۔ امامؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ کے ایک ظریف ولطیف جملے کے ذریعے انہیں جواب دیتے ہیں۔

دوسرا جواب: مہاجرین کا دوسرا وہ استدلال ہے کہ خلافت کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ حق دار سمجھا ہے۔ امامؑ ان کے اس استدلال کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اگر تمہاری پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کی دلیل

https://downloadshiabooks.com/

درست ہے تو اہل بیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت کی باگ ڈور کے لیے تم سے کہیں زیادہ شائستہ اور سزاوار تر ہیں۔'

خطبہ:

'فَهَلَّا احْتَجَجْتُمْ عَلَيْهِمْ بِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ وَصَّى بِأَنْ يُحْسَنَ إِلَى مُحْسِنِهِمْ وَ يُتَجَاوَزَ عَنْ مُسِيئِهِمْ؟ قَالُوا: وَ مَا فِي هٰذَا مِنَ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ؟ فَقَالَ علیہ السلام لَوْ كَانَتِ الْإِمَامَةُ فِيهِمْ لَمْ تَكُنِ الْوَصِيَّةُ بِهِمْ. ثُمَّ قَالَ علیہ السلام. فَمَا ذَا قَالَتْ قُرَيْشٌ؟ قَالُوا: احْتَجَّتْ بِأَنَّهَا شَجَرَةُ الرَّسُولِ صلی اللہ علیہ وآلہ فَقَالَ علیہ السلام احْتَجُّوا بِالشَّجَرَةِ وَأَضَاعُوا الثَّمَرَةَ"

تم لوگوں نے ان کے خلاف یہ استدلال کیوں نہیں کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے نیک کرداروں کے ساتھ حسن سلوک اور خطا کاروں سے درگزر کرنے کی وصیت فرمائی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس میں کیا استدلال ہے؟ فرمایا کہ اگر امارت ان کا حصہ ہوتی تو ان سے وصیت کی جاتی نہ کہ ان کے بارے میں وصیت کی جاتی۔ اس کے بعد آپ نے سوال کیا کہ قریش کی دلیل کیا تھی؟ لوگوں نے کہا کہ وہ اپنے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرے میں ثابت کر رہے تھے۔ فرمایا کہ افسوس شجرے سے استدلال کیا اور ثمرے کو ضائع کر دیا۔

شرح وتفسیر

امامت کے مسئلے پر منطقی دلائل

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے، امامؑ نے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب آپؐ کے سامنے یہ بیان کیا گیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار خود تنہا خلافتِ رسول اللہؐ کے خواہاں تھے، لیکن جب مہاجرین جو سقیفہ بنی ساعدہ کے اصل بانیان اور منتظمین میں سے تھے، کی جانب سے ان کی اس پیشکش کو رد کیا گیا تو کہا: اگر ہماری خلافت قبول نہیں تو کم از کم خلافت میں ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہو اور امرِ خلافت شوریٰ کی شکل میں طے کیا جائے۔

امامؑ اس موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"فَهَلَّا احْتَجَجْتُمْ عَلَيْهِمْ بِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ وَصَّى بِأَنْ يُحْسَنَ إِلَى

https://downloadshiabooks.com/

مُحۡسِنِهِمۡ، وَيُتَجَاوَزَ عَنۡ مُسِيئِهِمۡ؟"[١]

"ان کے سامنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیوں نہیں کیا کہ جس میں انصار کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے نیک لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور ان میں سے جو برے ہیں انہیں معاف کرو۔"

لوگوں نے پوچھا، کس بنا پر ہم ان پر اعتراض کرتے؟ امامؑ نے فرمایا:

"فَقَالَ: لَوۡ كَانَتِ الۡإِمَامَةُ فِيهِمۡ لَمۡ تَكُنِ الۡوَصِيَّةُ بِهِمۡ"

"اگر حکومت ان انصار کی ہوتی تو مہاجرین سے ان کے بارے میں سفارش نہ کی جاتی۔"

ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی سے سفارش کرتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ کام کا اختیار اسے ہے جس سے درخواست کر رہے ہیں، نہ وہ کہ جس کے بارے میں سفارش کی جا رہی ہے۔ بالکل اسی طرح کہ خاندان کا سربراہ سفر پر جانا چاہتا ہے تو گھر کے چھوٹے، بزرگ افراد کے متعلق اپنے بڑے بیٹے سے سفارش کرتا ہے کہ بیٹا! میری واپسی تک اب تم گھر کے سربراہ ہو۔ گھر اور اس کے تمام چھوٹے بڑے افراد تمہارے سپرد کرتا ہوں، ان کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ مہربانی کرنا۔ بنا بر ایں حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بخوبی روشن ہے کہ ان کے بعد حکومت کا اختیار انصار کو نہیں ہے، لیکن سقیفہ بنی ساعدہ کے حکومت بنانے والوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی اور زبردستی حکومت کے اختیارات ان سے لے کر خود قابض ہو گئے۔ بعد میں بھی لوگ اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے امامؑ کے اس کلام سے استفادہ کرتے رہے۔ من جملہ ایک واقعہ ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں:

جب سعید بن عاص دنیا سے چلا گیا اور اس کا بیٹا عمرو ابن سعید جوان تھا، وہ امیر شام کے پاس آیا تو امیر شام نے اس سے پوچھا:

"تیرے باپ نے تیرے متعلق کیا وصیت کی ہے؟"

عمرو بن سعید نے فوراً جواب دیا:

"باپ نے میرے بارے میں نہیں، بلکہ خود مجھے وصیت کی ہے۔"

امیر شام عمرو بن سعید کا جواب سن کر حیران ہو گیا اور کہا "إِنَّ هٰذَا الۡغُلَامَ لَأَشۡدَقُ" یہ جوان بات کرنے

[١] کتاب صحیح مسلم میں کتاب فضائل صحابہ، باب فضائل الانصار، میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے إِنَّ الۡأَنۡصَارَ كَرِشِي وَعَيۡبَتِي... فَاقۡبَلُوا مِنۡ مُحۡسِنِهِمۡ وَاعۡفُوا عَنۡ مُسِيئِهِمۡ "انصار میرے ہمراز اور اعتماد والے لوگ ہیں۔ ان کی اچھائیوں کو اپناؤ اور برائیوں کو معاف کر دو۔
(صحیح مسلم، جلد ۴، ص ۱۹۴۹، طبع احیاء التراث العربی)

https://downloadshiabooks.com/

میں مہارت رکھتا ہے۔ اس کے بعد سے عمرو بن سعید لوگوں میں اشدق کے نام سے مشہور ہوا۔

اس کے بعد امامؑ سقیفہ کے حادثے کے بارے میں ایک اور سوال فرماتے ہیں:

"ثُمَّ قَالَ: فَمَاذَا قَالَتْ قُرَيْشٌ؟"

فرمایا: خلافت حاصل کرنے کے لیے قریش والوں نے کیا دلیل پیش کی؟

"قَالُوا: اِحْتَجَّتْ بِأَنَّهَا شَجَرَةُ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ"

"لوگوں نے کہا: خلافت کے لیے سب سے زیادہ حق دار ثابت کرنے کے لیے ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے ہیں۔ اور فطری بات ہے ان کی دلیل کی رُو سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے لیے قریش سب سے زیادہ حق دار ہیں۔"

امامؑ نے فرمایا:

"فَقَالَ: اِحْتَجُّوا بِالشَّجَرَةِ، وَأَضَاعُوا الثَّمَرَةَ"

"ان کی اس دلیل کا وہ خود شکار ہیں، کیوں کہ انہوں نے شجرۂ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن اس کے ثمرات اور پھلوں کو ضائع کر دیا ہے۔" (یعنی وہ آپؐ کے اہل بیتؑ کو بھلا بیٹھے ہیں)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شجرہ وجودِ مبارک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاندانی اور نسبی خلافت کے حصول کے لیے فخر و مباہات اور حق رکھتا ہے تو آپؐ کے نزدیک ترین افراد جو آپؐ کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں، خلافت کے حصول میں افتخار اور سب سے زیادہ حق کیوں نہیں رکھتے۔

جی ہاں! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے ہونے والا مفروضہ وہاں ان کے مفاد میں تھا اس لیے انہوں نے دلیل کے طور پر پیش کیا اور حکومت کے حصہ دار بن گئے۔ اگر وہاں بعد از پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا فاصلہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت کا استدلال پیش ہوتا تو یہ ان کے خلاف جاتا اور خسارے میں رہتے، اس لیے انہوں نے اس معاملے کو سرے سے ہی بھلا دیا۔ درخت انہیں عزیز تھا، لیکن اس کے پھل کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہیں تھی۔ اس دنیا کا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا حال بھی ان سے مختلف نہیں ہے کہ قوانین اور رشتوں کا اُس وقت تک احترام کرتے ہیں، جب تک ان سے فائدہ ہوتا رہے۔ اور جہاں ان کا کام نکل جاتا ہے تو اس طرح پیش آتے ہیں کہ کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ اپنے مادّی اہداف کی خاطر دوسروں کو استعمال کرتے ہیں اور اگر وسیلہ مختصر ہو تو وہ اسے کام میں لاتے ہیں اور اگر زیادہ ہو تو وہ اس میں اس طرح قطع و برید کرتے ہیں کہ اپنی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ اصل چیز اس کی مانگ ہے کہ جیسے وہ

https://downloadshiabooks.com/

چاہتا ہے، خواہشات اصل ہیں اور ان خواہشات کی اہمیت فرع کی حیثیت رکھتی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ شارح بحرانی نے ذکر شدہ عبارت میں ثمرہ و پھل کے بارے میں دو احتمال پیش کیے ہیں:

۱۔ یہ کہ یہاں پر ثمرہ سے مراد امیر المومنینؑ اور آپؑ کی اولاد پاکؑ ہیں۔

۲۔ یہ کہ یہاں پر ثمرہ سے مراد سنّتِ الٰہی ہے جو امر خلافت و ولایت امیر المومنینؑ کے استحقاق کو ثابت کرنے کا سبب ہے۔

اس سے واضح ہے کہ احتمال دوّم اگر چہ نتیجے میں احتمال اوّل کے موافق ہے، لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے بہت بعید ہے۔ جب شجرے سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے رشتے داری ہو، تو نزدیک ترین ثمر اور پھل جو آپؐ کے شجرۂ طیبہ سے جڑے ہوئے ہیں وہ آپؐ کے اہل بیتؑ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ امامؑ نے اپنے بیان میں فرمایا ہے، اس سے ہم اچھی طرح نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خلافت میں شرکت کے معاملے میں یا تو انصار کے استدلال اور مشوروں کو قبول کریں۔ یا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام کی خلافت و ولایتِ بلا فصل کو قبول کریں۔ تیسری شق، سقیفہ کے بانیوں کی خلافت ہے، جو کسی صورت قبول نہیں ہے۔

نکات

مسئلۂ خلافت اور سقیفہ بنی ساعدہ کی داستان

مدینے کے میدانوں میں سے کسی ایک میدان میں سائبان (چھپر) بنا ہوا تھا، جہاں مدینے کے لوگ ضرورت کے وقت جمع ہو کر ایک دوسرے سے خیالات کا تبادلہ کرتے تھے۔ رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاں سوز رحلت کے بعد گروہِ انصار و مہاجرین نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کے انتخاب کے لیے پہل کی اور وہاں پر جمع ہو گئے۔

مشہور مورّخ طبری کے مطابق سعد بن عبادہ جو خزرج قبیلے کے بڑے بزرگ تھے (یہ مدینے کے دو اہم مشہور قبیلوں میں سے ایک تھا) وہ لوگ چاہتے تھے کہ انہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین معین کریں، اس غرض سے سعد بن عبادہ کو جو اس وقت سخت بیمار تھے سقیفہ لے کر آئے۔

طبری اس واقعے کو یوں نقل کرتا ہے کہ جب خزرج کے رہنما حضرات وہاں جمع ہوئے تو سعد نے اپنے بیٹے یا

https://downloadshiabooks.com/

چچازاد بھائی سے کہا، میں بیمار ہوں، میری آواز لوگوں تک نہیں پہنچے گی تم میری بات کو بلند آواز سے ان تک پہنچا دو۔ سعد بن عبادہ نے اپنا رخ انصار کی طرف کیا اور اس طرح خطبہ دیا۔"اے انصار کے لوگو! اسلام کے سابقہ دور میں تمہارا کردار صاف اور قابل ستائش رہا ہے، جو عرب کے کسی دوسرے قبیلے کو نصیب نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ سال تک مکے میں اپنی قوم میں تھے اور انہیں یکتا پرستی کی طرف اور بت شکنی کی دعوت دی، لیکن ان کی قوم میں سے کچھ لوگوں کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہیں لایا۔ ان لوگوں میں اُن کے آئین کا دفاع تو کیا، خود اپنے دفاع کی بھی جرأت و ہمت نہیں تھی۔

لیکن جب تم نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور سخت دشمن کے مقابل ان کے اور ان کے آئین کے دفاع کے لیے آمادہ ہوئے تو حالات بدلنا شروع ہوئے۔ اس طرح اسلام کا درخت تناور ہو گیا۔ تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کے لیے کھڑے ہوئے اور اُن کے دشمن تمہاری تلواروں کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے، اسلام اور حق وصداقت کے سامنے سر تسلیم خم ہوئے اور ہر روز ایک نئی کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق تعالیٰ کو لبیک کہا اور آپؐ تم لوگوں سے راضی تھے۔ پس تمہیں چاہیے کہ مسند خلافت کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس کے لیے میں تم سب سے مقدم اور شائستہ تر ہوں۔ ان کے بیٹے یا چچازاد بھائی نے ان کی تقریر کو بلند آواز سے لوگوں تک پہنچایا۔

قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے ان کی تقریر کو پسند کیا اور سب نے دل وجان سے ان کی تائید بھی کر دی، اس کے بعد گروہ انصار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اگر اس فیصلے کو مہاجرین قریش نے قبول نہیں کیا تو کیا ہوگا؟ اور اگر وہ کہیں کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے جاں نثار ساتھیوں میں سے ہیں اور آپؐ ہماری قوم وقبیلے سے تھے، خلافت پر ان کے بعد ہمارا حق ہے، تو ان کے جواب میں ہم کیا کہیں گے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر قریش اس طرح کہیں تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے۔ اور دو رکنی کمیٹی (شوریٰ) کے ذریعے خلافت چلائیں۔ اس سے کم تر عہدے کے لیے وہ راضی نہ ہوں گے۔ جب یہ باتیں سعد بن عبادہ نے سنیں تو کہا، یہ تمہاری سب سے پہلی سستی اور پسپائی ہے۔

جب انصار اور سعد بن عبادہ کی کہانی حضرت عمر نے سنی، تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی طرف چلے اور کسی کو خلیفۂ اوّل کی تلاش میں بھیجا، اس وقت خلیفۂ اوّل گھر میں تھے اور پیغمبر اکرمؐ کی تجہیز و تکفین میں امیر المومنینؑ کی مدد کے لیے جانا چاہتے تھے کہ خلیفۂ ثانی کی طرف سے بلاوا آیا، جب خلیفۂ اوّل گھر سے باہر آئے اور کہا، عمر کیا کوئی خاص بات ہے؟ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ تو خلیفۂ ثانی نے وہ تمام باتیں جو مخبروں سے سنیں تھیں خلیفۂ اوّل کے گوش گزار کر دیں اور دونوں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں ابو عبیدہ جراح ملے انہیں بھی اپنے ساتھ وہاں لے گئے۔ جب سقیفہ پہنچے تو خلیفۂ اوّل نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: اے لوگو! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام لوگوں سے یکتا پرستی کے لیے تھا اور بت وبت پرستی کی

https://downloadshiabooks.com/

نابودی کے لیے تھا۔اس کے بعد انہوں نے سب سے پہلے ایمان لانے والے مؤمنین کی خدمات اور مہاجرین کے بارے میں ایک لمبی چوڑی تقریر کرڈالی۔آخر میں کہا کہ خلافت کے لیے آپؐ کی قوم و قبیلے کے لوگ سب سے زیادہ شائستہ اور سزاوار ہیں اور جس کسی نے ان کی مخالفت کی انہوں نے ظلم وستم روا رکھا ہے۔اس کے بعد انصار کی فضلیت میں کچھ مختصر باتیں کیں اور اس جلسے میں اعلان کیا کہ ہم اس خلافت کے امیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔

یہ سن کر حباب بن منذر اپنے جگہ سے اٹھا اور خلیفۂ کی تقریر پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور انصار کی طرف رخ کر کے کہا، تم گروہ انصار کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں کرسکتا، تم طاقتور اور جرأت مند اور تجربہ کار لوگ ہو، سب کو تمہاری بات قبول کر لینا چاہیے۔اگر وہ اس مشورے کو قبول نہیں کرتے تو ایک امیر ہم میں سے لو اور ایک امیر ان میں سے لے لو، دور کئی کمیٹی خلافت کی باگ ڈور چلائے۔

خلیفۂ ثانی نے کہا، یہ قابل قبول نہیں ہے، دونفر ایک گروہ پر حکومت نہیں کر سکتے (جس طرح دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں) خدا کی قسم! عرب کے لوگ راضی نہیں ہوں گے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہوں اور کوئی دوسرا ان پر حکومت کرے۔خلیفۂ ثانی اور حباب بن منذر کے درمیان بات کافی بڑھ گئی اور حباب نے دھمکی دی کہ اگر مہاجرین کو ہمارا فیصلہ قبول نہیں تو انہیں ہم مدینے سے نکال دیں گے۔

اس پر بشیر بن سعد جو قوم خزرج سے تھا، وہ سعد بن عبادہ کو سخت ناپسند کرتا تھا، موقع پا کر خلیفۂ ثانی کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا، خبردار! اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ دنیا کے جاہ و مقام کے لیے پیغمبر اکرمؐ کی قوم و قبیلے کے ساتھ جھگڑا کر رہے ہو؟ خدا سے ڈرو! ان سے جھگڑا نہ کرو، یہاں خلیفۂ اوّل نے اٹھ کر ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا، اے لوگو! میں تمہیں ایک بہترین مشورہ دیتا ہوں، وہ یہ کہ تم لوگ اس وقت خلیفۂ ثانی یا ابوعبیدہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔ان دونوں خلیفۂ ثانی اور ابوعبیدہ نے ایک ساتھ کہا، نہیں ہم ایسا نہیں کریں گے، خلافت کے لیے تم ہم سے بہتر ہو، تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غار کے ساتھی ہو اور تم ہم سے شائستہ تر ہو، اپنے ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تاکہ ہم تمہاری بیعت کریں۔جب یہ دونوں بیعت کے لیے خلیفۂ اوّل کی طرف بڑھے تو بشیر بن سعد نے دوڑ کر ان دونوں سے پہلے خلیفۂ اوّل کی بیعت کی۔

مدینے میں "قبیلۂ اوس" اور "قبیلۂ خزرج" میں ہمیشہ دشمنی رہتی تھی۔"اوس" کے لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے، اگر قبیلۂ خزرج سے سعد بن عبادہ کو خلافت ملتی تو وہ اس میں تمہارے حصے کا کبھی قائل نہ ہوتا۔یہ اچھا موقع ہے، جلدی کرو خلیفۂ اوّل کی بیعت کرو۔اس طرح سب نے خلیفۂ اوّل کی بیعت کی۔

ادھر سعد بن عبادہ لوگوں کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا۔خلیفۂ ثانی نے چیخ کر کہا، انہیں قتل کردو! اور خود سعد بن عبادہ

https://downloadshiabooks.com/

کی طرف گیااوران سے کہا، میں چاہتا تھا کہ تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے کچل دوں!اس پر سعد نے خلیفۂ ثانی کی داڑھی پکڑی تو عمر نے کہا، اگر ایک بال بھی الگ ہوا! تو تیرے بتیس دانت توڑ ڈالوں گا۔خلیفۂ اوّل نے پکار کر کہا، اے عمر! نرمی سے پیش آؤ، مفاہمتی پالیسی اختیار کرو، یہاں نرمی سے پیش آنا بہتر ہے۔عمر، سعد کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔اس کے بعد سے سعد بن عبادہ نے ان کے ساتھ نماز، حج اور کسی بھی اجتماع میں شرکت نہیں کی، اسی حالت میں خلیفۂ اوّل اس دنیا سے چلے گئے۔[۱]

اس واقعے کے بعد سقیفہ کے سربراہوں نے دوسرے تمام افراد پر زور دیا کہ وہ خوش ہوں یا نہ ہوں اتحاد کی خاطر ایک ساتھ مل کر خلیفۂ اوّل کی بیعت کریں، ان میں سے کچھ لوگوں کو لالچ دے کر اور کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر بیعت کرنے پر مجبور کیا۔اور جن لوگوں نے خلیفۂ اوّل کی بیعت کرنے سے انکار کیا انہیں ذہنی وجسمانی اذیت و آزار میں مبتلا کر دیا۔مخالفت کے جرم میں مارے جانے والے پہلے مقتول سعد بن عبادہ تھے، جو ان کے ساتھ ہمیشہ مقابلہ کرتے رہے۔

ابن ابی الحدید اور بعض دیگر مشہور موّرخین لکھتے ہیں:

سعد خلیفۂ اوّل کی خلافت میں شریک نہیں ہوئے اور مسلسل ان کی مخالفت کرتے رہے یہاں تک کہ خلیفۂ اوّل دنیا سے چل بسے۔اور خلیفۂ ثانی کے دورِ حکومت میں ان دونوں کے درمیان لفظی جنگ شروع ہوئی اور سعد نے خلیفۂ ثانی سے کہا، تمہارے ساتھ ایک شہر میں زندگی کرنا میرے لیے بہت سخت ہے، موجودہ حالات میں تم سے زیادہ غاصب ترین شخص میرے نزدیک کوئی نہیں۔خلیفۂ ثانی نے کہا، کوئی ساتھی اگر کسی سے خوش نہیں ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ کسی دوسری جگہ چلا جائے۔اس پر سعد نے کہا: میں بہت جلد اس کام کو کروں گا اور مختصر مدت کے بعد شام چلا گیا اور وہیں پر دارفانی سے رخصت ہوا۔انہوں نے نہ خلیفۂ اوّل کی بیعت کی نہ عمر کی۔[۲] اب رہ گیا یہ سوال کہ سعد کیسے مرا؟ تو مشہور قول یہ ہے کہ اسے قتل کیا گیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ خالد بن ولید اس کا قاتل ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کام اس نے خلیفۂ ثانی کے کہنے پر انجام دیا تھا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ خالد بن ولید ایک دوسرے آدمی کے ساتھ سعد بن عبادہ کو قتل کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں چھپ کے بیٹھ گیا اور دو تیروں سے ان کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد ان کے جسم کو کسی کنویں میں پھینک دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ جنّات نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا ہے۔اس کے بعد ان کی لاش کو کنویں سے باہر نکالا تو رنگ پیلا پڑ گیا تھا، انہوں نے اپنے جرم کو چھپانے کے لیے لوگوں سے کہا کہ دیکھو! یہ بھی جنّات کے مارنے کے طریقے ہوتے ہیں۔

توجّہ رہے، کہا جاتا ہے کہ مؤمن طاق، محمد بن نعمان احول، جو شیعیان حیدر کرارؑ کے جنگجو اور مجاہدوں میں سے تھے

---

[۱] تاریخ طبری، جلد ۲، ص ۴۵۵۔تلخیص کے بعد۔

[۲] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۱۰۔

https://downloadshiabooks.com/

اور مکتب اہلبیتؑ کے دفاع میں ان کی جنگی داستان بہت مشہور ہے۔ ان سے کسی نے کہا، امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے امرِ خلافت میں خلیفۂ اوّل سے مقابلہ کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے جواب میں کہا، بھتیجے! وہ ڈرتے تھے کہ جنّات انہیں مار نہ ڈالیں۔ (۱)

علّامہ امینی بھی ایک خوبصورت کنائے واشارے میں کہتے ہیں:

"وَكَانَ مِنْ حَشْدِهِمُ اللُّهَامِ رِجَالٌ مِنَ الْجِنِّ رَمَوْا سَعْدَ بْنِ عُبَادَةَ أَمِيرَ الْخَزْرَجِ" (۲)

"خلیفۂ اوّل کی بیعت دھمکیوں اور تلواروں کی چمک دمک میں انجام پائی ہے اور جنّات میں سے وہ لوگ ان کا ساتھ دے رہے تھے، جنہوں نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا تھا"

توجہ رہے کہ مذکورہ عبارتوں میں سے اکثر تاریخ طبری میں ہیں، جو صحیح بخاری میں بھی خلیفۂ ثانی سے نقل ہیں۔

خلیفۂ ثانی ایک سال حج پر تھے تو لوگوں کو باتیں کرتے سنا، وہ کہتے تھے کہ اگر خلیفۂ ثانی دنیا سے چلا جائے تو ہم فلاں کی (۳) بیعت کریں گے۔ خلیفۂ ثانی اس بات سے سخت ناراض ہوئے، جب مدینے میں واپس آئے اور منبر پر جا کر خطبہ دیا، اس کے بعد انہی باتوں کو لوگوں کو سنایا اور کہا کہ، "کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کہے کہ مسلمانوں کے صلاح مشورے کے بغیر خلیفۂ اوّل کی بیعت ہوئی اور یہ سوچے سمجھے بغیر اتفاقی کام ہوا تھا، لہٰذا ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔"

"إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ...وَلٰكِنَّ اللهَ وَقَى شَرَّهَا"

"ہاں! یہ کام بغیر دقّت کے ضرور ہوا تھا اور خداوند متعال نے مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔"

اور مزید کہا، یہ کام دوبارہ نہیں ہونا چاہیے، جو مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کی بیعت کرے تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ جانے پائے۔ اس صورت کے بغیر ممکن ہے قتل ہو جائے۔

جی ہاں! جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو قبیلہ انصار ہمارے خلاف سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت علیؑ اور زبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے ہماری مخالفت کی، مہاجرین خلیفۂ اوّل کی طرف آئے اور میں نے خلیفۂ اوّل سے کہا: ہمارے ساتھ اپنے بھائی گروہ انصار کی طرف چلیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، دو افراد سامنے آئے اور کہا، اے مہاجرین کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا، اپنے بھائی گروہِ انصار کی طرف جا رہے ہیں۔ کہا، ان کے نزدیک ہونے کی ضرورت

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۱۷، ص ۲۲۳

(۲) الغدیر، جلد ۹، ص ۳۷۹، لہام بہت بڑے لشکر کے معنیٰ میں آیا ہے۔

(۳) ظاہراً فلاں سے مراد حضرت امام علیؑ ہیں، کیوں کہ یہ بات زبیر نے کہی تھی کہ اگر عمر مرجائے تو ہم حضرت علیؑ کی بیعت کریں گے۔ (شرح بخاری، قسطلانی، جلد ۱۱، ص ۳۵۲۔ بلاذری سے انساب الاشراف میں نقل ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نہیں، تم لوگ یہاں بیٹھ جاؤ! ہم نے ان کی کوئی بات نہیں سنی اور آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ گروہ انصار کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں شامل ہوئے۔

وہاں کپڑے میں لپٹے ایک آدمی کو دیکھا، پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: سعد بن عبادہ ہے۔ میں نے کہا، اس طرح کیوں بیٹھا ہے؟ کہا کہ بیمار ہے۔ اتنے میں گروہ انصار میں سے ایک نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی (خطبے کے نکات کو جس طرح ہم نے طبری سے نقل کیا ہے، خلیفۂ ثانی اس کے مفاہیم کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں) خلیفۂ ثانی کہتے ہیں کہ جب ان کی تقریر ختم ہوئی تو میں نے ایک بہترین تقریر خلیفۂ اوّل کے سامنے کرنا چاہی، لیکن خلیفۂ اوّل نے مجھے تقریر سے روک دیا اور خود اٹھ کر تقریر کرنا شروع کی، وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار تھے، اور جو میں بہترین تقریر کرنا چاہتا تھا اس سے کہیں زیادہ اچھی تقریر کی اور گروہ انصار سے کہا، اے گروہ انصار! جتنے بھی فضائل آپ لوگوں نے گنے ہیں، وہ تمام درحقیقت آپ لوگوں میں موجود ہیں، لیکن خلافت کو اس کی اصلی جگہ پر یعنی قریش میں ہونا چاہیے جو نسب اور مقام و منزلت کے اعتبار سے تمام عربوں پر برتری رکھتے ہیں۔

خلیفۂ ثانی کہتے ہیں، اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے میری اور ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "میں آپ تمام لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ یہاں بیٹھے ہوئے ان دو بزرگواروں (عمر، ابوعبیدہ) میں سے کسی ایک کی بیعت کریں، کیوں کہ میں اس کام کے لیے ان کو پسند کرتا ہوں۔" گروہ انصار میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک قریش میں سے ہو۔ اس پر لوگوں میں شور اٹھا کہ کسی کی کوئی بات سنائی نہیں دے رہی تھی۔

مجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں اختلاف اور نہ بڑھ جائے لہٰذا میں نے خلیفۂ اوّل سے کہا، اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ تا کہ میں بیعت کروں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ آگے کیے اور میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر ڈالی، میرے بعد ابوعبیدہ نے، اس کے بعد مہاجرین نے اور گروہ انصار نے ان کی بیعت کی خلیفۂ ثانی نے لوگوں سے مزید کہا کہ خدا کی قسم! اس ہنگامے میں ہمیں خلیفۂ اوّل کی بیعت کرنے والے کام سے بہتر کچھ سمجھ میں نہیں آیا، کیوں کہ ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر کسی کی بیعت ہوئے بغیر مہاجرین، گروہ انصار اور دیگر لوگ یہاں سے چلے گئے تو وہ لوگ خود انہی میں سے کسی کی بیعت کریں گے اور ہم کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس دو راستے تھے، ایک یہ کہ یا ان کی بیعت کریں جن پر وہ لوگ راضی ہوں یا ان کی مخالفت اور اذیت و آزار کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، جس میں فتنہ و فساد اور خرابیوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

اس بنا پر یہاں میں دوبارہ تکرار کرتا ہوں کہ خبردار! مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کوئی کسی سے بیعت نہ کرے، جس کی بیعت کی ہے اور جس نے بیعت کی ہے اس کی پیروی نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں قتل ہو جائیں

https://downloadshiabooks.com/

اور دوسرے بھی عتاب میں آجائیں۔ (۱) (اس آخری جملے کا مفہوم یہ ہے کہ خلیفہ ثانی ضمناً ان کے قتل کا حکم دے چکے تھے)

داستان سقیفہ کے چند دلچسپ نکات

۱۔ مذکورہ بالا مطالب سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح بہت سے لوگ اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، سقیفہ کے اجتماع میں تمام لوگوں کی جانب سے کوئی کمیٹی (شوریٰ) منتخب نہیں ہوئی تھی، بلکہ گروہِ انصار میں سے بعض افراد نے اپنے فائدے کے لیے خود ساختہ کمیٹی تشکیل دی۔ اس کے بعد مہاجرین میں سے چند افراد کی جوامرِ خلافت میں ان کے ہم پلّہ تھے، کمیٹی تشکیل دی۔ اور انتہائی مہارت و چالاکی سے خلیفہ اوّل کی خلافت کے لیے راہ کو ہموار کیا گیا۔

۲۔ خلافت کے کام کی نظارت کے لیے اگر کوئی کمیٹی (شوریٰ) لوگوں کے ذریعے منتخب ہوئی ہوتی تو کم از کم مدینے میں انصار کے سب لوگ اور تمام مہاجرین کے نمائندے وہاں موجود ہوتے، حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بنی ہاشم جو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزدیک تر اور آشناترین افراد میں سے تھے ان میں سے کوئی بھی سقیفہ میں موجود نہ تھا۔ اس بنا پر سقیفہ میں ہونے والا اجتماع اور کمیٹی (شوریٰ) کسی صورت شرع کے مطابق نہیں ہو سکتی، نہ شرعی طور پر کوئی جواز ہے اور نہ دنیا کے معمولی سیاسی نظام کے حوالے سے کوئی جواز ہے۔

۳۔ سقیفہ کی کہانی سے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ انتخاب کا معیار مصلحانہ نہ تھا، بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ ایک ایسی میراث کو تقسیم کرنا چاہتے تھے، جس میں دونوں زیادہ حصے کے دعوے دار تھے۔ مسئلہ خلافت کی ایسی سرنوشت پر کوئی یقین نہیں کرے گا اور ہرگز کوئی یہ نہیں کہے گا کہ مسلمانوں کے حق میں یہ انتخاب درست تھا۔

۴۔ سقیفہ کے اجتماع میں خلافت کے سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتوں کے بارے میں کوئی ذکر نہیں آیا، جب کہ سب ہی جانتے تھے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا:

"إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابَ اللهِ وَ عِتْرَتِي; مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا" (۲)

---

(۱) صحیح بخاری، جلد ۸، ص ۲۰۸ (کتاب المحاربین من اہل الکفر والردہ، باب رجم الحبلی من الزنا اذا أحصنت)۔

(۲) یہ حدیث صحابہ کرام میں سے کم از کم ۲۳ افراد سے نقل ہوئی ہے اور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغیر کسی واسطے کے نقل کی ہے۔ لوگوں تک اطلاع پہنچانے کے لیے مختلف ناموں اور تعبیرات سے روایات میں آیا ہے۔ اس کے لیے ان کتابوں، پیام قرآن، ص ٦٢ تا ۹۷۔ خلاصہ عبقات الانوار، جلد ۲، ص ۱۰۵ تا ۲۴۲۔ احقاق الحق، جلد ۴، ص ۴۳۸۔ اور دیگر مشہور کتابیں جیسے سیرۂ حلبی، مستدرک حاکم، صواعق، اسد الغابہ، سنن بیہقی کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

"میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب، دوسرے میرے اہل بیتؑ، اگر ان کا دامن تھامے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔"

حدیث شریف جو اکثر شیعہ و سنی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ کیا یہ حدیث متواتر روایات میں شمار نہیں ہوتی؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ایک بار نہیں، بلکہ کئی مرتبہ مختلف مواقع پر بیان کی۔ سقیفہ میں حاضر ہونے والوں نے اپنے تمام خیالات اور رجحانات پر عمل کرنے اور مسلمانوں پر اپنا خود ساختہ حاکم مقرر کرنے سے پہلے حکم قرآن و اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنا گوارا نہ کیا؟ کیا حدیثِ غدیر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متواتر نقل نہیں ہوئی ہے اور اس نے سقیفہ میں انتظامات کرنے والوں کو خبردار نہیں کیا؟ کیا دعوت اعلان نبوت کے پہلے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بار بار کی ہدایات اور حدیث یوم الدار قابل قبول نہیں ہے؟ جس میں واضح الفاظ میں امیر المومنین علیؑ کی خلافت اور وصی ہونے کے بارے میں کہا ہے یا یہ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس زندگی کی آخری ساعتوں میں داستان قلم و دوات کی طرح اور خلافت کے لیے امیر المومنینؑ جو سب سے شائستہ تر تھے، اُن سے بات کرنا ضروری نہیں سمجھا؟ واقعاً تعجب کی بات ہے!

لیکن ایک نظر سے دیکھا جائے تو تعجب خیز نہیں ہے، کیوں کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سے غلط فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور امت کی نجات میں آخری پیغام لکھنے کے لیے کاغذ و قلم و دوات لانے میں رکاوٹ کھڑی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بدتمیزی سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ اس سے یہ بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت کے حصول کے لیے جو ارادے وہ کر کے آئے تھے، کوئی چیز حتیٰ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بھی ان کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں۔

https://downloadshiabooks.com/

بتائیے ان حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟ مقام و منزلت کی بات انسان کو خود اسی میں مگن کرتی ہے اور ہر چیز کو وہ بھلا دیتا ہے۔ [1]

امیر المومنینؑ کے ذکر شدہ خطبے میں کلام کی گہرائی یہاں پر مشخص ہوتی ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں:

"إِحتَجُّوا بِالشَّجَرَةِ، وَأَضَاعُوا الثَّمَرَةَ"

"سقیفہ والوں نے درخت کو مضبوطی سے پکڑا ہے اور میوہ و پھل کو ضائع کیا اور پھینک دیا ہے۔"

[1] حدیثِ قلم و دوات، یا قلم و قرطاس، امر خلافت میں یہ حدیث عجیب انداز سے نقل ہوئی ہے اور یہ بات توجہ طلب ہے کہ اہل سنّت کے مشہور ترین منابع مثلاً صحیح بخاری اس کتاب کے باب مرض النبیؐ میں سعید بن جبیرؓ اور ابن عباسؓ سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔ جب رسول خداؐ دنیا سے رحلت کے قریب ہوئے تو اُس وقت آپؐ کے اردگرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَاباً لاَ تَضِلُّوا بَعْدَهُ" کاغذ و قلم و دوات لاؤ، کہ تمہارے لیے کچھ لکھ دوں تاکہ اس کی برکت سے میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو۔ "فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ پر بیماری نے غلبہ کیا ہے (العیاذ باللہ) ہذیان بول رہے ہیں۔ تمہارے پاس قرآن مجید ہے اور قرآن مجید ہمارے لیے کافی ہے۔ وہاں بیٹھے لوگوں کے درمیان شور اٹھا، بعض نے کہا کاغذ و قلم و دوات لے آؤ! تاکہ آنحضرتؐ کچھ لکھ لیں اور ہم گمراہ نہ ہوں، بعض اس کے برخلاف بولتے تھے، جب آوازوں کا شور زیادہ ہوا تو پیغمبر اکرمؐ سخت ناراض ہوئے اور ان سے فرمایا: ''اٹھو! اور مجھ سے دور ہو جاؤ!'' یہ حدیث مختلف طریقوں اور تعبیروں سے صحیح بخاری میں نقل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ٦، باب مرض النبیؐ و وفاتہ، ص ١٢، طبع بیروت لبنان) پیغمبر اکرمؐ کی شان میں بے ادبی کرتے ہوئے کس نے یہ ناشائستہ بات ان سے کہی؟ کتاب صحیح مسلم میں آیا ہے کہ کہنے والا خلیفۂ ثانی تھا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے کاغذ و قلم و دوات طلب فرمایا کہ کوئی پیغام لکھیں تاکہ مسلمان گمراہ نہ ہوں: "قَالَ عُمَرُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ) قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" خلیفۂ ثانی نے کہا، رسول خداؐ پر بیماری نے غلبہ کیا ہے اسی لیے اس طرح کہہ رہے ہیں، قرآن مجید تمہارے پاس ہے اور ہمارے لیے قرآن مجید کافی ہے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ابن عباسؓ اس قصے پر افسوس کرتے رہے اور اسے ''رَزِيَّةُ يَوْمِ الْخَمِيْسِ'' جمعرات کے دن کی بڑی مصیبت کے عنوان سے یاد کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ۵، ص ۱۲۵۹، طبع دار الاحیاء التراث العربی)

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

اڑسٹھواں خطبہ

من کلام لہ علیہ السّلام

"لمّا قلّد محمّد بن ابی بکر مصر، فملکت علیہ و قتل"

یہ خطبہ اُس وقت ارشاد فرمایا جب آپؑ نے محمدؓ بن ابی بکر کو مصر کی ذمّے داری حوالے کی اور انہیں قتل کر دیا گیا۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

جنگ صفین کے بعد خوارج کی سرکشی و نافرمانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر شام نے اپنی طاقت و قدرت کے زور پر اہم ترین اسلامی ملک مصر جو مالی منابع سے پُر تھا، کے حصول کے لیے اس پر فوج کشی کی۔ اُس وقت مصر کے حاکم حضرت محمدؓ بن ابی بکر تھے جو امیر المومنینؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ امیر شام نے وعدے کے مطابق عمرو عاص کو مصر کی حکومت دے دی اور چھے ہزار (۶،۰۰۰) فوج کے سوار دستے بھی ان کے ہمراہ مصر روانہ کر دیے۔ اس دستے میں بہت سارے ایسے لوگ تھے، جو خلیفۂ ثالث کے خون کا انتقام لینے کی خاطر مصر جا رہے تھے، کیوں کہ وہ حضرت محمدؓ بن ابی بکر کو خلیفۂ ثالث کا قاتل سمجھتے تھے اور ان سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ امیر شام نے مصر میں اپنے چاہنے والے اور ہم خیال لوگوں کو کئی خطوط لکھے، تاکہ وہ عمرو عاص کی حمایت اور محمدؓ بن ابی بکر سے جنگ کریں اور عمرو عاص سے جنگ کرنے کی صورت میں سخت دھمکیاں بھی دیں۔

حضرت محمدؓ بن ابی بکر تمام حالات امیر المومنینؑ کو لکھ کر بھیجتے ہیں اور حضرتؑ سے مدد طلب کی اور دوسری جانب حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے مصر کے لوگوں کو عمرو عاص سے جنگ کے لیے آمادہ کیا اور چار ہزار (۴۰۰۰) فوجی جوانوں کو جنگ کے لیے تیار کر کے ان میں سے دو ہزار کو عمرو عاص کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا اور خود دوسرے دو ہزار افراد کے ساتھ مصر میں رہ گئے۔ فوج کا وہ دستہ جو عمرو عاص کی طرف بھیجا گیا تھا، ان کی عمرو عاص کی فوج کے ساتھ گھمسان کی لڑائی ہوئی، عمرو کی فوج کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور بہت جانی و مالی نقصان اٹھانی پڑی، لیکن مقابلہ دو ہزار اور چھے ہزار کا تھا۔ آخر کار محمدؓ بن

https://downloadshiabooks.com/

ابی بکر کی فوج نے شکست کھائی اور ان کے سپہ سالار کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔اس سے آپؑ کے باقی ماندہ فوجی دستوں پر برا اثر پڑا۔گروہ گروہ کر کے آپؑ الگ ہو کر فرار ہو گئے۔محمدؓ ابن ابی ابکر نے جب اپنے ساتھ فوج کی مختصر تعداد کو دیکھا تو میدان جنگ سے پیچھے ہٹ کر چھپ گئے۔عمرو عاص نے معاویہ بن خدیج کو آپؓ کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے بھیجا۔انہوں نے آخر کار محمدؓ کو کسی خرابے سے گرفتار کیا اور نہایت قساوت قلبی سے انہیں شہید کر دیا۔سرِ مبارک کو تن سے جدا کر کے جسم مبارک کو ایک مردار کی کھال میں ڈال کر جلا دیا۔

جب محمدؓ بن ابی بکر کی شہادت کی خبر امیر المومنینؑ کو ہوئی تو آپؑ اس قدر غمناک ہوئے کہ آپؑ کے نورانی چہرے سے غم واندوہ کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا:

"وَقَدْ أَرَدْتُ تَوْلِيَةَ مِصْرَ هَاشِمَ بْنَ عُتْبَةَ، وَلَوْ وَلَّيْتُهُ إِيَّاهَا لَمَا خَلّٰى لَهُمُ الْفُرْصَةَ، وَلَا أَنْهَزَهُمُ الْفُرْصَةَ، بِلَا ذَمٍّ لِمُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، وَلَقَدْ كَانَ إِلَيَّ حَبِيبًا، وَكَانَ لِي رَبِيبًا."[1]

"میرا ارادہ تھا کہ مصر کا حاکم ہاشم بن عتبہ کو بناؤں اور اگر انہیں بنا دیتا تو ہرگز میدان کو مخالفین کے لیے خالی نہ چھوڑتے اور انہیں موقع سے فائدہ نہ اٹھانے دیتے (لیکن حالات نے ایسا نہ کرنے دیا) اس بیان کا مقصد محمدؓ بن ابی بکر کی مذمت نہیں ہے اس لیے کہ وہ مجھے عزیز تھے اور میرے ہی پروردہ تھے۔"

شرح وتفسیر

محمدؓ بن ابی بکر اور مصر کی حکومت

جیسا کہ خطبے کے شروع میں اشارہ ہوا کہ امیر شام کی فوج نے مصر پر جب حملہ کیا، اور نمائندۂ امیر المومنینؑ محمدؓ بن ابی بکر شہادت کے درجے پر فائز ہوئے، ان کی شہادت پر امامؑ رنج وغم سے نڈھال ہوئے اور اس عزیز ترین اور قریبی ساتھی کی شہادت کے موقع پر آپؑ نے یہ بیان جاری فرمایا۔امامؑ کی اس گفتگو میں آپؑ کے بعض طرف داروں اور اصحاب کی مذمت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔فرمایا:

[1] مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۱۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَ قَدْ أَرَدْتُ تَوْلِيَةَ مِصْرَ هَاشِمَ بْنَ عُتْبَةَ، وَ لَوْ وَلَّيْتُهُ إِيَّاهَا لَمَا خَلَّى لَهُمُ الْعُرْصَةَ (۱) وَ لَا أَنْهَزَهُمْ (۲)

"میں ہاشم بن عتبہ کو مصر کی ذمّے داری دینا چاہتا تھا اور اگر میں ان کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجتا تو وہ امیر شام کی فوج کو مصر میں داخل ہونے کی اجازت اور مہلت نہ دیتا۔"

محمدؓ بن ابی بکر کی قوت ایمانی اور صدق وصداقت کی وجہ سے امامؑ کو ان سے بے حد لگاؤ تھا اس کے باوجود ہاشم بن عتبہ جو مرقال کے نام سے مشہور تھے آپؑ ان کو ترجیح دیتے تھے اور وہ محمدؓ بن ابی بکر سے زیادہ تجربہ کار، آزمائے ہوئے اور زیادہ قوی تر بھی تھے، آپؑ چاہتے تھے کہ انہیں مصر کا والی بنادیا جائے، لیکن آپؑ کے بعض اصحاب نے محمدؓ بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنانے پر زور دیا، کیوں کہ وہ خلیفۂ اوّل کا بیٹا تھا اور مصر والے انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصر کے لوگوں کا محمدؓ سے خلیفۂ ثالث کے خون کا انتقام لینے کے بارے میں انہیں معلوم تھا اور مصریوں کے ساتھ ان کے رابطے تھے۔ اس بنا پر آپؑ کو دیے جانے والے مشوروں میں مصر والوں کی مرضی بھی شامل تھی، یہی وجہ تھی کہ سب مل کر محمدؓ بن ابی بکر کو بھیجنے کی سفارش اور زور دے رہے تھے۔ امامؑ جانتے تھے کہ محمدؓ بن ابی بکر ناتجربہ کار اور کم عمر ہیں، اگرچہ دوسرے امتیازات وہ زیادہ رکھتے ہیں، لیکن مشکلات کے مقابلے میں ان کا تجربہ ہاشم بن عتبہ جتنا نہیں ہے۔ مگر اپنے اصحاب اور دوستوں کی اس خصوصی سفارش یا سازش سے آگاہ ہونے کے باوجود جس طرح صفین کے بعد حکمین کے سلسلے میں انھوں نے امامؑ کو مجبور کیا تھا اسی طرح یہاں پر بھی امامؑ کو انہوں نے اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ وہی ہوا جو حکمین کے سلسلے میں دیکھنے کو ملا تھا، بہت افسوس ہوا! مگر اب پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ تھا۔

امامؑ اس گفتگو میں اصحاب میں سے اس گروہ کو بالواسطہ نفرین اور سرزنش کرتے ہیں، اگر مجھے ہاشم بن عتبہ (ان کے حالات آگے نکات میں آئیں گے) کو مصر کی حکومت کا حاکم بنا کر بھیجنے دیتے تو اس وقت مصر کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور یہ اہم علاقہ اتنی آسانی سے ہاتھ سے نکل نہ جاتا۔ یہاں ممکن ہے بعض افراد امامؑ کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ آپؑ نے محمدؓ بن ابی بکر کی ملامت کی ہے۔ مگر امامؑ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بِلَا ذَمٍّ لِمُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، وَ لَقَدْ كَانَ إِلَيَّ حَبِيباً وَ كَانَ لِي رَبِيباً۔

---

(۱) عرصہ، کا مادّہ عرص ہے، بروزن غرس، کھیل اور اچھل کود کرنے جہاں اس کام کی انجام دہی کے لیے وسیع جگہ موجود ہو۔ یہاں پر دشمن کو فرصت نہ دینے کے معنی میں آیا ہے۔

(۲) انھز، کا مادّہ نھز ہے، بروزن نبض، حرکت کرنا یا حرکت دینے کے معنی میں آتا ہے، یہاں پر موقع سے فائدہ اٹھانے کے معنی میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"جب کہ محمدؒ بن ابی بکر کی میں ملامت نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ مجھے میرے دوسرے بیٹوں کی طرح عزیز تھا، وہ میری گود میں پلا بڑھا تھا۔"

امامؑ درحقیقت یہاں فرمانا چاہتے ہیں کہ محمدؒ نے اپنی ذمّے داری میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، وہ جرأت و بہادری کے ساتھ جب تک دم میں دم تھا دشمن سے لڑتے رہے اور شہید ہو گئے۔

قابل توجہ نکتہ

یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ امامؑ جب محمدؒ کی شہادت کی خبر سے آگاہ ہوئے تو فرمایا:

"رَحِمَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا! كَانَ غُلَامًا حَدَثًا، لَقَدْ كُنْتُ أَرَدْتُ أَنْ أُوَلِّيَ الْمِرْقَالَ هَاشِمَ بْنَ عُتْبَةَ مِصْرَ، فَإِنَّهُ لَوْ وَلَّاهَا لَمَا خَلَّا لِابْنِ الْعَاصِ وَ أَعْوَانِهِ الْعَرْصَةَ، وَ لَا قُتِلَ إِلَّا وَ سَيْفُهُ فِيْ يَدِهِ بِلَا ذَمٍّ لِمُحَمَّدٍ، فَلَقَدْ أَجْهَدَ نَفْسَهُ فَقَضٰى مَا عَلَيْهِ"

"محمدؒ پر خدا رحمت کرے جو نوخیز جوان تھا، میں ہاشم بن عتبہ کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن اس راہ میں اصحاب کے کچھ گروہ مانع ہوئے۔ خدا کی قسم! اگر ہاشم بن عتبہ حاکم ہوتے تو عمرو بن عاص اور ان کے دوستوں کو مصر میں سانس لینا مشکل کر دیتے، اور شہید نہ ہوتے، مگر تلوار ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں محمدؒ کی برائی یا ملامت کر رہا ہوں، بلکہ وہ انتہائی جانفشانی کے ساتھ دشمن سے لڑے اور جب تک ہمت تھی جواں مردی سے لڑتے رہے اور شہید ہو گئے۔"[۱]

امامؑ کا یہ فرمانا کہ مجھے ان سے محبت تھی اور انہوں نے میری گود میں پرورش پائی تھی۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ خلیفۂ اوّل کی وفات کے بعد ان کی بیوہ (اسماءؓ بنت عمیس) جو محمدؒ کی مادر گرامی تھیں، امیر المومنینؑ کی زوجیت میں آئیں، اس وقت ایک چھوٹا بچہ اور بیٹی اُم کلثوم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ امامؑ نے دونوں کی پرورش فرمائی اور بچپن ہی میں محبت و عشق علی علیہ السلام سے وہ آشنا ہوئے اور تیزی سے ولایت کا مرحلہ بھی طے کیا، یہاں تک کہ امام علی علیہ السلام کو اپنا والد گرامی جانا اور حضرتؑ بھی اپنے دوسرے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

[۱] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۹۳

https://downloadshiabooks.com/

نکات

۱۔ ہاشم مرقالؓ کون تھے؟

ہاشم، عتبہ کے بیٹے تھے۔ ان کا باپ پیغمبر اکرمؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، مگر خود سچے اور پُر افتخار مسلمان تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ کے قابل اعتماد دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ یہ مرد مؤمن امامؑ کے عشق میں عقیدۂ ولایت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

"خدا کی قسم! جو کچھ زمین و آسمان میں پایا جاتا ہے اگر ان پر مجھے مالک بنا دیا جائے تو میں آپؑ کے دشمنوں میں سے نہ کسی کو دوست رکھوں گا اور نہ دوستوں میں سے کسی سے دشمنی کروں گا۔"

جنگ صفین میں وہ امیر المومنینؑ کی رکاب میں دشمن سے لڑ رہے تھے، ان کی آرزو تھی کہ اپنے آقا کے سامنے راہِ خدا میں شہادت کا شربت نوش کریں۔ جنگ کے میدان میں بہادری کے ساتھ حکم جہاد پر تن من دھن سے تیز رفتاری سے جوہر دکھاتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اس لیے انہیں مرقال کہا گیا، کیوں کہ مرقال اسے کہتے ہیں جو تیزی سے حرکت میں آئے، سستی نہ دکھائے۔ آخر کار ان کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور لڑتے لڑتے صفین میں شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ ان کی شہادت پر امیر المومنینؑ اور آپؑ کا لشکر غم و اندوہ سے نڈھال ہو گیا۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنے فرزند کے ہاتھ سے پرچم اسلام لیا اور امیر شام کی فوج پر حملہ آور ہوئے، گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، آخر کار دشمنوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال کر اسیر کر دیا اور امیر شام کے پاس لے گئے، ان کے اور امیر شام اور عمرو عاص کے درمیان کافی باتیں ہوئیں۔ اس تمام گفتگو میں انہوں نے شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکتب امیر المومنینؑ کا دفاع کیا۔ بعد میں امیر شام کے حکم پر انہیں قید کر دیا گیا۔ [1]

ہاشم اپنے آغاز جوانی ہی میں بہت شجاع اور بہادر تھے۔ جنگ یرموک میں عظیم کامیابی ان کی وجہ سے مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ انہوں نے اس جنگ میں لشکر اسلام کے بعض حصوں کی سپہ سالاری اپنے ذمے لی تھی اور اسی جنگ میں ان کی ایک آنکھ کام آئی تھی، اس وجہ سے انہیں لوگ اعور ایک آنکھ والا کہہ کر پکارتے تھے۔ جنگ قادسیہ میں ان کا چچا سعد بن ابی

---

[1] مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۱

https://downloadshiabooks.com/

وقاص فوج کا سپہ سالار تھا، ہاشم بھی اس میں شریک تھا۔ وہ کہتے ہیں مسلمانوں کو اس جنگ میں جو فتح ملی ہے وہ ہاشم کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے تھی۔ یہ فتح بعد میں فتح الفتوح کے نام سے مشہور ہوئی۔ جنگ صفین میں یہ امیر المومنینؑ کے سیدھے ہاتھ کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ (۱)

ہاشم کے حالات میں آیا ہے کہ صفین کے میدان میں ایک روز وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دشمنوں سے جنگ میں مشغول تھے، امیر شام کی فوج کے ایک سپاہی کو دیکھا جو تلوار بھی چلا رہا ہے اور لعن وطعن اور ناسزا کہتے ہوئے ہاشم کے نزدیک آیا، ہاشم نے ان سے کہا، اے جوان! یہ جو تم ناسزا بک رہے ہو اور بے مقصد جو لڑ رہے ہو، قیامت کے روز اس کا حساب و کتاب ہوگا، خدا سے ڈرو! اُس وقت کی فکر کرو، جب خدا تم سے اس جنگ کرنے اور ناسزا کے بارے میں پوچھے گا۔ فوجی جوان نے کہا، میں تم سے اس لیے لڑ رہا ہوں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا پیشوا نماز نہیں پڑھتا اور تم بھی بے نمازی ہو۔ اور اس لیے تم سے جنگ کرتا ہوں کہ تمہارے پیشوا (امامؑ) نے ہمارے خلیفہ کو مار ڈالا ہے اور تم نے اس کام میں ان کی مدد کی ہے۔ ہاشم نے کہا، تجھے خلیفۂ ثالث سے کیا کام ہے؟ وہ قرآن مجید کے خلاف کام کرنے کی وجہ سے اصحاب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قاریان قرآن مجید کے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور اصحاب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین خدا کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں اور امور مسلمین کی نظارت ونگہداری کے لیے شائستہ ترین افراد میں سے ہیں۔ مگر یہ جو تم نے کہا کہ ہمارے پیشوا امام علی علیہ السلام نماز نہیں پڑھتے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے انہوں نے ہی نماز پڑھی ہے اور ایمان لائے ہیں اور ان سب کو دیکھتے ہو؟ جوان کے ساتھ ہیں اور شمع کے گرد پروانوں کی طرح گھوم رہے ہیں، یہ سب قرآن مجید کے قاری ہیں، رات میں اُٹھ اُٹھ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں، ہوش میں آؤ، کہیں متکبر، شقی القلب لوگ تمہیں دین سے بے دین نہ کردیں۔

پس کیا تھا، ہاشم کی باتوں نے جوان کو منقلب کردیا۔ بلند آواز سے کہا، اے بندۂ خدا! مجھے تم نیک آدمی معلوم ہوتے ہو (تمہاری باتوں میں سچائی کا نور چھپا ہوا ہے) کیا میرے لیے توبہ کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ کہا، کیوں نہیں! خدا کی طرف پلٹ آؤ، وہ تیری توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جوان نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور واپس ہوا۔ کسی شامی نے اس سے کہا، کہاں جارہے ہو، اس عراقی نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ جوان نے کہا، نہیں اس نے مجھے نصیحت اور ہدایت کی ہے۔ یہ ہے امیر المومنینؑ کے دوستوں کی شان کہ خود حضرتؑ کی طرح جنگ کے میدان میں بھی گمراہ لوگوں کی ہدایت سے غافل نہیں ہوتے اور موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، بلکہ ان کی ہدایت کی کوشش کرتے تھے۔ بہرحال ہاشم اور عمار یاسر نے جنگ صفین میں شجاعت و

(۱) اعیان الشیعۃ، جلد ۱۰، ص ۲۵۰۔ سفینۃ البحار، مادّہ ہشم اور دیگر تاریخی کتب۔

https://downloadshiabooks.com/

بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور امیر المومنینؑ کے اصحاب ان دونوں بزرگواروں کی شہادت پہ غم واندوہ سے نڈھال ہوئے۔ (۱)

۲۔ کچھ محمدؓ بن ابی بکر کی زندگی کے بارے میں

جس طرح خطبے کے شروع میں اشارہ ہوا کہ محمدؓ بن ابی بکر مسلمانوں کے خلیفۂ اوّل کے بیٹے اور اسماءؓ بنت عمیس ان کی ماں ہیں، یہ خاتون سب سے پہلے جعفر طیار بن ابی طالبؑ کی ہمسر ہوئیں، ان کی شہادت کے بعد حضرت خلیفۂ اوّل کی زوجیت میں آئیں، ان کی وفات کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام کی ہمسری کا شرف حاصل کیا، اور چوں کہ محمدؓ اس وقت بہت چھوٹے تھے امیر المومنینؑ کے دامن مبارک اور زیر سایہ پرورش پائی۔ اور اپنے وجود کو امامؑ بزرگوار کی سیرتِ طیّبہ سے منور کیا۔

محمدؓ ۱۰ھ حجۃ الوداع میں پیدا ہوئے، آپؓ حضرت امام علی علیہ السلام کے خاص اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور ۲۸ سال کی عمر میں مصر میں شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ بعض نے آپؓ کو امام علی علیہ السلام کے رشتے داروں میں اور بعض آپؓ کو حواریوں میں شمار کرتے تھے۔ آپؓ عاشقانِ مکتب امیر المومنینؑ کے نزدیک ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔

کتاب "مروج الذہب" میں مسعودی نقل کرتا ہے:

محمدؓ بن ابی بکر مصر میں جب پہنچے، انہوں نے امیر شام کو ایک خط لکھا (جو اِن کی امیر المومنینؑ کی نسبت، مقام ومنزلت اور معرفت کی بلندی پر پہنچنے کی نشانی ہے) وہ خط اس مضمون کا تھا "پروردگار کی حمد وثنا کے بعد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ایمان لائے اور ان کی بات کی تصدیق کی اور مسلمان ہوئے، ان کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب علیہما السلام تھے، انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب پر مقدم رکھا اور ہر حادثے کے وقت سینہ سپر ہوئے، ان کے دشمنوں سے جنگ کی اور جن لوگوں نے صلح اور امن وآشتی کے لیے آپؐ کے در پر دستک دی، ان کے ساتھ انہوں نے صلح کی، اور شب و روز کے تمام اوقات، سختیوں، پریشانیوں اور بھوک و پیاس کے کٹھن مراحل کا انہوں نے دل وجان سے مقابلہ کیا اور اس مقام پر پہنچ گئے کہ آپؐ کے اصحاب اور پیروکاروں میں کوئی علی علیہ السلام جیسا جاں نثار و عاشق رسولؐ نہ تھا۔"

عجیب بات یہ ہے کہ امیر شام نے ان کے خط کے جواب میں فضائلِ علی علیہ السلام کا اعتراف کیا ہے، لیکن شیطانی لہجے میں محمدؓ کو سمجھانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ امیر شام نے لکھا:

"ہم علی علیہ السلام کے فضائل خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کا حق ہم پر لازم ہے، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا

(۱) سفینۃ البحار، مادّہ ہشم ومصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۱۔

https://downloadshiabooks.com/

سے جیسے ہی آنکھیں بند کیں، تیرے باپ (خلیفۂ اوّل) اور خلیفۂ ثانی نے ان کا حق چھینا اور ان کے حکم کی مخالفت کر دی۔"[۱]

ہم اس موضوع سے متعلق کلام کو امامؑ کے اُس آخری خط کے ساتھ مکمل کریں گے، جو انہوں نے محمدؓ کے بارے میں اہلِ مصر کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ اس خط میں اس طرح لکھا ہے:

"اے اہل مصر تم اپنے امیر محمدؓ کی خوب اچھی طرح مدد کرو اور ان کی اطاعت و فرماں برداری اور اس پر ثابت قدم رہو، تاکہ اسی حالت میں اپنے پیغمبرؐ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو۔"[۲]

نہج البلاغہ کے ۳۵ ویں خط میں (جسے قارئین خطوط کے حصے میں ملاحظہ فرمائیں گے) امام علی علیہ السلام عزت واحترام سے محمدؓ کی تعریف فرماتے ہیں۔ محمدؓ بن ابی بکر کی زندگی کے عروج کی بلندی یہ ہے کہ جب آپؓ مصر پر حکومت کرتے تھے تو ایک مرتبہ امامؑ سے امور دین کے بارے میں جامع واضح بیان کی درخواست کی۔ امامؑ نے محمدؓ اور اہل مصر کے لیے جامع وروشن اور معنیٰ ومفاہیم سے پُر خط جواب میں بھیجا۔ محمدؓ وہ خط ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے، اسے پڑھتے اور اس پر عمل کرتے، جب آپؓ شہید ہوئے تو عمرو عاص نے دوسری چیزوں کے ساتھ یہ خط بھی امیر شام کو بھیجا۔ امیر شام کی نگاہ جب اس خط کے مضامین پر پڑی تو مبہوت رہ گیا اور تعجب کرنے لگا، ولید بن عتبہ نے اس کو زیادہ تعجب کرتے ہوئے دیکھا تو کہا، اس خط کو جلا ڈالو۔ امیر شام نے کہا، اے احمق خاموش رہ، تُو بے عقل و بے شعور ہے۔ ولید کو ان کے اس طرح سرزنش کرنے پر غصہ آیا اور کہا، تم خود بے عقل ہو، کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ابوتراب علیؑ کا خط اور احادیث تیرے پاس ہیں اور اسی کو پڑھ کر تو امور مملکت چلاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان سے تم نے جنگ کیوں کی؟ امیر شام نے کہا: ولید تجھ پر لعنت ہو! تُو مجھ سے کہتا ہے کہ یہ گوہرِ نایاب جلا ڈالو؟ خدا کی قسم! میں نے ان سے جامع تر، وسیع وبلند تر، مضبوط ومحکم تر، اور واضح وروشن تر باتیں کبھی نہیں سنیں۔[۳]

---

[۱] مروج الذھب، جلد ۳، ص ۱۱۔

[۲] امالی مفید، ۳۱ ویں مجلس۔

[۳] الغارات، جلد ۱، ص ۲۵۲۔

https://downloadshiabooks.com/

انہتر واں خطبہ

ومن كلام له عليه السّلام [۱]
فِيْ تَوْبِيْخِ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ
اپنے بعض اصحاب کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

دوسرے خطبوں کی طرح یہ خطبہ بھی نہایت غمناک ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے امیر شام کی افواج کی جرأت و جسارت اور شامیوں کی قتل و غارت پر اپنی فوج کی بے رخی و بے بسی اور لاتعلقی کا مشاہدہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔
اس خطبے میں کوفیوں اور عراقی افواج میں سے بعض دستوں کو کمزوری و سستی اور آرام طلبی پر سخت الفاظ میں سرزنش کی اور حضرتؑ نے دشمن کے مقابلے میں ان کی کارکردگی پر ناامیدی کا اظہار کرتے ہوئے ان کو شامی ستمگر فوج کے مقابلے میں غیرت کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

خطبہ

"كَمْ أُدَارِيْكُمْ كَمَا تُدَارَى الْبِكَارُ الْعَمِدَةُ، وَ الثِّيَابُ الْمُتَدَاعِيَةُ! كُلَّمَا حِيصَتْ مِنْ جَانِبٍ تَهَتَّكَتْ مِنْ آخَرَ. كُلَّمَا أَطَلَّ عَلَيْكُمْ مَنْسِرٌ مِنْ مَنَاسِرِ أَهْلِ الشَّامِ أَغْلَقَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بَابَهُ، وَ انْجَحَرَ انْجِحَارَ الضَّبَّةِ فِي جُحْرِهَا وَ الضَّبُعِ فِي وِجَارِهَا. الذَّلِيْلُ وَاللهِ مَنْ نَصَرْتُمُوْهُ! وَ مَنْ رُمِيَ بِكُمْ

[۱] اس خطبے کو سیّد رضیؒ سے پہلے جن لوگوں نے نقل کیا ہے، جیسے بلاذری، متوفی ۲۷۹ھ نے کتاب انساب الاشراف میں اور یعقوبی، متوفی ۲۸۴ھ نے اپنی تاریخ میں، روایت یعقوبی سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ بھی دوسرے خطبوں میں سے ایک ہے۔ لشکر شام کے ایک فوجی سردار نعمان بن بشیر نے عین التمر پر حملہ کیا اور وہاں قتل و غارت گری کر دی۔ یہ عراق میں نہر فرات کے مغرب میں ایک گاؤں ہے، اس پر موقع پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۰)

https://downloadshiabooks.com/

فَقَدْ رُمِيَ بِأَفْوَقَ نَاصِلٍ. إِنَّكُمْ وَاللهِ لَكَثِيرٌ فِي الْبَاحَاتِ، قَلِيلٌ تَحْتَ الرَّايَاتِ. وَ إِنِّي لَعَالِمٌ بِمَا يُصْلِحُكُمْ، وَ يُقِيمُ أَوَدَكُمْ، وَ لٰكِنِّي لَا أَرَى إِصْلَاحَكُمْ بِإِفْسَادِ نَفْسِي. أَضْرَعَ اللهُ خُدُودَكُمْ، وَ أَتْعَسَ جُدُودَكُمْ! لَا تَعْرِفُونَ الْحَقَّ كَمَعْرِفَتِكُمُ الْبَاطِلَ، وَلَا تُبْطِلُونَ الْبَاطِلَ كَإِبْطَالِكُمُ الْحَقَّ!"

"کب تک میں تمہارے ساتھ وہ نرمی کا برتاؤ کروں جو، بیمار اونٹ کے ساتھ کیا جاتا ہے، جس کا کوہان اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہو یا اس بوسیدہ کپڑے کے ساتھ کیا جاتا ہے جسے ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتا ہے جب بھی شام کا کوئی دستہ تمہارے کسی دستہ کے سامنے آتا ہے تو تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتا ہے اور اس طرح چھپ جاتا ہے جیسے سوراخ میں گوہ یا بھٹ میں بجو۔ خدا کی قسم! ذلیل وہی ہوگا جس کے تم جیسے مددگار رہوں گے اور جو تمہارے ذریعے تیراندازی کرے گا گویا وہ سوفار شکستہ اور پیکان نداشتہ تیر سے نشانہ لگائے گا۔ خدا کی قسم! تم صحن خانہ میں بہت دکھائی دیتے ہو اور پرچم لشکر کے زیرسایہ بہت کم نظر آتے ہو۔ میں تمہاری اصلاح کا طریقہ جانتا ہوں اور تمہیں سیدھا کرسکتا ہوں لیکن کیا کروں اپنے دین کو برباد کر کے تمہاری اصلاح نہیں کرنا چاہتا، خدا تمہارے چہروں کو ذلیل کرے اور تمہارے نصیب کو بدنصیب کرے۔ تم حق کو اس طرح نہیں پہچانتے ہو جس طرح باطل کی معرفت رکھتے ہو اور باطل کو اس طرح باطل نہیں قرار دیتے ہو جس طرح حق کو غلط ٹھہراتے ہو۔"

شرح وتفسیر

سست و کمزور دوستوں سے سخت شکایتیں

اس خطبے کی گفتگو سے یہ اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ امامؑ ایک رہبر و پیشوا اور فوجی سربراہ ہونے کی حیثیت سے اپنی فوج کے سپاہیوں کی مسلسل نافرمانیوں سے سخت رنجیدہ تھے اور فوج کا یہ حال دیکھ کر دشمن روز بروز دلیر ہوتے جاتے تھے، اس بنا پر اپنی فوج اور اس گروہ کو ملامت اور سرزنش کرتے ہیں، تاکہ یہ غیرت کریں اور ہوش میں آجائیں اور اس سے پہلے کہ ان پر واپسی کا راستہ بند ہو جائے اور دشمنوں کے آمنے سامنے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور انہیں اپنے سامنے دوزانو ہونے پر مجبور کردیں۔

اس خطبے کی تعبیرات سے نشاندہی ہوتی ہے کہ بعض ناسمجھ اور کم عقل ناقدین کی فہم کے برعکس امام علیہ السلام اس سست اور

https://downloadshiabooks.com/

بدنظم گروہ کی بہت پیار اور محبت سے رہنمائی کرتے رہے تھے اور جب نیکی کرتے کرتے آپؑ تھک گئے تو فرماتے ہیں:

"كَمْ أُدَارِيكُمْ كَمَا تُدَارَى الْبِكَارُ ① الْعَمِدَةُ ② وَ الثِّيَابُ الْمُتَدَاعِيَةُ ③ كُلَّمَا حِيصَتْ ④ مِنْ جَانِبٍ تَهَتَّكَتْ مِنْ آخَرَ"

"کب تک میں تمہارے ساتھ ایسی نرمی اور رعایت کرتا رہوں گا جیسے ان اونٹوں سے کی جاتی ہے جن کی پیٹھ زخمی ہوگئی ہو یا ان پھٹے پُرانے کپڑوں کی طرح جنہیں ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتے ہیں۔"

مذکورہ تشبیہات ایسی ظریف و باریک اور پُرمعنیٰ ہیں جنہیں امامؑ نے کوفہ اور عراق کے لوگوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ صفین کی جنگ میں امامؑ کی فوج کے سپاہیوں کی نادانی اور حد سے زیادہ سستی و کمزوری دکھانے کی وجہ سے ان کی اجتماعی طاقت ختم ہوگئی اور جیتی ہوئی جنگ بھی ہار گئے۔

یہ لوگ آرام پسند، کج فکر تھے اور اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت سے محروم تھے یا اگر رکھتے بھی تھے تو زحمت و مشکلات سے بچنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ اور عراق کی سرحدوں پر لشکر شام کی اچانک لوٹ مار اور ایک کے بعد ایک حملوں اور عراق کی سرزمین میں اندر تک گھس آنے پر بھی یہ لوگ نہیں جاگے، اور اگرچہ انہیں بڑی مصیبت کا سامنا تھا، پھر بھی آگاہ نہیں ہوئے۔ اور اگر کسی گروہ نے احساس کیا بھی تو بے اعتنائی کے ساتھ خاموشی اختیار کر لی۔

امامؑ نے پہلی تشبیہ میں ان لوگوں کو سامان لادنے والے تازہ اونٹ سے تشبیہ دی ہے، جس کی وجہ سے اس کی پیٹھ زخمی ہوئی ہو۔ سب جانتے ہیں اونٹ جب کام کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے اسے یہ تکلیف سہنی پڑتی ہے، تاکہ اس کے اعضاء (ہاتھ پاؤں اور پیٹھ) طاقتور اور مضبوط ہو جائیں۔

دوسری تشبیہ میں کوفہ و عراق کے لوگوں کو پھٹے پرانے کپڑوں سے تشبیہ دی ہے جو معمولی جھٹکے سے پھٹ جاتے ہیں اور جب بھی انہیں ایک طرف سے سیا جاتا ہے تو دوسری طرف سے پھٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

جی ہاں! ان لوگوں کی آرام پسندی، کمزور عقیدہ، نامناسب افکار اور جان بچانے کی وجہ سے ان میں مقابلے کی طاقت اور ہمت و جرأت ختم ہوگئی تھی، جب کہ خداوند متعال کی جانب سے رہبر و سردار ایک طرف ان کے نظم و ضبط اور ترتیب کو

① بکار، جمع ہے بکر کی، بروزن مکر، اس کا مادّہ بکور ہے، معنیٰ صبح صبح اپنی جگہ سے نکل جانا ہے۔

② عمدۃ، کا مادّہ عمد ہے، بروزن حمد، اونٹ کی پیٹھ سُوجھ جانے کے معنیٰ میں ہے۔

③ متداعیۃ، کا مادّہ دعوت ہے وہ خاص افراد جو ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں، اسی طرح وہ پھٹا پرانا کپڑا ہے جو ایک طرف سے سلتا ہے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتا ہے یعنی ایک طرف دوسری طرف کو بھی اپنی طرح خراب ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

④ حیصت، کا مادّہ حوص، بروزن خوض ہے، اس کے معنیٰ کسی چیز کو سینا ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

مضبوطی عطا کرتا ہے، تو دوسری طرف مشکلات کا حل تلاش کرنے میں ان کی مدد فرماتا ہے، اس شجاع اور تمام حالات سے آگاہ ترین سردار و رہبر الٰہی کے لیے کتنا سخت اور تکلیف دہ ہے کہ آپؑ کا واسطہ ایسے پست و حقیر گروہ سے پڑا تھا، جن کی وجہ سے آپؑ ہمیشہ خون کے آنسو روتے رہے، اذیت و تکلیف میں رہتے، تیر خطا جاتے اور سارے منصوبے ان کی وجہ سے ناکام ہو جاتے تھے۔ حضرت امام علی علیہ السلام کی مظلومیت کی ایک بڑی وجہ یہی گروہ تھے، جن کی اخلاقی پستیوں، بے غیرتی و بے شرمی کے ہاتھوں آپؑ دل گرفتہ تھے۔

پھر امامؑ ان کی کمزوری اور ناتوانی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ شاید وہ ان بڑی بڑی غلطیوں پر نادم ہو کر اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ فرماتے ہیں:

"كُلَّمَا أَطَلَّ [۱] عَلَيْكُمْ مَنْسِرٌ [۲] مِنْ مَنَاسِرِ أَهْلِ الشَّامِ أَغْلَقَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بَابَهُ، وَ انْجَحَرَ [۳] انْجِحَارَ الضَّبَّةِ [۴] فِي جُحْرِهَا، وَالضَّبُعِ [۵] فِي وِجَارِهَا [۶]".

"جب بھی شامی افواج میں سے کوئی گروہ تمھارے نزدیک ہوتا ہے تو تم اپنے اوپر دروازہ بند کر دیتے ہو، یعنی جنگ سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہو، جس طرح سانڈا اپنے بل میں بھاگ جاتا ہے، یا بجّو، ڈائن کی طرح اپنے گھر میں چھپ جاتا ہے۔"

ضبّہ (سانڈ) سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ سانڈ حیوانات میں بے وقوف مشہور ہے، یہاں تک کہ وہ کبھی کبھی اپنے بل کو بھی بھول جاتا ہے کہ کہاں پر ہے۔ اس لیے وہ نشانی کے طور پر ایک پتھر کے ساتھ اپنا بل بناتا ہے، تاکہ گم نہ کر دے۔ اس کے علاوہ یہ حیوان بڑا بے رحم بھی ہوتا ہے یہ اپنا جو بچہ تازہ پیدا ہوتا ہے اسے کھا جاتا ہے۔

اسی طرح "لگڑ بھگے" سے تشبیہ بھی اُس کی حماقت کی وجہ سے ہے۔ چھٹے خطبے کی شرح میں اس حیوان کی کچھ اور خصوصیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ من جملہ یہ کہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میرا دشمن یہیں کہیں موجود ہے، لیکن شکاری کے کچھ گنگنانے پر اسے نیند آ جاتی ہے، ایسا سوجاتا ہے کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو دشمن کے ہاتھوں اسیر دیکھتا ہے یا موت

---

[۱] اطل، کا مادّہ طلل بروزن حل ہے کسی چیز کے ظاہر ہونے کے معنیٰ میں ہے۔ یہاں شامی فوج کا نزدیک ہونے کے معنیٰ میں ہے۔

[۲] منسر، بروزن منزل، اس کا مادّہ نسر ہے، کسی چیز کو اچک لینے کے معنیٰ میں آتا ہے اور منسر سے مراد ایک سا ایک چھوٹا گروہ، جس میں سو سے دوسو نفر موجود ہوں، ان پر منطبق ہوتا ہے۔

[۳] انجحر، کا مادّہ جحر ہے بروزن جہل، کسی حیوان کا بل میں دبک کے بیٹھ جانا۔

[۴] ضبہ، بروزن، دبّۃ، سانڈ کے معنیٰ میں آیا ہے۔

[۵] ضبع، بجّو کے معنیٰ میں آیا ہے۔

[۶] وجار، کا مادّہ وجر، بروزن فجر، حلق میں دوا انڈیلنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کے منہ میں۔ اس میں مقابلے کی ہمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ امامؑ ان مثالوں کے ذریعے اس گروہ کی نافرمانی و کمزوری کی اصل وجہ بتانا چاہتے ہیں۔ یہ بیماریاں وافر مقدار میں امامؑ کے ساتھیوں میں پائی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے دشمن دلیر اور بے پروا ہوتے جا رہے تھے۔

جی ہاں! کوفہ و عراق کے لوگوں میں سب سے بڑی وجہ سستی، نافرمانی، بے چارگی اور اہم اجتماعی مسائل کے ساتھ غیر ذمّے داری کا برتاؤ تھا، ورنہ حضرت امام علیؑ جیسا رہبر اور پیشوا، جس قوم کے پاس موجود ہو، اُس قوم کے افراد آسانی کے ساتھ دشمن کو پیچھے دھکیل سکتے ہیں اور تمام اسلامی ممالک میں امن و امان قائم کر سکتے ہیں۔

جنگ صفین میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات امام علیہ السلام کی اس خطبے میں کی گئی گفتگو اور کلام کے عینی شاہد ہیں کہ کس طرح اہل کوفہ پے در پے حماقتوں اور بہترین مواقع کو ضائع کر دینے سے خود شدید مصائب میں گرفتار ہوئے اور اپنے امام و رہبر کو بھی مشکلات میں ڈال دیا اور بالآخر تمام اسلامی معاشرے کو خوں خوار وحشیوں اور ظالموں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد امامؑ ایک اور مثال کے ذریعے ان کی بے بسی بیان فرماتے ہیں:

"اَلذَّلِيلُ وَ اللهِ مَنْ نَصَرْتُمُوهُ! وَ مَنْ رُمِيَ [1] بِكُمْ فَقَدْ رُمِيَ بِأَفْوَقَ نَاصِلٍ"

"خدا کی قسم! ہر وہ شخص ذلیل ہے، جس کے تم جیسے مددگار ہوں اور ہر وہ شخص جس نے تمہارے ذریعے دشمن پر تیر برسائے وہ ان لوگوں کی طرح ہے کہ جس نے پھل کے بغیر تیر ہوا میں چھوڑا ہو۔"

جی ہاں! لکڑی کا تیر اُس کے پھل (لوہے کی تیز نوک) کے بغیر عام لکڑی ہے اور یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوفے کے فوجی دستے بھی شاید یہی ظاہر کر رہے تھے، مگر لڑائی کے وقت اپنی پست حرکتوں کی وجہ سے وہ مقابلے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

یہاں ایک نکتہ جو بیان کرنا ضروری ہے، جیسا کہ خطبہ ۲۹ کی شرح میں اشارہ ہوا کہ لکڑی کے جن تیروں کو لوگ پہلے زمانے میں جنگ کے میدان میں اور شکار کے وقت استعمال کرتے تھے ان کی تین قسمیں تھیں:

۱۔ تیر کی ایک قسم جو عام طور پر درختوں سے حاصل کرتے تھے اور پھل سے خالی ہوتا تھا۔

۲۔ تیر کی دوسری قسم جس کے سرے پر لوہے کا ایک نوکیلا پھل چڑھا دیا جاتا تھا۔

۳۔ تیر کی تیسری قسم جو پیچھے کی طرف سے تھوڑا سا کاٹا جاتا ہے، تا کہ کمان کے چلّے پر رکھ کر تیر پھینکا جا سکے، جب چلّے کو کھینچ کر تیر کو رہا کیا جاتا ہے تو لکڑی کا پھل دار تیر سیدھی اور بھرپور طاقت اور تیزی کے ساتھ نشانے کی طرف بڑھتا ہے۔

---

[1] یہاں رُمی فعل مجہول آیا ہے، جب کہ خطبہ ۲۹ میں فعل معلوم آیا ہے، لیکن چوں کہ دو معنٰی دیتا ہے اس لیے کوئی سا بھی ترجمہ کریں مانع نہیں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اس پر توجہ رکھنے سے کہ اَفْوَق اس تیر کو کہتے ہیں، جس کا نیچے کا حصہ کٹا ہوا ہو اور نَاصِل سے مراد وہ تیر ہے جو پھل یا نوک سے خالی ہو، پس اس طرح مذکورہ جملے کے معنٰی یہ ہوں گے کہ "تم لوگ اس تیر کی طرح ہو، جس کے دو اہم حصے بے کار ہوئے ہوں۔" پہلا یہ کہ اس تیر سے نشانہ لینا ممکن نہیں ہے، دوسرے اگر یہ تیر دشمن کے بدن پر لگے تب بھی کوئی اثر نہیں دکھائے گا، یہ اس تازیانے کی طرح ہے، جس سے جسم محفوظ رہے۔ اس کے بعد اس نالائق گروہ کی پے در پے کمزوری و ناتوانی اور ناکامیوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"إِنَّكُمْ وَاللهِ لَكَثِيرٌ فِي الْبَاحَاتِ[1] قَلِيلٌ تَحْتَ الرَّايَاتِ"

"خدا کی قسم! تمہارا اجتماع شہر کی محفلوں، مجلسوں کے لیے تو زیادہ بہتر ہے، لیکن لڑائی کے میدان میں اور جنگ کی طویل مدت کو برداشت کرنے کے لیے تمہاری تعداد بہت کم ہے۔"

کیوں کہ تم لوگوں نے آرام طلبی، عیاشی اور اپنی جان ہر طرح سے بچانے کی عادت ڈالی ہے۔ یہی تمہاری ذلّت و خواری اور دشمن کی جرأت و جسارت کا سبب بن گئی۔ یقین رکھو! اگر تمہاری یہی حالت باقی رہی تو بڑی مشکلات اور بدبختیاں تم لوگوں کو اپنے لپیٹ میں لے لیں گی۔ اور یہ کسی بھی نافرمان گروہ کی بدترین سزا ہے، جو کہ جہاد سے منہ موڑے اور اپنے بچاؤ کی فکر میں لگا رہے۔ بات کو جاری رکھتے ہوئے امامؑ یہاں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"وَإِنِّي لَعَالِمٌ بِمَا يُصْلِحُكُمْ، وَيُقِيمُ أَوَدَكُمْ[2] وَلٰكِنِّي لَا أَرَى إِصْلَاحَكُمْ بِإِفْسَادِ نَفْسِي"

"کون سی چیز تمہاری اصلاح (ٹیڑھے پن کو ٹھیک کرنے) کے لیے مناسب ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن میں غلط طریقے سے تمہاری اصلاح کر کے اپنے آپ کو تباہ کرنا کبھی پسند نہیں کروں گا۔"

نہج البلاغہ کے شارحین نے اس جملے کی شرح میں دو تفسیریں ذکر کی ہیں۔ ظاہراً دونوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، ممکن ہے دونوں صحیح ہوں اور امامؑ کا کلام دونوں معنٰی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

پہلی تفسیر: میں بھی اس کام کو جو امیر شام اور دوسرے خود غرض اور دنیا پرست حکمران کرتے ہیں، انجام دے سکتا ہوں کہ قبائل کے سرداروں کو مسلمانوں کے بیت المال سے روپیہ دے کر اپنا حامی بنالوں اور جس کو جتنا دل چاہے دے دوں، میں بھی اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے یہ کام انجام دے سکتا ہوں، لیکن اس کام میں یقیناً بڑی سنگین ذمّے داری موجود ہے اور خداوند متعال کمزور و محروم لوگوں کا حق، پیٹ پوجا کرنے والے دولت مندوں کو دینے پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔

---

[1] الباحات، اس کا مادّہ ہے بوح جہاں کھلا میدان ہو اس میں بہت بڑی تعداد میں ضرورت کے دن موجود ہونا اور مزید اضافہ ہونا۔

[2] أَوَد، کا مادّہ اَوْد بروزن قول ہے اور ٹیڑھا ہونے کے معنٰی دیتا ہے اور اَوَد، بروزن سند، اس کے معنٰی ٹیڑھا پن ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسری تفسیر: میں بھی دوسرے خودغرض اور مفاد پرست حکام کی طرح پروگرام کے تحت کام انجام دے سکتا ہوں اور اس کو عملی جامہ پہنا سکتا ہوں کہ تلوار کے ذریعے تم میں سے جو لوگ میدان جہاد میں نہیں جاتے اور ہماری نافرمانی کرتے ہوں، ان کی گردنیں اڑا دوں۔

کتاب الغارات کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت امام علی علیہ السلام نے کوفے کے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"وَ اللّٰهِ لَقَدْ ضَرَبْتُكُمْ بِالدِّرَّةِ الَّتِيْ أَعِظُ بِهَا السُّفَهَاءَ فَمَا أَرَاكُمْ تَنْتَهُوْنَ وَ لَقَدْ ضَرَبْتُكُمْ بِالسِّيَاطِ الَّتِيْ أُقِيْمُ بِهَا الْحُدُوْدَ فَمَا أَرَاكُمْ تَرْعَوُوْنَ فَمَا بَقِيَ إِلَّا سَيْفِيْ وَ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ الَّذِيْ يُقَوِّمُكُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنِّيْ لَا أُحِبُّ أَنْ آتِيَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ"

"اے کوفے کے رہنے والو! خدا کی قسم! میں نے ایک چھوٹا سا تازیانہ تم میں سے بے وقوف اور احمق افراد کی نصیحت کے لیے تیار کیا اور ان پر مارا، لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، پھر میں نے اللہ کی حدیں (تعزیرات) جاری کرنے کے لیے ایک اور کوڑا تمہارے لیے تیار کیا، مگر وہ بھی تمہیں تمہاری غلطیوں سے بچا نہ سکا۔ اب صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کون سی چیز تمہیں سیدھے راستے پر لا سکتی ہے وہ ہے میری تلوار، لیکن میں یہ بالکل پسند نہیں کرتا کہ تمہیں ٹھیک کرنے کے لیے دوسروں کا خون بہاؤں۔"[1]

حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جس چیز کی طرف حضرت امام علی علیہ السلام اشارہ فرمانا چاہتے ہیں وہ چیز وہی ہے، جو حجاج بن یوسف کی زندگی کے تاریخی سیاہ کارناموں میں لکھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خوارج میں سے ایک سردار مھلب کی فوج نے بنی امیہ کے خلاف تحریک چلائی اور حکومت کو ختم کرنے کے لیے ان پر حملہ کیا، تو حجاج ان کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور کوفے میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص بھی مھلب اور ان کی فوج سے لڑنے نہیں جائے گا اس کا خون مباح اور گردنوں پر ہماری تلوار ہوگی، اس طرح نہ بچوں پر رحم کیا گیا نہ بوڑھوں اور بیماروں پر، تاریخی حقیقت ہے کہ خودغرض حاکموں نے ظلم وستم کا یہ طریقہ حجاج سے پہلے اور بعد میں بھی اپنائے رکھا۔ امامؑ فرماتے ہیں: میں بھی یہ طریقہ اپنا سکتا ہوں، لیکن میں دنیاوی مقام ومنصب کے تحفظ کی خاطر اپنے دین کو تباہ نہیں کر سکتا۔

سوال: حکومت اسلامی میں دشمن کے مقابل میدان جہاد میں جا کر لڑنا کیا سب پر واجب نہیں ہے؟ اس سلسلے میں لوگوں کو جنگ پر مجبور کیوں نہیں کر سکتے؟

جواب: ذکر شدہ نکتے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت اسلامی کو حق ہے کہ وہ لوگوں کو جہاد جیسے اہم فریضے

---

[1] کتاب الغارات، ج ۱، ص ۲۷۔

https://downloadshiabooks.com/

کے لیے مجبور کرے، لیکن اسلامی قانون کی رو سے اس قسم کی سختیاں لوگوں پر زیادتی شمار ہوتی ہیں، کبھی کبھی شرع کے خلاف واقع ہوتی ہیں، اس کی مثال حجاج کے وہی ظلم وستم والی داستان ہے یعنی گناہ گار اور بے گناہ دونوں کو تلوار کی دھار پر رکھ کر موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔

اس کے علاوہ مخالفین کے مقابلے میں اس قسم کے شدید ردعمل قانون الٰہی اور اسلامی احکام کی نسبت دلوں میں بے دینی پیدا کرتے ہیں، کیوں کہ لوگوں میں سے ہر کسی کو یہ طریقہ پسند نہیں۔ اور کبھی اس قسم کی سختیاں ان کے مرتد ہونے اور اسلام وقرآن سے منہ موڑنے کا سبب بنتی ہیں۔ اسی لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقے پر کبھی عمل نہیں فرمایا اور دیگر خلفا کے زمانے میں بھی لوگوں کو زور زبردستی سے جنگ کے میدان میں بھیجنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی۔ رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ مسلمانوں کو کبھی شوق دلا کر اور کبھی سخت وسست کہہ کر میدان جہاد میں بھیجتے تھے۔

امامؑ اس گفتگو کے آخر میں انھیں سخت ملامت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أَضْرَعَ[1] اللّٰهُ خُدُودَكُمْ، وَأَتْعَسَ[2] جُدُودَكُمْ[3] لَا تَعْرِفُونَ الْحَقَّ كَمَعْرِفَتِكُمُ الْبَاطِلَ، وَلَا تُبْطِلُونَ الْبَاطِلَ كَإِبْطَالِكُمُ الْحَقَّ"

"خداوند متعال تمہاری صورتوں کو ذلّت کی خاک پر رگڑ دے اور تمہارے نصیب خراب کرے، تم جس طرح باطل کو جانتے ہو اتنا حق کو پہچاننے سے قاصر ہو، اور جس طرح حق کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو، باطل کو مٹانے کی تم میں ہمت نہیں۔"

حقیقت میں امامؑ کا کوفہ اور عراقی افواج کو سرزنش کرنا ان کے اعمال کے نتیجے کے علاوہ کچھ نہیں، اگر کوئی جہاد سے منہ موڑے اور سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرے تو اس کی زندگی میں ذلت ورسوائی اور محرومیت کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اسی بات کو حق کی حمایت سے انحراف اور باطل کے خلاف نہ لڑنے کی ان کی نسبت، جہالت ونادانی کو قرار دیا، اس لحاظ سے امامؑ کا فرمان حرفِ آخر ہے۔

یہ وہ بدبختی ہے جس نے آج کے اکثر مسلمانوں کو بھی گرفتار کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ دشمنوں کی باطل پرستی اور ان کے غلط اور غیر شرعی رسم ورواج سے اچھی طرح آگاہ ہیں، اس کے باوجود بہت ساری رسومات میں ان کی پیروی کرتے ہیں، جب کہ حق اور اس کے طرف داروں کو صحیح معنوں میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس سے بدتر یہ کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے

---

[1] اضرع، کا مادّہ، ضرع ہے اور یہ پستان منہ میں لینے کے معنی میں آتا ہے، پھر ملامت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور اسی لیے ذلّت کے معنی میں بھی آیا ہے۔

[2] اَتعس، کا مادّہ تعس ہے بروزن ترس، یہ لغزش وخطا کے معنی میں آتا ہے۔

[3] جدود، جمع ہے جد کی، یہ خاندان کا بڑا یعنی دادا کے لیے استعمال ہوتا ہے اور فائدہ لینے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

حق کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے، جب کہ یہی کوشش اور پروپیگنڈہ وہ باطل کومٹانے کے لیے بھی کر سکتے تھے۔ پس امامؑ کی سرزنش اور نفرین کا نشانہ قرار پائے، دشمنان اسلام نے ان کے چہروں پر ذلّت کی خاک مل دی اور تمام فوائد اور برکات کو ان سے چھین لیا۔

نکتہ

اس قدر جھڑکنے اور ڈانٹنے کی وجہ

دوسرے خطبوں کی طرح اس خطبے میں بھی پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہاسلام، جیسے حاکم اور باریک بینی سے لوگوں کے ہر کام کی اصلاح وتدبیر کرنے والے بہترین مدبر کے ہوتے ہوئے کیوں لشکر والوں کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کی ضرورت پڑی؟ بالخصوص مالک اشترؓ جیسے بہادر، جن کے بارے میں بیان پہلے گزر چکا ہے، اس کے باوجود غم و غصے سے بھرے جملے، تازیانوں کی دھمکی سے لشکر والوں کو ڈراتے ہوئے رسوا کرتے ہیں، کیوں؟ اس سوال کے جواب میں دو نکتوں پر توجّہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ پہلا نکتہ یہ کہ بعض افراد شوق دلانے پر تیار ہو جاتے ہیں اور بعض افراد ڈرانے اور دھمکانے سے حرکت میں آتے ہیں، ہر آدمی کے تیار ہو کر چلنے کا طریقہ ایک جیسا نہیں ہوتا، یہاں پر کوفہ اور عراق کے لوگ دوسرے گروہ میں شامل تھے، یعنی ڈرائے دھمکائے بغیر حرکت نہیں کرتے تھے۔

مشہور کہاوت ہے کہ ”جب تک کہا نہ جائے ان کو غیرت نہیں آئے گی“ (یعنی کوفہ و عراق والوں سے جب تک انہی کی زبان میں بات نہ کی جائے سمجھنے والے نہیں ہیں) اور امیر المومنینؑ ان کی اس روش سے آگاہ تھے اس لیے کبھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں ڈراتے دھمکاتے تھے، تاکہ آنے والے خطرات سے نمٹنے کے لیے تیار ہو جائیں اور دشمن کے سامنے چٹان کی طرح جم کر کھڑے ہو جائیں۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ کہ امامؑ نے یہ گفتگو اس لیے فرمائی کہ تاریخ میں محفوظ ہو جائے، تاکہ آئندہ نسلیں اپنے غلط فیصلوں سے بچے رہیں، کوئی یہ نہ کہے کہ علی علیہ السلام وفادار دوستوں اور جان دینے والی فوج رکھنے کے باوجود جنگ میں امیر شام اور ان کے لشکریوں پر فتح حاصل کیوں نہیں کر سکے؟ اور ظالموں کے بے لگام اونٹ کو اسلامی مملکت سے کیوں نہیں بھگا

https://downloadshiabooks.com/

سکے؟ تا کہ ظالم و بے رحم حکام کے ہاتھ اوران کی بربریت اسلام کے دستورات تک نہ پہنچ سکتے۔حقیقت میں امام علی علیہ السلام ان خطبوں کے ذریعے اپنی معصومیت ومظلومیت بیان فرمانا چاہتے ہیں،فرماتے ہیں:"بدقسمتی سے میں ایسے لوگوں میں پھنسا ہوا تھا، جو اپنی نادانی، ناشکری، غلط سوچ اور سستی سے حکمین اوراس طرح کے دیگر واقعات کا سبب بنے۔ان لوگوں کی دینی غیرت مری ہوئی اوراسلام پر عمل رسمی اور اپنے رہبروں اور پیشواؤں کی نسبت اطاعت اور محبت وعقیدت کی مضبوطی بہت سست اور کمزور تھی،اور یہ لوگ سانڈ کی طرح گھروں میں دُبک کر بیٹھ جاتے،اور بجّو کی طرح اپنے گھر میں چھپ جاتے۔یہ اہل جنگ نہیں، بلکہ محافل مجالس کے تماشہ بین تھے اور لکڑی کے ایسے تیر کی طرح تھے،جس پر نہ لوہے کا پھل تھا اور نہ اس کا نچلا حصہ کٹا ہوا تھا۔"

حقیقت میں امامؑ چار قسم کی تشبیہات کے ذریعے ان کی کمزوری کی اصل وجہ کی جانب متوجہ کرتے ہیں:

۱۔ایک جگہ انہیں تازہ اونٹوں سے مثال دیتے ہیں کہ اگران پر ہلکا سا بھی بوجھ ڈالا جائے تو ان کے کوہان زخمی ہو جاتے ہیں۔

۲۔دوسری جگہ انہیں پھٹے پرانے کپڑوں سے مثال دیتے ہیں کہ اگراس پھٹے پرانے کپڑے کو ایک طرف سے سی لیں تو دوسری طرف سے پھٹ جاتا ہے۔یہ جملہ ان کا سخت حادثات سے مقابلہ نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی خطرہ محسوس کرتے وہ جلدی سے میدان سے جان بچا کر بھاگ جاتے۔

۳۔تیسری جگہ انہیں سانڈوں کا مماثل قرار دیا ہے کہ جو اپنے نوزائیدہ بچے پر بھی رحم نہیں کرتا اور کھا جاتا ہے۔

۴۔چوتھی جگہ انہیں لگڑ بھگے کا مشابہ قرار دیا ہے جو حیوانات میں نادانی اور بے وقوفی میں مشہور ہے۔یہ شکاری کی سریلی آواز پر سو جاتا ہے اور بغیر کسی مقابلے یا مزاحمت کے اس کے ہاتھوں میں اسیر ہو جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ رہبر اور پیشوا، جس قدر آگاہ وتجربہ کار اور شجاع ہو اور عقل وفہم رکھتا ہو، اگر وہ بے وقوف، ڈرپوک، کمزور اور ٹیڑھا چلنے والے پیروکاروں کے ہاتھوں گرفتار ہو، وہ کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔انتہائی افسوس ہے کہ امیر المومنینؑ کی مبارک زندگی میں یہ مطالب دیکھنے کو ملتے ہیں۔تاریخ میں امامؑ کی مظلومیت کے بارے بہت زیادہ لکھا گیا ہے، کیوں کہ بے خبر افراد امامؑ کی ان تاریخی حقیقتوں کے تناظر میں (نعوذ باللہ) آپؑ کی قیادت ورہبری پر کمزوری کی تہمت لگاتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

ستّر واں خطبہ

وقال علیه السلام، وفی سحرة الیوم الذی ضرب فیه ①

(اُس سحر کے ہنگام میں جب آپؑ کے سر اقدس پر ضربت لگائی گئی)

"مَلَكَتْنِي عَيْنِي وَ أَنَا جَالِسٌ، فَسَنَحَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَاذَا لَقِيتُ مِنْ أُمَّتِكَ مِنَ الْأَوَدِ وَ اللَّدَدِ؟ فَقَالَ: ادْعُ عَلَيْهِمْ فَقُلْتُ: أَبْدَلَنِي اللهُ بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ، وَ أَبْدَلَهُمْ بِي شَرًّا لَهُمْ مِنِّي"

"ابھی میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک آنکھ لگ گئی اور ایسا محسوس ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے تشریف فرما ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں نے آپ کی امت سے بے پناہ کجروی اور دشمنی کا مشاہدہ کیا ہے، فرمایا کہ بددُعا کرو۔ تو میں نے یہ دُعا کی کہ خدایا مجھے ان سے بہتر قوم دے دے اور انہیں میرے بدلے بدتر رہنما دے دے۔"

شرح وتفسیر

میں نے رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا

محمد بن حبیب بغدادی کتاب المغتالین میں ابو عبدالرحمٰن سلمی سے نقل کرتے ہیں:

جس وقت امیر المومنینؑ بسترِ شہادت پر لیٹے ہوئے تھے، میں اُن کی عیادت کو گیا تو مجھ سے فرمایا:

---

① اس کلام کو بہت سے لوگوں نے سیّد رضیؒ سے پہلے کوشش کر کے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک ابن سعد ہیں جنہوں نے کتاب طبقات میں، ابوالفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں، ابن عبد ربہ نے کتاب عقد الفرید میں، ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں مرحوم سیّد مرتضیٰؒ نے کتاب الغرر و الدرر میں شیخ مفیدؒ نے کتاب ارشاد میں نقل کیا ہے۔ (مصادرِ نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۴)

https://downloadshiabooks.com/

"میرے نزدیک آؤ!"

گویا امامؑ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی آواز دوسرے بھی سنیں، اُس وقت عورتیں بلند آواز سے رو رہی تھیں، میں امامؑ کے قریب ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

"کل رات میں اپنے گھر والوں کو جگانا چاہتا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا، جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا۔"

اس کے بعد جو خواب انہوں نے دیکھا تھا، مجھ سے بیان فرمایا۔

بہر حال امامؑ کی یہ گفتگو مسلمان گروہوں کی طرف سے مختلف مواقع پر حضرتؑ کی مخالفت اور دل آزاری پر سخت ناراضی کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا کہ امامؑ نے لوگوں کی شکایت کی ہو، بلکہ نہج البلاغہ کے کئی خطبوں میں اس قسم کی عبارات اور مفاہیم پائے جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کا محور آپؑ کے اصحاب ہیں، جنہوں نے نہ آپؑ کے مقام و منزلت کو پہچانا اور نہ حرمت کا پاس کیا، بلکہ طرح طرح کی اذیت و آزار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، امامؑ گفتگو کے شروع میں فرماتے ہیں:

"مَلَكَتْنِي عَيْنِي وَ أَنَا جَالِسٌ"

"میری آنکھ لگ گئی جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا۔"

مذکورہ جملے "مَلَكَتْنِي عَيْنِي" (میری آنکھ میری مالک بن کر مجھ پر مسلط ہوگئی) یہ نیند کے لیے کنایہ ہے، کیوں کہ جسم کے حصوں میں سب سے پہلے آنکھ سے نیند ظاہر ہوتی ہے، اس وجہ سے مفہوم سمجھانے کے لیے اسے کنائے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خواب کو آگے بڑھاتے ہوئے پھر فرمایا:

"فَسَنَحَ [1] لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَاذَا لَقِيْتُ مِنْ أُمَّتِكَ مِنَ الْأَوَدِ وَ اللَّدَدِ؟"

"خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے دیکھا تو میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسولؐ! میں نے آپؐ کی اُمّت کی کیسی کیسی دشمنیاں اور منافقانہ رویّے دیکھے؟"

شاید تاریخ کے طویل دور میں اولیاء اللہ میں سے کوئی اللہ کا منتخب کردہ ایسا ہو، جس کی حکومت کی مدت مختصر اور لوگوں کی سب سے زیادہ مخالفت، نافرمانی، دشمنی اور ہر طرح سے ستانے والوں سے سامنا ہوا ہو۔ اور آپؑ کی ۲۵ سال کی طویل گوشہ نشینی مختصر مدت حکومت کے دوران بھی یہ لوگ ہمیشہ آپؑ کے کاموں اور کلام کی مخالفت کرتے رہے اور ہر روز ایک نیا فتنہ کھڑا کر کے امامؑ کی دل آزاری اور ستانے کے بہانے ڈھونڈتے تھے، کیوں کہ خلفا بالخصوص تیسرے خلیفہ کے ایجاد کردہ

---

[1] سنح مادّہ سنوح بروزن حضور، جلدی سے کسی جگہ یا مدمقابل کو پیچھے چھوڑ جانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

انحرافات من جملہ بیت المال اور حکومتی اہم عہدے نااہل افراد کے ہاتھوں میں دینے کی انہوں نے عادت ڈال دی تھی، جبکہ امامؑ اسلام اور سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عدل وانصاف کے مطابق حکومتی عہدوں پر عادل لوگوں کو لانا چاہتے تھے، لیکن یہ شفا دینے والی دوائی ان کے لیے کڑوی ثابت ہوئی، یہاں تک کہ قریب ترین افراد بھی اس چیز کو برداشت نہ کر سکے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ امامؑ کی حکومت ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک طوفانوں، تلخ حقیقتوں اور حادثات میں گھری ہوئی تھی۔ اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امامؑ کا دورِ حکومت پے در پے طوفانوں اور حوادث کا شکار رہا اور اسی بنا پر یہ تعجب انگیز بات نہیں ہے کہ وہ امامؑ جو انتہائی کٹھن مراحل پر صبر، کمر توڑ مصیبتوں پر حوصلے اور ہمت سے کام لے کر لعن طعن اور دشمنی کی سخت ہڈیوں کو گلے میں برداشت کرتا رہا، وہ ہستی خواب کی حالت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی امّت کی شکایت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ خواب کی حالت میں امامؑ کی امت محمدیؐ کی نسبت شکایت کے جواب میں رسول اللہؐ نے کیا ارشاد فرمایا؟ آپؐ نے فرمایا: "فَقَالَ: اُدْعُ عَلَیْهِمْ "ان کے لیے بددُعا کرو۔ امامؑ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا۔

فَقُلْتُ: اَبْدَلَنِیَ اللّٰهُ بِهِمْ خَیْرًا مِنْهُمْ، وَ اَبْدَلَهُمْ بِیْ شَرًّا لَهُمْ مِنِّیْ"

"خداوندمتعال ان سے بہتر لوگوں کو مجھے عطا فرما اور میرے بدلے ایک برے آدمی کو ان پر مسلط کر دے۔"

سوال: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں امامؑ کو بددعا کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟ جب کہ آپؐ تمام عالمین کے لیے قیامت تک کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں سے کچھ گروہوں کی سرکشی اور نافرمانی کبھی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نازل ہونے والی رحمت کے دروازے کو بند کر دیتی ہے اور اس کی جگہ عذاب اور نعمت کے چھن جانے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس قسم کے کاموں میں بددُعا کرنا حکمت کے عین مطابق ہے۔ تاریخ انبیا علیہم السلام میں ہم انہیں صبر وشکر گزاری اور لطف و رحمت خداوندی کے باوجود کبھی کبھی بددعائیں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس (۹۵۰) سال تبلیغ وہدایت کرنے کے بعد جب کوئی بہتری نہیں دیکھی تو اپنی نافرمان قوم کے حق میں بددعا فرمائی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ [1]

"پروردگارا! ان کافروں میں سے ایک کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑ اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔"

ان کی دعا قبول ہوئی اور طوفان نے آ کر سب کو غرق کر دیا۔

بہرحال قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امامؑ اپنے اصحاب اور دوستوں کو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی کرنے، ماتحتوں کے ساتھ

---

[1] سورۂ نوحؑ، آیت ۲۶۔

https://downloadshiabooks.com/

مہربانی کرنے کے لیے تاکید فرماتے ہیں اور اپنی فوج کے سپہ سالار مالک اشترؓ کے نام لکھے گئے مشہور حکم نامے میں مصر کے تمام لوگوں، چاہے وہ کافر ہوں یا مسلمان، ہر ایک کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ اس دستور نامے میں آپؑ نے فرمایا: "یہ لوگ یا تو تمہارے مذہبی بھائی ہیں یا تم جیسے انسان ہیں۔" تمہیں دیکھنا چاہیے کہ لوگوں پر کہاں تک ظلم و زیادتی کر سکتے ہو کہ تم ان لوگوں کی بددعاؤں کو برداشت کر سکو، یعنی تم لوگوں پر اتنا ظلم کرو کہ ان کی بددعاؤں کی تیز دھار بھی سہہ سکو، لیکن یہاں پر امامؑ کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ادب و احترام قابل غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے پہلے آپؑ نے امت محمدیؐ کے لیے بددعا نہ کی۔

یہاں پر امامؑ نے اس گروہ کے لیے جو بددعا کی ہے وہ بھی غور طلب ہے۔ یہاں پر آپؑ نے پہلے ناقدر شناس اور ناشکرے افراد سے اپنی نجات کے لیے دعا کی ہے، اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں اس گروہ کے درمیان سے خود کو اٹھانے اور ایک ظالم و جابر حاکم کو ان پر مسلط کرنے کی دعا فرمائی ہے، تا کہ یہ لوگ اپنی نافرمانی اور سرکشی کا مزہ چکھ لیں۔ "وَ أَبْدِلْهُمْ بِي شَرّاً لَهُمْ مِنِّي" پروردگارا! میری جگہ ایک بدترین آدمی ان پر مسلط کر دے، اس جملے کا مفہوم **نعوذ باللہ** یہ ہرگز نہیں ہے کہ امامؑ ان کے لیے بُرے تھے اور خود سے بھی بُرے تر آدمی کو ان پر مسلط کرنے کی دعا کر رہے ہیں، بلکہ ادبیات عرب میں خیر و شر کا جملہ صفت تفضیلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب یہاں یہ لازم نہیں کہ صفت جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، دونوں جانب موجود ہو جس کا موازنہ کیا جا سکے کہ ایک میں زیادہ ہے دوسرے میں کم بلکہ کبھی مفضول میں یہ صفت بالکل نہیں پائی جاتی۔ امامؑ کے پہلے جملے میں (خدایا مجھ کو ان سے بہتر دیدے) یہی معنیٰ پائے جاتے ہیں، جب کہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی اچھے اور نیک صفت والے موجود نہیں تھے، اس کے برعکس سب منافق، تنگ کرنے والے اور شرارت پسند تھے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات کو یہاں پر دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

"قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ" [1]

"کیا دوزخ اور ان دوزخیوں پر ہونے والا عذاب بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی بہشت؟"

سورۂ صافات کی آیت ۶۲ میں وارد ہوا ہے:

"أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾" [2]

"کیا بہشت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں بہتر ہیں یا جہنم کے گڑھے سے نکلا ہوا درخت؟"

[1] سورۂ فرقان، آیت ۱۵۔

[2] سورۂ صافات، آیت ۶۲۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ وہ درخت ہے جو جہنم کے گہرے گڑھے سے نکلتا ہے۔

یہ روحانی بھید اور راز اس وقت کھلا جب امامؑ کی دعا قبول ہوئی، اس گفتگو کے چند دن گزرنے کے بعد محراب عبادت میں آپؑ فخر کے ساتھ شہادت سے ہم کنار ہوئے اور رحمت خداوندی کے جوار اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بہشت میں تشریف فرما ہوئے۔ آپؑ کے بعد اس نافرمان اور منافق گروہ پر امیر شام، یزید، حجاج بن یوسف اور آل مروان جیسے سفاک ترین حکمران مسلط ہوئے اور انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار اس طرح گرم کر کے رکھا کہ اس سے پہلے کوفہ و عراق کی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا۔ آخر میں سیّد رضیؒ اس خطبے سے مربوط دو اہم چیزوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يَعْنِي بِالْأَوَدِ: اَلْإِعْوِجَاجَ، وَبِاللَّدَدِ الْخِصَامَ وَهٰذَا مِنْ أَفْصَحِ الْكَلَامِ"

"ہاں اود کا معنیٰ ٹیڑھا اور کج ہونا ہے اور لدد کے معنیٰ دشمنی اور بغض وحسد کرنا ہے اور یہ فصیح ترین کلام ہے۔"

ممکن ہے سیّد رضیؒ کی گفتگو اس جانب اشارہ ہو کہ اس مختصر جملے "مَاذَا لَقِيتُ مِنْ أُمَّتِكَ مِنَ الْأَوَدِ وَ اللَّدَدِ" میں وسیع مفاہیم اور ظرافتیں چھپی ہوئی ہوں، کیوں کہ اود اصل میں کسی بھاری چیز کے بوجھ کی وجہ سے جھکنے کے معنیٰ میں آیا ہے اور "لدد" کسی کے خلاف اس کے حاسد اور بغض و کدورت رکھنے والوں کی طرف سے سخت دشمنی کی طرف اشارہ ہے۔

حقیقت میں مسلمانوں میں سے کچھ احمق اور ناسمجھ لوگوں نے غم و اندوہ اور مشکلات کے بوجھ کو امامؑ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا، یہ بوجھ ایسے تھے جو کسی بھی طاقتور انسان کی کمر توڑ دیں، اور ان احمقوں کے دوسرے گروہ نے بغض و عداوت اور دشمنی کی حد کر دی تھی، کیوں کہ امامؑ نے ان کی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق کام نہیں کیا اور انہوں نے امامؑ کے لیے عدل و انصاف کی راہ میں مشکلات کے انبار لگا دیے۔

ان دونوں گروہوں کا امامؑ کو تکلیف اور اذیت پہنچانے کا سلسلہ یہاں تک آ گیا کہ امامؑ خدا سے دعا اور تمنا کرتے تھے کہ خداوندا مجھے ان جاہلوں کے درمیان سے اٹھا لے اور سچوں، شہداء اور اپنے اولیاء کے جوار میں جگہ عنایت فرما۔

نکات

ا۔ یارانِ علی علیہ السلام

اس میں کوئی تردید نہیں کہ یارانِ امیر المومنینؑ کے تین گروہ تھے:

https://downloadshiabooks.com/

پہلا گروہ: سچے مؤمن، مخلص، فداکار اور جان ہتھیلی پر رکھ کر شمع امامت کے گرد پروانہ وار چکر لگانے والے تھے، ان کی آنکھیں حکم کی منتظر اور کان فرمانِ علیؑ سننے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ان میں مالک اشترؓ، عمار یاسرؓ، رُشید ہجریؓ، میثم تمارؓ اور کمیل بن زیادؓ جیسے پروانے جو امیر المومنینؑ کے دوستوں میں بہت ممتاز مقام رکھتے تھے۔

دوسرا گروہ: ناسمجھ اور بے وقوف، نہ امامؑ کے مقام و منزلت کو جانتے تھے، نہ زمان و مکان کی شرائط سے انہیں سروکار تھا، نہ شام میں امیر شام کی حکومت کی طرف سے سرحدوں پر خطرات کی انہیں پروا تھی، نہ لڑنے کے لیے میدان جنگ میں جاتے تھے۔ یہ لوگ کسی طریقے سے بہانہ ڈھونڈ کر جان چھڑانے والے بے عقل، تفرقہ ڈالنے والے، ایک بات پر اڑے رہنے والے ضدی، مکر و فریب اور حیلہ و بہانہ کرنے والے ایسے تھے کہ اجتماعی کاموں میں ان میں سے کوئی بھی قابل اعتبار نہ تھا۔

تیسرا گروہ: زیادہ کم ظرف تھے اور یہ لوگ ظلم و ناانصافی کے ذریعے حضرت خلیفۂ ثالث کے زمانے میں مسلمانوں کے اموال لوٹتے تھے۔ اب امامؑ سے بھی وہ یہی چاہتے تھے، مقام و مال و دولت کے علاوہ یہ گروہ کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔

امیر المومنینؑ جہاں تک ممکن تھا معاشرۂ اسلامی کے مسائل کے حل اور اس کی حفاظت کی خاطر ان کی تواضع کرتے رہے، لیکن اس جاہل گروہ کے کاموں سے جب آپؑ کو بہت دھچکا لگا تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے اور اندرونی کیفیت کو زبان مبارک پر لا کر ان سے مخاطب ہوئے، شاید یہ لوگ باز آجائیں اور سیدھی راہ پر پلٹ آئیں، آپؑ کے یہ گلے شکوے جن خطبوں میں ہیں، نمونے کے طور پر بیان کرتے ہیں:

۱۔ خطبہ ۲۵ میں فرماتے ہیں:

"وَ إِنِّي وَ اللهِ لَأَظُنُّ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ سَيُدَالُونَ مِنْكُمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ... اَللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ مَلِلْتُهُمْ وَ مَلُّونِي وَ سَئِمْتُهُمْ وَ سَئِمُونِي"

"خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ بہت جلد وہ لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ اپنی غلط کاریوں میں ایک دوسرے کے مددگار اور متحد ہیں، مگر تم لوگ صراط مستقیم اور حق کی راہ پر ہوتے ہوئے بھی پراگندہ ہو، پروردگارا! میں نے ہر طریقے سے انہیں سمجھایا نصیحت کی، مگر ان لوگوں کو میں نے سست، کاہل اور تھکا ماندہ پایا۔ اور انہوں نے مجھے بھی تھکا دیا ہے، ان کے لیے میں رنجیدگی کا سبب بنا اور یہ لوگ میرے لیے دل آزاری کا سبب بنے۔"

۲۔ ستائیسویں خطبے میں فرماتے ہیں:

"فَيَا عَجَبًا عَجَبًا! وَ اللهِ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَ يَجْلِبُ الْهَمَّ مِنِ اجْتِمَاعِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ! فَقُبْحًا لَكُمْ وَ تَرَحًا... يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ! حُلُومُ الْأَطْفَالِ وَ عُقُولُ

https://downloadshiabooks.com/

رَبَّاتِ الْحِجَالِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَرَكُمْ وَلَمْ أَعْرِفْكُمْ۔"

"خدا کی قسم! یہ حقیقت انسان کے دل کو مار دیتی ہے اور اس پر مصیبت کے پہاڑ توڑ دیتی ہے کہ تمہارے دشمن غلط راستے پر چلتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں اور ایک تم ہو جو حق کے راستے پر چلتے ہوئے بھی اس طرح پراگندہ ہو کہ تمہارے چہرے بھیانک، تمہارے ساتھی ہمیشہ ہوا کی طرح تند و تیز ہیں، اے مردوں کی شکل وصورت میں نامردو! تم میں مجھے کوئی مرد دکھائی نہیں دیتا! اے ناسمجھ بچوں کی طرح بے عقل لوگو! تمہاری مثال گھونگٹ اٹھائے بغیر شادی کے تخت پر بیٹھی دلھن کی سی ہے، اے کاش میں نے کبھی تمہیں نہ دیکھا ہوتا اور نہ پہچانا ہوتا۔"

۳۔انتیسویں خطبہ میں فرماتے ہیں:

"أَيُّهَا النَّاسُ! الْمُجْتَمِعَةُ أَبْدَانُهُمْ، اَلْمُخْتَلِفَةُ أَهْوَاؤُهُمْ، كَلَامُكُمْ يُوْهِي الصُّمَّ الصِّلَابَ، وَ فِعْلُكُمْ يُطْمِعُ فِيكُمُ الْأَعْدَاءَ! تَقُوْلُوْنَ فِي الْمَجَالِسِ: كَيْتَ وَ كَيْتَ، فَإِذَا جَاءَ الْقِتَالُ قُلْتُمْ: حِيدِي حَيَادِ۔"

"اے لوگو! تمہارے بدن جمع، افکار و ارادے پراگندہ، تمہاری دھواں دار باتیں سخت پتھر کے بھی ٹکڑے کردیں، لیکن تمھارے بے جان اعمال دیکھ کر دشمن اطمینان سے بیٹھتا ہے اور ان تمام نالائقیوں کے ساتھ فتح کی امید کرتے ہو، مجالس ومحافل میں زمین وآسمان کو زیروزبر کردیتے ہو، مگر جنگ کے میدان میں چیختے چلاتے ہو کہ اے جنگ ہم سے دور ہوجا۔"

۴۔خطبہ ۵۹، میں فرماتے ہیں:

"كَمْ أُدَارِيكُمْ كَمَا تُدَارَى الْبِكَارُ الْعَمِدَةُ، وَ الثِّيَابُ الْمُتَدَاعِيَةُ! كُلَّمَا حِيصَتْ مِنْ جَانِبٍ تَهَتَّكَتْ مِنْ آخَرَ۔"

"تمہارے ساتھ کہاں تک نرمی برتوں اور اچھائی کروں؟ وہ تازہ اونٹ، جس پر سامان لادنے کی وجہ سے اس کی پیٹھ زخمی ہوگئی ہو اس کی طرح تمہارے ساتھ نرمی کروں؟ یا اس پرانے کپڑے کی طرح، جس کا پھٹا ہوا حصہ سیتا ہوں تو دوسرا حصہ پھٹ جاتا ہے اور دوسرا حصہ سیتا ہوں تو پہلا حصہ پھٹ جاتا ہے، اس طرح تمہارے ساتھ برتاؤ کروں، کیا کروں؟"

۵۔خطبہ ۹۷، میں فرماتے ہیں:

"أَيُّهَا الْقَوْمُ الشَّاهِدَةُ أَبْدَانُهُمْ، الْغَائِبَةُ عَنْهُمْ عُقُولُهُمْ، الْمُخْتَلِفَةُ أَهْوَاؤُهُمُ، الْمُبْتَلَى بِهِمْ أُمَرَاؤُهُمْ... يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! مُنِيتُ مِنْكُمْ بِثَلَاثٍ وَ اثْنَتَيْنِ: صُمٌّ ذَوُوْ أَسْمَاعٍ وَ بُكْمٌ ذَوُوْ كَلَامٍ وَ عُمْيٌ ذَوُوْ أَبْصَارٍ، لَا أَحْرَارُ صِدْقٍ عِنْدَ اللِّقَاءِ، وَلَا إِخْوَانُ ثِقَةٍ عِنْدَ الْبَلَاءِ۔"

https://downloadshiabooks.com/

"اے لوگو! تمہارے جسم تو موجود ہیں، لیکن تمہاری عقل غائب ہے (یعنی تم عقل سے پیدل ہو) اور تم جو چاہتے ہو وہ ایک ہی جیسا ہے، تمہارے بڑے بزرگ نفس پرستی میں مبتلا ہیں، اے کوفہ والو! میں تم لوگوں سے متعلق تین چیزیں جو تمہارے پاس ہیں اور دو چیزیں جو تمہارے پاس نہیں ہیں ان کے بارے میں فکر مند ہوں۔ وہ یہ کہ تم کان رکھتے ہو، لیکن بہرے ہو، بات کرتے ہو، مگر گونگے ہو، آنکھیں رکھتے ہو، مگر اندھے ہو، لڑائی کے میدان میں نہ آزاد اور جواں مردوں کی طرح لڑتے ہو، نہ آزمائش وامتحان میں پورا اترتے ہو، اے مصیبت کے مارو، تمہارے ساتھ میں کیا کروں؟"

۶۔ خطبہ ۱۱۹، میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا بَالُكُمْ أَمُخْرَسُونَ أَنْتُمْ؟!... مَا بَالُكُمْ لَا سُدِّدْتُمْ لِرُشْدٍ وَلَا هُدِيتُمْ لِقَصْدٍ"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تم بہرے ہو، جو میری بات نہیں سن سکتے، کیا تم گونگے ہو؟ کیوں بات نہیں کرتے، تمہیں کبھی بھی سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نہیں ہوگی اور ہرگز راہِ حق پر چلنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوگے۔"

۷۔ خطبہ ۱۲۱ میں فرماتے ہیں:

"أُرِيدُ أَنْ أُدَاوِيَ بِكُمْ وَأَنْتُمْ دَائِي كَنَاقِشِ الشَّوْكَةِ بِالشَّوْكَةِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ ضَلْعَهَا مَعَهَا! اَللّٰهُمَّ قَدْ مَلَّتْ أَطِبَّاءُ هٰذَا الدَّاءِ الدَّوِيِّ"

"میرا ارادہ تھا کہ تمہارے ذریعے بیماری کا علاج کروں، مگر یہاں تم لوگ خود لا علاج بیماریوں میں مبتلا ہو، میں ایسے آدمی کی طرح ہو گیا ہوں جو کانٹے کو دوسرے کانٹے کے ذریعے سے کھینچ کر نکالتا ہے، جب کہ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کانٹے بھی دوسرے کانٹوں کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ پروردگارا! ان بیماروں کی اس لا علاج بیماری کا علاج کرتے کرتے طبیب تھک گئے ہیں۔"

۸۔ خطبہ ۱۲۳، میں فرماتے ہیں:

"وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْكُمْ تَكِشُّونَ كَشِيشَ الضِّبَابِ لَا تَأْخُذُونَ حَقًّا وَلَا تَمْنَعُونَ ضَيْمًا"

"گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جنگ سے فرار کرتے وقت سانڈ، جس طرح اپنے غول میں غرّاتا ہے تم بھی ایسی آوازیں نکالتے ہوئے بھاگتے ہو، تم میں نہ کسی حق کو چھین کر لانے کی ہمیّت ہے اور نہ ظلم وستم کو روکنے کی جرأت ہے۔"

۹۔ خطبہ ۱۲۵، میں فرماتے ہیں:

"أُفٍّ لَكُمْ! لَقَدْ لَقِيتُ مِنْكُمْ بَرْحاً، يَوْماً أُنَادِيكُمْ وَيَوْماً أُنَاجِيكُمْ، فَلَا أَحْرَارُ صِدْقٍ عِنْدَ النِّدَاءِ وَلَا إِخْوَانُ ثِقَةٍ عِنْدَ النَّجَاءِ"

https://downloadshiabooks.com/

”افسوس ہے تم لوگوں پر! کہ تم لوگوں نے مجھے کن کن مصیبتوں اور عذاب میں مبتلا کر دیا، ایک دن میں تم سے بلند آواز میں بات کرتا ہوں اور دوسرے دن نہایت خاموشی اور رازداری اور سرگوشی میں سمجھاتا ہوں، لیکن آزاد مردوں میں سے کسی سچے انسان نے مجھے فریاد کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ اطمینان سے بیٹھے ہوئے لوگوں نے خاموشی سے بات کرتے وقت میری سرگوشی سنی۔“

۱۰۔خطبہ ۱۳۱، میں فرماتے ہیں:

أَيَّتُهَا النُّفُوسُ الْمُخْتَلِفَةُ وَ الْقُلُوبُ الْمُتَشَتِّتَةُ، الشَّاهِدَةُ أَبْدَانُهُمْ، وَ الْغَائِبَةُ عَنْهُمْ عُقُولُهُمْ، أَظْأَرُكُمْ عَلَى الْحَقِّ وَ أَنْتُمْ تَنْفِرُونَ عَنْهُ نُفُورَ الْمِعْزَى مِنْ وَعْوَعَةِ الْأَسَدِ۔

”اے اختلافات کے شکار لوگو! تمہارے پراگندہ اور بکھرے ہوئے دلوں پر افسوس ہے! تمہارے جسم موجود مگر دل مردہ ہیں میں تمہیں حق کی طرف بلاتا ہوں، لیکن جس طرح بھیڑیں شیر کی دھاڑ سن کر بھاگتی ہیں، اسی طرح میری آواز سن کر تم بھاگتے ہو۔“

۲۔ بددُعا کے مستحق کون لوگ ہیں؟

خطبے کی شرح میں جیسے بیان ہوا کہ اللہ کے رسولوں اور ولیوں نے اپنی روح کی گہرائیوں سے امید کے ساتھ غلط راہ پر چلنے والی قوموں کو مسلسل ہدایت کے ذریعے سیدھی راہ کی طرف دعوت دی اور اس راہ میں اپنے دکھ درد اور غم و غصے کو عجیب حوصلے اور جرأت مندی سے برداشت کیا، لیکن جب ہدایت کے سارے راستے بند ہو کر ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو جاتے تو بددعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے تھے، کبھی بددعائیں فاسد اور مفسد لوگوں کے خاتمے لیے ہوتی ہیں، تاکہ ان کی جگہ ہدایت پانے والی نسل آجائے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی جو تمام عالم انسانیت کے لیے رحمت تھی، اس قسم کے قابل نفرت نمونے دیکھنے میں آئے، اُن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ حدیث میں آیا ہے کہ خلیفۂ ثالث کا چچا حکم بن عاص جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین مخالفین میں سے تھا، آنحضرتؐ کی نقلیں اتار کر مذاق اُڑاتا تھا۔ اپنی حرکات وسکنات کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلتے ہوئے کبھی کندھوں کو ہلاتا، کبھی ہاتھوں کو رعشہ والے شخص کی طرح ہلاتا، کبھی لنگڑاتے ہوئے چلتا تھا۔ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی، فرمایا: ”تُو ہمیشہ کے لیے اسی طرح کا ہو جائے گا۔“ اس دن کے بعد سے وہ ہمیشہ کے لیے کندھوں کو ہلاتا، لنگڑاتا اور

https://downloadshiabooks.com/

لرزتے ہاتھوں کو جوڑ کر چلتا تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد رسول خداؐ نے اسے مدینے سے نکال دیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ (۱)

۲۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خانۂ کعبہ کے سائے میں بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ ابوجہل کے ساتھ آئے، ان کے ہاتھوں میں اونٹ کی اوجڑی تھی، جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو انہوں نے اوجڑی کو آپؐ کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔ یہ خبر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے سنی تو آ کر اس گندگی کو آپؐ کی پشت پر سے ہٹا کر صاف کیا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو قریش اور بالخصوص ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ، عقبہ بن ابی معیط کے لیے بددعا فرمائی۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ اس واقعے کے چند روز بعد جنگ بدر واقع ہوئی اور ہم نے دیکھا ان سب کی لاشیں بدر کے کنویں میں پڑی ہوئی تھیں۔ (۲)

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ مضر کے لیے بددعا کی، اس قبیلے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ اذیتیں پہنچائی تھیں، فرمایا:

"أَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ علیہ السلام" (۳)

"پروردگارا! مضر کے قبیلے کے لوگوں کو سخت عذاب میں مبتلا فرما، حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر پڑنے والی قحط سالی کی طرح ان لوگوں کو بھی سخت سزاؤں کا مستحق قرار فرما۔"

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا ان کے حق میں قبول ہوئی اور بدترین قحط اور خشک سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، جب بھوکوں مرنے لگے تو اس قبیلے کے کچھ سردار آپؐ کے پاس اپنی پریشانیاں لے کر آئے اور آپؐ سے مدد مانگی، آپؐ نے انہیں معاف کر دیا اور ان کے لیے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی اور بارش کے پانی سے ہر جگہ سیراب ہوگئی۔

۴۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ عمرو بن عاص اور ولید بن عقبہ کو دیکھا جو شراب پینے کے ساتھ ساتھ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کی شہادت کی خوشی میں گانا گا کر خوشیاں منا رہے ہیں، آپؐ نے ان کے لیے بددعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُمَا وَارْكُسْهُمَا فِي الْفِتْنَةِ رَكْسًا وَدُعَّهُمَا فِي النَّارِ دَعًّا" (۴)

"پروردگارا! ان دونوں پر تُو لعنت بھیج اور انہیں فتنہ و فساد کے گہرے کنویں اور جہنم کی آگ میں دھکیل دے۔"

(۱) بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۵۹۔

(۲) بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۵۷۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۱۷، ص ۲۳۰۔

(۴) بحار الانوار، جلد ۲۰، ص ۶۷۔

https://downloadshiabooks.com/

۵۔معروف حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کبریٰ کے دنوں میں ایک مٹھی خاک اٹھا کر قریش کے لشکر کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

"شاهت الوجوه" تمہارے چہرے بھیانک اورخوفناک ہوجائیں،اس کے تھوڑی ہی دیر بعد قریش کی طرف ایک تیز وتند ہوا چلی،جس نے پورے لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اوران کے چہروں کو خوفناک اور بھیانک بنا دیا،یہی ان کی شکست اوررسوائی کا سبب بنا،اُس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ لَا یُفْلِتَنَّ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ جَهْلِ بْنُ هِشَامٍ" [1]

"پروردگارا!اس امت کا فرعون ابوجہل یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔تھوڑی دیر کے بعد ابوجہل لشکر اسلام کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔"

البتہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعاؤں کے مواقع صرف یہی نہیں ہیں،بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں اوراولیاء نے اپنے دشمنوں کے مقابل سخت اذیتیں اورتکالیف برداشت کی ہیں،کبھی ان کی بے شرمی وسرکشی اور گستاخی کی وجہ سے ہدایت کے دروازے ان پر بند ہوجاتے تھے،تب ان کے حق میں بددعا کے لیے ہاتھ بلند ہوتے تھے۔اورامیر المومنینؑ کی بددعا بھی اس پہلے خطبے میں اسی معنیٰ میں ہے۔

---

[1] بحارالانوار،جلد ۱۹،ص ۲۵۷۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

اکہتر واں خطبہ

ومن خطبة له عليه السّلام فی ذم أهل العراق [1]

اہل عراق کی مذمت کے بارے میں

"وفیھا یوبخھم علی ترك القتال والنصر یکادیتم ثم تکذیبھم له"

اس گفتگو میں امامؑ عراقی فوج کے ایک دستے کو سخت الفاظ میں سرزنش اور انہیں بہت بری طرح جھڑکتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ صفین کے معرکے میں اسلامی افواج کو فتح وکامیابی حاصل ہونے میں کچھ باقی نہ رہا تھا کہ عراق کے بے وقوف لوگوں نے عمرو بن عاص کی چالاکی اور فریب میں آ کر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل دیا، اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ امامؑ کو انہوں نے جھٹلایا، کیوں کہ امامؑ نے اپنے بعض دوسرے خطبوں میں آنے والے حالات میں عراقیوں کے بارے میں خاص طور پر پیش گوئی فرمائی تھی۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

بعض روایات میں آیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے ایک دن منبر سے فرمایا:

"لَوْ كُسِرَتْ لِيَ الْوِسَادَةُ لَحَكَمْتُ بَيْنَ أَهْلِ التَّوْرَاةِ بِتَوْرَاتِهِمْ وَبَيْنَ أَهْلِ الْإِنْجِيلِ بِإِنْجِيلِهِمْ وَبَيْنَ أَهْلِ الْفُرْقَانِ بِفُرْقَانِهِمْ وَمَا مِنْ آيَةٍ فِي كِتَابِ اللهِ أُنْزِلَتْ فِي سَهْلٍ أَوْ جَبَلٍ إِلَّا وَأَنَا عَالِمٌ مَتَى أُنْزِلَتْ وَفِيمَنْ أُنْزِلَتْ"

[1] خطبے کی سند: صاحب مصادر نہج البلاغہ کہتے ہیں: اس خطبے کا کچھ حصہ امیر المومنینؑ کے اس طویل خطبے کا حصہ ہے جسے آپ نے اہل عراق کی مذمت میں بیان فرمایا۔ اس کا کچھ حصہ ابن دأب جو موسیٰ الھادی خلیفہ عباسی کے ہم عصر تھے انہوں نے کتاب اختصاص میں لکھا ہے اور شیخ مفیدؒ نے اسے الارشاد نقل کیا ہے، ابن ابی الحدید کے کلام سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ خطبہ دیگر منابع میں دیکھا گیا ہے۔ صاحب مصادر نہج البلاغہ فرماتے ہیں کہ خطبہ ۷۱ اور خطبہ ۹۷ دونوں ایک ہی خطبہ تھا مرحوم سیّد رضیؒ نے اسے دو حصوں میں کر کے خطبہ نمبر لگا دیے ہیں۔ (مصادر نہج البلاغہ، ج ۲، ص ٦٦)

https://downloadshiabooks.com/

مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے گفتگو کے لیے اگر مسندِ علم کو بچھا دیا جاتا تو میں اہل تورات کو ان کی تورات سے انجیل کے ماننے والوں کو ان کی انجیل سے، قرآن مجید کے ماننے والوں کو قرآن مجید سے عدل و انصاف کی باتیں ضرور پہنچاتا۔ اللہ کی کتاب میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے کہ جس کی شان نزول، میدانوں میں نازل ہوئی یا پہاڑوں پر، کس کے لیے اور کس وقت نازل ہوئی، سب کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب امامؑ کی بات ختم ہوئی منبر کے نیچے بیٹھے ہوئے کسی نے کہا:

"یَا لَلّٰهِ وَلِلدَّعْوَی الْکَاذِبَةِ"

"میرے اللہ، یہ کتنا بڑا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔"

اور حیرت کی بات یہ کہ اس کے پہلو میں جو شخص بیٹھا تھا اس نے امامؑ کی طرف رخ کر کے آہستہ سے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم عالمین کے خداؤں میں سے ایک ہو۔ (ایک حد تفریط میں گر گیا اور دوسرا حد افراط تک پہنچ گیا)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک دن امیر المومنینؑ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُوْنِیْ"

"تم لوگ، جس چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو، اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو بیٹھو۔"

اس کے بعد آئندہ پیش آنے والے چند خطرناک حادثات اور واقعات کے بارے میں بتایا تو منبر کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کچھ نے آپؑ کی نسبت جھوٹ کی تہمت لگائی۔ (نعوذ باللہ) [۱] دیے گئے خطبات کی نسبت اس قسم کی بے ہودہ باتیں جب امامؑ نے سنیں تو آپؑ نے ان لوگوں کو جھٹلانے کے لیے اس خطبے کو ارشاد فرمایا۔

بہر حال یہ خطبہ آپؑ کے ان خطبات میں سے ایک ہے، جو جنگ صفین کے بعد ارشاد فرمائے ہیں۔ اس میں اس منافق گروہ کو سرزنش کی ہے کہ تم لوگوں نے چند قدم پر حاصل ہونے والی کامیابی کا بڑھ کر استقبال کیوں نہیں کیا؟ اسے نامکمل کیوں چھوڑا؟ اور اسلامی حکومت کو فتنہ و فساد کی دلدل میں کیوں دھکیلا؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں ایسی حاملہ عورت سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جس کا سرپرست مر گیا ہو اور جس نے حمل کے آخری دنوں میں خود اپنے ہاتھوں سے حمل گرا دیا ہو اور مرنے والے کی میراث اس کے دُور کے رشتے داروں کے ہاتھوں میں تقسیم ہو گئی ہو، وہ ہر لحاظ سے مجبور و بے چارہ ہو کر رہ گئی ہو۔

خطبے کا ایک حصہ اُن لوگوں کے جواب میں ہے، جنہوں نے آپؑ کی باتوں کو جھٹلایا تھا۔ وہ قیمتی چیزیں جو امامؑ نے ان کے اختیار میں دی تھیں، انہوں نے کی جہالت، قدر نہ کرنے اور پہچاننے کی صلاحیت نہ ہونے اور اہمیت نہ دینے کے سبب وہ سب ضائع کر دیں۔ خطبے کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امامؑ کس قدر مظلوم تھے اور کس قسم کے جانور نما لوگوں کے

[۱] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۱۳۶

https://downloadshiabooks.com/

درمیان زندگی گزار رہے تھے۔

خطبہ

"أَمَّا بَعۡدُ يَا أَهۡلَ الۡعِرَاقِ، فَإِنَّمَا أَنۡتُمۡ كَالۡمَرۡأَةِ الۡحَامِلِ، حَمَلَتۡ فَلَمَّا أَتَمَّتۡ أَمۡلَصَتۡ وَ مَاتَ قَيِّمُهَا، وَ طَالَ تَأَيُّمُهَا، وَ وَرِثَهَا أَبۡعَدُهَا. أَمَا وَاللهِ! مَا أَتَيۡتُكُمۡ اخۡتِيَارًا؛ وَلٰكِنۡ جِئۡتُ إِلَيۡكُمۡ (أَتَيۡتُكُمۡ) سَوۡقًا وَلَقَدۡ بَلَغَنِي أَنَّكُمۡ تَقُولُونَ: عَلِيٌّ يَكۡذِبُ، قَاتَلَكُمُ اللهُ تَعَالٰى! فَعَلٰى مَنۡ أَكۡذِبُ؟ أَعَلَى اللهِ؟ فَأَنَا أَوَّلُ مَنۡ آمَنَ بِهِ! أَمۡ عَلٰى نَبِيِّهِ؟ فَأَنَا أَوَّلُ مَنۡ صَدَّقَهُ! كَلَّا وَاللهِ. لٰكِنَّهَا لَهۡجَةٌ غِبۡتُمۡ عَنۡهَا، وَلَمۡ تَكُونُوا مِنۡ أَهۡلِهَا. وَيۡلُ أُمِّهِ كَيۡلًا بِغَيۡرِ ثَمَنٍ! لَوۡ كَانَ لَهُ وِعَاءٌ. وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعۡدَ حِينٍ"

"امابعد، اے اہل عراق، بس تمہاری مثال اس حاملہ عورت کی ہے جو نو ماہ تک بچہ کو شکم میں رکھے اور جب ولادت کا وقت آئے تو ساقط کردے اور پھر اس کا شوہر بھی مرجائے اور بیوگی کی مدت بھی طویل ہوجائے کہ قریب کا کوئی وارث نہ رہ جائے اور دور والے وارث ہوجائیں۔

خدا گواہ ہے کہ میں تمہارے پاس اپنے اختیار سے نہیں آیا ہوں بلکہ حالات کے جبر سے آیا ہوں اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم لوگ مجھ پر جھوٹ کا الزام لگاتے ہو۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ میں کس کے خلاف غلط بیانی کروں گا؟ کیا خدا کے خلاف؟ جب کہ میں سب سے پہلے اُس پر ایمان لایا۔ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کہا؟ جب کہ سب سے پہلے میں نے ان کی تصدیق کی ہے۔

ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ بات ایسی تھی جو تمہاری سمجھ سے بالاتر تھی اور تم اس کے اہل نہیں تھے۔ جو ایسا کہتا ہے اس کی ماں ان کے ماتم میں بیٹھے، میں تمہیں جواہر پارے ناپ ناپ کردے رہا ہوں اور کوئی قیمت نہیں مانگ رہا ہوں۔ مگر اے کاش! تمہارے پاس اس کا ظرف ہوتا۔ اور عنقریب تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔"

شرح وتفسیر

ناسمجھ پیروکاروں سے شکوہ

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ خطبہ صفین کی لڑائی کے بعد بیان ہوا ہے، امیر المومنینؑ کی حکومت میں یہ سخت تکلیف

https://downloadshiabooks.com/

دینے والا واقعہ تھا۔ کیوں کہ مسلمان فتح و کامرانی کے نزدیک تھے مگر دشمن کے مکر وفریب اور دھوکے بازی کے آگے لشکر اسلام کے سیدھے سادے احمق بے عقلوں نے فتح و کامیابی کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے دے دیا، یہی نہیں، بلکہ یہ گروہ فوج کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور منافقت پھیلانے کا سبب بھی بنا اور ان کے درمیان مخالفت اتنی بڑھ گئی کہ اس کا انجام آپس میں لڑائی اور خوں ریزی پر ہوا۔

اس تکلیف دہ حادثے نے امامؑ کے دل کو سخت ٹھیس پہنچائی، اس مقام پر ان منافقین کو سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أَمَّا بَعْدُ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ، فَإِنَّمَا أَنْتُمْ كَالْمَرْأَةِ الْحَامِلِ، حَمَلَتْ فَلَمَّا أَتَمَّتْ أَمْلَصَتْ (۱) وَمَاتَ قَيِّمُهَا، وَطَالَ تَأَيُّمُهَا، (۲) وَوَرِثَهَا أَبْعَدُهَا"

"اما بعد! اے عراق کے لوگو! تمہاری مثال اس حاملہ عورت کی سی ہے، جس کا سرپرست مر گیا ہو اور ایک لمبی مدت بیوگی کی زندگی گزاری ہو، اس کے مال ومتاع کو دوسرے تقسیم کر کے لے گئے ہوں اور جس نے حمل کے آخری دنوں میں اسے گرا دیا ہو اور بے چارگی کی حالت میں اس دنیا سے مر گئی ہو"۔

ان چھوٹے چھوٹے جملوں میں فصیح مثالیں اور بہت سارے باریک نکات چھپے ہوئے ہیں:

پہلا یہ کہ آپؑ نے عراق کے لوگوں کو عورت سے تشبیہ دی، کیوں کہ انہوں نے مرد ہوتے ہوئے بھی اپنی عزت و شرافت کا دفاع نہیں کیا، پھر ان کو اس عورت کے حمل سے تشبیہ دی، کیوں کہ اس عورت میں یہ خوبی تھی کہ کم از کم حکم امامؑ کی اطاعت میں رہتے ہوئے کامیابی کے ساتھ ایک بچے کو دنیا میں لا رہی تھی، تا کہ لوٹ مار کرنے والے شامیوں سے قرآن و اسلام اور مسلمانوں کو بچا سکے، لیکن افسوس، حمل کے آخری دنوں میں جہالت و ناسمجھی کی وجہ سے اس نے بچے کو گرا دیا۔

عمرو بن عاص کی عیاری اور مکاری نے اپنا کام کر دکھایا کہ قرآن مجید کے مقدس اوراق نیزوں کی نوک پر بلند ہوتے ہی عراق کے احمق عرب دھوکے میں آ گئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم اب قرآن سے جنگ نہیں کریں گے، لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیے، ادھر مالک اشترؒ لشکر شام کے فتنہ ساز خیمے کو گھیرے میں ڈال کر اس میں بیٹھے سازشی عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانے والے تھے، انہیں یہ کہلوا کر روک دیا گیا کہ مالک رک جاؤ، ورنہ ہم علیؑ کو قتل کر دیں گے۔

ایک ایسی عورت جو اپنے شوہر کو کھو دے اور دوسری شادی بھی نہ کرے اور ناامیدی ومصیبت زدہ اس دنیا سے چلی

---

(۱) املصت، کا مادّہ ملص ہے بروزن مست، یہ کسی چیز کے تیزی سے ہاتھ سے جانے کے معنی میں آتا ہے اور یہ بچے کے گرانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

(۲) تائم کا مادّہ ایم بروزن زید ہے، یہ کسی کے شوہر کے مرنے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی دونوں معنی میں آتا ہے، یعنی وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو یا وہ مرد جس کی بیوی مر گئی ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے تمام اموال دور کے رشتے دار آپس میں بانٹ کر لے جائیں گے، کیونکہ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے، جو اس کی زندگی کے کاموں کو جاری رکھے، نہ شوہر موجود ہے، جو اس پر آنسو بہائے اور فرض کر لیں کہ ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں۔

بزرگان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ امامؑ کے کلام کا یہ حصہ آئندہ آنے والے واقعات وحادثات کے لیے پیش گوئی ہے، آپؑ کی اس دوراندیشی سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ عراق کے لوگ اپنی غلط حکمت عملی کی وجہ سے جنگ صفین اور دوسری جنگوں میں بہت نقصان اٹھا چکے ہیں اور مصیبت و پریشانیوں میں مبتلا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے غلط فیصلوں اور احمقانہ رویّوں کی وجہ سے اپنے عظیم پیشوا امام علی علیہ السلام کو کھو بیٹھے۔ اور امامؑ کے جانشین (امام مجتبیٰ علیہ السلام) نے ان کی بے وفائی، سرکشی اور نافرمانی کے سبب انھیں چھوڑ دیا، جس کے سبب ان پر ایسے رہزن اور لٹیرے مسلط ہو گئے جنہوں نے ان کی زندگی تباہ کر دی۔

امامؑ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے اس نکتے کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ آپؑ کی ہجرت مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوری کے تحت تھی۔ کوفہ کے لوگ ایسے قابل ولائق نہ تھے کہ جن کی طرف امامؑ خوشی ورغبت سے تشریف لاتے، اس کے برعکس مدینے کے لوگ جن کی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت اور خوشی ورغبت سے ہجرت فرمائی، کیوں کہ حقیقت میں مدینے کے لوگ اس بات کے لائق وقابل تھے۔ فرماتے ہیں:

"مَا وَاللهِ!مَا أَتَيْتُكُمْ اخْتِيَارًا؛ وَلٰكِنْ جِئْتُ إِلَيْكُمْ (أَتَيْتُكُمْ) سَوْقًا"

"آگاہ ہوجاؤ، خدا کی قسم! میں اپنی مرضی سے تمھاری طرف نہیں آیا ہوں، بلکہ کسی مجبوری کے تحت مجھے یہاں آنا پڑا۔"

تاریخ بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ اگر جنگ جمل واقع نہ ہوئی ہوتی، تو امامؑ بصرہ کی طرف نہ جاتے اور حجاز کی فوج اگر عہد و پیمان توڑنے والی بصرے کی فوج کو منتشر کرنے کے لیے کافی ہوتی تو بے وفا کوفیوں سے مدد طلب نہ کرتے۔

اگر امیر شام کی دہشت گردی اسلامی مملکت کے لیے خطرہ پیدا نہ کرتی تو امامؑ اس کے مقابل اسلام و مسلمین کے دفاع میں کوفے کو اپنا پایۂ تخت نہ بناتے، بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار رحمت اور قبر زہراؑ اور سرزمین وحی کو چھوڑ کر کبھی کوفہ نہ جاتے۔ یہ گفتگو دراصل ایک یقینی سوال کا جواب ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ اگر کوفہ وعراق کے لوگ ایسی سرزنش اور ملامت کے مستحق تھے تو امامؑ نے انہیں اپنی فوج اور پیروکاروں میں شامل کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زمینی حقائق کے اعتبار سے اختیاری نہیں، بلکہ ایک مجبوری کا فیصلہ تھا۔

اپنی نسبت کوفے والوں کی بے ہودہ باتوں کا جواب دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"وَلَقَدْ بَلَغَنِيْ أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ: عَلِيٌّ يَكْذِبُ، قَاتَلَكُمُ اللهُ تَعَالٰى! فَعَلٰى مَنْ أَكْذِبُ؟ أَعَلَى اللهِ؟

https://downloadshiabooks.com/

فَأَنَا أَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِهِ! أَمْ عَلَى نَبِيِّهِ؟ فَأَنَا أَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهُ"

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ علیؑ حقیقت کے خلاف بیان کرتا ہے۔خدا تمہیں غارت کرے۔ میں نے کس کے ساتھ جھوٹ بولا ہے؟ کیا خدا کے حوالے سے؟ جب کہ میں اللہ کی ذات پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں یا، اللہ کے رسولؐ پر؟ حالانکہ میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق اور گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔"

اس لحاظ سے امامؑ کا مبارک زندگی نامہ بالکل واضح ہے کہ آپؑ ان بزرگوں میں سے ایک ہیں جو سب سے پہلے خدا کی ذات پر ایمان لائے، بلکہ ان کی زندگی کی تاریخ میں خدا پرستی کے سوا کسی چیز کا امکان نہیں۔اور اس سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینے اور تصدیق کرنے والا، اور ان کی مدد کرنے والا علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔آپؑ کا یہ کلام ممکن ہے اشارہ ہو ان غیب کی خبروں اور حوادث کی جانب کہ جو لوگوں کی نگاہوں اور کانوں سے مخفی تھے اور کوفے کے لوگوں میں بہت سے منافقین شامل تھے اور ہر چند کہ امیر المومنین علیہ السلام ان غیبی خبروں کو بعنوان "تَعَلُّمٌ مِنْ ذِي عِلْمٍ" بیان کر رہے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرماتے تھے، پھر بھی یہ تاریک دل اور کور باطن افراد انھیں جھٹلاتے تھے۔

ابن ابی الحدید کے مطابق اس گفتگو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام علی علیہ السلام کی زندگی کے مبارک لمحات پر غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ وہی منافقین تھے جو رسول خداؐ کے زمانے میں تھے یا وہ لوگ جو ان منافقین کی پیروی کرتے تھے۔یہ لوگ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اسی طرح امیر المومنینؑ کو جھٹلاتے تھے، گویا کہ امامؑ کے زمانے میں بھی وہی حالات پیدا کیے گئے جو حالات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درپیش تھے۔اگر کوئی قرآن کریم کی سورۂ برأت پر غور کرے اور جو جواب قرآن مجید نے منافقین کے لیے دیا ہے اسے اپنے سامنے رکھے تو واضح طور پر یہ چیز سامنے آئے گی کہ جس طرح رسول اللہؐ کے زمانے میں منافقین کی خواہشات اور آرزوؤں کی کیفیت تھی، امام علیؑ کے زمانے کے لوگوں کی بھی خواہشات اور آرزوؤں کی کیفیات اسی طرح تھیں۔[1] اور نہج البلاغہ کے بعض خطبوں میں بھی ان کی کیفیات سے متعلق باتیں موجود ہیں۔

جس نے سب سے پہلے خدا کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی عبادت کی ہو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے والا ہو، وہ ہستی کبھی بھی خدا اور رسولؐ کی نسبت جھوٹ نہیں باندھے گی۔اور جن مسائل کا پتا نہیں ان سے آگاہ نہیں کرے گی۔اس قسم کی غیر عاقلانہ گفتگو ان لوگوں کی ہے، جن کا ایمان درست نہیں اور ایمان و وحی کے نزدیک نہ تھے اور تقویٰ و پرہیز گاری سے دور تھے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۱۲۹ سے اقتباس۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسرے لفظوں میں یہ کہ امام علی علیہ السلام جتنے بھی علوم جانتے تھے حتیٰ کہ غیبی خبروں کے بارے میں بھی اطلاع دیتے تھے، یہ وہ دروس تھے جو انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے تھے۔ کیا ممکن ہے کہ ان دروس میں حقیقت کے خلاف کوئی بات پائی جائے؟ جب کہ آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے وفادار، سب سے بڑے مخلص، سب سے زیادہ علم و آگاہی رکھنے والے اور سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والے شاگرد تھے، لیکن منافقین اپنے مادّی منافع کے خواست گار تھے، ان مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا، کیوں کہ یہ مسائل ان کے ناپاک منافع کے خلاف تھے، بلکہ انہوں نے امام علی علیہ السلام کے جملوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں۔

امامؑ اس خطبے اور اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

"كَلَّا وَاللهِ. لٰكِنَّهَا لَهْجَةٌ (۱) غِبْتُمْ عَنْهَا، وَلَمْ تَكُونُوا مِنْ أَهْلِهَا"

"نہیں، خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے، جیسا کہ عقل کے اندھے منافقین خیال کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ حقیقت رکھتا ہے، جس سے تم بے خبر ہو اور تمہارے سامنے نہیں ہے، بلکہ تم ایسی باتیں سمجھنے سے قاصر ہو۔"

"وَيْلُ (۲) أُمِّهِ كَيْلًا بِغَيْرِ ثَمَنٍ! لَوْ كَانَ لَهُ وِعَاءٌ. وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ"

"اس قسم کی باتیں کرنے والوں کی مائیں ان کے غم میں بیٹھیں۔ اگر ان کے پاس حوصلہ ہوتا تو یہ چیزیں علم و دانش اور معرفت پروردگار کا ایسا پیمانہ تھیں، جو مفت میں ان کو حاصل تھا "لٰكِنَّهَا لَهْجَةٌ غِبْتُمْ عَنْهَا" لیکن ان لوگوں نے ضائع و برباد کر دیا اور بہت جلد اس کے بارے میں یہ لوگ جان لیں گے۔"

کلمہ لهجة پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے میں ایسی حقیقتیں اور مطالب پوشیدہ ہیں جو ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ آپؑ فرماتے ہیں، ان جملوں کے مطالب تم پر مخفی تھے اسی لیے تم نے انکار کیا اور مجھے جھٹلایا، تمہاری معلومات کم تھیں اور ناسمجھی کی وجہ سے تم پر یہ راز کھل نہ سکا، جسے میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور اللہ کی کتاب سے استفادہ کیا۔ چونکہ تم اس کے اہل نہ تھے اس بنا پر تم اس مشہور جملے کا مصداق ہو۔ "اَلنَّاسُ أَعْدَاءُ مَا جَهِلُوا" جس چیز سے لوگ واقف نہیں اسی کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور میری مخالفت کر دی اور دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

"وَيْلُ أُمِّهِ" کے جملے پر غور کریں تو یہ کبھی بد دعا کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی رحم دلی یا حیرت کے لیے آتا ہے۔

---

(۱) لهجة کا مادّہ لهج ہے، فلج کے وزن پر، یہ کبھی ملامت، کبھی مخلوط، کسی چیز کی خواہش کے معنی میں آیا ہے۔ اوپر کے مذکورہ جملے میں پوشیدہ راز اور خاص مفاہیم کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

(۲) لهجة کا مادّہ لهج ہے، فلج کے وزن پر، یہ کبھی ملامت، کبھی مخلوط، کسی چیز کی خواہش کے معنی میں آیا ہے۔ اوپر کے مذکورہ جملے میں پوشیدہ راز اور خاص مفاہیم کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نہج البلاغہ کے مفسرین کی طرف سے دوطرح کی تفسیریں ہوئی ہیں، کبھی کہا کہ امامؑ نے ان نااہل لوگوں کے حق میں جو زحمتیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں، ان کی ناقدرشناسی پر آپؑ نے افسوس کیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں اس کلمے سے مراد امامؑ کی حکومت میں مسلسل ان کی طرف سے منافقت اور فتنہ وفساد کو ہوا دینے پر ان کے حق میں آپؑ نے بددعا کی ہے۔ اور حالات واقعات کو دیکھتے ہوئے یہاں پر دوسرے معنیٰ مناسب تر ہیں۔

نکات

سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں علیؑ تھے۔

یہ صرف اس خطبے میں نہیں بلکہ نہج البلاغہ کے بعض دوسرے خطبوں میں بھی تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام ایمان لائے، اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا آپؐ پر ایمان لائیں۔ ان ذکر شدہ مطالب کی تاریخ اور اسلامی روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، مگر اہل سنّت کے بعض متعصب قلمکاروں نے جیسے کتاب "البدایۃ والنہایۃ" کے لکھنے والے نے ان صریح مطالب سے جو تاریخ اور اسلامی روایات کے مسلّمات میں سے ہیں، کسی نہ کسی بہانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس حقیقت کی روایات سے بھی تائید ہوتی ہے اور تاریخ سے بھی۔

علّامہ امینیؒ نے کتاب الغدیر، جلد سوّم میں تقریباً سو (۱۰۰) احادیث اس بارے میں اہل سنّت کی کتابوں سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث خود رسول اللہؐ سے نقل ہوئی ہیں اور بعض صحابہ سے یا تابعین سے نقل ہوئی ہیں۔ ان احادیث میں سے چند ایک بیان کرتے ہیں:

۱۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَوَّلُكُمْ وَارِدًا عَلَيَّ الْحَوْضَ أَوَّلُكُمْ إِسْلَامًا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ علیہ السلام" (۱)

"سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچنے والے علی ابن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔"

۲۔ ابن عباسؓ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

(۱) یہ حدیث حاکم نے مستدرک، جلد ۳، ص ۱۳۶، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ، جلد ۲، ص ۸۱ پر نقل کی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"إِنَّ أَوَّلَ مَنْ صَلّٰى مَعِيَ عَلِيٌّ علیہ السلام"

"جس نے سب سے پہلے میرے ساتھ نماز پڑھی، وہ علی علیہ السلام تھے۔"(۱)

۳۔خود امیر المومنینؑ کی باتیں تمام مسلمین میں قابل قبول ہیں۔ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"أَنَا عَبْدُ اللهِ وَ أَخُو رَسُولِ اللهِ وَ أَنَا الصِّدِّيقُ الْأَكْبَرُ، لَا يَقُولُهَا بَعْدِي إِلَّا كَاذِبٌ مُفْتَرٍ، وَ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ) قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِينَ، وَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ صَلّٰى مَعَهُ"

"میں خدا کا بندہ ہوں، رسول اللہ کا بھائی، اور صدیق اکبر یعنی سب سے بڑا تصدیق کرنے والا ہوں اور اس دعویٰ کو میرے بعد کوئی نہیں کرے گا، مگر سوائے جھوٹے اور تہمت لگانے والے کے۔ دوسروں سے سات سال پہلے میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور سب سے پہلے آپؐ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونے والوں میں سے ہوں۔"(۲)

۴۔حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے امیر شام کے دربار میں امیر شام اور اس کے طرف داروں کی جانب سے کیے گئے کچھ سوالات کے جو جوابات دیے، اُن میں سے ایک یہ تھا:

"أُنْشِدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَوَّلُ النَّاسِ إِيمَانًا"

"تمہیں خداوند متعال کی قسم دیتا ہوں، کیا تم اس بات کو جانتے ہو کہ علی بن ابی طالب علیہما السلام سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں میں سے تھے؟"(۳)

۵۔بہت سی معتبر کتابوں میں انس بن مالک سے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم تھا، نقل ہوا ہے، وہ کہتے ہیں:

"نُبِّئَ النَّبِيُّ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَ أَسْلَمَ عَلِيٌّ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ"

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن نبوت کے منصب پہ فائز ہوئے اور علی علیہ السلام منگل کے دن آپؐ پر ایمان لائے۔"(۴)

۶۔ابن عباسؓ کہتے ہیں:

ایک دن میں عمر کے پاس تھا، اسلام میں پیشرفت کے بارے میں بات ہوئی تو عمر نے کہا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے، ابوعبیدہ اور خلیفۂ اوّل کے سامنے علی علیہ السلام کی کچھ خصوصیات بیان فرمائی تھیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی امتیاز میرے

(۱) اس حدیث کو فرائد السمطین، باب ۷۴ میں چار طریقوں سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو اہل سنّت کی معروف شخصیات نے معتبر اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، نسائی نے خصائص ص ۳ پر، حاکم نے مستدرک، جلد ۳، ص ۱۱۲ پر، ابن ماجہ نے اپنی سنن، جلد ۱، ص ۵۷ پر، طبری نے تاریخ طبری، جلد ۲، ص ۲۱۳ پر نقل کیا ہے۔

(۳) اس حدیث کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۱۰۱ پر نقل کیا ہے۔

(۴) اس حدیث کو ترمذی نے کتاب جامع، جلد ۲، ص ۲۱۴، حاکم نے مستدرک، جلد ۳، ص ۱۱۲ پر نقل کیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

لیے ہوتا تو سورج کے چمکنے سے کہیں زیادہ میرے حق میں بہتر ہوتا۔ آپؐ نے علیؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

"یَا عَلِيُّ! أَنْتَ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ إِسْلَامًا وَ أَنْتَ أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا، وَ أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى"

اے علی! تم مسلمانوں میں سب سے پہلے مسلمان ہو اور مؤمنین میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو، تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، تم میرے وزیر اور میرے خلیفہ ہو۔ (۱)

۷۔ احمد بن حنبل نے جو برادران اہل سنّت کے چار ائمہ میں سے ایک ہیں، اپنی کتاب مسند میں حضرت امام علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

"لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ أَحَدٌ، سَبْعًا"

"میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات سال نماز پڑھی، جب کہ اس سے پہلے کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا تھا۔" (۲)

اس بارے میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں، ان سب کا ذکر یہاں طوالت کا سبب بنے گا۔

علّامہ امینیؒ نے ان احادیث کی طبقہ بندی کی ہے (احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احادیث امام علی علیہ السلام، احادیث امام حسن علیہ السلام، احادیث امام حسین علیہ السلام، صحابہ اور تابعین کے کلمات اور بہت سے وہ اشعار، جو معروف شعراء نے اس سلسلے میں کہے ہیں) اسی طرح نامور مؤرخین کی گواہی بھی ہے، جیسے طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن اثیر نے کامل میں، نصر بن مزاحم نے صفین میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد ۴، ص ۱۱۶ کے بعد منابع اہلسنّت سے اس موضوع سے مربوط احادیث کو نقل کیا ہے۔ (۳)

ایک اہم اعتراض کا جواب

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ تعصب کرنے والے اس بڑی فضیلت کا تاریخ اور دوسری کتابوں سے جب انکار نہ کر سکے تو بہانہ ڈھونڈ کر شب خون مارنے کی انہوں نے دوبارہ کوشش کی۔ ان میں سے اہم ترین اعتراض جو انہوں نے کیا: وہ کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت وہ دس سال کے تھے اور دس سال کے بچے کا اسلام کسی صورت قبول نہیں

(۱) بحار الانوار، جلد ۳۸، ص ۲۶۸ میں نقل ہوئی ہے۔
(۲) مسند احمد، جلد ۱، ص ۹۹، طبع دار الصادق۔
(۳) الغدیر، جلد ۳، ص ۲۱۸ کے بعد دیکھیے۔

https://downloadshiabooks.com/

ہوتا،فضائل علی علیہ السلام کے دشمنوں نے یہ بہانہ اس قدر پھیلا دیا کہ ہر چھوٹے بڑے نے یقین کرلیا کہ واقعاً دس سالہ بچے کا اسلام قبول نہیں ہوتا۔اور یہ نامناسب اعتراض ہے جب کہ یہاں مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ہم عباسی خلیفہ مامون الرشید اور اُس دور کے اہل سنّت کے علما میں سے ایک جن کا نام اسحاق ہے، ان دونوں کی گفتگو بیان کریں، تاکہ جواب مل سکے۔اس حدیث کو ابن عبدربہ نے کتاب عقد الفرائد میں نقل کیا ہے:

مامون نے اسحاق سے پوچھا:

"بتاؤ، جس دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث بہ رسالت ہوئے، اُس دن تمام اعمال سے بہتر افضل عمل کیا تھا؟"

اسحاق نے کہا:

"توحید اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خالص گواہی تھی۔"

مامون نے پوچھا:

"کیا تم کسی کو جانتے ہو کہ جس نے علی علیہ السلام پر اسلام لانے میں پہل کی ہو؟

اسحاق نے کہا:

علی علیہ السلام نے اس وقت اسلام لائے جب وہ چھوٹے تھے اور احکام الٰہی ان پر واجب نہیں ہوئے تھے۔

مامون نے پوچھا:

"کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر علی علیہ السلام اسلام نہیں لائے تھے؟ کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اسلام قبول نہیں کیا تھا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو دعوت اسلام دیں اور اس کا اسلام قبول نہ ہو؟"

اسحاق کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ [1]

مرحوم علّامہ امینی عقد الفرید کی اس داستان کو نقل کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں کہ ابوجعفر اسکافی معتزلی، متوفی ۲۴۰ ہجری، اپنے رسالے میں لکھتا ہے: لوگ جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام کو سب سے پہلے اسلام لانے کا اعزاز حاصل ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن مبعوث ہوئے اور علی علیہ السلام منگل کے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے۔اور یہ بات تو سب سے زیادہ مشہور ہے کہ آپؑ فرماتے کرتے تھے، مجھے دوسروں سے سات سال پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔

ہم نے اس سے پہلے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے اسلام کو ہلکا سمجھا ہے یا یہ کہ علی علیہ السلام نے بچپن

---

[1] عقد الفرید، جلد ۳، ص ۴۳۔

https://downloadshiabooks.com/

میں اسلام قبول کیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اور حمزہؓ اسلام قبول کرنے میں حضرت ابو طالب علیہ السلام کو دیکھتے رہے کہ ابو طالب علیہ السلام ایمان لائیں تو ہم بھی اسلام قبول کریں، ابو طالب علیہ السلام کا فرزند باپ کے انتظار میں نہیں رکا، بلکہ رسول اللہؐ کی دعوت اسلام پر فوراً لبیک کہا اور تصدیق کی۔ (۱)

المختصر یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے اسلام کو قبول کیا اور کوئی اگر ان کے اسلام کی قبولیت اور عمر شریف کو معتبر نہیں جانتا اور کہتا ہے کہ وہ چھوٹے تھے تو حقیقت میں اُس نے یہ اعتراض خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر کیا ہے کہ آپؐ نے علی علیہ السلام کے اسلام کو قبول کیا۔

روایات میں یوم الدار کی مشہور داستان میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کھانا تیار کیا اور قریش سے اپنے رشتے داروں کو دعوت پر بلایا اور انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ جس کسی نے بھی میری دعوت کو اسلام کے دفاع کے لیے قبول کیا وہ میرا وصی، بھائی اور جانشین ہوگا۔ اُس وقت سوائے علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے کسی نے بھی ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپؐ کی بیعت اور مدد کروں گا، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو آج کے بعد میرا بھائی، وصی اور میرا جانشین ہے۔ (۲)

کیا کوئی یہ مانتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن ایک نابالغ بچے کو جن کے بارے میں اعتراض و بہانہ کرنے والوں کا یہ کہنا تھا کہ ان کا اسلام قبول نہیں کیا تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا بھائی، وصی اور جانشین بنایا؟ اور دوسروں کو ان کی اطاعت و پیروی کرنے کا حکم فرمایا؟ اس وقت مشرکین قریش کے سرکردگان نے جو دعوت میں موجود تھے، ابو طالب علیہ السلام سے کہا، آج کے بعد تم اپنے بیٹے کی اطاعت کرو اور تمہیں ان کی پیروی کرنی چاہیے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے لیے حد بلوغ کو پہنچنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ خدا کی طرف سے بھیجے گئے بعض انبیاؑ بچپن سے ہی اس مقام پر فائز تھے، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾" (۳)

"ہم نے بچپنے میں انہیں نبوت عطا کی ہے۔"

---

(۱) الغدیر، جلد ۳، ص ۲۳۷۔

(۲) اس روایت کی اسناد حدیث یوم الدار کی ذیل میں بطور مشروع آئی ہیں، پیام قرآن، جلد ۹، ص ۳۲۶۔

(۳) سورۂ مریم، آیت ۱۲۔

https://downloadshiabooks.com/

اور داستان حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بھی آیا ہے کہ انہوں نے بچپنے میں اپنے توحید پرست ہونے کے بارے میں بات کی:

"إِنِّيْ عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا"۔ ①

"میں اللہ کا بندہ ہوں اور آسمانی کتاب کے ساتھ مجھے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

ان سب سے اہم تر بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے اسلام کو قبول کیا اور یوم الدار کے دن انہیں اپنا بھائی، وصی اور جانشین قرار دیا۔ بہر حال جو روایتوں میں آیا ہے کہ علی علیہ السلام نے سب سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور اس طرح آپؑ ایسی فضیلت رکھتے ہیں کہ کوئی اس مقام پر آپؑ کی برابری نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور امّت کی امامت و رہبری کے لیے آپؑ لائق ترین افراد میں سے تھے۔

---

① سورۂ مریم، آیت ۳۰۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

بہتر واں خطبہ

ومن خطبة له علیه السّلام ①

"عَلَّمَ فِيهَا النَّاسَ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَفِيهَا بَيَانُ صِفَاتِ اللهِ سُبْحَانَهُ وَ صِفَةِ النَّبِيِّ وَالدُّعَاءِ لَهُ"

جس میں لوگوں کو لوگوں کو نبی اکرمؐ پر درود بھیجنے کی تعلیم دی گئی ہے اور صفات خدا اور رسولؐ کا ذکر کیا گیا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

یہ خطبہ تین حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ: یہ حصہ بہت مختصر ہے خداوند متعال کی صفات بیان ہوئی ہیں، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام و درود کے سلسلے میں مقدمے کے طور پر ذکر ہوا ہے۔

دوسرا حصہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے طریقے کی تعلیم اور ان بزرگوار کی بہت ساری صفات اور انسانی معاشرے کے لیے ان کی بے مثال خدمات اور بہترین اور سچے آئین عطا کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ حقیقت میں اگر ہم اچھے طریقے سے آپؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں تو یہ آنحضرتؐ کی بے مثال خدمات اور قربانیوں کے سبب ہے۔

تیسرا حصہ: اس حصے میں مولا علی علیہ السلام انتہائی اثر انگیز انداز میں بارگاہ احدیت میں ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دعا و مناجات فرماتے ہیں اور ساتھ ہی دست بہ دعا ہوتے ہیں کہ ہمارا رابطہ ہمیشہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استوار

---

① سند خطبہ: اس خطبے کو بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے، ان میں سے کچھ لوگ سیّد رضیؒ سے بھی پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ خطبہ کتاب صحیفہ علویہ میں، ابن جوزی کے تذکرہ میں، الامالی بغدادی میں، ابن قتیبہ کی کتاب غریب الحدیث میں اور الغارات ثقفی میں نقل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بعض راویوں نے اس کے جملوں کا ذکر کرنے کے ساتھ اس کی تفسیر بھی کی ہے، جیسے ابن اثیر نے نہایہ میں، زمخشری نے فائق میں اور ابن منظور نے لسان العرب میں تفسیر کی ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۰)

https://downloadshiabooks.com/

رہے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ رہیں۔

پہلا حصہ

"اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ، وَ دَاعِمَ الْمَسْمُوكَاتِ، وَ جَابِلَ الْقُلُوبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا: شَقِيِّهَا وَ سَعِيدِهَا"

"اے خدا! اے فرش زمین کے بچھانے والے اور بلند ترین آسمانوں کو روکنے والے اور دلوں کو ان کی بد بخت یا نیک بخت فطرتوں پر پیدا کرنے والے۔"

شرح وتفسیر

اے بلند آسمانوں کو سنبھال کر رکھنے والے

خطبے کے اس حصے میں امامؑ خداوند متعال کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ (۱) الْمَدْحُوَّاتِ، وَ دَاعِمَ (۲) الْمَسْمُوكَاتِ (۳) وَ جَابِلَ (۴) الْقُلُوبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا: شَقِيِّهَا وَ سَعِيدِهَا"

"اے زمین کا فرش بچھانے والے، اور اے بلند آسمانوں کو روکے رکھنے والے، اے دلوں کو اچھی اور بُری فطرت پر پیدا کرنے والے، ان کی خواہش یا تو مصیبت و بدبختی پر ختم ہوگی یا سعادت و خوش بختی پر۔"

پہلے جملے میں آسمان اور زمین کی خلقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، دانشوروں کے مشہور نظریات کے مطابق ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا کے سیّاروں اور آسمان کی شکل وصورت کی خلقت شروع میں ایک ٹیلے کی شکل میں تھی، پھر یہ کسی ضرورت

(۱) داحی، کا مادّہ دحو بروزن محو ہے، اور پھیلانے کے معنی میں ہے، دحول الارض، اُس زمانے کی طرف اشارہ ہے جب پانی سے خشکی کے حصے باہر آئے اور پھیل گئے۔

(۲) داعم کا مادّہ دعم بروزن فہم ہے اور کدورت کے معنی میں آیا ہے اسی بنا پر خصوصی طور پر دعامہ ستون کے معنی میں ہے۔

(۳) مسموکات، کا مادّہ سمک بروزن سقف ہے اس کے معنی بلند کرنے کے ہیں اور یہ چھت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۴) جابل کا مادّہ جبل بروزن جبر ہے اس کے معنی پیدا کرنے والا ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

یا نامعلوم وجوہات کی بنا پر الگ الگ ہو کر اطراف میں پھیل گئے اور ان کے پھیلاؤ میں آج بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

زمین بھی شروع میں پانی کے نیچے چلی گئی تھی اس کے بعد پانی آہستہ آہستہ گہری جگہوں، درّوں اور بڑے بڑے زمینی کھڈوں میں بیٹھ گیا اور خشکی کے حصے پانی سے باہر نمودار ہونے لگے اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں پھیلاؤ سے جہاں بڑھتا رہا، یہاں تک کہ دریاؤں اور خشکی کے حصے واضح طور پر روشن ہوتے چلے گئے۔ اور آج بھی آسمانی پتھروں کو جذب کرنے کے باعث زمین کے پھیلاؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ [۱]

"اور ہم نے آسمانوں کو اپنے بل بوتے سے بنایا اور بے شک ہم میں سب قدرت ہے۔ اور زمین کو بھی ہم نے ہی بچھایا تو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔"

"دَاعِمَ الْمَسْمُوكَاتِ" کی تعبیر میں اجرام سماوی کی حفاظت اور نگہداشت کی جانب اشارہ ہوسکتا ہے جس میں تمام ثوابت وسیارگان اور کہکشائیں شامل ہیں جو ان کی آپس کی قوت جاذبہ (کشش ثقل) جو کہ درحقیقت ایک غیر مرئی ستون کی طرح ہے، اس کے وسیلے سے برقرار اور قائم رکھا گیا ہے۔ یہ (قوت جاذبہ) ایک ایسی طاقت ہے جس نے ان سیاروں اور ستاروں کو اس طرح اپنی جگہ برقرار رکھا ہے کہ کروڑوں سال گزر جانے کے باوجود ان کے درمیانی فاصلوں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

قرآن مجید کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ [۲]

"بے شک خدا ہی سارے آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر فرض کرو، یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو پھر اُس کے سوا انہیں کوئی روک نہیں سکتا، بے شک وہ بڑا بردبار اور بڑا بخشنے والا ہے۔"

"وَ جَابِلَ الْقُلُوب..." کے جملے سے مراد ایسے علوم الٰہی، فطری اور فائدہ مند غرائز و رجحانات ہیں کہ جنھیں پروردگار عالم نے انسانوں کے اندر قرار دیا ہے۔

غرائز و رجحانات کے یہ علوم ایسے اسباب کی طرح ہیں کہ انسان مادّی و معنوی راستوں کو طے کرنے کے طریقوں کو

---

[۱] سورۂ زاریات، آیات ۴۷، ۴۸۔

[۲] سورۂ فاطر، آیت ۴۱۔

https://downloadshiabooks.com/

پہچاننے اور خداوند متعال کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے لیے ان اسباب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی ان اسباب کے علاوہ کسی اور طریقے سے کوشش کرے گا تو یا وہ طریقہ بے کار ثابت ہوگا اگر کارگر ہوا بھی تو اس کا اثر بہت کم ہوگا۔

ممکن ہے کوئی مذکورہ جملے کے بارے میں یوں کہے کہ خداوند متعال نے سعادت وشقاوت کو انسانوں کی ذاتی صفت قرار دیا ہے، یعنی کچھ لوگوں کا سعادت منداور کچھ لوگوں کا ظالم وشقی ہونا ان کی ذاتی صفت ہے، جب کہ یہاں پر جملہ اپنا مفہوم یوں بیان نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ خداوند متعال نے تمام انسانوں کو چاہے وہ خوش بخت ہوں یا شقی ہوں، فطری طور پر کچھ ضروری غرائز بھی ان کے ساتھ عنایت کیے ہیں۔ اب کچھ لوگ انہیں درست اور صحیح طور پر استعمال کر کے سعادت مندی کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اور کچھ لوگ ان سے غلط فائدہ اٹھا کر شقاوت وقساوت اور بدبختی کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔

مشہور حدیث کے مطابق، جس میں فرماتے ہیں:

"كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ.." ①

"ہر پیدا ہونے والا بچہ ماں کے شکم سے اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔"

اور اس کی اصلیت سے انکار کی وجہ غلط تعلیم وتربیت ہے، جس کے آثار بعد میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اگر سعادت وشقاوت ذاتی ہوجائے تو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر کوئی اسی راستے پر چلتے ہوئے آگے بڑھنے پر مجبور اور لاچار ہے، پھر پیغمبروں کا آنا، آسمانی کتابوں کا نازل ہونا، احکام الٰہی کی ذمّے داری اور تکلیف اور ثواب و عتاب اور وہ تمام مسائل جو تعلیم وتربیت پر منحصر ہیں۔ اور ان کے علاوہ ان کے آثار ونتائج مکمل طور پر بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ اس چیز کو نہ عقلی اور نہ شرعی طور پر قبول کیا جائے گا۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّا هَدَيْنَٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾ ②

"ہم نے انسان کو صحیح راستے کی طرف ہدایت کر دی ہے چاہے وہ اس کا شکر کر کے قبول کریں یا کفران نعمت کر کے اسے چھوڑ دیں۔"

دوسری جگہ فرماتا ہے:

① اس حدیث کا مضمون کئی روایات میں آیا ہے، اس ضمن میں تقریباً بیس احادیث، علّامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں نقل کی ہیں، جلد ۳، کتاب التوحید، ص۲۷۶، ۲۸۱)

② سورۂ دھر، آیت ۳۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۝" [1]

"اور جان کی قسم اور جس نے اسے دُرست کیا، پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اسے سمجھا دیا۔"

بغیر اس کے کہ انسان جو کسی امر (سعادت یا شقاوت) کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ اس بنا پر خداوند متعال کے سامنے اور اپنی سوچ سمجھ کے حساب سے ان پر بہت بڑی ذمّے داری ہے۔

دوسرا حصّہ

"اِجۡعَلۡ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ، وَ نَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ، عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَرَسُوۡلِكَ الۡخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ، وَالۡفَاتِحِ لِمَا انۡغَلَقَ، وَالۡمُعۡلِنِ الۡحَقَّ بِالۡحَقِّ، وَالدَّافِعِ جَيۡشَاتِ الۡاَبَاطِيۡلِ، وَالدَّامِغِ صَوۡلَاتِ الۡاَضَالِيۡلِ، كَمَا حُمِّلَ فَاضۡطَلَعَ، قَائِمًا بِأَمۡرِكَ، مُسۡتَوۡفِزًا فِيۡ مَرۡضَاتِكَ، غَيۡرَ نَاكِلٍ عَنۡ قُدُمٍ، وَلَا وَاهٍ فِيۡ عَزۡمٍ، وَاعِيًا لِوَحۡيِكَ، حَافِظًا لِعَهۡدِكَ، مَاضِيًا عَلٰى نَفَاذِ أَمۡرِكَ؛ حَتّٰى أَوۡرَى قَبَسَ الۡقَابِسِ، وَأَضَاءَ الطَّرِيۡقَ لِلۡخَابِطِ، وَ هُدِيَتۡ بِهِ الۡقُلُوۡبُ بَعۡدَ خَوۡضَاتِ الۡفِتَنِ وَالۡآثَامِ، وَأَقَامَ بِمُوۡضِحَاتِ الۡاَعۡلَامِ، وَ نَيِّرَاتِ الۡاَحۡكَامِ، فَهُوَ أَمِيۡنُكَ الۡمَأۡمُوۡنُ، وَخَازِنُ عِلۡمِكَ الۡمَخۡزُوۡنِ، وَشَهِيۡدُكَ يَوۡمَ الدِّيۡنِ، وَبَعِيۡثُكَ بِالۡحَقِّ، وَ رَسُوۡلُكَ إِلَى الۡخَلۡقِ"

"اپنی پاکیزہ ترین اور مسلسل بڑھنے والی برکات کو اپنے بندے اور رسول آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرار دے جو سابق نبوتوں کے ختم کرنے والے، دل و دماغ کے بند دروازوں کو کھولنے والے، حق کے ذریعے حق کا اعلان کرنے والے باطل کے جوش و خروش کو دفع کرنے والے اور گمراہیوں کے حملوں کا سر کچلنے والے تھے۔ جو بار جس طرح ان کے حوالے کیا گیا ،انہوں نے اٹھالیا۔ تیرے امر کے ساتھ قیام کیا۔ تیری مرضی کی راہ میں تیز قدم بڑھاتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے سے انکار کیا اور نہ ان کے ارادوں میں کمزوری آئی۔ تیری وحی کو محفوظ کیا۔ تیرے عہد کی حفاظت کی، تیرے حکم کے نفاذ کی راہ میں بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ روشنی کی جستجو کرنے والوں کے لیے آگ روشن کردی اور گم کردہ راہ کے لیے راستہ واضح کردیا۔ ان کے ذریعے دلوں نے فتنوں اور گناہوں میں غرق رہنے کے بعد بھی ہدایت پائی اور انہوں نے راستہ دکھانے والے نشانات اور واضح احکام قائم کردیے۔ وہ تیرے امانت دار بندے، تیرے پوشیدہ علوم کے خزانہ دار روزِ قیامت کے لیے تیرے گواہ، حق کے ساتھ بھیجے ہوئے اور مخلوقات کی طرف تیرے نمائندے تھے۔"

---

[1] سورۂ والشمس، آیات ۷، ۸۔

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام

امامؑ نے اس وسیع خطبے میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک ذات پر برکات الٰہی کی کثرت کے ساتھ بہترین درود وسلام بھیجا ہے۔ اور بیس سے زیادہ اوصاف حمیدہ کے ذریعے آنحضرتؐ پر درود وسلام بھیجا ہے۔

فرماتے ہیں:

"اِجْعَلْ شَرَائِفَ[1] صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ[2] بَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ"

"پروردگارا! اپنی پاکیزہ ترین رحمتیں اور بڑھنے والی بہترین برکتیں اپنے بندے اور رسولؐ پر نازل فرما۔"

صلوات پروردگار کی نہ ختم ہونے والی رحمتیں ہیں اور برکات میں خداوند متعال کی گوناگوں نعمتیں شامل ہیں درود و برکات کا مجموعہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی سعادت اور نیکی اس سے باہر نہیں ہے۔

اس حصے میں حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں اوصافِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمن میں اہم ترین اور مشہور دوصفات بیان کی ہیں:

پہلی صفت: پہلا عبودیت کا مسئلہ یعنی اللہ کی بندگی اور اُس کی پرستش۔

دوسری صفت: رسالت ہے۔

ایک انسان کا پروردگار عالم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا فخر کا مقام ہے کہ اُس ذات کو تمام چیزوں کا مالک جانے اور اپنی بینائی اور سماعت کو اُس کے تابع فرمان بنادے، یہاں تک کہ جو کچھ ظاہراً اُس کے ہاتھ میں ہے اُسے اپنے پاس اللہ کی امانت سمجھے اور خوشنودی پروردگار کو حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔ اور خود کو اُس ذات بابرکات کے سپرد کر دے، جس طرح امیر المومنینؑ خداوند متعال کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں:

"إِلٰهِيْ كَفٰى بِيْ عِزًّا أَنْ أَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا وَ كَفٰى بِيْ فَخْرًا أَنْ تَكُوْنَ لِيْ رَبًّا"

---

[1] شرائف، شريفة کی جمع ہے اس کے معنی بیش قدر کے ہیں۔

[2] نوامی جمع ہے نامية کی، اس کا مادّہ نمو ہے اس کے معنی پھلنے پھولنے کے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

"خدایا! میرے لیے یہی عزت کافی ہے کہ میں تیرا بندہ بن کر رہوں اور میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے۔"(۱)

تیسری صفت:

"الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ"

ایسے پیغمبرؐ جو تمام انبیاؑ میں آخری نبی و رسولؐ ہیں

یہاں لفظ "ما" ذوی العقول یعنی صاحب عقل کے معنیٰ میں ہے اور سابق انبیاؑ کی طرف اشارہ ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور اگر صاحبان عقل کے معنی میں نہ ہو تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پچھلی شریعتوں کے خاتمے کی طرف اشارہ ہے۔

چوتھی اور پانچویں صفت:

"وَ الْفَاتِحِ لِمَا انْغَلَقَ، وَ الْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ"

"جس نے بند دروازوں کو کھولا اس نے حق کو حقیقت کے ذریعے روشن اور واضح کر دیا۔"

یہاں پر بند دروازوں اور الجھنوں سے مراد علم و دانش کے ابواب اور انسانوں کی اخلاقی اور اجتماعی مشکلات و مسائل ہیں کہ جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین، ہدایتوں اور طرز و دستور کے ذریعے کے لیے کھولا۔

حق کو حقیقت کے ساتھ واضح و روشن کرنے کا مطلب، ممکن ہے ان معجزات کی طرف اشارہ ہو کہ جنھوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو واضح طور پر بیان کیا۔ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان منطقی بیانات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جن میں حقائق کی شرح کی گئی ہے۔ یا ان مشکلات سے مراد وہ جنگیں اور غزوات ہیں کہ جن میں دشمنان اسلام کو دور کر دیا، تاکہ حق کی اصلی صورت کو دیکھ سکیں۔ یا ایسی مثالیں ہیں جو ایک دوسرے کی حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں، جیسے بعض آیات قرآنی کی مدد سے دیگر بعض آیات کی تفسیر ہوتی ہے، اور اس بات میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اگر ذکر شدہ چاروں معنیٰ یہاں پر جمع ہو جائیں۔

چھٹی اور ساتویں صفت:

(۱) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۴۰۰

"وَ الدَّافِعِ جَيْشَاتِ(۱) الْأَبَاطِيلِ، وَ الدَّامِغِ(۲) صَوْلَاتِ(۳) الْأَضَالِيلِ"

"وہ وہی ہستی ہے کہ جس نے باطل طاقتوں کے شور شرابے کو دبایا اور گمراہوں کے حملوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔"

ایک عمدہ مطلب یہ ہے کہ باطل کو شور شرابے اور گمراہی کو حملوں سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ان کے عمل سے مطابقت رکھتا ہے، باطل شور شرابہ کرتا ہے اور گمراہ بھی نہتے لوگوں پر حملہ کرنے کے راستے تلاش کرتا ہے۔

آٹھویں توصیف میں، جو کہ درحقیقت میں درود کا تقضا کیے جانے کی علّت ہے، فرماتے ہیں:

"كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ"(۴)

"ان تمام خرابیوں کے باوجود ہمت و جرأت اور قدرت کے ساتھ رسالت کی بھاری ذمے داری کو آپؐ نے اپنے دوش پر اٹھایا۔"

یہاں پر "كَمَا" سبب کے مقام پر ہے اور "لِأَنَّهُ" کے معنیٰ میں ہے۔ حقیقت میں اس بڑی ذمّے داری کو قوت و قدرت کے ساتھ برداشت کرنا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک ہے، جن کی وجہ سے ان پر بہترین طریقے سے درود بھیجا جاتا ہے۔

نویں اور دسویں صفت:

"قَائِماً بِأَمْرِكَ، مُسْتَوْفِزاً(۵) فِي مَرْضَاتِكَ"

"آنحضرتؐ نے تیرے حکم پر قیام فرمایا اور تیری رضا و خوشنودی کی راہ میں تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔"

حکم الٰہی کے اجرا کی راہ میں سر توڑ کوشش کرنے کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ انسان جب کسی اہم اور ضروری کام کے لیے اٹھتا ہے تو وہ بڑے انہماک سے اور دیگر تمام کاموں کو چھوڑ کر پہلے اس اہم کام کو نمٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان دو مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نہ صرف فرمان الٰہی کی اطاعت کرتے تھے، بلکہ ہر جگہ اس کی خوشنودی کے لیے حکم کے بغیر بھی جب کوئی بات آپؐ پر ظاہر ہوتی تو اس کام کو انجام دینے کے لیے تیزی سے اس کی طرف بڑھتے تھے۔

---

(۱) جیشات، جمع ہے جیشہ کی اس کا مادّہ جیش ہے بروزن عیش، یہ جوش و خروش کے معنی میں آیا ہے۔

(۲) دامغ کا مادّہ دمغ ہے بروزن ضرب، یہ سر پیٹنے اور پھوڑنے کے معنی میں آیا ہے۔

(۳) صولات، جمع ہے صولہ کی، چیرنے اور حملہ کرنے اور اونٹ کے کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۴) اضطلع، کا مادّہ اضطلاع ہے، یہ قوت و قدرت کے ساتھ کام کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ ضلع، بروزن جسم، مختلف حادثات کے مقابل قوت و قدرت کے ساتھ برداشت کرنے والے مضبوط اعصاب کے معنی میں آیا ہے۔

(۵) مستوفز، اس کا مادّہ استیفاز ہے یہ جلدی اور تیز چلنے کے معنی میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

گیارہویں اور بارہویں صفت:

"غَيْرَ نَاكِلٍ (۱) عَنْ قُدُمٍ (۲) وَلَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ"

"جب وہ تیرے حکم کی بجا آوری کے لیے قدم آگے بڑھاتے تھے تو کسی شک و شبہے میں ہرگز نہیں پڑتے تھے، پیچھے کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتے تھے اور اپنے عزم و ارادے میں سستی کو نہیں آنے دیتے تھے۔"

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے ارادوں اور کام کے شروع میں شوق و ذوق سے محنت کرتے ہیں، لیکن تھوڑا سا کام کرنے کے بعد وہ سستی و کاہلی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی کام میں شروع سے لے کر آخر تک جما رہے اور پورا ہونے تک کام کو جاری رکھے۔ تاریخ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دھمکیاں اور دھوکا دینے والوں کے آگے کبھی نہیں جھکے اور آپ نے راہ راست سے ہٹانے والی تمام پیش کشیں ٹھکرا دیں اور واضح طور پر فرمایا کہ "اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنا کام چھوڑنے والا نہیں ہوں۔" (۳)

تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں صفت:

"وَاعِيًا (۴) لِوَحْيِكَ، حَافِظًا لِعَهْدِكَ، مَاضِيًا عَلَى نَفَاذِ أَمْرِكَ"

"اور یہ اُس وقت کی بات ہے کہ تیری جانب سے وحی کا نزول شروع ہوا، اُنہوں نے اسے سمجھ داری کے ساتھ لیا اور تیرے عہد کو پورا کیا اور تیرے حکم کو بجا لانے کے لیے قدرت و ہمت سے آگے بڑھے۔"

اس کے بعد امیر المومنینؑ کلام کو جاری رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فداکاریوں اور دین اسلام کی راہ میں سعی و کوشش کو ضمناً بیان فرماتے ہوئے آپ کے دوسرے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔

سولہویں، سترہویں اور اٹھارہویں صفت:

---

(۱) ناکل، کا مادّہ نکول ہے، جس کے معنی ڈرنے اور واپس پلٹنے کے ہیں۔
(۲) قدم، معنی مصدری رکھتا ہے یعنی آگے بڑھنے اور پیش قدمی کرنے کے معنی میں ہے۔
(۳) کامل ابن اثیر، جلد ۱، ص ۴۸۹، یہ باتیں سیرہ ابن ہشام اور تاریخ طبری میں بھی آئی ہیں۔
(۴) واعی کا مادّہ وعی ہے بروزن وقت، کسی چیز کے سمجھنے اور حفاظت کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"حَتّٰى أَوْرٰى ① قَبَسَ ② الْقَابِسِ، وَ أَضَاءَ الطَّرِيْقَ لِلْخَابِطِ، ③ وَ هُدِيَتْ بِهِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ ④ الْفِتَنِ وَ الْآثَامِ"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راہ پر اس طرح آگے بڑھے کہ طالبانِ حق کے دلوں میں شعلۂ حق بھڑکا دیں اور ناآگاہ افراد کے لیے صراطِ حق کو روشن کر دیں۔ جو دل فتنوں اور گناہوں میں آلودہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت وجود سے ہدایت پا گئے۔"

اس کلام میں دینِ اسلام کی ہر سمت و جہت میں تیزی سے پیشرفت اور پھیلاؤ کی جانب اشارہ ہے۔ جزیرۂ عرب جو کفر و شرک کا گہوارہ اور جہالت و ظلم کی کان تھا، وہاں دینِ اسلام کی سرعت کے ساتھ قبولیت کی تصدیق ہر وہ شخص کرے گا، جو تاریخِ اسلام سے معمولی سی آگاہی بھی رکھتا ہے حتیٰ کہ دشمنانِ اسلام بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور جن کے دل فتنہ و فساد اور گناہوں سے آلودہ تھے، آپؐ کے وجودِ مبارک اور ہدایت کی وجہ سے راہِ راست پر آتے گئے۔ جزیرۂ عرب جو کفر و شرک اور جہالت و ظلمت کا گہوارہ تھا، گفتگو میں ہر طرف اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی طرف اشارہ ہے، کوئی بھی ایسا شخص جو اسلام کی تاریخ کے بارے میں تھوڑی سی بھی معلومات رکھتا ہو، وہ اس بات کی تصدیق کرے گا۔ اس بات کا دشمنانِ اسلام بھی اعتراف کرتے ہیں۔

انیسویں صفت:

"وَ أَقَامَ بِمُوْضِحَاتِ الْأَعْلَامِ، وَ نَيِّرَاتِ الْأَحْكَامِ"

"آپؐ نے حق کو واضح کرنے والا پرچم بلند کیا اور اسلام کے نورانی احکام کا اجرا کیا۔"

حقیقت میں یہ اس لیے بیان ہوا ہے کہ معرفت کی راہ اختیار کرنے والے افراد خطا اور غلطی سے بچیں اور بے راہ روی اختیار نہ کریں، حق کے راستے میں جگہ جگہ رہنمائی کے لیے جھنڈے اور علامات نصب ہو جائیں، تاکہ تمام شاہراہوں کی تاریکی کو اسلام کی نورانیت سے روشن کیا جائے۔ یہ وہ کام تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیے۔ اور ہر حقیقت کے لیے ایک نشانی قرار دے کر اس کی حفاظت کے لیے محافظ معین فرمائے۔ ان میں سے بہت سے احکام جیسے پانچ وقت کی نمازیں اور نمازِ جمعہ اپنی مخصوص شان و شوکت کے ساتھ اور خداوند متعال کے گھر کی زیارت یعنی حج بیت اللہ زندہ مثالیں ہیں۔ یہ وہی

---

① اوری کا مادّہ وری، بروزن نفی ہے، آگ سے شعلہ نکلنے کے معنی میں ہے اور "اوری" جو فعل متعدی ہے، آگ میں مزید شعلے بھڑکانے کے معنی میں آیا ہے۔

② قبس بروزن قفس، معمولی آگ کے معنی میں ہے۔

③ خابط، کا مادّہ، خبط ہے بروزن ضبط، غلط راہ پر چلنے کے معنی میں ہے۔

④ خوضات جمع ہے خوضہ کی، اس کا مادّہ خوض ہے بروزن حوض، آہستہ آہستہ پانی میں اترنے اور آرام آرام سے تیرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ وارد ہونے یا کام شروع کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یا سخت اور ناپسندیدہ گفتگو کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نشانیاں اور روشن شمعیں ہیں، جو راہِ حق پر چلنے والوں کو گمراہ ہونے سے بچاتی ہیں۔ اور اسی طرح دوسرے احکام مثلاً اجتماعی، تربیتی و سیاسی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ اس حصے کے آخر میں پانچ صفات کا اضافہ کرتے ہیں۔

اور اس طرح پچھلی صفات کو شامل کرتے ہوئے مجموعی طور پر چوبیس صفات سے ایک نتیجہ اخذ فرمایا، جس میں گزشتہ تمام مباحث کی جانب اشارہ ہے، فرماتے ہیں:

"فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونِ، وَ شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ، و بَعِيثُكَ بِالْحَقِّ، وَ رَسُولُكَ إِلَى الْخَلْقِ"

"پروردگار! بے شک یہ تیرا قابل اعتماد اور امین بندہ ہے، تیرے علمی خزانوں کا امانت دار ہے، اور تیرے روزِ آخرت کا شاہد و گواہ ہے، اور لوگوں کو تیرے حکم اور حقائق کی طرف شوق دلانے والا ہے، اور مخلوقات کی طرف تیرا بھیجا گیا رسولؐ ہے۔"

ان پانچ صفات میں بعض مقدمہ ہیں اور بعض ایک دوسرے کا نتیجہ ہیں۔ ان میں خداوند متعال کا امین اور خزانہ دار ہونا، مخلوقات کی طرف بطور رسول بھیجے جانے کے لیے مقدمہ ہے۔ حق کے ساتھ مبعوث ہونا اور روز قیامت پر گواہ ہونا یہ رسالت کا نتیجہ ہے۔

"أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ" کی مثال آنحضرتؐ کی بہترین امانت داری کے لیے حقیقت میں تاکید ہے، یہ آپؐ کی عظمت کی بلندی کی طرف اشارہ ہے، جو نبوت کی اہم شرائط میں سے ہے اور خداوند متعال کے علمی خزانوں کے خزانہ دار ہونے سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پوشیدہ اور غیب کی باتوں سے آگاہ و مطلع ہونا ہے، جیسا کہ ہم نے ان چیزوں کو ان کے مخصوص مقام پر بیان کیا ہے کہ پیغمبروں اور اماموں کو غیب کی باتوں سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ اپنے پیغام کو مکمل طور پر لوگوں تک نہیں پہنچا سکتے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝۲۷ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝۲۸ [1]

"خداوند متعال غیب کا حال جاننے والا ہے، کسی کو بھی غیب کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ نہیں کرتا، مگر اپنے جس پیغمبر کو پسند فرمائے اس کے دائیں بائیں محافظ مقرر کر دیتا ہے، تاکہ یہ دیکھ لے کہ اس کے پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے

[1] سورۂ جن، آیات ۲۶ تا ۲۸۔

پیغامات اچھی طرح پہنچا دیے ہیں۔"

"وَ شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ" کا جملہ قرآن مجید میں بیان کردہ ان مطالب کی طرف کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے اعمال پر گواہ اور تمام امتوں کے گواہوں پر بھی گواہ ہیں، اشارہ ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ [1]

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا، تاکہ لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسولؐ تم پر گواہ ہیں۔"

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ [2]

"اور قیامت کے دن ہم ہر گروہ کے خلاف ان ہی میں کا ایک گواہ اٹھائیں گے اور پیغمبر آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لے آئیں گے۔"

جہاں تک گواہی دینے کی بات ہے وہ مقام علم و آگاہی کی آخری منزل ہے اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب اور پوشیدہ رازوں سے آگاہی پر خود ایک دلیل ہے۔

تیسرا حصّہ

"اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهُ مَفْسَحًا فِيْ ظِلِّكَ وَاجْزِهِ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ. اَللّٰهُمَّ وَ أَعْلِ عَلٰى بِنَاءِ الْبَانِيْنَ بِنَاءَهُ، وَأَكْرِمْ لَدَيْكَ مَنْزِلَتَهُ، وَأَتْمِمْ لَهُ نُوْرَهُ، وَاجْزِهِ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهُ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ، مَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ، ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ، وَ خُطْبَةٍ فَصْلٍ. اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ فِيْ بَرْدِ الْعَيْشِ وَ قَرَارِ النِّعْمَةِ، وَمُنَى الشَّهَوَاتِ، وَأَهْوَاءِ اللَّذَّاتِ، وَرَخَاءِ الدَّعَةِ، وَمُنْتَهَى الطُّمَأْنِيْنَةِ، وَتُحَفِ الْكَرَامَةِ"

"خدایا! ان کے لیے اپنے سایۂ رحمت میں وسیع ترین منزل قرار دیدے اور ان کے خیر کو اپنے فضل سے دگنا چوگنا کر دے۔ اے معبود! ان کی عمارت کو تمام عمارتوں سے بلند تر اور ان کی منزل کو اپنے پاس بزرگ تر بنا دے۔ ان کے نور کی تکمیل فرما اور اپنی رسالت کے صلے میں انہیں مقبول شہادت اور پسندیدہ اقوال کا انعام عنایت کر کہ ان کی گفتگو ہمیشہ عادلانہ اور ان کا فیصلہ ہمیشہ حق و باطل کے درمیان حد فاصل رہا ہے۔ خدایا! ہمیں ان کے ساتھ خوشگوار زندگی، نعمتوں کی منزل،

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳۔

[2] سورۂ نحل، آیت ۸۹۔

https://downloadshiabooks.com/

خواہشات اور لذتوں کی تکمیل کے مرکز، آرائش و طمانیت کے مقام اور کرامت و شرافت کے تحفوں کی منزل پر جمع کر دے۔"

شرح وتفسیر

پروردگارا! ہمیں آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ قرار دے

امامؑ خطبے کے اس حصے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایک جامع دعا فرماتے ہیں۔ درحقیقت آنحضرتؐ بارے میں ہمیں دعا کرنے کا سلیقہ سکھا رہے ہیں، اس کے علاوہ ایک جامع دعا اپنے لیے اور اپنے دوستوں، پیروکاروں کے حق میں فرماتے ہیں۔

پہلے حصے میں ان دعاؤں میں پروردگارِ عالم سے چھے(۶) چیزیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے طلب کرتے ہیں:

پہلی:

"اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهُ مَفْسَحًا فِيْ ظِلِّكَ" [۱]

پروردگارا! اپنے لطف وکرم کے سائے میں انہیں وسیع جگہ عنایت فرما۔

ظل کے معنی سایہ ہیں، ممکن ہے یہ معنیٰ یہاں پر کنائے کے طور پر استعمال ہوئے ہوں اور خداوند متعال کے لطف و کرم اور اس کے جود و بخشش یا حقیقی معنیٰ اور بہشت کے سایوں کی طرف اشارہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ بہشت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے میں گھوڑ سوار شخص ایک سو(۱۰۰) سال تک سفر کر سکتا ہے۔ [۲]

دوسری:

"وَاجْزِهِ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ"

"تُو اپنے فضل وکرم سے ان کے لیے رسالت کے اجر وثواب کو دُگنا عطا کر دے۔"

یہ بات سب پر واضح ہے کہ خداوند متعال اجر وثواب ہمیشہ دُگنا یا کئی گنا عطا کرتا ہے، کیوں کہ اُس کا فضل وکرم خود بہ خود وجود میں آتا ہے اور اعمال کا اس کے برابر ہونا شرط نہیں ہے، لیکن یہاں پر ان بزرگوار کے لیے زیادہ اجر وثواب

---

[۱] افسح کا مادّہ فسح ہے، بروزن فسخ بہت بڑی جگہ۔

[۲] مجمع البیان، جلد ۹، ۱۰، ص ۲۱۸، سورۂ واقعہ، آیت ۳۰ کے ذیل میں۔

https://downloadshiabooks.com/

طلب کر رہے ہیں۔

تیسری اور چوتھی:

"اَللّٰهُمَّ وَأَعْلِ عَلٰى بِنَاءِ الْبَانِيْنَ بِنَاءَهُ، وَأَكْرِمْ لَدَيْكَ مَنْزِلَتَهُ"

"پروردگارا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس محل میں زندگی بسر کریں گے اسے تمام عمارتوں سے بہتر اور ان کی شان ومنزلت کو عزت واحترام عطا فرما۔"

یہاں پر "بناء" سے مراد دین ومذہب کے دستورات ہیں، جنھیں ادیان عالم پر برتری عطا ہوئی یا آپ کا مقام ومرتبہ ہے جو تمام مخلوقات میں سب سے ممتاز ہے۔

پانچویں اور چھٹی:

"وَأَتْمِمْ لَهُ نُوْرَهُ، وَاجْزِهِ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهُ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ، مَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ، ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ، وَخُطْبَةٍ فَصْلٍ"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو تمام عالم میں مزید تقویت دے کر کامل فرما۔ اور رسالت کے اجر وثواب کو امت کی شفاعت اور ان کی باتوں کی قبولیت پر گواہ قرار دے، کیوں ان کا کردار اور دلنشین گفتگو حق و باطل کو جدا کرنے کے سلسلے میں عادلانہ ومنصفانہ تھی۔"

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اجر وثواب کو امّت کی شفاعت قرار دیا ہے، جس چیز کی برکت ومہربانی دوسروں کی طرف پلٹ جائے، یہ آنحضرتؐ کی کرامت اور لطف ومہربانی کی انتہا ہے۔ آپؐ کو شفاعت اور گواہی ایسے ہی نہیں ملی ہے، بلکہ آپؐ کی عادلانہ گفتار اور حق و باطل کو جدا کرنے والی باتوں کی وجہ سے عطا ہوئی ہے۔ اگر کوئی کسی قوم یا شخص کی سفارش کرے تو سفارش کرنے کی لیاقت وصلاحیت اس میں پائی جاتی ہے، اور یہ وہی چیز ہے جسے ہم نے شفاعت وسفارش کی بحث میں بیان کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت کی جا رہی ہے، ان کے درمیان معنوی رابطے کا ہونا نہایت ضروری ہے اور جس نے دنیا کی ہر چیز سے اپنا ناتا توڑ لیا ہو، کیا وہ شفاعت وگواہی کے لائق نہیں ہے؟ یہ وہی مقام محمود ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے:

"وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" ﴿۷۹﴾ [۱]

اور رات کے ایک خاص حصے میں اٹھ کر قرآن ونماز پڑھو، یہ تمہارے لیے ایک اضافی وظیفہ ہے، تاکہ تمہارا

[۱] سورۂ اسراء، آیت ۷۹۔

https://downloadshiabooks.com/

پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچا سکے۔

اپنے اور دوستوں کے حق میں دعا

امیر المومنینؑ خطبے کے آخری حصے میں خود کے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے دعا فرماتے ہیں، مختصر یہ ہے کہ اعلیٰ ترین اور بہترین نعمتیں پروردگار سے چاہتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ فِيْ بَرْدِ الْعَيْشِ وَقَرَارِ النِّعْمَةِ، وَمُنَى الشَّهَوَاتِ، وَأَهْوَاءِ اللَّذَّاتِ، وَرَخَاءِ الدَّعَةِ، وَمُنْتَهَى الطُّمَأْنِينَةِ، وَتُحَفِ الْكَرَامَةِ." (۱)

"پروردگارا! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جن کی مبارک زندگی ہمارے درمیان ہمیشہ رہنے والی نعمت کی طرح ہے اور روح اور قلب کے اطمینان کے لیے مکمل آرام عطا فرما اور ان کے ساتھ تمام قیمتی تحائف میں ہمیں بھی حصہ دار قرار دے۔"

یہ سات صفات بہشت بریں کے اوصاف میں سے ہیں، تمام صفات و برکات، آرام و آسائش، اللہ کی جانب سے کرامتیں، بے مثال دنیاوی اور معنوی لذتوں والی نعمتیں جو ہمیشہ رہنے والی ہیں، آپؐ کے ساتھ ہمیں بھی عطا فرما۔

نکتہ

پیغمبر اکرمؐ پر درود وسلام کی غیر معمولی اہمیت

گزشتہ بیان میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجے جانے والے درود وسلام کی گراں قدر اہمیت بیان ہوئی ہے اور ہم اس مطلب کی اہمیت کو اسلامی دستورات کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی روایات میں درود وصلوات کی بے انتہا اہمیت بیان ہوئی ہے۔ شیعہ وسنی کتابوں میں آپؐ پر درود وسلام بھیجنے کے بڑے اجر وثواب ذکر ہوئے ہیں۔ قارئین کرام کے مطالعے کے لیے ان روایات میں سے بعض کو ہم یہاں تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ امیر المومنینؑ اس سلسلے میں ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"أَلصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ أَمْحَقُ لِلْخَطَايَا مِنَ الْمَاءِ إِلَى النَّارِ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ أَفْضَلُ مِنْ

---

(۱) دعة، کا مادّہ وداع ہے، معنی چھوڑ کر الگ ہونا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

عِتْقِ رِقَابٍ"

"بھڑکتی ہوئی آگ جس طرح بجھا دی جاتی ہے اسی طرح گناہوں کو محمد وآل محمد علیہم السلام پر سلام ودرود بھیج کر پاک کردو، محمد وآل محمد علیہم السلام پر صلوات بھیجنا غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر ہے۔"[۱]

۲۔حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"إِذَا ذُكِرَ النَّبِيُّ فَأَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ أَلْفَ صَلَاةٍ فِيْ أَلْفِ صَفٍّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَلَمْ يَبْقَ شَيْئٌ مِمَّا خَلَقَهُ اللهُ إِلَّا صَلَّى عَلَى (ذٰلِكَ) الْعَبْدِ لِصَلَاةِ اللهِ عَلَيْهِ وَصَلَاةِ مَلَائِكَتِهِ فَمَنْ لَمْ يَرْغَبْ فِيْ هٰذَا فَهُوَ جَاهِلٌ مَغْرُوْرٌ قَدْ بَرِءَ اللهُ مِنْهُ وَرَسُوْلُهُ وَأَهْلُ بَيْتِهِ"

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک جب بھی سنیں یا نام لیا جائے تو اُن کی ذات پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجیں، کیوں کہ جو شخص رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو فرشتوں کی ایک ہزار صفیں اُس پر ہزار مرتبہ صلوات بھیجتی ہیں۔ اور خداوند متعال کی تمام مخلوق، فرشتگان، اُس پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور جو اس قسم کے بڑے ثواب سے محروم رہے وہ متکبر اور جاہل ہے اور خدا اور رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ ایسے لوگوں سے بیزار ہیں۔"[۲]

۳۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰى يُصَلِّىٰ عَلَى النَّبِيِّ"

"کوئی دعا قبولیت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی، جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام نہ بھیجی جائے۔"[۳]

۴۔ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"أَلصَّلَاةُ عَلَيَّ نُوْرٌ عَلَى الصِّرَاطِ"

"مجھ پر بھیجے جانے والی صلوات قیامت کے دن نور کے پل کا کام دے گی۔"[۴]

۵۔حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے فرمایا:

"مَا فِي الْمِيْزَانِ شَيْئٌ أَثْقَلَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَتُوْضَعُ أَعْمَالُهُ فِي

---

[۱] ثواب الاعمال، شیخ صدوقؒ، ص ۱۸۵۔

[۲] بحار الانوار، جلد ۱۷، ص ۳۰۔

[۳] کنز العمال، جلد ۱، ص ۴۹۰، حدیث ۲۱۴۹، ۲۱۵۳۔

[۴] کنز العمال، جلد ۱، ص ۴۹۰، حدیث ۲۱۴۹، ۲۱۵۳۔

https://downloadshiabooks.com/

الْمِيْزَانِ فَتَمِيْلُ بِهٖ فَيَخْرُجُ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ فَيَضَعُهَا فِيْ مِيْزَانِهٖ فَيَرْجَحُ بِهٖ"

"قیامت کے دن ترازو کے پلڑے میں محمد وآل محمد علیہم السلام پر بھیجی ہوئی صلوات سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ لوگوں کے اعمال جب ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے، وہ بہت ہی کم وزن ہوں گے، اُس وقت محمد وآل محمد علیہم السلام پر بھیجے ہوئے درود وسلام کو اس پر رکھا جائے گا تو ان کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا۔"[۱]

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت ہے:

"صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ عَلَيَّ زَكَاةٌ لَكُمْ"

"مجھ پر صلوات بھیجو، اس لیے کہ مجھ پر درود وسلام بھیجنے سے تمہاری روح اور جان پروان چڑھتی ہے۔"[۲]

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اور حدیث میں آیا ہے:

"إِذَا كَانَ يَوْمُ الْخَمِيْسِ بَعَثَ اللهُ مَلَائِكَةً مَعَهُمْ صُحُفٌ مِنْ فِضَّةٍ وَ أَقْلَامٌ مِنْ ذَهَبٍ يَكْتُبُوْنَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ أَكْثَرَ النَّاسِ عَلَيَّ صَلَاةً"

"جمعرات کے دن خداوند متعال فرشتوں کے گروہ کو چاندی کے اوراق اور سونے کے قلموں کے ساتھ زمین پر بھیج دیتا ہے، تا کہ جمعرات اور جمعہ کے دن مجھ پر سب سے زیادہ درود وسلام بھیجنے والوں کے نام لکھیں۔"[۳]

۸۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل فرمائی:

"أَلَا أُبَشِّرُكَ؟ قَالَ: بَلٰى بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ فَإِنَّكَ لَمْ تَزَلْ مُبَشِّرًا بِكُلِّ خَيْرٍ. فَقَالَ: أَخْبَرَنِيْ جَبْرَئِيْلُ آنِفًا بِالْعَجَبِ. فَقَالَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ: وَمَا الَّذِيْ أَخْبَرَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَنَّ الرَّجُلَ مِنْ أُمَّتِيْ إِذَا صَلّٰى عَلَيَّ فَأَتْبَعَ بِالصَّلَاةِ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِيْ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ سَبْعِيْنَ صَلَاةً وَأَنَّهُ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُذْنِبِيْنَ تَحَاتُّ عَنْهُ الذُّنُوْبُ كَمَا تَحَاتُّ الْوَرَقُ مِنَ الشَّجَرِ"

"آپؐ نے امام علیؑ سے فرمایا:

"اے علیؑ! کیا تمہیں ایک خوش خبری دوں؟"

امام علیؑ نے کہا:

---

[۱] وسائل الشیعہ، جلد ۴، ص ۱۲۱۰، باب ۳۴۔
[۲] کنز العمال، جلد ۱، ص ۴۹۴، حدیث ۲۱۸۲۔
[۳] کنز العمال، جلد ۱، حدیث ۲۱۷۷۔

https://downloadshiabooks.com/

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، ارشاد فرمایئے، کیوں کہ آپؐ ہمیشہ تمام نیکیوں کی خوش خبری دیتے رہے ہیں۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جبریل امینؑ نے مجھے ایک عجیب وغریب خبر دی ہے۔"

امیر المومنینؑ نے پوچھا:

"یارسول اللہؐ! جبریلؑ نے کیا خبر دی ہے؟"

ارشاد فرمایا:

"میری امّت میں سے کوئی جب مجھ پر اور میرے اہل بیتؑ پر صلوات بھیجتا ہے تو خداوند متعال آسمان کے دروازوں کو اُس پر کھول دیتا ہے اور اللہ کے فرشتے ستر (۷۰) مرتبہ اس پر صلوات بھیجتے ہیں اور اگر وہ گناہگاروں میں سے ہے تو اس کے گناہ اس طرح ختم ہوجاتے ہیں، جس طرح خزاں میں درختوں سے پتّے جھڑ جاتے ہیں۔"[1]

۹۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت نقل ہوئی ہے:

"أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ فَإِنَّ اللهَ وَكَّلَ بِيْ مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِيْ فَإِذَا صَلَّى عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِيْ قَالَ ذٰلِكَ الْمَلَكُ يَا مُحَمَّدُ: إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ"

"مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوات بھیجا کرو، کیوں کہ خداوند متعال نے ایک فرشتہ میری قبر پر مامور کیا ہے، اس کی ذمّے داری ہے کہ میری امّت میں سے جو مجھ پر صلوات بھیجتا ہے، وہ کہتا ہے کہ فلاں ابن فلاں نے ابھی ابھی آپؐ پر درود و سلام بھیجا ہے۔"[2]

۱۰۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی ہے:

"مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا اِسْتَأْنَفَ الْعَمَلَ"

"جو کوئی یقین کامل اور خدا کی خاطر مجھ پر صلوات بھیجتا ہے، اُس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ گویا وہ اپنے اعمال کا از سرِ نو آغاز کرے گا۔"[3]

۱۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام صرف پڑھتے وقت ہی نہیں، بلکہ لکھتے وقت بھی صلوات بھیجنے کی تاکید ہوئی

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد ۴، ص ۱۲۱۰، باب ۳۴۔

[2] کنز العمال، جلد ۱ ص ۴۹۴، ۲۱۸۱۔

[3] وسائل الشیعہ، جلد ۴، ص ۱۲۱۰، باب ۳۴۔

https://downloadshiabooks.com/

ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

"مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَادَامَ اسْمِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ"

"جب کوئی لکھتے وقت مجھ پر صلوات بھیجتا ہے تو اللہ کا فرشتہ اس نوشتے میں میرا نام لکھا ہوا دیکھتا ہے تو لکھنے والے کی مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے۔"(۱)

۱۲۔ حضرت عائشہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللهَ غَدًا رَاضِيًا فَلْيُكْثِرِ الصَّلَاةَ عَلَيَّ"

"جو قیامت کے دن خدا سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہے اور چاہتا ہے کہ خدا اُس سے خوشنود ہو اُسے چاہیے کہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوات بھیجے۔"(۲)

المختصر یہ کہ اس بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں کہ محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود وسلام بھیجنے کی بہت بڑی فضیلت، اہمیت اور فوائد بیان ہوئے ہیں، یعنی نیک اعمال میں سے مختصر ترین عمل کا اتنا زیادہ ثواب اور فضیلت اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتی ہے۔ اور ان بارہ احادیث میں جن مطالب کا ذکر ہم نے کیا ہے، وہ ان فضائل کا ایک مختصر حصہ ہے۔

چند سوالات کے جوابات

اتنی زیادہ اہمیت کیوں؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجے جانے والی صلوات کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ اس میں جو راز اور فلسفہ ہے وہ یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے مقام ومنزلت کی بلندی فراموش نہ ہو۔ اس کا لازمہ یہ ہے اسلام کے اصول لوگوں کے ہاتھ سے نہ چھوٹیں اور دین کے قوانین پر عمل ہوتا رہے اور اسلام کی سلامتی کا راز محمد وآل محمد علیہم السلام پر صلوات بھیجنے میں پوشیدہ اور آپؐ کا مبارک نام اسلام کی بقا کا ضامن ہے۔

دوسرے یہ کہ صلوات و درود سے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے کی بلندی سے بیشتر آگاہی حاصل کرسکتے

(۱) کنزالعمال، جلد ۱، ص ۵۰۷، حدیث ۲۲۴۳۔
(۲) کنزالعمال، جلد ۱، ص ۵۰۴، حدیث ۲۲۲۹۔

https://downloadshiabooks.com/

ہیں اور اُن کے بہترین اخلاق و اعمال اور نیک صفات کو نمونۂ عمل بنائیں۔ لہٰذا بعض مثالوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کا بھیجنا اخلاق کی پاکیزگی، اعمال کی طہارت اور ہمارے گناہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے کا سبب ہے۔

چنانچہ زیارت جامعہ میں ہم پڑھتے ہیں:

"وَ جَعَلَ صَلاَتَنَا عَلَيْكُمْ وَ مَا خَصَّنَا بِهِ مِنْ وِلاَيَتِكُمْ طِيباً لِخُلْقِنَا وَ طَهَارَةً لِاَنْفُسِنَا وَ تَزْكِيَةً لَنَا وَ كَفَّارَةً لِذُنُوبِنَا" (۱)

"خداوند متعال نے آپؐ پر درود و سلام بھیجنے اور آلِ محمدؑ کی نسبت ولایت کو ہمارے لیے اخلاق کی پاکیزگی، نفسوں کی طہارت، معنوی اعتبار سے رشد و ہدایت اور گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے۔"

متعدد روایات میں محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھیجتے وقت گناہ بخشے جانے، کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے اور جب صلوات و درود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمدؑ پر بھیجے جاتے ہیں تو پروردگار عالم، اپنی رحمت میں سے تازہ رحمتیں ان کی ارواح مطہرات پر نازل فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ پر درود و سلام بھیجنا حق شناسی، قدردانی اور تشکر ہے اُن تکالیف کے مقابل جو آپؐ نے امّت کی ہدایت کی راہ میں جھیلیں۔ اور بے شک یہ اجر و ثواب اور قدردانی اللہ کی طرف سے ہے۔

کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجنے کا کوئی اثر ہے؟

جواب: کچھ ناسمجھ اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ چوں کہ جن بلند مقامات پر پہنچنا تھا، ان پر وہ فائز ہوگئے، اب صلوات بھیجنے سے آپؐ کی عظمت کی بلندی میں اور کیا اضافہ ہوسکتا ہے؟ لیکن ان کی بات میں کمزوری کا پہلو یہ ہے کہ انسانی مراتب کی پرواز کی تکمیل میں کوئی حد بندی نہیں ہوتی، بعض دعاؤں میں اور نماز کے تشہد میں ہم پڑھتے ہیں:

"وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ"

"پروردگارا! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات مزید بلند کردے۔" (۲)

اور قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶" (۳)

---

(۱) زیارت جامعۃ الکبیرہ۔

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۴، ص ۹۸۹، باب کیفیۃ التشہد۔

(۳) سورۂ احزاب، آیت ۵۶۔

https://downloadshiabooks.com/

" خدا اور اُس کے فرشتے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام و درود اور رحمت بھیجتے ہیں،" اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر صلوات بھیجو اور سلام کرو اور اُن کے حکم کی تعمیل کرو۔"

فعلِ مضارع "یصلّون" کی تعبیر ان کی رحمتِ دائمی پر دلیل ہے۔ یقیناً جو مسلمان اسلام و توحید سے کرتا ہے تو اس آئین کے بانی پر رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ رحمت اس کے اعمال کے ساتھ جاری رہتی ہے، چونکہ اس نے ایک اچھی سنّت کی بنیاد رکھی ہے۔

کن الفاظ میں درود و سلام بھیجنا چاہیے؟

جواب: اس بارے میں شیعہ و سنی کتب سے متعدد روایات ہم تک پہنچی ہیں اور ان سب میں آنحضرتؐ کے ساتھ اُن کی آلؑ پر بھی درود و سلام بھیجنے کی تاکید ہوئی ہے۔ ہم یہاں پر اہل سنّت کی کتابوں سے چند روایات ذکر کرتے ہیں:

۱۔ کتاب الدّر المنثور، میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، ترمذی، نسائی، سنن ابن ماجہ، ابن مردویہ اور دیگر راویوں نے کعب بن عجرہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَلِمْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ"

" آپؐ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہے، مگر درود کس طرح بھیجی جائے؟"

آپؐ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

۲۔ صاحب کتاب الدّر المنثور نے اوپر کی حدیث کے علاوہ مزید اٹھارہ احادیث نقل کی ہیں، ان سب میں آپؐ پر سلام و درود کے ساتھ آلِ محمدؐ پر بھی صلوات بھیجنے کی تاکید ہے۔

۳۔ اہل سنّت کی مشہور کتابوں میں اصحاب کے گروہ میں سے ابن عباس، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، طلحہ، ابو مسعود انصاری، بریدہ، ابن مسعود، کعب بن عجرہ اور حضرت امام علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہیں۔ [1]

[1] وسائل الشیعہ، جلد ۴، ص ۱۲۱۰، باب ۳۴۔

https://downloadshiabooks.com/

کتاب صحیح بخاری ① میں متعدد روایات اس بارے میں نقل ہوئی ہیں۔صحیح مسلم ② میں بھی دو روایتیں آئی ہیں۔یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحیح مسلم میں ذکر شدہ احادیث جن میں کئی بار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا ذکر آیا ہے مگر جو موضوع باب "الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں انھوں نے انتخاب کیا ہے اس میں آلِ محمد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس نکتے کی طرف بھی توجّہ دینا ضروری ہے کہ اہل سنّت کی بعض روایات میں اور اہل تشیّع کی بہت سی روایتوں میں، حتیٰ کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے درمیان لفظ "علی" تک کا بھی فاصلہ نہیں ہے۔صلوات کی کیفیت اس طرح ہے کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ" پروردگارا! محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود وسلام نازل فرما۔

اس گفتگو کو صواعق محرقہ میں ابن حجر مکّی کی اس حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

"لَا تُصَلُّوْا عَلَيَّ الصَّلَاۃَ الْبَتْرَاءَ! فَقَالُوْا: وَمَا الصَّلَاۃُ الْبَتْرَاءُ؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ تُمْسِکُوْنَ؛ بَلْ قُوْلُوْا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ" ③

"مجھ پر ناقص اور نا تمام صلوات کبھی نہ بھیجو۔عرض کیا کہ ناقص و نا تمام صلوات کیا ہے؟ فرمایا: صرف یہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" کہہ کر رک جائے، بلکہ یوں کہے کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ"

پیغمبر اکرمؐ پر درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب؟

جواب: اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط" ④

اس آیت کے مطابق محمد و آل محمدؐ پر صلوات بھیجنا واجب ہے، کیوں کہ حکم امر واجب پر دلالت کرتا ہے، مگر کوئی قرینہ یا نشانی اس کے خلاف موجود ہو۔اس آیت میں خداوند متعال نے محمد و آل محمد علیہم السلام پر دُرود بھیجنا واجب کیا ہے۔

اس بنا پر آنحضرتؐ اور آپؐ کی آل پاکؑ پر ایک بار کم از کم صلوات بھیجیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ مشہور شیعہ فقہا اور اہل سنّت کے بعض اکابرین نماز کے تشہد میں صلوات بھیجنا واجب جانتے ہیں۔اہلِ سنّت کے بہت بڑے عالم ابن قدامہ

---

① صحیح بخاری، جلد ۶، ص ۱۵۱، سورۂ احزاب کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔

② صحیح مسلم، جلد ۱، ص ۳۰۵، باب الصلاۃ علی النبیؐ۔

③ صواعق محرقہ، ابن حجر مکّی، ص ۱۴۴۔

④ سورۂ احزاب، آیت ۵۶۔

https://downloadshiabooks.com/

کتاب المغنی میں لکھتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ... وَ ھِیَ وَاجِبَۃٌ فِیْ صَحِیْحِ الْمَذْھَبِ وَھُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَاِسْحَاقَ"

پہلے تشہد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاکؑ پر درود وسلام بھیجنا فتویٰ کی رُو سے صحیح اور درست ہے۔ شافعی اور اسحاق کے عقائد بھی اسی طرح ہیں، ابن راھویہ جو اہل سنّت کے بڑے عالم ہیں، ان سے نقل کرتے ہیں:

"لَوْ اَنَّ رَجُلًا تَرَکَ الصَّلَاۃَ عَلَی النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وآلہ) فِی التَّشَھُّدِ بَطَلَتْ صَلَاتُہُ"[1]

"اگر کوئی تشہد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجنا چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہے۔"

وہ مزید کہتا ہے کہ اہل سنّت کے مشہور امام احمد بھی تشہد میں صلوات کو واجب جانتے ہیں۔

کتاب التاج الجامع للاصول کے لکھنے والے شیخ منصور علی ناصف سورۂ احزاب کی آیت ۵۶ کے ذیل میں "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" تصریح کرتے ہیں کہ آیت کے ظاہری معنٰی یہ ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے اور اس میں شیعہ وسنی علمائے کرام متفق ہیں۔[2]

صلوات کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

جواب: مشہور علماء اور دانشوروں کے درمیان اس کے معنٰی ومفہوم یہ ہیں کہ اگر صلوات خداوند متعال کی جانب سے ہے تو نزول رحمت ہے اور اگر فرشتوں اور بندوں کی طرف سے ہے تو طلب رحمت ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے جس میں قرآن مجید کی اس آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" کے بارے میں آپؑ سے پوچھا گیا کہ اس سے مراد کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

"صَلَاۃُ اللّٰہِ رَحْمَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ صَلَاۃُ الْمَلَائِکَۃِ تَزْکِیَۃٌ مِّنْھُمْ لَہُ، وَ صَلَاۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ دُعَاءٌ مِّنْھُمْ

---

[1] المغنی، جلد ۱، ص ۵۷۹۔
[2] سورۂ احزاب، آیت ۵۶۔

https://downloadshiabooks.com/

لَہٗ"۔[۱]

"صلوات خدا کی طرف سے ہو تو یہ رحمت خاص ہے اور اگر ملائکہ ؑ کی طرف سے ہو تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تقدیس اور پاکیزگی ہے۔ یا ہر کسی کی اپنے حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت کے نزول کے لیے کی جانے والی دعا ہے۔"

صَلّٰی بروزن سعی کے معنی آگ میں پھینکنا، جلنا، اور آگ میں بھوننا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلوات کے معنیٰ عذاب الٰہی دور ہونے کے ہیں، جس کا نتیجہ رحمت یا طلب رحمت ہے، لیکن بعض نے کہا ہے کہ صَلٰو ناقصِ واوی ہے، اور صَلّٰی ناقص یائی کے ساتھ فرق رکھا ہے۔ صلوات کے دوسرے معنیٰ کو صَلّٰی کے ساتھ مربوط جانا ہے اور پہلے معنیٰ کو صَلٰو سے مربوط جانا ہے۔ مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

بہر حال، ان تمام بیانات سے یہ واضح ہے کہ جب بھی صلوات اور سلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر بھیجا جاتا ہے تو آپ ؐ کی روح مبارک پر تازہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور ممکن ہے اس عظیم رحمتِ الٰہی کے توسّط سے یہ رحمت امّت تک بھی پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات و درود خود انسان کے لیے مایۂ رحمت اور گناہوں سے پاک ہونے کا سبب ہے۔

آل محمد علیہم السلام سے مراد وہی اہل بیت ؑ ہیں جو آپ ؐ کی پاک اولاد ہیں۔ خدا نے چاہا تو اس بارے میں خطبہ ۲۳۹، میں بحث کریں گے، پیام، جلد اوّل میں خطبہ دوّم، ص ۳۰۳ پر اس کی شرح کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

---

[۱] التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، مادّہ صلٰو سے اقتباس ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

تہتّرواں خطبہ

ومن کلام لہ علیہ السّلام [۱]

قالہ لمروان بن الحکم بالبصرۃ

جو مروان بن الحکم سے بصرہ میں فرمایا ہے۔

قَالُوْا: أُخِذَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ أَسِيْرًا يَوْمَ الْجَمَلِ فَاسْتَشْفَعَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اِلَى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام فَكَلَّمَاهُ فِيْهِ فَخَلّٰى سَبِيْلَهُ فَقَالَا لَهُ يُبَايِعُكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ علیہ السلام

کہا جاتا ہے کہ جب مروان بن الحکم جنگ جمل میں گرفتار ہوگیا تو امام حسنؑ و حسینؑ نے امیرالمومنینؑ سے اس کی سفارش کی اور آپؑ نے اسے آزاد کردیا تو دونوں حضراتؑ نے عرض کی کہ یا امیرالمومنینؑ! یہ اب آپؑ کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔تو آپؑ نے یہ جملے ارشاد فرمائے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

یہ کلام درحقیقت مروان اور بنی مَردان کے جرائم سے پَردہ اُٹھا رہا ہے، اور دوسری جانب اُنہیں یہودیوں سے تشبیہ دے رہا ہے کہ جن کی خیانت اور دشمنی، مسلمانوں کی نسبت ظہورِ اسلام سے اُس دن تک کسی پر مخفی نہ تھی اور دوسری جانب بنی

[۱] خُطبے کی سَنَد: کتاب مصادر نہج البلاغہ کا لکھنے والا کہتا ہے کہ اِس خطبے کا کچھ حصہ سیّد رضیؒ سے قبل، ابنِ سعد نے کتابِ طَبَقات کی جلداوّل میں مروان ابنِ حکم کے حالات کے بیان میں ذکر کیا تھا اور اسی طرح سے بلاذری نے کتاب اُنسابُ الاشراف میں امیرالمؤمنینؑ کے شرح حال کے درمیان ذکر کیا ہے، جنہوں نے سیّد رضیؒ کے بعد اس خطبے کو اپنی کُتب میں ذکر کیا ہے، اُن میں سے ایک زمخشری ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ربیع الاَبرار میں اور دوسرے سِبط ابن جُوزی ہیں جنہوں نے تذکرۃُ الخواص میں ذکر کیا ہے جس میں تھوڑا سا فرق ہے۔قابل توجہ بات یہ ہے ابنِ ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی چھٹی جلد میں صفحہ ۱۴۶ پر یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کلام مختلف ذرائع سے نقل ہوا ہے اور اس کے ساتھ اُنہوں نے بہت سے اِضافے بھی نقل کیے ہیں جنہیں مرحوم سیّد رضیؒ نے نہج البلاغہ میں ذکر نہیں کیا ہے، ایک طرف تو یہ بات اس اَمر پر دَلالت کرتی ہے کہ یہ کلام متواتر مولا علیؑ سے نقل ہوا ہے اور دوسری جانب یہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ابنِ ابی الحدید کے پاس موجود مَنابع، نہج البلاغہ کے علاوہ تھے۔(مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۸۲)

https://downloadshiabooks.com/

مَروان کے مستقبل اور اس شجرۂ خبیثہ کی مختصر سی حکومت کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ یہ لوگ کیسے کیسے مصائب اور مُشکلات سے مسلمانوں کو دو چار کریں گے، یہ پیش گوئی جو کہ ایک غیبی خبر کی صورت میں بیان کی گئی، مستقبل کے حالات پر امام کی روح کے اِحاطہ رکھنے کا پتا دیتی ہے۔

"أَوَ لَمْ يُبَايِعْنِي بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ؟ لَا حَاجَةَ لِي فِي بَيْعَتِهِ! إِنَّهَا كَفٌّ يَهُودِيَّةٌ، لَوْ بَايَعَنِي بِكَفِّهِ لَغَدَرَ بِسُبَّتِهِ. أَمَا إِنَّ لَهُ إِمْرَةً كَلَعْقَةِ الْكَلْبِ أَنْفَهُ، وَ هُوَ أَبُو الْأَكْبُشِ الْأَرْبَعَةِ، وَسَتَلْقَى الْأُمَّةُ مِنْهُ وَ مِنْ وَلَدِهِ يَوْمًا [موتاً] أَحْمَرَ!"

"کیا اس نے قتل حضرت عثمان کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کے بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ ایک یہودی کا ہاتھ ہے۔ اگر یہ میرے ہاتھ پر بیعت کر بھی لے گا تو رکیک طریقے سے اسے توڑ ڈالے گا۔ یاد رکھو! اسے بھی حکومت ملے گی مگر صرف اتنی دیر، جتنی دیر میں کتا اپنی ناک چاٹتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ چار بیٹیوں کا باپ بھی ہے اور امت اسلامیہ اس سے اور اس کی اولاد سے بدترین دن دیکھنے والی ہے۔

شرح و تفسیر

مَروان کی بیعت کی مجھے کوئی ضرورت نہیں

اس کلام کے آغاز میں امام عالی مقامؑ نے امام حسن اور امام حُسین علیہما السلام کی سفارش پر جو کہ مروان ابن حکم کے جنگ جمل میں قید ہو جانے کے بعد اُسے آزاد کر دینے کے لیے تھی اور پھر اُس کی بیعت دوبارہ قبول کر لینے کے بارے میں جب اُن دونوں شہزادوںؑ نے سوال کیا، تو آپؑ نے فرمایا:

"أَوَ لَمْ يُبَايِعْنِي بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ؟ لَا حَاجَةَ لِي فِي بَيْعَتِهِ! إِنَّهَا كَفٌّ يَهُودِيَّةٌ، لَوْ بَايَعَنِي بِكَفِّهِ

https://downloadshiabooks.com/

لَغَدَرَ بِسُبَّتِهِ"[۱]

"کیا اُس نے حضرت عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ اَب مجھے اُس کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے؛ اُس کا ہاتھ یہودی کا ہاتھ ہے کہ اگر آج بیعت کرے گا تو کل خود ہی پیٹھ دِکھا کے توڑ بھی دے گا۔"

اُس کے ہاتھ کو یہودی کے ہاتھ سے تشبیہ دینا، مَروان کی خیانت کاریوں کی جانب ایک واضح اشارہ ہے جو اُس نے اپنے باپ حکم سے ورثے میں پائی تھیں۔ وہ شخص جو مشرکین کے لیے جاسوسی کرنے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر اڑانے کی وجہ سے طائف کی جانب نکال دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت خلیفۂ ثالث جو کہ اس کے بھتیجے تھے، اُن کی سفارشیں بھی پہلی اور دوسری خلافت کے ادوار میں اُس کے لیے کارآمد نہ ہوئیں اور وہ اِسی طرح طائف میں شہر بدر رہا اور جب خلیفۂ ثالث خلافت تک پہنچے تو اُنھوں نے سب سے پہلی ناروا حرکت جو کی، وہ یہ تھی کہ حکم ابن ابی العاص کو مدینے واپس بلوا لیا، جس پر لوگوں نے حد سے زیادہ مخالفت کی اور مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص ایک دن مولا علی علیہ السلام کی بیعت کر لیتا ہے، ایسی بیعت جو کہ زمانۂ جاہلیت میں محترم شمار کی جاتی تھی، وہ شخص اپنی بیعت توڑ کر جنگ جمل کی آگ بھڑکانے میں پیش پیش ہوتا ہے، تو اُس جیسے کی بیعت کا کیا اِعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ بیعت کر بھی لے تو پھر کوئی موقع ملتے ہی بیعت توڑے گا اور اپنے تمام وعدے اور عہد کو پیروں تلے روند ڈالے گا وہ ہمیشہ اپنی نفسانی ہوا اور ہَوَس کا تابع ہے، پھر عزت و آبرو، انسانی شرافت، شرعی اور اَخلاقی عہد و پیمان اُس کے لیے چند بے معنی الفاظ ہی ہوتے ہیں۔

پھر مولاؑ، مروان اور اُس کے ناپاک مستقبل کے بارے میں تین پیش گوئیاں فرماتے ہیں:

"أَمَا إِنَّ لَهُ إِمْرَةً كَلَعْقَةِ[۲] الْكَلْبِ أَنْفَهُ"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اتنے مختصر دور کے لیے حکومت کرے گا کہ جتنی دیر میں کتا اپنی ناک چاٹنے سے

---

[۱] سُبَّہ، کا لفظ غدّہ کے وزن پر ہے اور یہ اَصل میں ننگ و عار کے معنی رکھتا ہے اور سبّ کے مادّے سے آیا ہے جس کے معنی گالی کے ہیں اور کبھی انسانی مخرج کے لیے کنایتاً استعمال ہوتا ہے اور اوپر کے کلام میں اِسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ اس میں کنائے کا پہلو شامل ہے جس کا مفہوم پس پردہ بیان کیا گیا ہے، تو اس کا کسی فصیح کلام میں استعمال ہونا کوئی اشکال نہیں رکھتا۔ خاص طور پر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جب زمانۂ جاہلیت میں عرب کسی کی بیعت کرتے تھے اور پھر جب اُسے توڑنا چاہتے تھے تو اپنی ایک ہوا خارج کر دیتے تھے اور اُسے بیعت توڑنے کا ذریعہ سمجھتے تھے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۶ صفحہ ۱۴۸) امامؑ نے مروان کی اُس کی بیعت شکنی کی غلیظ عادت کو عرب جاہلیت کے دور میں اُن کی بیعت شکنیوں سے تشبیہ دی ہے۔

[۲] لعقۃ، کا لفظ لعق کے مادّے سے ہے جو کہ لعب کے وزن پر ہے اور لعقہ کا لفظ لعق کے مادّے سے ہے جو کہ لعب کے وزن پر ہے اور لعقہ کا لفظ اسم مرّہ ہے ایک بار چاٹنا۔

https://downloadshiabooks.com/

فارغ ہو جاتا ہے۔"

جب کُتا اپنے منہ کو کسی کھانے کی چیز پر اُسے کھانے کے لیے رکھتا ہے تو اُس کا کچھ باقی ماندہ جو کہ اس کی ناک پر لگا رہ جاتا ہے، اُسے وہ بعد میں اپنی لمبی زبان سے چاٹ کر صاف کر لیتا ہے کہ جس سے اُس کی ناک بھی صاف ہو جاتی ہے اور کھانے کے بقایاجات سے بھی مُستفید ہو جاتا ہے۔ مروان کی مختصر اور پُر آشوب حکومت کے لیے اس تعبیر کا استعمال کرنا جو کہ فصاحت و بلاغت کی انتہا ہے۔ یہ بات عمومی طور پر کہی جاتی ہے کہ بات حالات کے تقاضے کے مطابق کی گئی ہے۔ جی ہاں! وہ ایسا سگ تھا کہ جو بنی اُمیہ کی ناجائز حکومت کا بچا کھچا جھوٹا چاٹ کر حکومت تک پہنچا اور وہ بھی نہایت محدود مدت کے لیے جیسا کہ بعض مورخین کے کہنے کے مطابق چار ماہ اور دس دن اور بعض دیگر کے کہنے کے مطابق چھے ماہ اور سب سے زیادہ طویل مدت بھی جو بتائی گئی ہے وہ نو ماہ کی ہے جس دوران اس نے حکومت کی ہے اور یوں مولا علیؑ کی اُس کے بارے میں کی گئی پیش گوئی سچی ثابت ہوئی اور جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے، نہایت آسانی سے اپنی ہی بیوی کے ہاتھوں مارا گیا۔

دوسری پیش گوئی یہ ہے کہ فرمایا:

"وَهُوَ أَبُو الْأَكْبُشِ [1] الْأَرْبَعَةِ"

"وہ چار دُنبوں کا باپ ہے۔"

"أکبش" "کبش" کی جمع ہے جس کے معنی دنبہ ہیں، جو کہ ایک سرکش جانور ہوتا ہے اور اس تعبیر کے مطابق امامؑ نے انہیں ایک سرکش جانور سے تشبیہ دی ہے۔

نہج البلاغہ کے شارحین میں سے بعض کے مطابق یہ جُملہ اس کے چار بیٹوں کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ "عبدالملک" جو اس کا جانشین بنا، "عبدالعزیز" مصر کا والی بن گیا، "بشر" عراق کا والی بن گیا اور "محمد" جزیرہ کا والی بن گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے شرارت اور فساد گری کو اپنے باپ سے ورثے میں پایا تھا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ مروان کی اولاد اس سے زیادہ تھیں، مگر یہ چار افراد وہ تھے جو حکومت تک پہنچ گئے اور امیر المومنینؑ نے ان ہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بعض دیگر شارحین کا یہ کہنا ہے کہ اس جملے سے مراد مروان کے پوتے ہیں جو عبدالملک کی اولادیں ہیں اور وہ چاروں وَلید، سلیمان، یزید اور ہشام ہیں جو کہ خلافت تک پہنچ سکے اور وہ واحد شخص ایسا تھا کہ جس کے چاروں بیٹے خلیفہ بن پائے۔

اسی بنا پر ایک بڑی تعداد نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ قول مولاؑ کی تیسری پیش گوئی کے ساتھ مطابقت

---

[1] أکبش، کا لفظ، کبش، کی جمع ہے اور یہ کفش کے وزن پر ہے جس کے معنی دُنبے اور بھیڑ کے ہیں۔ بعض اوقات عربوں نے اس لفظ کو کسی قوم و قبیلے کے بڑے اور رئیس کے لیے استعمال کیا ہے، جیسا کہ کہا جائے: فلاں شخص کبش القوم یعنی قوم کا بڑا ہے یا کبش الکتیبہ یعنی لشکر کا سردار ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

رکھتی ہے، چنانچہ فرمایا:

"وَسَتَلْقَى الْأُمَّةُ مِنْهُ وَمِنْ وَلَدِهِ يَوْمًا أَحْمَرَ"

"اور اُمت مسلمہ کو مروان اور اس کے چار بیٹوں کے ہاتھوں بہت خوں ریزی کے دن دیکھنے پڑیں گے۔"

یہ پیش گوئی بھی سچ ثابت ہوئی اور یہ خونخوار خلفا یکے بعد دیگرے تخت حکومت تک پہنچے۔ مروان اور عبدالملک کے جانشین بن گئے اور بے حساب خون بہایا اور بہت سے بے گناہوں کو تہہِ تیغ کیا اور "یوماً أحمر" یعنی لال اور سرخ دن کا مصداق سامنے آ گیا، جن میں سے ایک بڑا نمونہ عبدُالملک ابن مروان کے دورِ حکومت میں حاکمِ کوفہ حجاج کا کردار ہے۔

نکتہ

مروان کا عجیب وغریب ماجرا

اس خطبے کا محور، مروان ابن حکم ہے جو امیرالمومنینؑ کے شدید ترین دشمنون میں سے تھا، اس کی زندگی کی سرگزشت اور واقعات نہایت عبرت انگیز ہیں اور اُس کی ذلالتوں اور خباثتوں سے بھرپور زندگی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے بہت سے صدرِ اسلام سے مربوط حقائق فاش ہوجاتے ہیں۔

اس کا باپ (حکم) جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اپنی مکروہ سازشوں کے باعث طائف کی طرف شہر بدر کر دیا گیا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے بارے میں فرمایا:

"لَعَنَكَ اللهُ وَلَعَنَ مَا فِي صُلْبِكَ"

"تجھ پر اور تیرے بچوں پر خدا کی لعنت ہو جو تیرے صُلب میں ہیں۔" (یہ بات مروان کے پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے)

اُس کا چہرہ اسلامی معاشرے میں اتنا قابل نفرت تھا کہ پہلے اور دوسرے خلیفہ کو اسے واپس مدینہ منوّرہ میں بلانے کی جرأت نہ ہوئی، لیکن جو کہ اس کا بھتیجا تھا، کافی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ کسی طرح اُسے جلاوطنی کی سزا سے چھڑوا سکے، جب خلیفۂ ثالث خلافت تک پہنچا، تو جو سب سے پہلی گری ہوئی حرکت اُس نے کی، وہ یہ کہ اپنے چچا (حکم) کو آزاد کرایا اور مدینے بُلوا لیا جو کہ مروان کا باپ تھا اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اُسے اپنے مقربین میں سے قرار دیا اور بیتُ

https://downloadshiabooks.com/

المال میں سے بہت سا مال اُس کے حوالے کر دیا اور یہ حکومتِ خلیفۂ ثالث کے تاریک ترین نکات میں سے ایک تھا، جو کہ اس کے خلاف مظاہرے اور احتجاج کا بڑا سبب بنا، اور اسی وجہ سے صحابۂ کرام میں سے اکثر بزرگان نے خلیفۂ ثالث کے پیچھے نماز تک پڑھنا چھوڑ دی۔

خلیفۂ ثالث کے قتل کے بعد، مروان اُن افراد کے زُمرے میں تھا جنہوں نے مولا علی علیہ السلام کی بیعت کی، مگر کچھ ہی دیر نہ گزری تھی کہ اُس نے جنگ جمل کی آگ بھڑکانے والوں کا ہاتھ تھام لیا اور بصرہ پہنچا اور پھر لشکر جمل کی شکست اور طلحہ و زبیر کے قتل ہو جانے کے بعد مروان قید ہو گیا اور جیسا کہ ہم نے خطبے کی شرح میں ذکر کیا، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی شفاعت کے ذریعے جو کہ رحمت الٰہی کے دو خزانے ہیں، آزاد ہو گیا، اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اُس کی شفاعت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

مگر اُس کے بعد بھی مروان نے اپنے شیطانی کام نہ چھوڑے اور امیر شام سے جا ملا اور لشکر شام میں شامل ہو گیا اور جنگ صفین میں بھی کافی فعال کردار ادا کیا اور عجیب بات تو یہ ہے کہ کہا جاتا ہے، امیر شام نے اپنے بیٹے یزید کو کچھ وصیتیں کی تھیں جن میں سے ایک اہم وصیت یہ تھی کہ اُسے کہا: میں تمہارے بارے میں چار افراد سے ڈرتا ہوں، ان میں سے ایک مروان کا نام لیا اور تاکید کی جیسے ہی میں دنیا سے گزر جاؤں اور تم لوگ میری نمازِ جنازہ پڑھنا چاہو تو کہنا کہ میرے باپ نے وصیت کی ہے کہ بنی اُمیہ کے بزرگوں میں سے میرے چچا (مروان ابن حکم) میری نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ اس طرح اُسے آگے کھڑا کر دو اور ایک دستے کو حکم دے دینا کہ کپڑوں کے اندر اسلحہ چھپا کر شامل ہو جائیں اور نماز کے آخر میں اُس پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیں، تاکہ تم کم از کم اُس کی طرف سے پُرسکون ہو جاؤ گے۔ گویا (مروان) اس واقعے سے باخبر ہو گیا تھا یا پھر شاید قرینے اور حالات سے اُس نے خطرے کو بھانپ لیا تھا اور حاضرینِ مجلس کی نسبت سُوئے ظن کرنے لگا، لہٰذا نماز مکمل ہونے سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ نکلا۔

مروان کی موت کے سبب کے بارے میں، جو کہ سن ۶۵ ھ میں واقع ہوئی، کہا جاتا ہے کہ معاویہ بن یزید کا آخری وقت قریب آیا تو اُس نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، لہٰذا اُس کی جانشینی پر بڑا اختلاف ہوا۔ امیر شام کے بعض قریبی افراد یہ چاہتے تھے کہ اُس کے بھائی خالد ابن یزید کو اُس کی جگہ بٹھایا جائے، مگر چوں کہ اس کی عمر کم تھی لہٰذا مروان ابن حکم کی بیعت کر لی گئی، اس شرط کے ساتھ کہ اُس کے بعد خالد اُس کی جگہ پر خلیفہ ہوگا۔

مگر کچھ ہی عرصہ نہ گزرا تھا کہ مروان اس وعدے سے پشیمان ہوا اور پھر اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ خلافت کو اپنے بعد اپنے بیٹے عبدالملک اور اُس کے بعد عبدالعزیز کے سپُرد کرے گا۔ خالد کے طرفداروں کو اس بات پر کافی غُصّہ آیا اور مروان نے خالد کی ماں سے شادی کی تھی، تاکہ خالد کو اپنے سامنے چھوٹا ٹھہرا سکے۔ مگر خالد نے یہ ماجرا اپنی ماں سے کہا کہ مروان نے

https://downloadshiabooks.com/

اس کے ساتھ وعدہ خلافی اور پیمان شکنی کی ہے، اُس کی ماں نے کہا: میرے بیٹے تم غم نہ کرو، میں مروان کا کام تمام کردوں گی اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ رات کے وقت جب مروان سو رہا تھا، ایک تکیہ مروان کے منہ پر رکھ کر دبایا اور یوں اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مارا گیا۔ موت کے وقت اس کی عمر ۶۱ / ۶۲ سال تھی۔

جو باتیں مروان کے بارے میں مشہور ہیں، اُن میں ایک یہ ہے کہ اس کی ماں، اُس کے باپ حکم سے شادی کرنے سے پہلے فاحشہ عورتوں میں سے ایک تھی اور اُن عورتوں میں سے تھی جنہیں جھنڈے والی کہا جاتا تھا، کیونکہ اُس نے بے باکی کے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر ایک جھنڈا نصب کیا ہوا تھا اور آلودہ اور آوارہ مردوں کو اپنی جانب بلاتی تھی۔

جیسا کہ اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مروان کی حکومت چند ماہ سے زیادہ نہ تھی اور روایات میں ہے اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اُس نے محرابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چار مرتبہ پیشاب کیا ہے۔ ابن سیرین جو کہ ایک معروف اور نامور تعبیر دان تھا، اس کی تعبیر اس نے یوں بیان کی کہ تمہارے بیٹوں میں سے چار افراد حکومت تک پہنچیں گے، اور اسلام میں فساد اور خوں ریزی کا باعث بنیں گے، اور ایسا ہی ہوا، البتہ اس کی اولادوں کی پہلی پشت کے چار بیٹے جو کہ عبدالملک کے بیٹے تھے، خلیفہ بن بیٹھے۔

ولید ابن عبدالمِلک نے سنہ ۸۶ سے سنہ ۹۹ ہجری قمری تک، سلیمان ابن عبدالملک نے سنہ ۹۶ سے سنہ ۹۹ تک، یزید ابن عبدالملک نے سنہ ۱۰۱ سے سنہ ۱۰۵ تک اور ہشام ابن عبدالملک نے سنہ ۱۰۵ سے سنہ ۱۲۵ ہجری قمری تک حکومت کی۔ البتہ پہلے دو افراد اور آخری دو افراد کے درمیان ایک قلیل سی مدت کے لیے خلافت عمر ابن عبدالعزیز کے ہاتھ میں چلی گئی جو کہ مروان کا ہی ایک اور بیٹے کی نسبت سے پوتا ہے اور اُس نے سنہ ۹۹ سے سنہ ۱۰۱ ہجری تک خلافت وحکومت کی۔ پھر اس کے پوتوں کی زندگی کی سب سے گندی اور سیاہ اور خون سے بھری ہوئی تاریخ پلٹ آئی اور انہیں بنی امیہ میں سے آل مروان کے بدترین خلفا میں شمار کیا جاتا ہے۔ (۱)

(۱) تاریخ طبری، سفینۃ البحار، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

چوہتّر واں خطبہ

ومن خطبة له عليه السلام (۱)

لَمَّا عزَمُوا عَلٰى بَيْعَةِ عُثْمَانَ..........

جب لوگوں نے خلیفۂ ثالث کی بیعت کرنے کا ارادہ کیا۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے اس خطبے کی ایک شانِ ورود ذکر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے جب عمر کے بعد اُس کے حکم کے مطابق چھے افراد پر مشتمل شوریٰ بنائی گئی، تو عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص اور طلحہ نے عُثمان کو چن لیا اور یوں ظاہر ہے وہ خلیفہ بن گیا مگر مولا علی علیہ السلام نے بیعت سے اجتناب کیا۔ اور فرمایا:

"ہمارا ایک حق ہے، اگر ہم اپنے حق تک پہنچ جائیں تو اُسے لے لیتے ہیں اور اگر ہمیں ہمارے حق سے روکا گیا تو ہم اُس شخص کی مانند ہو جاتے ہیں جو بے مُہار اونٹ کی پشت پر سوار ہو جاتا ہے، مگر ہم صبر کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنے حق کو پالیں، ہر چند اس حال میں جتنا بھی طویل اور تاریک وقت گزر جائے۔"

پھر اُن کی طرف رُخ کر کے فرمایا:

"تم لوگوں کو میں خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ، جس روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کا صیغہ جاری فرمایا اور ہر شخص نے کسی ایک شخص کو اپنے بھائی کے طور پر قبول کر لیا، آیا اُس دن تمہارے درمیان میرے سوا کوئی

(۱) خطبے کی سند: نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے ابن ابی الحدید کے کلام سے یہاں کچھ یوں استفادہ کیا ہے کہ اُن کے پاس ایک طویل روایت موجود تھی کہ جو امیر المؤمنینؑ نے اُس وقت بیان فرمایا جب عبدُ الرحمٰن ابنِ عوف اور دیگر حاضرین مجلس نے خلیفۂ ثالث کی بیعت کر لی تھی، اور جو کلام اس خطبے میں آیا ہے وہ اُس کا ایک حصہ ہے۔ امامؑ نے اس بیان میں واضح طور پر اپنے سوابق اور فضائل کو گنوایا ہے اور صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ آپؑ خلافت کے لیے سب سے زیادہ اہل ہیں مگر اب جب کہ لوگ ان کی جانب رُخ کر چکے ہیں تو آپ خاموشی اختیار کرتے ہیں اِس شرط پر کہ مسلمانوں کے معاملات درست سمت پر آگے بڑھتے رہیں۔ (شرح نہج البلاغہ، علّامہ خُوئی جلد ۵، صفحہ ۲۲۳)

https://downloadshiabooks.com/

ایسا تھا کہ جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بھائی بنایا ہو؟"

سب نے جواب دیا:

"نہیں!"

پھر فرمایا:

"کیا تمہارے درمیان میرے سوا ایسا کوئی شخص ہے جس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ"

تو سب کہنے لگے:

"آپ کے علاوہ کوئی نہیں!"

کیا تمہارے درمیان میرے سوا ایسا کوئی شخص ہے جس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو:

"أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ"؟

"تمہاری نسبت مجھ سے ایسی ہے کہ جیسے ہارونؑ کی نسبت موسیٰؑ سے تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔"

سب نے کہا:

"کوئی نہیں ہے۔"

مولاؑ نے اسی طرح سے اپنے دیگر فضائل میں سے اہم ترین نکات کا ذکر فرمایا، اس دوران عبدالرحمٰن حالات کو اپنے خلاف جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اِن باتوں سے بُری طرح سے بھڑک گیا، مولا علی علیہ السلام کے کلام کو قطع کرتے ہوئے کہنے لگا:

"اے علی! لوگ عثمان کو چاہتے ہیں (اور یہ بات خود ثابت کر رہی ہے کہ یہاں بہت بڑی سازش چل رہی تھی ورنہ خلیفۂ ثانی کی چھے افراد پر مشتمل شوریٰ میں سب کے سب خلیفۂ ثانی کے چُنے ہوئے افراد تھے اور اُن کا لوگوں کی کُھلی رائے سے کوئی سروکار ہی نہ تھا) لہٰذا اپنے آپ کو زحمت میں اور خطرے میں نہ ڈالو۔"

پھر اُس نے اُن پچاس افراد پر مشتمل گروہ کی طرف رُخ کر کے اُن کے سردار ابوطلحہ کو دیکھا، جن کو یہ حکم تھا کہ جو بھی شوریٰ کے آخری نتیجے کی مخالفت کرے گا اُس کا خون بہا دیا جائے، پھر کہنے لگا:

"اے ابوطلحہ! خلیفۂ ثانی نے تمہیں کیا حکم دیا ہے؟"

کہنے لگا:

"مجھے یہ حکم دیا ہے کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرے گا میں اُسے قتل کر دوں۔"

https://downloadshiabooks.com/

اس موقع پر عبدالرحمن نے مولا علی علیہ السلام کی جانب رُخ کر کے کہا:

"لٰہذا بیعت کرلو، ورنہ خلیفۂ ثانی کا حکم تمہارے بارے میں جاری کر دیا جائے گا۔"

یہ وہ وقت تھا کہ مولاؑ نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا اور مجبوری کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بیعت کرلی تا کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے، اور فرمایا:

"تم سب لوگ بخوبی جانتے ہو کہ میں ہر شخص سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں، مگر افسوس کہ تمہارے ذاتی مفادات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ حق حقدار کو پہنچے، مگر میں اُس وقت تک خاموش ہو جاتا ہوں جب تک تم لوگ مسلمانوں کو انحراف کی طرف نہیں لے جاتے، اور ظلم وستم صرف میری ہی ذات پر ہوتا رہے، مجھے پروا نہیں۔"[۱]

خطبہ

"لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِي وَ وَاللهِ لَأُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ أُمُورُ الْمُسْلِمِينَ وَ لَمْ يَكُنْ فِيهَا جَوْرٌ إِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً الْتِمَاسًا لِأَجْرِ ذٰلِكَ وَ فَضْلِهِ وَ زُهْدًا فِيمَا تَنَافَسْتُمُوهُ مِنْ زُخْرُفِهِ وَ زِبْرِجِهِ"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تا کہ میں اس کا اجر وثواب حاصل کرسکوں اور اس زیب وزینت دنیا سے اپنی بے نیازی کا اظہار کرسکوں، جس کے لیے تم سب مرے جا رہے ہو۔"

شرح وتفسیر

تم سب جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ لائق ہوں

یہ کلام مولائے متقیان حضرت امیر المومنینؑ نے عمر کی چھے افراد پر مشتمل اُس شوریٰ کے اجلاس کے دوران بیان فرمایا جس میں خلیفۂ ثالث کا انتخاب کرنے کے لیے سازشی تدبیریں کی جارہی تھیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے عمر نے اپنی

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۶ ص ۱۶۸ سے اقتباس لیا گیا ہے، شوریٰ کی داستان میں جو سازش مولا علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کے لیے کی گئی تھی، اس سے مزید آگاہی کے لیے مصری دانشور محمد عبدہٗ کی شرح نہج البلاغہ میں مذکورہ خطبے کے ذیل میں کی گئی بحث کا مطالعہ کیجیے۔

https://downloadshiabooks.com/

وفات سے قبل اپنے بعد نئے خلیفہ کے چُناؤ کے لیے چھے افراد پہ مشتمل شُوریٰ بنائی تھی (مولا علیؑ، خلیفۂ ثالث، عبدالرحمٰن ابن عَوف، طلحہ، زُبیر اور سعد ابن ابی وقاص) اور کچھ افراد کو اِس کام پر مامور کر دیا تھا کہ وہ ان چھے افراد پر دباؤ ڈالیں گے کہ تین دن کے اندر اندر اپنے درمیان میں سے ایک شخص کو خلیفہ کے طور پہ منتخب کر لیں اور چونکہ مولا علی علیہ السلام نے اہلِ شوریٰ کے نا مشروع شرائط کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے افراد اور اُن کے فیصلوں پر رضا مندی کا اظہار نہ فرمایا تو وہ لوگوں خلیفۂ ثالث کی طرف مائل ہوئے اور اُسے خلیفہ کے طور پر چُن لیا۔ جب مولاؑ نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے نتائج دیکھے تو مندرجہ ذیل حکیمانہ کلام ارشاد فرمایا:

"لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِي"

"تم بخوبی جانتے ہو کہ مجھے اَوروں سے زیادہ خلافت کا حق پہنچتا ہے۔"

یہ اس بات کی جانب اِشارہ ہے کہ اگر میں تم لوگوں کے فیصلے کے سامنے مجبوراً کچھ نہیں کہہ رہا ہوں، تو وہ اس لیے نہیں ہے کہ میں اپنی لیاقت میں تھوڑا سا بھی شک و تردّد کا شکار ہوا ہوں۔

پھر اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَوَاللهِ لَأُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ أُمُورُ الْمُسْلِمِينَ وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا جَوْرٌ إِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً"

"اور خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے اُمور کا نظم و نسق برقرار رہے گا، اور صرف میری ہی ذات ظُلم و جَور کا نشانہ بنتی رہے گی، تو میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر میں تسلیم کر رہا ہوں تو یہ مسلمانوں کی مصلحت کے لیے ہے کہ ان حسّاس لمحات میں جب کہ دشمنانِ اسلام اندر اور باہر دونوں جانب سے نورِ اسلام کو بجھانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اندرونی طور پر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کی صفوں میں شگاف پڑ جائے اور وہ لوگ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں یا بے گناہوں کا خون اِس بنا پر بہہ جائے، میں اس ظُلم و ستم کو اپنی ذات پر تو قبول کر لوں گا اور اپنے حق کو نظر انداز کر دوں گا، مگر یہ صرف تب تک کے لیے ہے کہ جب تک حکومتِ وقت کی جانب سے اسلام پر کوئی حرف نہ آئے۔ پھر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اِلْتِمَاساً لِأَجْرِ ذٰلِكَ وَفَضْلِهِ"

"تاکہ اس صبر پر اللہ سے اَجر و ثواب طلب کروں۔"

https://downloadshiabooks.com/

"وَزُهْدًا فِيْمَا تَنَافَسْتُمُوْهُ[۱] مِنْ زُخْرُفِهِ[۲] وَزِبْرِجِهِ"[۳]

اور دوسرے یہ کہ اُس زیب وزینت اور آرائش کو ٹھکرا دوں جس پر تم مرمٹے ہو۔

امامؑ نے اس مختصر سی عبارت میں اہم نکات کو بیان کیا ہے:

ایک تو یہ ہے کہ آپؑ کی ذاتِ والا صفات تمام لوگوں سے زیادہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے لائق تھی اور جن لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد یا کینہ اور حسد کے باعث آپؑ کو آپؑ کے حق سے دور رکھا اور آپؑ پر بھی ظلم وستم کیا اور مسلمانوں پر بھی کہ اُنہیں ایسے پیشوا سے محروم رکھا۔

دوسرے یہ کہ مولاؑ کی خاموشی اور موجودہ حالات میں خاموشی بغیر کسی قید اور شرط کے نہ تھی، بلکہ اس امر پر مشروط تھی کہ مسلمانوں کے مصالح کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور کسی کے بھی حق میں ظلم وستم نہ ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ مولاؑ اس نہایت تلخ اور تکلیف دہ خاموشی کے بدلے اجر وثوابِ الٰہی کے طالب تھے اور یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ جس چیز کو وہ لوگ دنیا کی زرق برق چیزوں میں ڈھونڈ رہے ہیں اور اس کی خاطر مر مٹنے کے لیے تیار ہیں، آپؑ کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور آپ کی بلند وبالا فکر کے میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔

چند سوالات اور ان کے جوابات

سوال: کیا کلام امامؑ کا مفہوم یہ ہے کہ مولاؑ کی پہلے اور دوسرے خلیفہ کے دور میں خاموشی، اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ حق اور عدالت کی راہ سے کبھی نہ ہٹے تھے، ورنہ مولاؑ قیام کرتے اور اعتراض ضرور کرتے؟

جواب: یقیناً مولاؑ اُس دور اور اُن خلفاء سے بھی راضی نہ تھے جیسا کہ خطبۂ شقشقیہ اور اس جیسے دیگر کلام میں، آپؑ نے اُن کی نسبت بھی اپنے اعتراض کو مخفی نہ رکھا، اور شروع میں پہلے خلیفہ کی بیعت سے اجتناب کر کے اور جو کچھ سقیفہ میں

---

[۱] تَنَافَسْتُمُوْهُ، کا لفظ مُنافِسَہ کے مادّے سے ہے اور کسی نفیس چیز کو پانے کے لیے رَقابت سے کام لینا (ہر چند کے وہ درحقیقت نفیس نہ ہو)۔ مرغوب اور جاذبِ نظر اشیا کو نفیس کہنے کی وجہ یہی ہے کہ انسان اُنہیں پانے کے لیے خود کو زحمت میں ڈال دیتا ہے۔

[۲] زُخْرُف، دراصل سونے کے معنی رکھتا ہے اور زینت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اصل میں ہے ہی صرف زینت کے معنی میں، اور اگر سونے کو زُخرُف کہا جاتا ہے، تو اس لیے کہ یہ زینت کے وسائل میں سے ایک ہے اور مُزخرف کا لفظ دھوکا دینے والی اور بظاہر دلربا باتوں کو کہا جاتا ہے اور اسی طرح سے مزین گھروں اور اُن جیسی جگہوں کو بھی کہتے ہیں۔

[۳] زِبْرِج، کا لفظ بھی زخرف کی طرح سونے اور زیب وزینت کے معنی رکھتا ہے۔ اور یہ لفظ ہر اُس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بظاہر خوبصورت ہو، ہر چند کہ باطن میں اُس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

ہوا، اُس پر سرِ عام اعتراض کر کے جو کچھ کہنا چاہیے تھا، وہ سب کہہ دیا۔ (جیسا کہ خطبہ ۶۸ کی شرح میں گزرا) اور بعد میں جب اُن کی خلافت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور چونکہ اُن پر اعتراض کرنا اُس وقت بے سود تھا، لہٰذا خاموشی اختیار فرمائی، تا کہ کہیں اندرونی پھوٹ کے باعث حکومتِ اسلامی ضعیف اور کمزور نہ پڑ جائے۔

سوال: امامؑ نے خلیفۂ ثالث پر اِعتراض کیوں نہیں فرمایا، جب کہ بیت المال میں سے اپنے قرابت داروں کو بخشنے نے اور مملکت اسلامی کے حساس ترین سرکاری عہدوں کو نالائق افراد کو سونپنے کے حوالے سے اُس کی غلطیاں کسی سے مخفی نہیں تھیں، کیا امامؑ کا یہ سُکوت اور یہ خاموشی، خلیفۂ ثالث کے اعمال پر رضامندی کی دلیل ہے؟

جواب: بے شک امامؑ نے نہ تو حضرت خلیفۂ ثالث پر اور نہ ہی اُس کے اعمال رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابوذرؓ کو ربذہ کی جانب شہر بدر کر دینے اور دیگر بہت سے کاموں پر مولاؑ کا اعتراض کرنا اس بات کو بخوبی ثابت کر رہا ہے کہ امامؑ خلیفۂ ثالث کے کاموں پر بھی معترض تھے۔ اور اس بات کی من جملہ روشن ترین اور واضح ترین گواہی وہ کلام ہے جو خلیفۂ ثالث کی زندگی کے آخری ایام میں مولاؑ سے نقل ہوا ہے، کہ جب خلیفۂ ثالث کو پتا چلا کہ مختلف اسلامی شہروں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مدینے میں جمع ہو گئی ہے، تو وہ خود مولاؑ کے گھر آیا اور کہنے لگا، لوگوں کی نظر میں آپ کی اچھی قدر ومنزلت ہے اور سب آپؑ کی بات سنتے اور مانتے ہیں، آپؑ حالات کی دگر گونی کو تو دیکھ رہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپؑ اِن لوگوں سے بات کریں اور اُنہیں اِس روش سے روکیں جو ان لوگوں نے اپنائی ہوئی ہے۔ مولاؑ نے فرمایا: میں کس شرط پر اُنہیں راضی کروں کی وہ باز آ جائیں؟ خلیفۂ ثالث نے کہا، اِس شرط اور وعدے کے تحت، کہ میں آج کے بعد آپؑ کے مشورے کے مطابق چلوں گا۔ مولاؑ نے فرمایا، میں نے تم سے بارہا تمہاری غلط حرکتوں کے بارے میں بات کی ہے اور تمہیں سمجھایا ہے اور تم نے بھی وعدہ کیا کہ اب میری بات پر عمل کرو گے، مگر تم مروان، امیر شام اور ابنِ عامر کی باتوں پر کان دھرتے ہو اور تم نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا۔

اس طرح سے امام عالی مقامؑ نے خلیفۂ ثالث کا دوبارہ کیا گیا وعدہ، جو کہ خلاف ورزیوں کو روک دینے کے متعلق تھا، قبول فرمایا اور مہاجرین اور انصار میں سے تیس افراد کے ساتھ جا کر مصریوں سے جو حضرت عثمان کے خلاف مظاہرہ کر رہے تھے، گفتگو فرمائی اور مصریوں نے قبول بھی کر لیا کہ وہ لوگ مصر کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (۱)

مگر خلیفۂ ثالث نے پھر کچھ خلاف ورزیاں کیں اور غلط اقدامات کیے، جن کی وضاحت تفصیل کے ساتھ جلد اوّل خطبۂ شقشقیہ، صفحہ ۳۸۱ کی شرح کے ذیل میں خلیفۂ ثالث کے خلاف احتجاج اور ہنگامہ آرائی کی وجوہات کے عنوان کے

(۱) شرح نہج البلاغہ ابنِ ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۲۹ کے بعد۔

https://downloadshiabooks.com/

تحت ذکر ہوئی ہے، مگر مولاؑ کی تدبیروں اور محنتوں کو دوبارہ وعدہ خلافی اور غلطیوں کے تکرار کے ذریعے ضائع کر دیا گیا۔ یوں یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ امامؑ نے بارہا خلیفۂ ثالث پر اعتراض کیا ہے اور اس سے عہد لیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو سُدھار لے گا، لیکن خلیفۂ ثالث مروان اور امیر شام کے وسوسوں تلے اِس طرح دبا ہوا تھا کہ وہ کبھی اپنے معاملات کو یہاں تک کہ ظاہری طور پر بھی سُدھار نہ سکا۔

نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۶۴ میں بھی اس موضوع پر ایک تفصیلی شرح پیش کی گئی ہے کہ جب لوگ امامؑ کے پاس جمع ہوئے اور خلیفۂ ثالث کے متعلق آپؑ سے شکایت کی اور آپؑ نے یہ ارادہ کیا کہ خلیفۂ ثالث سے اس مسئلے پر گفتگو کریں گے اور اُس سے کہیں گے کہ اپنی غلطیوں سے دستبردار ہوجائے۔

تو حضرتؑ اُس کے پاس آئے اور اُسے نصیحت کی اور اُس کی غلطیوں پر اعتراض فرمایا اور اُسے ظلم وستم کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اس وقت اپنے اختیارات کی باگ ڈور کو مروان اور اُس جیسے دیگر افراد کے حوالے نہ کرے۔

خلیفۂ ثالث نے بھی مولاؑ سے التجا کی کہ لوگوں سے اُس کے لیے مہلت طلب کرلیں، تاکہ اس دوران لوگوں کے ضائع شدہ حقوق کو لوٹا سکے تو مولاؑ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ مدینے سے متعلق ہے، اُس میں کوئی مہلت نہیں ہے اور جو کچھ مدینے سے باہر سے متعلق ہے، اُس کی مہلت وہ وقت ہے کہ جتنے عرصے میں تمہارا حکم اُن تک پہنچ جائے۔

سوال: شوریٰ کی داستان جو کہ خلیفۂ ثالث کے انتخاب پر انجام پزیر ہوئی، کیا حقیقی شوریٰ تھی، ہر چند محدود اور عمر کے چنے ہوئے افراد پر مشتمل تھی، چُنا تھا؟

یا تو پھر یہ کوئی سازش تھی شوریٰ کی شکل میں، تاکہ اس طرح سے مولا علیؑ کو خلافت سے دور رکھا جاسکے اور اُن کے بجائے خلیفۂ ثالث کو بٹھایا جاسکے؟

جواب: جو کچھ ہم نے خطبے کی شان ورود میں بیان کیا، اُس سے یہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے اور اس کے علاوہ بھی ہمارے پاس ایسے روشن ترین قرینے موجود ہیں جو دوسرے احتمال کو تقویت دیتے ہیں۔ اِس کی تفصیل قارئین کرام پہلی جلد خطبۂ **شقشقیہ** کی شرح میں، ص ۳۶۸ کے بعد مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جی ہاں! ایسی شوریٰ جو ابن ابی الحدید اہلسنّت کے بڑے دانشور کے کہنے کے مطابق اُن تمام تر فتنوں کا سبب تھی جو عُمر کے مرنے کے بعد رونما ہوئے، یہاں تک کہ اُن تمام فتنوں کی جڑ تھی جو اس دُنیا کے خاتمے تک مسلمانوں کے مابین رُونما ہوتے رہیں گے، جس کے باعث خلیفۂ ثالث خلیفہ بن بیٹھا اور جس کا نہایت دردناک انجام ہوا اور پھر امیر شام کی شام میں

https://downloadshiabooks.com/

حکومت اور پھر جنگ صفین اور جمل اور نہروان اور دیگر حادثات رونما ہوئے۔ (۱)

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱

https://downloadshiabooks.com/

پچھتّرواں خطبہ

ومن کلام له علیه السلام [1]

لَمَّا بَلَغَهُ اِتِّهَامُ بَنِي أُمَيَّةَ لَهُ بِالْمُشَارَكَةِ فِي دَمِ عُثْمَانَ

جب آپؑ کو خبر ملی کہ بنی امیّہ آپؑ پر خونِ خلیفۂ ثالث کا الزام لگا رہے ہیں۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

امامؑ نے اِس مختصر سے کلام میں غیر منطقی طریقے سے اور ناانصافی سے عیب جوئی کرنے والوں کو نشانۂ سُخن قرار دیا ہے کہ وہ بیہودہ باتیں کرکے اپنے آپ کو زحمت میں نہ ڈالیں اور اپنی عزت گنوانے والی حرکتیں نہ کریں، کیونکہ امام عالی مقامؑ کا ماضی واضح ہے اور آپ کا ہدف ہر لحاظ سے واضح ہے۔

أَوَلَمْ يَنْهَ بَنِي أُمَيَّةَ عِلْمُهَا بِي عَنْ قَرْفِي؟ أَوَمَا وَزَعَ الْجُهَّالُ سَابِقَتِي عَنْ تُهَمَتِي! وَلَمَا وَعَظَهُمُ اللهُ بِهِ أَبْلَغُ مِنْ لِسَانِي. أَنَا حَجِيجُ الْمَارِقِينَ، وَ خَصِيمُ النَّاكِثِينَ الْمُرْتَابِينَ، وَ عَلَى كِتَابِ اللهِ تُعْرَضُ الْأَمْثَالُ، وَبِمَا فِي الصُّدُورِ تُجَازَى الْعِبَادُ!

”کیا بنی امیّہ کو میری ذات سے مکمل آگاہی بھی انھیں مجھ پر الزام تراشی سے نہیں روک سکی اور کیا ان جاہلوں کو میرے ماضی کے کارنامے مجھ پر تہمت طرازی اور بدگمانی سے باز نہیں رکھ سکے۔ بلا شبہ خداوند عالم نے (تہمت اور بدگمانی سے بچنے کے لیے) جو پند و نصائح ارشاد فرمائے ہیں، وہ میرے کلام سے کہیں افضل اور اثر انگیز ہیں، مگر انھوں نے ارشاداتِ الٰہی پر بھی کان نہیں دھرے۔ میں ان مارقین (دین سے خارج ہو جانے والے) پر بہر حال حجت تمام کرنے والا اور ان امن

---

[1] خطبے کی سند: راویوں نے اس کلام کی سوائے اُن اسناد کے جو نہج البلاغہ میں ذکر ہوئی ہیں اور کوئی سند ذکر نہیں کی ہے، سوائے اس کے کہ مصادر نہج البلاغہ کے مؤلّف نے ابن اثیر سے نہایۃ میں اور طریحی نے مجمع البحرین میں نقل کیا ہے کہ اس کلام کے کچھ حصے کا قرف کے عنوان سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۶)

https://downloadshiabooks.com/

کے مخالف، عہد شکن اور حقائق اسلام کی تردید کرنے والے افراد کا دشمن ہوں اور تمام غیر واضح باتوں کو کتاب خدا کی روشنی میں سمجھنا چاہیے اور بندگان خدا کو ان کی نیتوں کے حساب سے جزا دی جائے گی۔"

شرح وتفسیر

صُلح نہ کرنے والے منحرف دشمن

قتل خلیفۂ ثالث، جو کہ اُس کے بیت المالِ مُسلمین میں حد سے زیادہ ذاتی تصرف اور اس کے اور اس کے ساتھیوں کے مسلمانوں پر بے حساب ظُلم وستم کی وجہ سے ہوا، تاریخ اسلام میں بہت تلخ حوادث کا سرچشمہ بن گیا اور جیسا کہ زیادہ تر لوگ خلیفۂ ثالث کو قصوروار سمجھتے تھے، مگر موت کا مستحق نہیں جانتے تھے، لہٰذا زیادہ تر لوگ اس کے قتل سے ناخوش ہو گئے اور اسی بنا پر مُنحرِف سیاسی گروہوں نے اپنے اہداف کے حصول کے لیے اس قتل کو، اپنے مخالفین کو کچلنے کے لیے ایک بہانہ بنا لیا، اور یوں خلیفۂ ثالث کا قتل سیاسی خلفشار کا ایک بہت بڑا باعث بن گیا۔

بنی اُمیہ اور اُن میں بھی سرفہرست امیر شام، جو کہ خلیفۂ ثالث کے گھر پر حملے کے دوران خاموش رہا اور تماشا دیکھتا رہا، جب کہ مولا علی علیہ السلام خلیفۂ ثالث کو اُس کے برے اعمال پر سرزنش اور اُسے سمجھانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اُس کے قتل سے روک رہے تھے اور دفاع کر رہے تھے، یہاں تک کہ اپنے دونوں شہزادوں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو لوگوں کے ہجوم کو روکنے کی غرض سے خلیفۂ ثالث کے گھر کے دروازے پر تعیینات کیا تھا۔

اب جب کہ خلیفۂ ثالث قتل ہو گئے، امیر شام خلیفۂ ثالث کے خون کا انتقام لینے کھڑا ہو گیا اور اس حرکت کو خلافت کے حصول کا ذریعہ بنا لیا خاص طور پر امیر شام شام میں جو کہ مدینے سے بہت دور واقع تھا، اپنی مخصوص مکاریوں اور چال بازیوں کے ذریعے لوگوں کو یہ دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا کہ میں خلیفۂ ثالث کا مددگار اور حمایتی ہوں اور علیؑ کا دامن خلیفۂ ثالث کے خون سے آلودہ ہے۔

خلیفۂ ثالث کے پیراہن کا واقعہ مشہور ہے کہ امیر شام نے خلیفۂ ثالث کے خون آلود کرتے یا لباس کو یا اُس جیسے کسی پیراہن کو شام کے دروازے سے پر لٹکا دیا تا کہ اس طرح سے لوگوں کو مولا علی علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا جا سکے اور پھر بہت سے شام کے بوڑھوں کو اِس پر اُبھارا کہ مسجد میں منبر کے اِردگرد جمع ہو کر خلیفۂ ثالث کی موت پر عزاداری اور گریہ وزاری کریں اور

https://downloadshiabooks.com/

اس طرح سے لوگوں کے جذبات اور احساسات کو مزید اُبھارا جاسکے۔

مولا علی علیہ السلام اس تہمت اور اس فریب سے بھرپور جھوٹ کو دفع کرنے اور مکاریوں اور مصنوعی حرکتوں کے پردے کو ان کے چہروں سے ہٹانے کے لیے مختلف طریقوں سے میدان میں آئے اور اس بارے میں آپؑ نے بہت سے بیانات بھی ارشاد فرمائے کہ جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے۔ پہلے فرماتے ہیں:

"اَوَلَمْ یَنْہَ بَنِیْ اُمَیَّۃَ عِلْمُھَا بِیْ عَنْ قَرْفِیْ (۱) اَوَمَا وَزَعَ (۲) الْجُھَّالَ سَابِقَتِیْ عَنْ تُھَمَتِیْ (۳)"

"میرے متعلق سب کچھ جاننے بوجھنے نے بنی امیہ کو مجھ پر اِفترا پردازیوں سے باز نہیں رکھا اور نہ میری سبقتِ ایمانی اور دیرینہ اِسلامی خدمات نے ان جاہلوں کو اِتہام لگانے سے روکا۔"

یہ اس نکتے کی جانب اشارہ ہے کہ بنی اُمیّہ چاہے جتنے بھی نااِنصافی کرنے والے اور حق کو نہ پہچاننے والے ہوں، مگر جو صفات وہ میرے بارے میں جانتے ہیں کہ میں کسی پر کم ترین ظُلم بھی نہیں کرتا اور بِلا وجہ اپنے ہاتھ کسی کے خون سے آلودہ نہیں کرتا، نیز میرے گزشتہ کارناموں سے بخوبی واقف ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے اپنا بھائی کہہ کر خطاب فرمایا اور مجھے اپنی نسبت ایسا جانا جیسی نسبت مُوسیٰؑ سے ہارونؑ کو تھی اور ہماری شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہم ترین اور پُراسرارترین معاملات کو بھی میرے حوالے کردیا، ان سب باتوں سے آگاہی کے بعد بھی ایسی ناروا تہمتیں اور عیب جوئیاں اور یہ شرافت سے گری ہوئی باتیں مجھ سے منسوب کی جارہی ہیں، نہ میں قتلِ عثمان میں شریک تھا اور نہ ہی اُس جیسے کسی دوسرے کے قتل میں۔ بلکہ میں نے تو اس کا سب سے زیادہ دِفاع اور بیچ بچاؤ کیا ہے۔

ہر چند کہ میں اُسے اکثر معاملات میں قصوروار جانتا تھا مگر اُس کے قتل کے حق میں نہ تھا۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا اور اُس کے ان کاموں کے انجام سے اُسے باخبر کرتا رہا۔ اور جو لوگ اس کے خلاف اِحتجاج کررہے تھے اُنہیں بھی صبر و تحمل اور بُردباری اور حتی الامکان معاملات کو سلامتی آمیز انداز اور مذاکرات سے حل کرنے کو کہتا رہا، جب کہ بنی اُمیَّہ جو آج اُس کے

---

(۱) قَرْف، کا لفظ حرف کا ہم وزن ہے اور کسی چیز کی کھال اُتارنے کے معنی رکھتا ہے (جیسے درخت کی چھال اُتارنا) اور جیسا کہ عیب جُوئی سے لوگوں کی شخصیت کا اعتبار گرایا جاتا ہے لہٰذا یہ لفظ عیب جوئی اور اِلزام تراشی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

(۲) وَزَعَ، کا لفظ وَزع کے مادّے سے ہے اور وضع کا ہم وزن ہے، یہ کسی چیز سے روکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ جمع کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے، کیونکہ کسی چیز کو جمع کرنے کے لیے اُس کے پراگندہ ہونے اور پھیلنے کی روک تھام کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر توزیع کا لفظ تقسیم کے معنی میں آیا ہے تو شاید اِس لیے کہ کسی چیز کو بانٹنے کے لیے پہلے اُسے یکجا کیا جاتا ہے اور جمع کیا جاتا ہے اور پھر اُسے مختلف حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔

(۳) تُھَمَت، کا لفظ وَھم کے مادّے سے ہے اور اصل میں کسی شخص یا کسی شے کے بارے میں آتا ہے یہ لفظ ھ پر زَبَر کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور اُس کے اُوپر جزم کے ساتھ بھی اور جیسا کہ بدگمانی کے وقت انسان، دوسروں پر غلطی کی نسبت لگاتا ہے تو تہمت کا لفظ بعض اوقات بہتان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ جو وہی غلطی کی نسبت دینا ہی ہے، اور مندرجہ ذیل خُطبے میں اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

خون کے اِنتقام کے نعرے لگا رہی ہے وہ لوگ اُس موقع پر خاموش اور تماشا بین تھے۔

پھر اِس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید شدت کے اظہار کے لیے فرماتے ہیں:

"وَلَمَا وَعَظَهُمُ اللّٰهُ بِهِ أَبْلَغُ مِنْ لِسَانِيْ"

"اور جو اللہ نے کِذب وافترا سے متعلق اِنہیں پند و نصیحت کی ہے وہ میرے کلام سے کہیں زیادہ بلیغ ہے۔"

کیا اُن لوگوں نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ [1]

"اے ایمان لانے والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور دوسروں کے کاموں میں تجسُس نہ کرو اور تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً تم سب کو اِس بات سے کراہت ہوگی۔" (غیبت کرنا بھی بالکل ایسا ہی ہے)

جی ہاں! وہ لوگ چاہے جتنے بھی جاہل، ناانصاف اور حق کو نا جاننے والے ہوں، کم سے کم انہوں نے ان فضائل کو تو سن ہی رکھا ہوگا جن سے ہر خاص و عام واقف ہے، تو پھر کیوں ان ناروا کاموں سے دست بردار نہیں ہوجاتے۔ کیا ان لوگوں نے خدا کا یہ فرمانِ گرامی نہیں سُنا:

"وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾" [2]

"اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اُسے کسی بے قصور کے سر تھوپے تو اُس نے ایک بڑے افترا اور صریحی گناہ کو اپنے اُوپر لاد لیا۔"

پھر مولاؑ ایک اور نکتے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں ان مارقین (دین سے خارج ہوجانے والوں) کا محاجّہ کرنے والا ہوں اور اپنی مخالفت کو ان پر کھل کر آشکار کرنے والا ہوں اور میں ان امن دشمنوں، عہد شکنوں اور حقائق اسلام کی تردید کرنے والوں کا دُشمن ہوں۔

اب یہ بات کہ امام علیہ السلام ان سے کہاں جھگڑا اور مُخاصمہ کریں گے، [3] اس نکتے پر نہج البلاغہ کے مفسرین کی مختلف

---

[1] سورۂ حُجرات، آیت ۱۲۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۱۲۔

[3] انسان اپنے دشمن سے گفتگو کرتے ہوئے اگر یہ قصد رکھتا ہے کہ اس پر غلبہ حاصل کرے، اس بنا پر اس کام کو محاجّہ کہا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

رائے ہے، بعض حضرات جیسے، ابن ابی الحدید[۱] اِس بات سے روزِ قیامت کی الٰہی عدالت مُراد لے رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کے طور پر آپؑ کی ایک مشہور حدیث کو ذکر کرتے ہیں:

"اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَجْثُوْ لِلْحُکُوْمَةِ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی"

"میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو بروز قیامت اللہ کی بارگاہ میں حق مانگنے کے لیے کھڑا ہوگا۔" جب کہ اس خطبے کی ظاہری تعبیر ایسے معنی کی طرف ہرگز اشارہ نہیں کررہی یا یوں کہیں کہ اس مضمون کے دائرے میں محدود نہیں ہے۔

بلکہ بظاہر امامؑ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میں ہمیشہ ہی سے عہد شکنوں، اور دینِ الٰہی میں تردّد کرنے والوں، اور دین الٰہی سے خارج ہوجانے والوں کا مخالف رہا ہوں اور رہوں گا۔ اور حضرتؑ کی ناکثین (جنگ جمل کی آگ بھڑکانے والوں) اور مارقین نہروان کے خوارج اور قاسطین، شام کے غارت گر لشکر سے کی گئی جنگیں اس معنی پر گواہ ہیں۔

دوسری تعبیر کے مطابق مولاؑ فرمارہے ہیں:

"میں حق کے مخالفین کا مخالف ہوں۔ اگر اِسے تم عیب سمجھتے ہو تو میری عیب جوئی کرتے رہو۔"

اور پھر اس خطبے کے آخری جملوں میں اس بحث کی تکمیل کے لیے ایک اور نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَعَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ تُعْرَضُ الْاَمْثَالُ[۲] وَبِمَا فِی الصُّدُوْرِ تُجَازَی الْعِبَادُ"

"اور تمام مشتبہ باتوں کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہیے اور بندوں کو اُن کی نیت کے مطابق پھل ملے گا۔"

نہج البلاغہ کے بہت سے مفسرین اس تعبیر کو سورۂ حج کی آیت کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ"[۳]

"یہ دونوں (مومن کافر) دو فریق ہیں آپس میں اپنے پروردگار کے بارے میں لڑتے ہیں۔"

اور یہ اس کی شان نزول سے متعلق ہے جو کہ ذکر ہوئی ہے کہ جنگ بدر کے دن مسلمانوں میں سے تین افراد بالترتیب مولا علیؑ، حمزہؑ اور عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب (جو کہ تینوں قریش اور بنی ہاشم سے تھے) بالترتیب ولید بن

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۱۷۰۔

[۲] امثال، کا لفظ مَثَل کی جمع ہے اور عَسَل کے وزن پر ہے اور شبیہ اور مانند کے معنی رکھتا ہے اور جیسا کہ مُبہَم معاملات میں مختلف زاویے ہوتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک زاویہ دوسرے زاویے سے شباہت رکھتا ہے اس لیے امثال کا لفظ بعض اوقات مُبہَم اور متشابہ چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مندرجہ ذیل خطبے میں بھی یہی معنی مُراد ہیں۔

[۳] سورۂ حج، آیت ۱۹

https://downloadshiabooks.com/

عُتبہ، عُتبہ بن ربیعہ، اور شیبہ بن ربیعہ کے مدمقابل کھڑے ہوئے اور یہ تینوں بنی اُمیہ میں سے تھے۔ بالآخر انہیں قتل کر دیا اور یہ بات بنی اُمیہ کے دِلوں میں بغض اور کینے کی جڑ پیدا کرنے میں مؤثر ثابت ہوئی جو کہ انتقام لینے کے لیے ہر موقع سے فائدہ اُٹھانے لگے۔ مندرجہ ذیل آیت اور اس کے بعد نازل ہونے والی آیات ان دونوں گروہوں کی اصلیت اور انجام کو بیان کرتی ہیں۔ بنی اُمیہ کے مشرکین کا انجام جہنم کے دردناک عذاب اور مؤمن مسلمانوں کی قسمت جنت اور اُس کی بے کراں اور بے انتہا نعمتیں ہیں۔

مگر اِنصاف یہ ہے کہ اس خطبے کی تعبیر صرف اس آیت پر مرکوز نہیں ہوگی، بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو مُبہم مسائل تمہیں پیش آجاتے ہیں اُنہیں اُن جیسے شباہت رکھنے والے قرآن میں موجود مسائل کے بے ناظر میں دیکھو، تاکہ تم حق کو باطل سے جدا اور واضح کرسکو اور یہ کہ خلیفۂ ثالث قتل ہوگیا ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ دوسروں پر تہمتیں لگا کر اپنے سیاسی فائدے اُٹھا سکو۔ جب کہ تم خود اس وقت خاموش تھے اور اُسے معترضین کے سامنے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ یہ ایسا عمل ہے کہ جس سے قرآن مجید نے مختلف آیات میں روکا ہے؛ وہ آیات جو بہتان، تہمت، سُوئے ظَن، فحشا اور کذب اور جھوٹ سے روکتی اور منع کرتی ہیں، تمہاری ان سب باتوں کے برخلاف ہیں۔

آخری جملے میں اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں کہ خداوند عالم تمہاری ناپاک نیتوں سے آگاہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ تمہارا ہدف، خلیفۂ ثالث کا دِفاع نہیں ہے اور نہ مذہبی مسلمانوں کے درمیان اِصلاح کا ارادہ رکھتے ہو، بلکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ کسی بھی غیر شرعی اور ناجائز طریقے سے اپنے مقصد کو پالو، یعنی مسلمانوں پر ظالمانہ اور ناروا حکومت۔ اور اللہ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے اور تمہاری ان حرکتوں کو کیفرِ کردار تک ضرور پہنچائے گا۔

https://downloadshiabooks.com/

چھہتّر واں خطبہ

ومن خطبة له عليه السّلام [۱]

فِي الْحَثِّ عَلَى الْعَمَلِ الصَّالِح

جس میں عملِ صالح پر اکسایا کیا گیا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

کتاب کنز الفوائد کے لکھنے والے کراجکیؒ جو کہ مرحوم سیّد رضیؒ کے ہم عصر عُلما میں سے تھے، وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث نقل کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا: حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے چوبیس ایسے گرانقدر کلمات ارشاد فرمائے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کی قدر و قیمت، زمین و آسمان کے وزن کے برابر ہے، پھر مندرجہ ذیل خطبہ نقل فرمایا۔ [۲]

یہ خطبہ، نہج البلاغہ میں آنے والے تمام تر مباحث کے مطابق مخلص مؤمنین کی بیس شائستہ صفات پر مُشتمل ہے۔ اور مرحوم کراجکیؒ نے اس خطبے کے ذیل میں چار جملوں کا اضافہ کیا ہے:

(حَذَرَ أَمَلًا) (وَرَتَّبَ عَمَلًا)، (يَظْهَرُ دُونَ مَا يَكْتُمُ) (وَيَكْتَفِي بِأَقَلَّ مِمَّا يَعْلَمُ) [۳]

---

[۱] خطبے کی سند: یہ خطبہ متعدد کتابوں میں نقل ہوا ہے جن میں سے بعض سیّد رضیؒ کے ہم عصر تھے جیسے کہ ابن شعبۂ خزانی نے تُحف العقول میں اور کراجکی نے کنزُ الفوائد میں اس خطبے کو کچھ فرق کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہ تمام فرق بتا رہے ہیں کہ اُنہوں نے نہج البلاغہ کے علاوہ کسی اور کتاب سے نقل کیا ہے اور ایک اور گروہ نے کہ جو سیّد رضی کے بعد تھے، انہوں نے بھی ذکر کیا ہے جیسے کہ زمخشری نے رَبیعُ الأ برار میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں اور محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السّئو ول میں (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۷)

[۲] مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۸

[۳] لمبی اُمیدوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے اور نیک اعمال بجالاتا ہے۔ نیک اعمال میں سے جو کچھ ظاہر کرتا ہے وہ اس سے کم ہوتا ہے جسے وہ چھپا رہا ہوتا ہے، اور اپنی دانست میں جو کمترین شے بھی رکھتا ہے اُس پر قناعت کرتا ہے اور اُس پر عمل کرتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

البتہ خُطبے کے باقی حصے میں بھی کچھ تعبیرات میں معمولی سا فرق بھی دیکھا گیا ہے۔[1] بہر حال یہ خطبہ چھوٹا اور مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت معنی خیز ہے اور نہایت دقیق معانی رکھتا ہے، مولاؑ ایسے شخص کے لیے جس میں یہ بیس صِفات ہوں، خدا سے طَلَبِ رحمت کر رہے ہیں اور اس طرح سے لوگوں کو اِن صفات سے مزین ہونے پر متوجّہ کرا رہے ہیں اور در حقیقت نہایت اہم اخلاقی فضائل اور سیر وسلوک کا ایک مکمل دورہ اِس خطبے میں بطور خُلاصہ پیش فرما رہے ہیں۔

"رَحِمَ اللهُ امْرَأً! [عَبْدًا] سَمِعَ حُكْمًا فَوَعٰى، وَدُعِيَ إِلٰى رَشَادٍ فَدَنَا، وَأَخَذَ بِحُجْزَةِ هَادٍ فَنَجَا. رَاقَبَ رَبَّهُ، وَخَافَ ذَنْبَهُ، قَدَّمَ خَالِصًا، وَعَمِلَ صَالِحًا. اكْتَسَبَ مَذْخُورًا وَاجْتَنَبَ مَحْذُورًا، وَرَمٰى غَرَضًا، وَأَحْرَزَ عِوَضًا. كَابَرَ هَوَاهُ، وَكَذَّبَ مُنَاهُ. جَعَلَ الصَّبْرَ مَطِيَّةَ نَجَاتِهِ، وَالتَّقْوٰى عُدَّةَ وَفَاتِهِ. رَكِبَ الطَّرِيْقَةَ الْغَرَّاءَ، وَلَزِمَ الْمَحَجَّةَ الْبَيْضَاءَ. اغْتَنَمَ الْمَهَلَ، وَبَادَرَ الْأَجَلَ، وَتَزَوَّدَ مِنَ الْعَمَلِ"

"خدا رحمت نازل کرے اُس بندے پر جو کسی حکمت کو سنے تو محفوظ کر لے اور اسے کسی ہدایت کی دعوت دی جائے تو اس سے قریب تر ہو جائے اور کسی راہنما سے وابستہ ہو جائے تو نجات حاصل کر لے۔ اپنے پروردگار کو ہر وقت نظر میں رکھے اور گناہوں سے ڈرتا رہے۔ خالص اعمال کو آگے بڑھائے اور نیک اعمال کرتا رہے۔ قابل ذخیرہ ثواب حاصل کرے۔ قابل پرہیز چیزوں سے اجتناب کرے۔ مقصد کو نگاہوں میں رکھے۔ اجر سمیٹ لے۔ خواہشات پر غالب آ جائے اور تمناؤں کو جھٹلا دے۔ صبر کو نجات کا مرکب بنا لے اور تقویٰ کو وفات کا ذخیرہ قرار دے لے۔ روشن راستہ پر چلے اور واضح شاہراہ کو اختیار کر لے۔ مہلتِ حیات کو غنیمت قرار دے اور موت کی طرف خود سبقت کرے اور عمل کا زادِ راہ لے کر آگے بڑھے۔"

شرح وتفسیر

بیس گراں قدر نکات

مولاؑ اس جملے کے آغاز میں فرماتے ہیں:

[1] بحار الانوار، جلد ٦٦، ص ٤١٨

https://downloadshiabooks.com/

"رَحِمَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ حُكْمًا[١] فَوَعَى[٢] وَدُعِيَ إِلَى رَشَادٍ فَدَنَا، وَأَخَذَ بِحُجْزَةِ[٣] هَادٍ فَنَجَا. رَاقَبَ رَبَّهُ، وَخَافَ ذَنْبَهُ"

"خدا اُس شخص پر رحم کرے جس نے حکمت کا کوئی کلمہ سُنا، تو اُسے گرہ میں باندھ لیا۔ ہدایت کی طرف اُسے بلایا گیا تو دوڑ کر قریب ہوا۔ صحیح رہبر کا دامن تھام کر نجات پائی۔ اللہ کو ہر وقت نظروں میں رکھا اور گناہوں سے خوف کھایا۔"

اس جگہ مولاؑ نے ان پانچ اوصاف کے بیان کے ذریعے قُربِ الٰہی کی راہ کے مُسافروں اور تقویٰ و خُود سازی کی راہ کے سالکوں کے مقدمات سفر کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے سننے والے کانوں کی ضرورت ہے کہ پہلے حقائق کو سنیں اور پھر اُنہیں اپنے آپ پر طاری کریں اور پھر بُلانے والے کی جانب مزید فہم کے لیے قدم اُٹھانا اور اُس کے بعد ہادی اور رہبر کے دامن کو تھام لینا اور اُس کے ساتھ ساتھ خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا اور گناہ اور غلطی سے خوف رکھنا ہے۔ جو بھی ان پانچ فضائل کو حاصل کرے وہ مقدماتِ سفر کو مکمل کر چکا ہے اور چلنے کے لیے تیار ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ خدا نے انسان کو الٰہی فطرت پر خلق کیا ہے اور عقل نام کا ایک روشن چراغ اُس کے اختیار میں دے دیا ہے، مگر اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ راستہ طے کرنے کے لیے صرف عقل اور فطرت سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک الٰہی داعی اور ہدایت کی طرف بُلانے والا بھی ضروری ہے اور دلیل اور رہنما اور اُستاد کی بھی ضرورت ہے۔

یہ بات تو واضح ہے ہی کہ رہنما اور منجی جیسے الفاظ سے مُراد انبیا و مرسلینؑ اور چہاردہ معصومینؑ اور وہ افراد ہیں جو اُن کی ہی بات کرتے ہیں اور اُنہی کی جانب بلاتے ہیں، نہ کہ وہ بدعت گزار افراد جو خود کو شُیوخِ تصوّف کہلواتے ہیں جب کہ وہ خود تاریکیوں اور ظُلمات میں قدم بڑھا رہے ہوتے ہیں، چہ جائے کہ وہ خضرِ طریقت اور رہنمائے حقیقت بنیں۔

خوفِ خدا سے نفس پر قابو پانے، ہوا و ہوس سے مقابلہ کرنے اور شہوتوں کے خلاف عمل میں کیا تاثیر ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔

پھر اُس کے بعد جب مقدماتِ سفر پورے ہو گئے اور سامانِ سفر کو باندھا جا چکا تو اَب عملی پروگرام شروع ہوگا، اِس حصے میں امامؑ اضافہ فرماتے ہیں:

---

[١] حُکم، یہاں پر حکمت آمیز کے معنی میں آیا ہے۔

[٢] وَعیٰ، کا لفظ وَعی کے مادّے سے ہے اور سَعیٰ کے وَزن پر ہے، کسی چیز کو یاد کر لینے کے معنی رکھتا ہے اور اُذُن وَاعِیَة کا لفظ اِسی بات کی ترجُمانی کرتا ہے کہ اِنسان جن چیزوں کو سُنے، اُن کو بخوبی ذہن نشین کر لے۔

[٣] حُجزة، کا لفظ حَجز کے مادّے سے اور عَجز کے وزن پر ہے اور بچانے اور رُکاوٹ بننے کے معنی میں آتا ہے، مثلاً کمر بند کپڑوں کو مضبوطی سے پکڑے اور روکے رکھتا ہے لہٰذا حُجزة کا لفظ اِس پر بھی صادق آتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"قَدَّمَ خَالِصًا، وَ عَمِلَ صَالِحًا، اكْتَسَبَ مَذْخُورًا، وَ اجْتَنَبَ مَحْذُورًا، وَ رَمٰى غَرَضًا[۱] وَ أَحْرَزَ عِوَضًا. كَابَرَ[۲] هَوَاهُ، وَ كَذَّبَ مُنَاهُ"

"عمل خالص انجام دیا، نیک کام کیے اور ثواب کا ذخیرہ جمع کیا بُری باتوں سے اِجتناب برتا، صحیح مقصد کو پا لیا، اپنا اَجر سمیٹ لیا، خواہشوں کا مُقابلہ کیا، اُمیدوں کو جھٹلایا۔"

مولاؑ نے سعادت مند مؤمنوں کی صِفات کے اِس حصے میں سب سے پہلے خالص اور صالح عمل پر تکیہ فرمایا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"اَلْعَمَلُ الْخَالِصُ الَّذِیْ لَا تُرِیْدُ أَنْ یَمْدَحَكَ عَلَیْهِ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ"[۳]

"خالص عمل وہ ہے کہ جس پر تم اللہ کے سوا کسی اور کی مدح کے خواہاں نہیں۔"

قرآن کی آیت میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے:

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ[۴]

"اور انہیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ نِرا کھرا اُسی کا اعتقاد رکھ کے خدا کی عبادت کریں"۔

اخلاص کی کچھ اور بھی وضاحتیں اور تفسیریں کی گئی ہیں جو کہ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ کہا گیا ہے کہ اخلاص کا مطلب عمل کو خلائق سے چھپانا ہے۔

کبھی کہا گیا ہے کہ اخلاص خدا کے معاملات سے مخلوقات کو الگ رکھنے کا نام ہے۔ اور کبھی یوں کہا گیا کہ اِخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کے بدلے میں کوئی صِلہ و جزا نہ مانگے، نہ دُنیا میں مانگے اور نہ ہی آخرت میں، اور اپنے اَعمال کو محض اپنے پروردگار سے عشق کی خاطر انجام دے۔ البتہ یہ اخلاص کی سب سے اونچی منزل ہے جیسا کہ مولا اَمیر المومنینؑ ایک مشہور و معروف حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِلٰهِیْ مَا عَبَدْتُكَ طَمَعًا فِیْ جَنَّتِكَ وَ لَا خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْتُكَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ

---

[۱] غَرَض، کا لفظ مَرَض کے وزن پر ہے اور یہ اُس ہَدَف سے مُراد ہے جیسے تیر اندازی کے وقت نشانہ بنایا جاتا ہے اور یہ مقصود اور حاجت کے معنی میں بھی آیا ہے، مگر ایک روایت کے مُطابق غَرَض کا لفظ غین کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں دُنیا کی جلد فنا ہو جانے والی مَتاع۔

[۲] کابر، کا لفظ مُکابرہ کے مادّے سے ہے اور یہ تنازع اور لڑائی کے معنی رکھتا ہے، اور کبھی عملی تنازعات کو بھی کہا جاتا ہے جس کا مقصد سامنے والے پر غلبہ پا جانا ہے نہ کہ حق کی تحقیق۔ اور یہاں پر وہی پہلا معنی ہی مراد ہے۔

[۳] کافی، جلد ۲، ص ۱۶۔

[۴] سورۂ بیّنہ، آیت ۵۔

https://downloadshiabooks.com/

فَعَبَدْتُكَ"۔ ①

"اے میرے خدایا! میں نے نہ تیری جنت کے لالچ میں تیری عبادت کی اور نہ ہی تیرے جہنم کے خوف سے بلکہ میں نے تجھے لائقِ عبادت پایا، اس لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔"

اِخلاص اور عمل صالح کے فوراً بعد، روزِ قیامت کے لیے جمع کرنے کا تذکرہ ہو رہا ہے، اور درحقیقت بہترین ذخیرہ وہی خالص اعمالِ صالحہ ہی ہیں۔ اور جیسا کہ بعض اوقات انسان کچھ خالص اور نیک وصالح اعمال تو انجام دے دیتا ہے، مگر اُس کے بعد کیے جانے والے گناہ اُن نیک اعمال کو جلا کر ختم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا گناہوں سے اِجتناب کرنے اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ اَعمال صالحہ کے ذخیرے اپنی جگہ محفوظ رہ سکیں۔ اور اس کے علاوہ جیسا کہ دُنیا طلبی، انسان کو اعمال صالح کا ذخیرہ کرنے سے روک دیتی ہے اور نفسانی خواہشات کی پیروی بھی اِس راہ کی اہم رُکاوٹوں میں سے ہے اور لمبی آرزوئیں اور خواہشات بھی سَدِّ راہ ہیں، لہٰذا اِس کلام میں امامؑ دنیا کی زَرق بَرق چیزوں سے پرہیز، خواہشات نفسانی سے لڑنے اور لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں سے پرہیز کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

اس طرح پہلے حِصے میں بیان شُدہ پانچ صفات کے بعد یہ آٹھ صِفات جو یہاں بتائی گئی ہیں، ان میں اُن خالص اور صَالح اعمال کی بات ہو رہی ہے کہ جنہیں مختلف آفات سے محفوظ رکھا جا سکے تا کہ وہ روزِ قیامت کے لیے ذخیرہ اور جمع ہوتے رہیں۔

اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے مکمل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"قَوْلُ اللهِ تَعَالٰی: وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ... لَایُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَاهُ عَلٰی هَوَایَ اِلَّا شَتَّتُّ عَلَیْهِ أَمْرَهُ وَ لَبَّسْتُ عَلَیْهِ دُنْیَاهُ وَ شَغَلْتُ قَلْبَهُ بِهَا وَ لَمْ أُعْطِهِ مِنْهَا اِلَّا مَا قَدَّرْتُ لَهُ وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ... لَایُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَایَ عَلٰی هَوَاهُ اِلَّا اسْتَحْفَظْتُهُ مَلَائِکَتِیْ وَ کَفَّلْتُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرَضِیْنَ رِزْقَهُ"۔ ②

"خداوندِ متعال فرماتا ہے:

میری عزّت وجلال کی قسم! کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنی ہوائے نفسانی خواہشات کو میری مَرضی پر مُقدّم رکھے سوائے اِس کے کہ میں اُس کے معاملات کو منتشر کر دوں گا اور اُس کی دنیا کو اُس پر مُشتَبہ بنا دوں گا اور اُس کے قلب کو اُس میں مشغول کر دوں گا، اور جو میں نے اُس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے، اُس کے علاوہ اُسے کچھ بھی نہ دوں گا، اور میری عزّت وجلال کی قسم!

① بحارالانوار، جلد ۶۹، ص ۲۷۸

② اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۳۳۵

https://downloadshiabooks.com/

کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنی ہوائے نفسانی (خواہشات) پر میری مرضی کو مُقدّم کرے، سوائے اِس کے کہ میں اپنے فرشتوں کو اُس کی حفاظت کا حکم دے دوں گا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کو اُس کی رزق و روزی کا کفیل بنا دوں گا۔ پھر مولاؑ کے اِس خطبے کے آخری حصے میں کہ جس میں صالح اور سعادت مند مؤمنوں کی دیگر سات صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

"جَعَلَ الصَّبْرَ مَطِيَّةَ (۱) نَجَاتِهِ، وَ التَّقْوٰى عُدَّةَ وَفَاتِهِ، رَكِبَ الطَّرِيْقَةَ الْغَرَّاءَ (۲) وَ لَزِمَ الْمَحَجَّةَ (۳) الْبَيْضَاءَ، اغْتَنَمَ الْمَهَلَ (۴) وَ بَادَرَ الْاَجَلَ، وَ تَزَوَّدَ مِنَ الْعَمَلِ"

"صبر کو نجات کی سواری بنا لیا، موت کے لیے تقویٰ کا ساز و سامان کیا، روشن راہ پر سوار ہوا۔ حق کی شاہراہ پر قدم جمائے، زندگی کی مہلت کو غنیمت جانا۔ موت کی طرف قدم بڑھائے اور عمل کا زادِ سفر ساتھ لیا۔"

درحقیقت امامؑ نے ان سات صفات کے بیان میں، جو کہ چودھویں صفت سے شروع ہو کر بیسویں صفت پر ختم ہو رہی ہیں۔ سیر الی اللہ کے سالکوں اور قربِ الٰہی کے راہیوں پر ایک نظر ڈالی ہے اور اُن کی مختلف شرائط اور وسائل کو بیان فرمایا ہے۔

اِن راہوں پر سفر کرنے والوں کو سب سے پہلے تو ایک ایسے رہوار اور ایسی سواری کی ضرورت ہے جو اِس پُر پیچ و خم راستے کے تمام نشیب و فراز سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اور صبر و تحمل اور اِستقامت سے بہتر اور کون سی سواری ہو سکتی ہے کہ جو ہر وقت اور ہر جگہ نجات اور رہائی کا سبب ہوتی ہے۔ اور پھر دوسری جانب یہ بھی ہے کہ ہر مسافر کو کچھ ایسے وسائل اور اَسباب اپنے ساتھ رکھنے چاہئیں جو پورے راستے میں اُس کی تمام تر ضروریات کو پورا کر سکیں۔ مولاؑ نے تقویٰ کو وفات کے لیے وسیلۂ راہ کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے۔

اگلے مرحلے میں، وسیع اور روشن راستے کی شناخت اور پھر اُس راستے پر سفر کرنے کے لیے تیار ہو جانا، لازم ہے جسے "رَكِبَ الطَّرِيْقَةَ الْغَرَّاءَ وَ لَزِمَ الْمَحَجَّةَ الْبَيْضَاءَ" کے جملوں میں واضح فرمایا ہے۔ اِس طرح سے پہلے جملے میں راستے کے اِنتخاب کی جانب اشارہ ہے اور دوسرے جملے میں اُس راستے پر چل پڑنے اور پورے راستے کے دوران مُنحرف

---

(۱) مَطِيَّة، کے لفظ سے مراد رہوار اور وہ تیز رو سواری ہے جو سرکشی نہ کرے، اور اپنے سوار کو گمراہ نہ کرے۔

(۲) غرّاء، کا لفظ مؤنث کا صیغہ ہے اور اَغرّ کے لفظ سے مراد کوئی بھی سفید چیز ہے، اور اُس کے علاوہ ہر اُس شے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو بظاہر یا معنوی طور پر چمک دَمک والی ہو۔ اور طریقة غرّاء سے مُراد روشن اور اِنحرافات سے خالی راستے ہیں۔

(۳) مَحَجَّة، کا لفظ حج کے مادّے سے آیا ہے، یہ دراصل ارادہ کرنے کے معنی رکھتا ہے اور جیسا کہ سیدھے اور کھلے راستے، انسان کو مقصد تک پہنچا دیتے ہیں، اس لیے مَحَجَّة کا لفظ ایسے راستوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۴) مَهَل، کا لفظ اسمِ مصدر کے معنی رکھتا ہے اور صلح صفائی کے معنی میں آتا ہے اور کیوں کہ مُہلت سے صُلح صفائی کا موقع فراہم ہوتا ہے، لہٰذا یہ لفظ مُہلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل خطبے میں اُن مہلتوں کی جانب اشارہ ہو رہا ہے جو خدا اپنے بندوں کو اپنے نیک اور صالح اعمال کی اِصلاح کے لیے عطا کرتا ہے تا کہ انسان اُنہیں غنیمت سمجھے۔

https://downloadshiabooks.com/

نہ ہونے کا کہا گیا ہے۔

اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ ان مسافروں اور راہیوں کے پاس سفر کے آغاز میں اور راستے کے درمیان آنے والی منزلوں میں سواری کو تیار کرنے اور اُس جیسے دیگر وسائل کا بندوبست کرنے کی زیادہ مُہلت نہ ہوگی۔

اسی لیے امامؑ نے "اِغْتَنَمَ الْمَهَلَ وَبَادَرَ الْاَجَلَ" کے جملوں کے ذریعے انہیں اس بات کی آگاہی دلا دی کہ اس مُہلت کو غنیمت جانیں اور ایک ایک لمحے کا فائدہ اُٹھالیں اس سے پہلے کہ موت کے بے رحم ہاتھ ان کا گریبان پکڑ لیں بہتر یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس کام میں پہل کریں۔ اور آخر میں زادِ راہ اور توشۂ آخرت کے مسئلے پر زور دے رہے ہیں کہ جو یہی اَعمالِ صالح ہیں اور زندگی کے ان محدود اور مختصر ایام میں ان کو مہیا کرنا ہوگا۔

ایک نکتہ

فرصت کے لمحے کو غنیمت جاننا اور صبر سے کام لینا

صبر ایک نفسانی حالت ہے کہ جس کی مدد سے انسان طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کر سکتا ہے، اور جو مشکلات خدا کی اطاعت کی راہ میں رُکاوٹ بن کر سامنے آتی ہیں اُن پر صبر کرنا اطاعت پر صبر کہلاتا ہے اور اُن مشکلات کا مقابلہ جو نفس کی ہوا و ہوس اور شہوتوں کو اُبھارتی ہیں، انہیں معصیت پر صبر کہا جاتا ہے۔ اور جو مشکلات زندگی کی مصیبتوں، بیماریوں اور تکلیفوں کے باعث رُونما ہوتی ہیں، اُنہیں مُصیبت پر صبر کہا جاتا ہے اور درحقیقت یہی وہ صفت ہے جو انسان کو تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر چلنے میں کامیاب کرتی ہے اور دوسرے لفظوں میں جیسا کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"ایمان کے مقابلے میں صبر، بالکل ایسا ہے جیسا بدن کے مقابلے میں صبر۔"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عبرت انگیز حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

"سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُنَالُ الْمُلْكُ فِيهِ إِلَّا بِالْقَتْلِ وَ التَّجَبُّرِ وَ لَا الْغِنَى إِلَّا بِالْغَصْبِ وَ الْبُخْلِ، وَ لَا الْمَحَبَّةُ إِلَّا بِاسْتِخْرَاجِ الدِّيْنِ وَ اتِّبَاعِ الْهَوَى؛ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ الزَّمَانَ وَ صَبَرَ عَلَى الْفَقْرِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْغِنَى، وَ صَبَرَ عَلَى الْبِغْضَةِ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْمَحَبَّةِ، وَ صَبَرَ عَلَى الذُّلِّ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلَى

---

[۱] کلماتِ قصار، حکمت ۸۲

https://downloadshiabooks.com/

الْعِزِّ، آتَاهُ اللهُ ثَوَابَ خَمْسِينَ صِدِّيقًا مِمَّنْ صَدَّقَ بِيْ"

"ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب حکومت سوائے بے گناہوں کا خون بہانے کے اور ظلم وستم کے حاصل نہ ہو سکے گی، اور اُمیری سوائے چوری اور کنجوسی کے حاصل نہ ہوگی، اور محبتوں کا بٹورنا سوائے دین کے اُصولوں کو ٹھکرانے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کے حاصل نہ ہو سکے گا۔ جو شخص اُس زمانے میں موجود ہوگا، اگر اُس نے فقر پر صبر کیا جب کہ وہ ظلم اور ستم کے ذریعے سے امیر ہو سکتا تھا، اور لوگوں کے بغض و کینے پر صبر کرے، جب کہ وہ نفسانی خواہشات کے ذریعے سے محبتوں کے حُصول پر قادر تھا، اور ذلّت و خواری پر صبر کرے جب کہ وہ حرام طریقے سے عزت اور اِقتدار حاصل کر سکتا تھا، تو خدا اُسے میری تصدیق کرنے والے پچاس صدیقوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔"[۱]

آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ایک اور حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا:

"إِذَا هَمَمْتَ بِخَيْرٍ فَبَادِرْ فَإِنَّهُ مَا تَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ"[۲]

"جب تم نیکی کا ارادہ کر لو تو اسے انجام دو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کیا ہونے والا ہے۔"

اور ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِخَيْرٍ أَوْ صِلَةٍ فَإِنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ وَ شِمَالِهِ شَيْطَانَيْنِ فَلْيُبَادِرْ لَا يَكُفَّاهُ عَنْ ذٰلِكَ"[۳]

"جب کبھی تم لوگوں میں سے کوئی کسی خیر یا عطا و بخشش کا ارادہ کرے، تو وہ باخبر رہے کہ اُس کے دائیں اور بائیں جانب دو شیطان ہیں، اُس عمل کی انجام دہی میں جلدی کرے کہ کہیں وہ دونوں اِسے اُس عمل سے روک نہ دیں۔"

---

[۱] اُصولِ کافی، جلد ۲ ص ۹۱

[۲] اصولِ کافی، جلد ۲ ص ۱۴۴

[۳] اصولِ کافی، جلد ۲ ص ۱۴۳

https://downloadshiabooks.com/

ستّتر واں خطبہ

ومن کلام له علیه السلام [۱]

وَذٰلِكَ حِيْنَ مَنَعَهٗ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ حَقَّهٗ۔

جب سعید بن العاص نے آپؑ کو آپؑ کے حق سے محروم کردیا۔

یہ مولاؑ کے کلام کا وہ حصہ ہے جسے آپؑ نے عثمان کے دور میں اُس وقت ارشاد فرمایا تھا، جب سعید ابن عاص نے بیت المال میں سے مولاؑ کا مُسلَّم حق، آپؑ کو نہ دیا، تاکہ مولاؑ کو مالی طور سے پریشانیوں کا شکار کیا جاسکے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

جیسا کہ بتایا جاچکا کہ یہ کلام مولاؑ نے اُس وقت ارشاد فرمایا تھا، جب خلیفۂ ثالث مسلمانوں پر حکومت کررہا تھا اور اس کے حاشیہ نشینوں نے اسلام کے بیت المال کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اور عجیب وغریب قسم کا تصرف حاصل تھا، بنی اُمیہ کے طرفداران حکومت کی بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، من جملہ سعید ابن عاص جو کوفے کا حاکم تھا، اُس نے کچھ تحفے تحائف تیار کیے اور مدینے کی جانب روانہ کیے اور ان کے لے جانے والے حارِث بن حُبَیش کو یہ تاکید کی کہ امامؑ کو یہ پیغام پہنچادے کہ میں نے سوائے خلیفۂ ثالث کے کسی کو بھی اس سے زیادہ نہیں بھیجا جتنا آپ کے لیے بھجوا رہا ہوں۔ درحقیقت مولاؑ پر احسان جتانا چاہتا تھا۔ امامؑ نے جواب میں مندرجہ ذیل کلام ارشاد فرمایا، جس میں یہ اشارہ تھا کہ جو کچھ اُس

[۱] خطبے کی سَند: اِس کلام کو بہت سے مورخین اور راویوں نے نقل کیا ہے، من جملہ اَبوالفرج اِصفہانی نے، جو سیّد رضیؒ سے پہلے کے دور کے ہیں، اُنہوں نے اپنی کتاب اَغانی میں اِس کلام کو حارث ابن حبیش سے نقل کیا ہے، کہ اُس نے کہا امیر کوفہ سعید ابن عاص نے مجھے کچھ تحائف کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور اُنہیں یہ لکھ بھیجا کہ میں نے کسی کے لیے نہیں بھیجا جتنا آپ کے لیے بھیج رہا ہوں۔ حارث کہتا ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور وہ تحائف اور یہ پیغام اُنہیں پہنچادیا۔ تو امامؑ نے یہ کلام ارشاد فرمایا۔ البتہ اَبوالفرج کے ذکر کردہ کلام میں اور نہج البلاغہ میں ذکر شدہ کلام میں تھوڑا سا فرق ہے مگر مضمونِ سُخن ایک ہی ہے اور بعض دیگر افراد نے بھی جیسا کہ ازہری نے تہذیبُ اللغۃ میں اور ابنِ دُرید نے کتابِ المؤتَلَف وَالمُختَلَف میں اور اَبو موسیٰ محمد ابن ابی المدینی نے مسندرکات میں جو کہ جمع بین الغریبین پر لکھی ہے، نقل کیا ہے۔ (مصادرِ نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۹، ۸۰)

https://downloadshiabooks.com/

نے بھجوایا ہے وہ میرے حق میں سے ایک ناچیز سی مقدار ہے، پھر نہایت شجاعت کے ساتھ فرمایا:

اگر میں زندہ رہوں اور میرے ہاتھ میں اقتدار آجائے، تو میں بنی اُمیّہ کو اُن کے اس غاصبانہ مقام سے نیچے اُتار لو ں گا، جس پر یہ لوگ غاصبانہ طور پہ قبضہ کیے بیٹھے ہیں اور لوگوں کو اِن کی اوقات دکھادوں گا۔

"إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ لَيُفَوِّقُونَنِي تُرَاثَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ تَفْوِيقًا، وَاللهِ لَئِنْ بَقِيتُ لَهُمْ لَأَنْفُضَنَّهُمْ نَفْضَ اللَّحَّامِ الْوِذَامَ التَّرِبَةَ"

"یہ بنی امیہ مجھے میراث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تھوڑا تھوڑا کر کے دے رہے ہیں، حالانکہ اگر میں زندہ رہ گیا تو اس طرح جھاڑ کر پھینک دوں گا جس طرح قصاب گوشت کے ٹکڑے سے مٹی کو جھاڑ دیتا ہے۔"

شرح وتفسیر

بنی اُمیہ کی سیاہ کاریوں کا ایک نمونہ

دنیا کے مادّہ پرست سیاستدانوں کے درمیان زمانہ قدیم سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو اقتصادی حوالے سے تنگ دستی کی زد میں رکھتے تھے، تاکہ وہ اپنی ہی پریشانیوں میں الجھے رہیں اور دوسروں کی طرف توجّہ ہی نہ دے سکیں۔ یہاں تک کہ جب کبھی بظاہر اپنے مخالفین کی جانب محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتے تھے تب بھی اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے ہاتھ میں کم ترین مقدار دیں۔ اِس کلام میں امامؑ نے ایک نہایت دلچسپ تعبیر کے ذریعے اِس معنی کی طرف اِشارہ کیا ہے، فرمایا:

بنی اُمیہ، میراثِ آنحضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے صرف تھوڑی سی مقدار ہی میرے حوالے کرے گی، جو کہ اُونٹنی کے دودھ کو ایک بار دوہنے کے برابر ہے!

"إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ لَيُفَوِّقُونَنِي [1] تُرَاثَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ تَفْوِيقًا"

"يُفَوِّقُونَنِي" کی تعبیر "جَوَاقُ النَّاقَةِ" کے مادّے سے آئی ہے جس کا مطلب ہے ایک بار اُونٹنی کا دودھ دوھنا۔ یہ ایک نہایت لطیف اِشارہ ہے اُن کے تحائف کی کمی کی جانب۔ گویا خلافت ایک دودھ دینے والے رہوار کی مانند ایک سواری

[1] "يُفَوِّقُونَنِي" کی تعبیر جو کہ "جَوَاقُ النَّاقَةِ" کے مادّے سے آئی ہے، اس کا مطلب ہے ایک بار اُونٹنی کا دودھ دوھنا۔

https://downloadshiabooks.com/

ہے جس کی ہر چیز سے وہ لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں اور کبھی کبھار صرف ایک بار دودھ دوہنے کے جتنا حضرتؑ کو دے دیتے ہیں ۔بعض نے کہا ہے کہ" فَوَاق" کے لفظ کے معنی اس سے بھی کم تر مقدار ہیں اور اس سے صرف دودھ کی اُتنی ہی مقدار مراد ہے جو جانور کے پستان کو اُنگلیوں سے ایک بار دَبانے سے گرتی ہے اور اِس تفسیر کے مطابق مولاؑ کی تعبیر اور بھی زیادہ بلیغ اور دِلچسپ ہوگئی۔

"تُرَاثَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ" سے مراد ممکن ہے فدک کی طرف اشارہ ہو یا دینِ اسلام کے وہ تمام کام جو وسیع مفاہیم رکھنے والی میراث میں داخل ہوتے ہیں، کیوں کہ اسلامی مملکت کے اقتصادی پروگرام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ملکی قوانین کی شکل اختیار کی اور یہ آپؐ کی محنتوں اور مشقتوں کا رہین منت تھا۔اس بنا پر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث محسوب ہوگی اور امام علی علیہ السلام کا اس کام میں رشتے داری کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلام کی راہ میں ان کی خدمت،محنت،زحمت اور جانفشانی کی وجہ سے بہت بڑا حصہ ہے۔

معلوم ہے کہ امیر المومنینؑ کی مبارک زندگی سادہ اور زاہدانہ تھی،لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں غنائم میں سے آپؑ اپنا حصہ ضرور لیتے تھے اور اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے تھے۔

پھر اس کے بعد فرمایا:

"وَاللهِ لَئِنْ بَقِيتُ لَهُمْ لَأَنْفُضَنَّهُمْ [۱] نَفْضَ اللَّحَّامِ الْوِذَامَ التَّرِبَةَ"

"(وہ لوگ مجھے اس محکم ارادے سے باز رکھنے کے لیے اپنی روش سے دھوکا نہیں دے سکتے) خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو انہیں حکومت اسلامی سے اس طرح جھاڑ کر پھینک دوں گا،جس طرح قصاب مٹی لگے ہوئے گوشت سے خاک جھاڑ دیتا ہے۔"

مولاؑ نے بنی امیہ کو اس مٹی سے تشبیہ دی ہے جو کسی ذبح شدہ جانور کے اعضاء مثلاً،جگر ومعدہ وغیرہ کے زمین پر گرنے سے ان پر لگ جاتی ہے جسے قصاب جھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔یہ بنی امیہ کی ذلت وخواری اور پستی کی آخری حد ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خلیفۂ ثالث کے زمانے میں ان کا کردار اتنا نامناسب اور بُرا ہو گیا تھا کہ تمام مسلمان ان سے حد درجہ نفرت کرتے تھے اور تمام لوگ چاہتے تھے اس شجرۂ خبیثہ کی جڑیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلامی سرزمین سے کاٹ دی جائیں۔ اور اس خبیث گروہ کو اسلامی معاشرے سے نکال کر پھینک دیا جائے اور ان کے نجس ہاتھوں سے بیت المال کو آزاد کرالیا جائے۔

سیّد رضی مرحوم اس خطبے کے آخر میں لکھتے ہیں:

---

[۱] لَأَنْفُضَنَّهُمْ کا مادّہ نَفَضَ ہے جو کسی گری ہوئی چیز کے معنی میں آتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَيُرْوٰى" "التُّرَابُ الْوَذِمَةُ" وَ هُوَ عَلَى الْقَلْبِ۔ قال الشّریف:وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ "لَيُفَوِّقُوْنَنِيْ" اَىْ: يُعْطُوْنَنِيْ مِنَ الْمَالِ قَلِيْلًا كَفُوَاقِ النَّاقَةِ. وَ هُوَ الْحَلْبَةُ الْوَاحِدَةُ مِنْ لَبَنِهَا, وَ الْوِذَامُ: جَمْعُ وَذَمَةٍ, وَهِيَ الْحُزَّةُ مِنَ الْكَرِشِ, أَوِ الْكَبِدِ تَقَعُ فِي التُّرَابِ فَتُنْفَضُ"

ایک روایت میں ہے کہ "اَلْوِذَامُ التُّرَابُ" خاک آلودہ گوشت کے ٹکڑے کی بجائے "التُّرَابُ الْوَذِمَةُ" مٹی جو گوشت کے ٹکڑے میں بھر گئی ہو، آیا ہے یعنی صفت کی جگہ موصوف اور موصوف کی جگہ صفت رکھ دی گئی ہے، مگر دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔ اس کے بعد جملہ لَيُفَوِّقُوْنَنِيْ جس کے معنی یہ ہیں کہ بنی امیہ تھوڑا مال مجھے دیتے ہیں یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں، "فواق ناقہ" جیسے اونٹنی سے ایک دفعہ میں دوھویا ہوا دودھ جتنا، اور وذام جمع ہے وذمہ کی اور جانور کا جگر، دل اور گردہ جو زمین پر گر کر خاک آلودھوا ہو اور اسے جھاڑ دیا ہو، اس سے نکلی ہوئی مٹی کے برابر میرے پاس مال بھیجتا ہے۔

نکات

میں سعید بن عاص سے بخوبی آگاہ ہوں

جیسا کہ خطبے کی شرح میں کہا گیا ہے کہ مدینے کے گورنر سعید بن عاص معمولی اور مختصر تحائف لے کر امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، یہ خلیفۂ ثالث کو دیے جانے والے تحائف سے کہیں زیادہ قیمتی تحفہ ہے جو میں آپؑ کی خدمت میں ہدیہ کر رہا ہوں۔ گویا وہ ایک حقیر سی رقم دے کر بہت بڑا احسان کر رہا تھا۔ امامؑ نے اس کا ایک قاطع اور حتمی جواب دے کر اس کا منہ بند کر دیا۔

سعید قبیلۂ بنی امیہ اور قریش کے خاندان سے ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا اور وہ افواج اسلام کے سپہ سالار فاتحین میں سے ایک ہے اور عمر بن خطاب کا تربیت یافتہ تھا۔ بعد میں خلیفۂ ثالث نے اسے کوفہ کا گورنر بنایا۔ کوفے میں آنے کے بعد اس نے وہاں ایک خطبہ دیا، جس میں کوفے والوں کو خوب بُرا بھلا کہا اور ان پر دشمنی کا الزام لگایا۔ کوفہ والوں نے خلیفۂ ثالث کے پاس اس کی شکایت کر دی کہ تمہارا بھیجا ہوا گورنر لوگوں کے خلاف خطبہ دے رہا ہے اور ہم پر دشمنی کی تہمت لگا رہا ہے۔ اس شکایت پر خلیفۂ ثالث نے اسے دوبارہ مدینے بلا لیا، جس وقت لوگوں نے خلیفۂ ثالث کی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ہر طرف افراتفری شروع ہوئی، اس زمانے میں وہ مدینے میں تھا اور خلیفۂ ثالث کی حمایت کرتے ہوئے ان

https://downloadshiabooks.com/

کے دفاع میں انقلابیوں سے لڑنے نکل پڑا۔ خلیفۂ ثالث کے قتل کے بعد وہ مکہ چلا گیا اور وہیں قیام کیا۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جب امیر شام نے خلافت غصب کی تو اس نے سعید کو مدینے کا گورنر بنایا اور وہ اپنی آخری عمر تک حکومت کرتا رہا۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں اس نے کنارہ کشی اختیار کی اور دونوں گروہوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور غیر جانب دار رہا، شدید مزاج، مغرور، غصے والا اور سخت قسم کا آدمی تھا، لیکن مدِّ مقابل سے گفتگو کرنے اور باتوں کو دلائل کے ذریعے منوانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے مدینے میں اپنے لیے ایک بڑی عالی شان عمارت بنائی اور اس کے آثار کئی سال تک باقی رہے۔ اس کی موت ۵۳ھ یا ۵۹ھ میں واقع ہوئی۔ [1]

بنی امیّہ کو خوب جانتا ہوں

بنی امیّہ قبیلۂ قریش کے امیۃ بن عبد شمس بن عبد مناف کے خاندان سے ہیں۔ اسی نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی حکومت کا آغاز ۴۱ھ میں معاویہ بن ابوسفیان کے زمانے سے ہوا۔ مروان حمار یا مروان دوّم بنی امیّہ کا آخری خلیفہ تھا۔ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی حکومت نابود ہوگئی۔ اگر چہ اُمویوں کی حکومت ۱۳۲ھ میں ختم ہوگئی، مگر اس خاندان کے کچھ لوگوں نے اندلس (اسپین) میں اپنی حکومت دوبارہ بنالی۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ ۹۱ھ سے لے کر ۹۳ھ کے درمیان اسپین کو مسلمانوں نے فتح کیا اور ۱۳۸ھ سال تک یہاں پر عرب مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اور خلفا کی طرف سے وقتاً فوقتاً دوسرے اسلامی ممالک کے لوگوں کو بھی اس سرزمین پر حکومت کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

۱۳۸ھ میں عبد الرحمٰن اوّل جو ہشام بن عبد الملک، اُموی حاکم کا پوتا تھا، یہ عباسیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا تھا، اس نے اسپین (اندلس) میں ہونے والے خراب حالات، عرب قبائل اور بربریوں کے درمیان ہونے والے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سرزمین پر اُموی حکومت بنانے کا مصمم ارادہ کیا۔ عبد الرحمٰن اور اس کی اولاد نے دو صدیوں تک اسپین کی سرزمین پر حکومت کی ہے۔ پانچویں صدی ہجری کے شروع ہونے کے ساتھ ہی وہاں انقلابیوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا، جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ [2]

---

[1] الاعلام زرکلی، جلد ۳، ص ۹۶۔

[2] سیّد مصطفیٰ حسینی دشتی، معارف و مصادیق، جلد ۳

https://downloadshiabooks.com/

بنی امیہ، قرآن کی روشنی میں

"وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿٦٠﴾" (۱)

"اور (اے رسولؐ) وہ وقت یاد کرو جب تم سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو (ہر طرف سے) روک رکھا ہے (کہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے) اور ہم نے جو خواب تم کو دکھلایا تھا تو بس اسے لوگوں (کے ایمان) کی آزمائش (کا ذریعہ) ٹھہرایا تھا اور (اسی طرح) وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور ہم باوجودیکہ ان لوگوں کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی سخت سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا۔"

بعض شیعہ و سنی مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خواب کی طرف اشارہ ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ آپؐ کے منبر پر کچھ بندر اچھل کود کر رہے ہیں۔ وہ اس پر چڑھ رہے ہیں اور نیچے اتر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ بہت فکر مند ہوئے، اس واقعے کے بعد آپؐ بہت ہی کم تبسم فرماتے تھے۔ یہاں بنی امیہ کے لیے بندر کہہ کر تفسیر کی گئی ہے۔ یہ لوگ ایک کے بعد ایک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھتے چلے گئے، اس کام میں وہ ایک دوسرے کی پیروی کرتے تھے۔ یہ عزت و وقار اور شخصیات سے عاری لوگ تھے۔ انہوں نے حکومتِ اسلامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کو فتنہ و فساد میں تبدیل کر دیا۔

فخر رازی اپنی تفسیر میں مشہور مفسر ابن عباسؓ سے اس بارے میں ایک روایت، اسی طرح ایک حدیث حضرت عائشہ سے بھی نقل کرتے ہیں: آپ نے مروان کو مخاطب کر کے کہا:

"لَعَنَ اللهُ أَبَاكَ وَأَنْتَ فِي صُلْبِهِ فَأَنْتَ بَعْضُ مَنْ لَعَنَهُ اللهُ." (۲)

"خدا تیرے باپ پر لعنت کرے تُو اسی کا بیٹا ہے، اور جن لوگوں پر خداوند متعال نے لعنت بھیجی ہے تو ان میں سے ایک ہے۔"

اس کے علاوہ سورۂ ابراہیم، آیت ۲۶ کی تفسیر میں اور بعض روایات کے مطابق شجرۂ خبیثہ سے مراد بنی امیہ ہے۔ (۳)

بنی امیہ روایات اہلسنّت میں

---

(۱) سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۶۰

(۲) تفسیر فخر رازی، جلد ۲۰، ص ۲۳۷

(۳) تفسیر نمونہ، جلد ۱۰، ص ۱۴۱،۳۴ اور جلد ۱۲، ص ۱۷۲۔

https://downloadshiabooks.com/

کتاب کنز العمال جو اہلسنّت کی روایات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس میں ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ ایک دن حضرت خلیفہ اوّل کا ابوسفیان کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو خلیفہ اوّل نے ان کو بُرا بھلا کہا اور ان کی بے عزتی کر ڈالی۔ ابوقحافہ نے اپنے بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تُو ابوسفیان کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے پیش آتا ہے؟ خلیفہ اوّل نے کہا: بابا! خداوند متعال نے اسلام کی برکت سے ایک خاندان کو عزت واحترام دیا اور ان کو با اعتبار بنایا اور کسی دوسرے خاندان کو اپنی قوم کے درمیان اعتبار واعتماد کے باوجود اسلام نے ذلت وخواری کے ساتھ زمین پر دے مارا ہے۔ میرا خاندان وہ ہے جسے خدا نے عزت بخشی اور ابوسفیان کا خاندان وہ ہے جسے خدا نے زمین پر پٹخ دیا اور ناک زمین پر رگڑ دی۔ ①

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا:

"میری سنّت کو بنی امیّہ میں سے کوئی ایک ختم کرے گا۔" ②

ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا:

"میرے بعد بنی امیہ والے میرے اہل بیتؑ پر غم کے پہاڑ توڑیں گے، ان کو قتل کریں گے اور در بدر کریں گے۔ ہمارے خاندان کے ساتھ بنی امیہ، بنی مغیرہ اور بنی مخزوم بغض وعداوت اور حسد کی وجہ سے سخت دشمنی کریں گے۔" ③

امیر المومنینؑ سے روایت ہے:

"ہر امت کے لیے ایک آفت ہے، امت اسلامیہ کی آفت بنی امیہ ہے۔" ④

بنی امیّہ، نہج البلاغہ کی روشنی میں

نہج البلاغہ کے بعض خطبوں میں امیر المومنینؑ مسلمانوں پر بنی امیہ کی تباہ کاریوں اور مفاسد کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ خطبہ ۷۷، خطبہ ۹۳، خطبہ ۹۸ میں فتنہ وفساد کے دلدادہ گروہ بنی امیہ کی حکومت کو امت مسلمہ کے لیے فساد کا گڑھ قرار دیتے ہوئے ان کے دور حکومت کو سیاہ ترین اور وحشت ناک زمانہ قرار دیتے ہیں۔

"اَلَا وَاِنَّ اَخْوَفَ الْفِتَنِ عِنْدِیْ عَلَیْکُمْ فِتْنَۃُ بَنِیْ اُمَیَّۃَ فَاِنَّھَا فِتْنَۃٌ عَمْیَاءُ مُظْلِمَۃٌ"

"آگاہ ہو جاؤ، میرے نزدیک تمام فتنوں سے زیادہ خوف ناک تمہارے لیے بنی امیہ کا فتنہ ہے، جسے نہ خود کچھ نظر

---

① کنزل العمال، حدیث ۹۹۳

② کنز العمال، حدیث، ۳۱۰۶۲

③ کنز العمال، حدیث ۳۱۰۷۴

④ کنز العمال، حدیث ۳۱۷۵۵

https://downloadshiabooks.com/

آتا ہے اور نہ دوسروں میں کوئی چیز دکھائی دیتی ہے۔"

بنی امیّہ کی تباہ کاریاں

بنی امیہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اسلام کی تاریخ قتل و غارت گری اور فتنہ وفساد سے بھر دی اور اس تاریخ کے روشن چہرے کو مسخ کر دیا۔ ان کی تباہ کاریاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس پر تحقیق اور بیان کے لیے ایک مفصّل کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں بحث کی مناسبت سے ہم ان کے مفاسد میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ اسلامی خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہو جانا

امیر شام خود بنی امیہ کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

"میں نے خلافت کسی کی دوستی یا محبت اور رضا و رغبت سے حاصل نہیں کی ہے، بلکہ میں نے تلوار کی طاقت سے حاصل کی ہے۔"[۱]

جاحظ کہتا ہے:

امیر شام جس سال خلافت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، اُس سال کو عام الجماعۃ لوگوں کے اتحاد و اجتماع کا سال قرار دیا، جب کہ اس سال ظلم و ستم و جبر اور تفرقہ بازی بہت زیادہ تھی۔ یہ وہ سال تھا، جس میں منصب امامت بادشاہت وملوکیت میں اور خلافت کو اہل حق سے غصب کر کے شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا گیا۔[۲] خلافت کے معاملات میں امیر شام کے مکر وفریب کا لبادہ اوڑھنے اور لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست کے انتہائی شریفانہ انداز نے دربار میں داخلے کے وقت سعد بن ابی وقاص کو بادشاہ سلامت کہہ کر جھکنے اور آداب بجالانے پر مجبور کر دیا۔[۳] اور امیر شام کے تاریخ لکھنے والے اسے بادشاہِ اوّل کہہ کر یاد کرتے تھے۔[۴]

سعید بن مسیب کہتا ہے:

---

[۱] العقد الفرید، جلد ۴، ص ۸۱، ۸۲

[۲] رسالہ الجاحظ فی بنی امیہ، ص ۱۲۴ نقل از تاریخ سیاسی اسلام، جلد ۲، ص ۳۹۶

[۳] مختصر تاریخ دمشق، جلد ۸، ص ۲۱۰ اور تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۲۱۷

[۴] تاریخ الخلفا، ص ۲۲۲

https://downloadshiabooks.com/

”امیر شام وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے خلافت کو سلطنت و بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔“[1]

مشہور مورّخ یعقوبی امیر شام کے نظام سلطنت شاہی کے بعض کاموں کا ذکر اس طرح کرتا ہے، مثال کے طور پر امیر شام کا تخت پر تکبر سے بیٹھنے کا انداز کیسا تھا اور اس تخت کے نیچے اکڑ کے بیٹھنے والوں کا انداز کیسا تھا کہ جن کو خصوصی طور پر لوگوں کے مال کا بہترین حصہ دیا جاتا تھا۔[2]

ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں امیر شام کے نظام بادشاہت اور خلافت کے درمیان خصوصی فرق وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۔ خلیفہ کے چناؤ کا خاتمہ: سابق خلفاء کی روش جو وہ نئے خلیفہ کے چناؤ میں اپناتے تھے، امیر شام نے ختم کر دی اور کوئی بھی خلیفہ خود سے خلافت کے حصول کے لیے قیام نہیں کرتا تھا، بلکہ لوگ قابلیت وصلاحیت کو دیکھ کر خلیفہ کا چناؤ کرتے تھے۔ لیکن مسند خلافت وسلطنت حاصل کرنے کے لیے امیر شام نے بزرگ خلفا کی روش کو پاؤں تلے روند ڈالا، حکومت کے حصول میں وہ ہر وسیلے کو استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

۲۔ پہلے خلفاء سادہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے تھے، امیر شام نے ان کے طریقوں کو چھوڑ دیا اور روم وایران کے بادشاہوں کی طرزِ زندگی کو اپنایا اور اس پر عمل پیرا ہوا۔

۳۔ امیر شام کے دورِ حکومت میں بیت المال کا پیسہ لوگوں کے لیے نہیں، بلکہ بادشاہ اور ان کے خاندان کے افراد اور ان کے من پسند لوگوں کے لیے مختص تھا۔ کسی میں ان سے حساب کتاب اور جواب طلبی کرنے کی ہمت نہ تھی، کیوں کہ امیر شام تمام مسلمانوں پر مطلق العنان بادشاہ بن کے بیٹھا تھا۔

۴۔ حجر بن عدیؓ کے قتل کے ساتھ ہی آزادی کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تبلیغ کا طریقہ ختم ہوا۔

۵۔ ملک کی تمام عدالتوں کے علاوہ عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) میں بھی آزادی کے ساتھ مقدمات کے فیصلوں کا خاتمہ ہو گیا۔

۶۔ حکومت کی تشکیل میں چھ رکنی کمیٹی اور ان کے اختیارات کا خاتمہ۔

۷۔ قومی، لسانی اور مذہبی تعصّبات کے پھیلاؤ اور ہوا دینے میں تیزی۔

---

[1] تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۲۳۲، نقل از تاریخ سیاسی اسلام، جلد ۲، ص ۳۹۶

[2] تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۲۳۲، از نقل تاریخ سیاسی اسلام، جلد ۲، ص ۳۹۶

https://downloadshiabooks.com/

۸۔قانون کی بالا دستی کا خاتمہ۔ [۱]

۲۔اسلامی تعلیمات میں تحریف کی اور حقائق کو مسخ کر دیا

۱۔امیر المومنینؑ کی نسبت (نعوذ باللہ) بُرا بھلا کہنا،من گھڑت احادیث وضع کرنا،حضرتؑ کی شان میں گستاخی اور امیر شام کی تعریف و مدح سرائی۔امیر شام ڈھٹائی اور بے شرمی سے کہتا ہے کہ علی علیہ السلام پر (نعوذ باللہ) لعن وطعن اس قدر ہونی چاہیے کہ دورِ حاضر کے بچے اسی نعرے کے ساتھ بڑے ہوں اور جوان بوڑھے ہو جائیں۔خبردار! کوئی اُن کی فضیلت بیان نہ کرے۔ [۲]

"مروان حکم" سے اس کے دورِ حکومت میں جب پوچھا گیا کہ تم لوگ (نعوذ باللہ) اس طرح (علی علیہ السلام پر) سبّ وشتم کیوں کرتے ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا:

"لَا يَسْتَقِيمُ لَنَا الْاَمْرُ اِلَّا بِذٰلِكَ"

"ہماری حکومت اس کے بنا نہیں چل سکتی ہے۔" [۳]

ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ امیر شام نے اصحاب و تابعین میں سے کچھ لوگوں کو امیر المومنینؑ کے خلاف بھڑکایا، تاکہ وہ آپؑ کے خلاف جعلی احادیث گھڑیں۔من جملہ ان میں سے ابو ہریرہ،عمرو بن عاص،مغیرہ بن شعبہ،عروۃ بن زبیر سرفہرست ہیں۔ [۴]

۲۔مسلمانوں کے درمیان عقیدۂ جبر کی ترویج:

یہ روایت خود امیر شام سے نقل ہوئی ہے،وہ کہتا ہے:

"کوشش اور عمل کسی کو کوئی فائدہ نہیں دیتا،اس لیے کہ یہ تمام کام خدا کے ہاتھ میں ہے۔" [۵]

یہ باتیں امیر شام نے اعتقاد کی بنا پر نہیں کہی ہیں، بلکہ اپنی خلافت کو لوگوں پر تھوپنے کے لیے کہی ہیں۔ چنانچہ اس سے یہ نقل ہوا ہے:

"هٰذِهِ الْخِلَافَةُ أَمْرٌ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَ قَضَاءٌ مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ"

---

[۱] خلافت وملوکیت،ص ۱۸۸ تا ۲۰۷،نقل از تاریخ سیاسی اسلام،جلد ۲،ص ۴۰۷،۴۰۸

[۲] شرح نہج البلاغہ،ابن ابی الحدید،جلد ۴،ص ۵۷

[۳] انساب الاشراف،جلد ۱،ص ۱۸۴،نقل از تاریخ سیاسی اسلام،جلد ۲،ص ۴۰۹

[۴] شرح نہج البلاغہ،ابن ابی الحدید،جلد ۴،ص ۴۳

[۵] حیاۃ الصحابۃ،جلد ۳،ص ۵۲۹، بہ نقل از تاریخ سیاسی اسلام،جلد ۲،ص ۴۱۰

https://downloadshiabooks.com/

"میری خلافت خدا کے فرامین میں سے ایک حکم ہے اور پروردگار کے قضا وقدر کے قانون کے مطابق ہے۔" [۱]

زیاد بن ابیہ، بصرہ وکوفہ میں امیر شام کی جانب سے حاکم کی حیثیت سے اپنے مشہور خطبے میں کہتا ہے: اے لوگو! ہم تمہارے مدبر اور حمایتی ہیں اور تمہارے لیے خداوند متعال نے جو بادشاہت ہمیں عطا کی ہے ہم اس کی خدمت اور حفاظت پر مامور ہیں۔ [۲]

۳۔ اسلامی پیشوا، رہنماؤں اور امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، زید بن علی بن الحسینؑ اور حجر بن عدیؓ جیسی بڑی شخصیات کا قتل۔

۴۔ یزید کے زمانے میں منجنیق (توپ) کے ذریعے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

۵۔ لوگوں کا امن وچین چھیننا۔

عبید اللہ کے باپ زیاد بن ابیہ کے دورِ حکومت میں عراق کے اندر ایک کہاوت مشہور ہوگئی "أُنْجُ سَعْدٌ فَقَدْ هَلَكَ سَعِيْدٌ" یعنی سعد سے کہا جاتا ہے کہ ہوشیار رہو سعید قتل ہوگیا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امیر شام کے زمانے میں ہر جگہ کسی تحقیق اور چھان بین کے بغیر اور معمولی معمولی باتوں پر بے گناہ لوگوں کا خون بہایا جانا روا تھا۔ [۳]

۶۔ امتِ مسلمہ کی تحقیر اور تشدد

اس حقارت کی بدترین مثال یہ ہے کہ بعض شیعیانِ علی علیہ السلام کے مبارک چہروں اور گردنوں، پشت، بازوؤں کو جلا کر سیاہ کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے حضرت انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ کی گردنیں اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے ہاتھ کو حضرت علی علیہ السلام کی دوستی کے جرم میں جلا ڈالا۔ [۴]

اسلامی معاشرے میں بنی امیہ کی تباہ کاریاں، قتل وغارت گری اور مفاسد اخلاقی، معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے کے اسباب وعلل جتنے ہم نے ذکر کیے ہیں، ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کرنا شروع کریں تو کتابوں کی کئی جلدیں بن سکتی ہیں۔ بعض ناسمجھ لوگوں کی باتوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ بنی امیہ کی حکومت کو عالمِ اسلام کی کامیاب حکومت قرار دیتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ نافہم، فتنہ وفساد کی دلدادہ بنی امیہ کی حکومت اور اس کے افکار واعمال کے بارے کوئی مطالعہ اور معلومات نہیں رکھتے ہیں۔

---

[۱] مختصر تاریخ دمشق، جلد ۹، ص ۸۵
[۲] تاریخ طبری، جلد ۵، ص ۲۲۰، نقل از تاریخ سیاسی اسلام، جلد ۲، ص ۴۱۰
[۳] حسین علیہ السلام نفس مطمئنۃ، ص ۱۰
[۴] حسین علیہ السلام نفس مطمئنہ، ص ۱۰

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

اٹھتّر واں خطبہ

ومن دعاء له عليه السّلام [1]

امیر المومنینؑ کے دعائیہ کلمات

مِنْ كَلِمَاتٍ كَانَ ﷺ يَدْعُوْ بِهَا

(جنھیں پیہم دوہراتے تھے)

امیر المومنینؑ کی دعا کے وہ جملے جو خدا سے راز و نیاز کے وقت آپؑ نے ارشاد فرمائے، ان میں عام لوگوں کے لیے بہترین سبق آموز نصیحتیں ہیں۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

امیر المومنین علیہ السلام کی یہ دعا چار جملوں پر مشتمل ہے اور بہت ہی سبق آموز اور پُر معنیٰ جملے ہیں۔ قرینے سے پتا چلتا ہے کہ آپؑ اُن دعائیہ جملوں کو بار بار تلاوت کرتے اور اپنے پروردگار سے راز و نیاز فرماتے تھے۔ یہ بات سچ اور حقیقت ہے اور ہمارا راسخ عقیدہ وایمان بھی یہی ہے کہ امام منجانب اللہ معصوم ہیں۔ ان سے چھپے ہوئے اور آشکار گناہ سرزد نہیں ہوتے، ان کا تعلق چاہے دل سے ہو یا باہر سے، زبان سے ہو یا آنکھوں کے اشارے کے ساتھ ہو، لیکن پروردگار عالم کے حضور جو مقام ومنزلت رکھتے ہیں، اس کے پیش نظر وہ حضرات ترک اولیٰ کی معمولی حرکت سے بھی انتہائی پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں ان کلمات کے ذریعے مسلسل خداوند متعال سے رحمت ومغفرت طلب کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان دعاؤں میں عام لوگوں کے لیے بہت سی نصیحتیں اور دروس ہیں کہ وہ پروردگار سے مناجات کا طریقہ ان ہستیوں سے سیکھیں اور راز و نیاز کے طریقوں کو سمجھ لیں۔ یہ دعائیں خدا کی بارگاہ میں انسانی وظائف کا تعین اور ان کے بارے میں مزید معلومات

---

[1] سند خطبہ: اس خطبے کی صرف ایک سند ملی ہے اور وہ جاحظ نے سیّد رضیؒ سے پہلے ''المائۃ المختارۃ'' کتاب میں لکھی ہے، مگر یہ دعا کے آخری کلمات سے مربوط ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ رَمَزَاتِ الْاَلْحَاظِ..'' پروردگارا! میری آنکھوں کے طنزیہ اشاروں کے گناہ بخش دے۔

فراہم کرتی ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، فَاِنْ عُدْتُّ فَعُدْ عَلَیَّ بِالْمَغْفِرَةِ"

"خدایا میری خاطر ان چیزوں کو معاف کردے جنہیں تُو مجھ سے بہتر جانتا ہے اور اگر پھر ان امور کی تکرار ہو تو، تُو بھی مغفرت کی تکرار فرما۔"

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا وَاَیْتُ مِنْ نَفْسِیْ، وَلَمْ تَجِدْ لَهٗ وَفَاءً عِنْدِیْ"

"خدایا! ان وعدوں کے بارے میں بھی مغفرت فرما جن کا تجھ سے وعدہ کیا گیا لیکن انہیں وفا نہ کیا جا سکا۔"

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا تَقَرَّبْتُ بِهٖ اِلَیْكَ بِلِسَانِیْ، ثُمَّ خَالَفَهٗ قَلْبِیْ"

"خدایا! ان اعمال کی بھی مغفرت فرما جن میں زبان سے تیری قربت اختیار کی گئی، لیکن دل نے اس کی مخالفت ہی کی۔"

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ رَمَزَاتِ الْاَلْحَاظِ، وَسَقَطَاتِ الْاَلْفَاظِ، وَ شَهَوَاتِ الْجَنَانِ، وَ هَفَوَاتِ اللِّسَانِ"

"بارالٰہا! تُو میری آنکھوں کے اشاروں اور ناشائستہ کاموں اور دل کی بُری خواہشوں اور زبان کی ہرزہ سرائیوں کو معاف کردے۔"

شرح وتفسیر

سبق آموز دعاؤں کے چند حصے

۱۔ ذکر شدہ ان چار نورانی کلمات میں حضرت امام علی علیہ السلام چار چیزوں کے لیے مغفرت طلب فرما رہے ہیں، جن میں سے ہر ایک درحقیقت انسان کی اہم ترین اخلاقی اور معنوی مشکلات میں سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان مضر اخلاقی اور معنوی آلائشوں کو انسان اپنے سے دور کر پایا تو سعادت مندی اور نجات کے ساحل سے نزدیک ہو جائے گا۔

پہلے جملے میں فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، فَاِنْ عُدْتُّ فَعُدْ عَلَیَّ بِالْمَغْفِرَةِ"

"پروردگار! تُو میرے اعمال کو مجھ سے بہتر جانتا ہے انھیں بخش دے اور اگر میں ان کی طرف دوبارہ چلا جاؤں تو تُو

https://downloadshiabooks.com/

مجھے اپنی ہدایت ورحمت سے واپس پلٹا دے۔"

انسان گناہ پر گناہ کرتا ہے اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ کوئی گناہ بھی کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس پر عفو وبخشش بھی طلب نہیں کرتا، بلکہ دوبارہ گناہوں کی طرف چلا جاتا ہے یہ سوچے بغیر کہ پہلے ہی اس کی کمر گناہوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہے۔

ایسے حالات جب پیش آئیں تو انسان کو چاہیے کہ خدا کی بارگاہ میں آئے اور کہے، پروردگارا! میری بداعمالیوں کو تُو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ میں تو گناہ کر کے بھول گیا ہوں، مگر تُو نہیں بھولا ہے کہ میں کن بداعمالیوں کا مرتکب ہوا ہوں۔ اے ربِّ جلیل! میرے اگلے پچھلے جملہ گناہوں کو معاف فرما اور میری خطاؤں سے عفوو درگزر فرما، تُو سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اس طرح دعا کرنے سے خداوند متعال اپنے رحم وکرم سے اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

بھول جانے کی عادت کبھی سعادت مندی کی دشمن ہے اور کبھی ناقابل تلافی مشکلات میں گرفتار کر دیتی ہے، اُس وقت انسان کو چاہیے کے خدا کی پناہ مانگے اور سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرے۔

قرآن مجید میں اس قسم کے گناہوں کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ [1]

"جس دن خدا سب کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال سے باخبر کرے گا جسے اس نے محفوظ کر رکھا ہے اور ان لوگوں نے خود بھلا دیا ہے اور اللہ ہر شے کی نگرانی کرنے والا ہے۔"

یہاں دعا کے مذکورہ جملوں کی شرح وتفسیر نہج البلاغہ کے بارے میں شارحین کے کچھ گروہوں کی جانب سے یہ احتمال ظاہر کیا گیا ہے:

ان سے مراد ایسے گناہ ہیں کہ حقیقت میں انسان اس عمل کے گناہ ہونے کے بارے میں بے خبر ہے، اگر جانتا بھی ہے تو اس کے بارے میں کافی معلومات نہیں رکھتا۔ اِس تفسیر کے طرفدار افراد اس اشکال کے روبرو ہوئے کہ انسان اگر کسی گناہ کی نسبت جاہل ہے تو وہ گناہ بخش دیا جائے گا ہے اور اس پر مغفرت طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا انہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگر گناہ کرنے والا جاہلِ قاصر تھا تو ہاں! ایسا ہی ہے۔ لیکن اگر گناہ کرنے والا شخص جاہلِ مقصّر ہے یعنی گناہ کے بارے میں علم نہیں رکھتا تھا، اس وقت وہ ملامت اور سزا کا مستحق ہے۔ ایسے موقع پر وہ خدا سے عفوو

[1] سورۂ مجادلہ، آیت ۶

https://downloadshiabooks.com/

درگزر اور بخشش طلب کر سکتا ہے۔

یا ان سے مراد وہ گناہ ہیں کہ جن کے گناہ ہونے کو بھول گیا ہو یا گناہ کو تشخیص دینے میں اس سے کوتاہی ہوگئی ہو، ایسی کوتاہی جو خود اُسی کی غفلت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے تو اسے چاہیے کہ طلبِ مغفرت کرے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

"رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ؕ" (۱)

"پروردگار! ہم جو کچھ بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے اس کا ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔"

یہاں پر پہلی تفسیر مناسب نظر آتی ہے، کیوں کہ انھوں نے گناہ کو ہی بھلا دیا ہے۔ بعض مفسرین نے دوسری تفسیر یعنی گناہ کے حکم کے بھولنے کو مناسب سمجھا ہے۔ اور یہاں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ جملے میں دونوں معنیٰ مفہوم کے اعتبار سے جمع ہیں، اس لحاظ سے امام علیہ السلام ہم سب کے لیے طلب مغفرت فرما رہے ہیں۔

۲۔ امیر المومنینؑ دوسری دعا میں ایک اور اہم موضوع کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا وَأَيْتُ (۲) مِنْ نَفْسِيْ، وَلَمْ تَجِدْ لَهُ وَفَاءً عِنْدِيْ"

"پروردگارا! جن نیک کاموں کا میں نے ارادہ کیا اور اپنے آپ سے عہد و پیمان کیا، مگر اس کی نسبت میں وعدہ وفا نہ کر سکا، میری اس غلطی کو معاف فرما۔

"مَا وَأَيْتُ مِنْ نَفْسِيْ" وہ عہد و پیمان جو میں نے اپنے آپ سے کیا۔ یہ جملہ ایسے امور کی طرف اشارہ ہے جن میں انسان خود ہی سے عہد کر رہا ہوتا ہے۔ عہد و پیماں کی پاسداری انسان کی شخصیت، پختہ عزم اور کام سے اس کی لگن کی علامت ہے۔ اور عہد و پیماں کو توڑنا ارادے میں سُستی کی علامت ہے کہ جس سے بہرحال پناہ مانگنی چاہیے۔

یا وہ انسان خدا سے عہد و پیمان کرتا ہے اور حقیقت میں یہی معنیٰ اس جملے میں پوشیدہ طور پر مقصود ہے۔ اس صورت میں مولاؑ کے کلام میں اُن تمام وعدوں اور عہد و پیمان کی جانب اشارہ ہے جو انسان نے خدا کے ساتھ کیے ہیں اور پھر وفا نہیں کیا ہے، کیوں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مصیبتوں اور مشکلات میں خدا کے ساتھ عہد و پیمان باندھتے ہیں، مگر جب وہ ان مصیبتوں اور مشکلات کے طوفان سے بچ نکلتے ہیں اور اُن کی بگڑی سنور جاتی ہے تو وہ اپنے تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔

قرآن مجید اس بارے میں کہتا ہے:

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶۔

(۲) وأیت، کا مادّہ وای ہے، اس کے معنی کسی کا مصمم ارادہ کرنا ہے۔ یا کہ اپنے آپ سے کوئی عہد کرے یا کسی سے وعدہ کرے اس صورت میں وعدہ، معاملے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی دونوں الفاظ ایک معنی کے لیے بھی آ سکتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۝ [1]

"ان میں سے بعض لوگوں نے اللہ کے ساتھ عہد و پیمان باندھے تھے کہ اگر خداوند متعال ہمارے رزق میں اپنے فضل وکرم سے اضافہ کرے گا تو اُس کی راہ میں خرچ کریں گے، نیکی اور پرہیز گاری اختیار کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ان پر نازل کرتا ہے اور فضل و کرم سے ان کے رزق میں اضافہ کردیتا ہے، تو وہ خرچ کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں اور سرکشی کر کے خدا کے ساتھ عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں۔"

۳۔ تیسری دعا میں انسان کی ریا کاری اور منافقت کے فساد سے خدا سے پناہ مانگتے ہیں اور طلبِ مغفرت کی دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا تَقَرَّبْتُ بِهٖ اِلَيْكَ بِلِسَانِیْ، ثُمَّ خَالَفَهُ قَلْبِیْ"

"خداوندا! میں نے زبان کے ذریعے دکھاوے کے لیے تیرا قرب حاصل کیا، اور دل سے اس کی مخالفت کی، میرے اس گناہ کو بخش دے۔"

زبان سے نیک کاموں یا ظاہری عمل کی بے جا تعریف یا عبادات و پیروی میں ریا کاری شرک کی اقسام میں سے خطرناک ترین قسم ہے۔ آیات قرآن مجید اور روایات کی رُو سے لوگ اس شرک سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، مگر افسوس! یہ بری صفت لوگوں میں بہت نمایاں طور پر پائی جاتی ہے اور جو کوئی بھی اس صفت کا عادی ہو جائے اسے وہ ناقابل تلافی نقصان پہنچاتی ہے۔

اگر کوئی ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ریا اور نفاق کے گناہ میں مرتکب ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خدا کی توحید افعالی کو قبول نہیں کیا ہے، عزت و ذلت کو لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہے اور انسانوں کی دوستی اور محبت کو خدا کی دوستی و محبت پر ترجیح دیتا ہے، اگر چہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عزت و ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے، لوگوں کے دل اس کے حکم کے تابع ہیں، جو کچھ چاہتے ہیں اُسی ذات سے مانگتے ہیں، اور جو کچھ کرتے ہیں اُسی ذات کے لیے کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود انسان غیروں کے در پر جھکتے ہیں اور ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔

دل کی نیتوں اور ظاہری باتوں میں جو فرق ہے وہ صرف دکھاوے کے کام نہیں، بلکہ اس میں تمام دورخی باتیں اور کاموں کے ظاہر و باطن دونوں شامل ہیں۔ اگرچہ اس نے ریا کاری کا ارادہ نہ بھی کیا ہو۔

---

[1] سورۂ توبہ، آیات ۷۵، ۷۶

https://downloadshiabooks.com/

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ [۱]

"اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کرتے ہو، جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ خدا کے نزدیک بہت بُرا ہے کہ جو بات کرے اور اس پر عمل نہ کرے۔"

ہم اپنی پانچ وقت کی نمازوں میں پڑھتے ہیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ [۲]

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

جب کہ ہمارا دل اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہہ رہا ہوتا ہے، ہمارا پروردگار صرف خدا نہیں، اور نہ تنہا اُس سے مدد مانگتے ہیں۔

اسی طرح تشہد میں ہم پڑھتے ہیں:

"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ"

"میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔"

جب کہ دل خدا کے ساتھ اور چیزوں کو بھی شریک قرار دیتا ہے، اس کی واضح ترین مثال نفسِ امارہ کا شیطان ہے اور لوگوں کی پوری زندگی میں اس نفس کا دخل بہت زیادہ ہے۔ دعا کا وہ جملہ جو اوپر بیان ہوا، نفسِ امارہ کے خطرناک حربوں سے بچنے کے لیے بہترین درس ہے۔

۴۔ چوتھی اور آخری دعا میں امام علیہ السلام چار چیزوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور خدا سے پناہ مانگتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي رَمَزَاتِ [۳] الْأَلْحَاظِ [۴] وَ سَقَطَاتِ [۵] الْأَلْفَاظِ، وَ شَهَوَاتِ الْجَنَانِ، وَ

---

[۱] سورۂ صف، آیات ۲، ۳

[۲] سورۂ حمد، آیت ۴

[۳] رمزات، جمع ہے رمزۃ کی بروزن غمزہ، اس کے معنی ہیں آنکھوں کے اشارے اور بغیر آواز نکالے لبوں کو ہلاتے ہوئے کچھ کہنا۔

[۴] لحاظ جمع ہے لحظ کی بروزن محض، حقارت و بے اعتنائی، مذاق اور عیب جوئی کے لیے اشارہ کرنا۔

[۵] سقطات، جمع ہے سقط کی بروزن فقط، کسی مال یا باتوں کے بے اہمیت بے قیمت ہونے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

هَفَوَاتِ[1] اللِّسَانِ

"پروردگار! میری آنکھوں کے نقصان دہ اشاروں، بے فائدہ باتوں، اور دل کی بے جا خواہشوں، اور زبان کی لغزشوں کو معاف فرما۔"

یہاں پر آنکھ، زبان اور دل کے بعض گناہوں کی طرف اشارہ ہے، جو انسان کو نقصان پہنچانے والے خطرناک ترین گناہوں میں سے ہیں۔ مومنین کی طرف حقارت بھری نگاہیں اور ان کی طرف غرور و ہتک سے کیے جانے والے اشارے، اور بغیر سوچے سمجھے کی جانے والی وہ باتیں جو کبھی بغض، نفاق اور اختلاف کا سبب بنتی ہیں۔

اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ خواہشات نفسانی کی طرف مائل دل انسان کو ہر گناہ کی طرف کھینچ لیتا ہے اور بے توجہی کی بنا پر لغزشوں کی وجہ سے باتوں باتوں میں غیر اخلاقی گفتگو کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے بڑے فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہ تمام امور انسان کی سعادت مندی کے دشمن ہیں اور جب امام علیہ السلام خداوند متعال کی بارگاہ میں ان تمام چیزوں کی وجہ سے طلب مغفرت کرتے ہیں تو یہ بات عملی طور پر سب کو آگاہ کر رہی ہے کہ ان چار باتوں کی طرف سب متوجّہ رہیں اور ان گناہوں کو سبک اور کمتر نہ سمجھیں۔

جملہ "رَمَزَاتِ الْاَلْحَاظِ" (حقارت آمیز نگاہیں) اور "وَ شَهَوَاتِ الْجَنَانِ" (دل کی شہوت انگیز خواہشیں) کا باقی الفاظ کے ساتھ فرق تو واضح ہے۔ لیکن جملہ "وَسَقَطَاتِ الْاَلْفَاظِ اور وَ هَفَوَاتِ اللِّسَانِ" میں فرق کے سلسلے میں نہج البلاغہ کے شارحین کے درمیان اختلاف ہے۔ مرحوم محقق مغنیہ نے ان دونوں جملوں کو ایک ہی معنیٰ میں لیا ہے، جب کہ شارح خوئی مرحوم نے "سَقَطَاتِ الْاَلْفَاظ" کو ایسے الفاظ کے معنیٰ میں لیا ہے جن کا کوئی اُخروی فائدہ نہ ہو اس سے قطع نظر کہ وہ حرام ہو یا حلال۔ اور "وَ هَفَوَاتِ اللِّسَانِ" کے جملے کو حرام گفتگو جانا ہے، جیسے غیبت، الزام تراشی، چغل خوری، مذاق، تہمت اور برا بھلا کہنا وغیرہ۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ سقطات جمع ہے سقط کی، اس کے معنی بے اہمیت چیز کے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سقطاط کا لفظ کسی بے معنیٰ اور بے اہمیت اور رَکیک بات کی جانب اشارہ ہے جو لا اُبالی اور غافل لوگوں سے سرزد ہوتی ہے۔ لیکن "وَ هَفَوَاتِ اللِّسَانِ" لفظ هفوہ کے معنی کے اعتبار سے کہ لغزش اور ہوا کی تند حرکت کے معنی میں ہے اشارہ ہے ایسی باتوں کی جانب جو بے توجّہی کی بنا پر انسان کے منہ سے نکلتی ہے۔ اور کبھی بڑے گناہ ہیں جیسے غیبت، تہمت اور مومنین کا

[1] ھفوات، جمع ہے ھفوہ کی بروزن دفعہ، اس کے معنی ہیں لغزش، خطا، چاہے باتوں یا کاموں میں ہو۔ یہ کبھی جلدی اور تیزی کے معنی میں بھی آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

مذاق اُڑانا بھی ان باتوں میں پائے جاتے ہیں۔ (۱)

نکتہ

انسانی زندگی میں دُعا کے عجیب وغریب اثرات

دعا انسانی نفوس کی تربیت میں اور اُسے کمال کے مرتبے کی طرف لے جانے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ شاید شاید بہت سے دعا کرنے والے اس بات سے غافل ہوں۔

دعا بہار کی بارشوں کی طرح ہے جو دل کی زمین کو سیراب کرتی ہوئی ایمان، خلوص، عشق اور عبودیت کی کونپلوں کو روح انسانی پر ظاہر کر دیتی ہے۔

دعا وہ روح بخش نسیم کی ہے، جو دمِ عیسیٰؑ کی طرح بوسیدہ ہڈیوں میں اللہ کے حکم سے نئی جان ڈال دیتی ہے۔

دعا وہ موج زن دریا ہے کہ جو اپنے اندر اخلاقی فضائل کے زر وجواہر لیے ہوئے ہے۔

ہر وہ سانس جو دُعا کے ساتھ جاری ہے مُمدِ حیات اور فرحت بخش ہے روح کو شاداں بنا دیتی ہے؛ ہر وہ دل جو نورِ دعا کا قریں ہے وہ تقوای الٰہی کا ہم نشیں ہے۔ دعا کرنے والا انسان خداوند متعال سے مقاصد حصول کے لیے دعا مانگتا ہے اور پروردگار اس کی، روحانی اعتبار سے، اسی دعا کے ذریعے تربیت اور پرورش کا خواہاں ہے، باقی امور جو اس کی تکمیل کے راستے میں آتے ہیں وہ بہانے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ دعا اکسیر اعظم، زود اثر، سعادت کی کیمیا، آبِ حیات اور عبادت کی روح ہے۔ جس طرح حدیث میں وارد ہوا ہے:

"الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (۲)

"دعا روح عبادت ہے۔"

---

(۱) حقیقت میں وَسَقَطَاتِ الْاَلْفَاظ، میں صفت، موصوف کی طرف اضافہ ہوا ہے اور اَلْاَلْفَاظُ السَّاقِطَةُ، کے معنٰی میں ہے، مگر "هَفَوَاتِ اللِّسَانِ" میں ایسا نہیں ہے۔

(۲) بحار الانوار، جلد ۹۰، ص ۳۰۰

https://downloadshiabooks.com/

"قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ "①

"(اے رسولؐ) تم ان سے کہہ دو کہ اگر تم دعا نہیں کرتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پروا نہیں کرتا۔"

اہم بات یہ ہے کہ قرآن کی گواہی کے مطابق انسانوں کی قدر و قیمت پروردگار کے پاس انہی دعاؤں کی وجہ سے ہے، ایسا کیوں نہ ہو؟

ایک طرف: یہ دعا انسان کو اللہ کی معرفت، اللہ کی شناخت اور اُس سے عشق و محبت کی راہ پر ڈال دیتی ہے، تاکہ اُس کی صفات اور اسمائے حسنیٰ کے ذریعے اُس کی رحمت کے دسترخوان پر بیٹھے اور اُس سے کبھی نہ ٹوٹنے والا ناتا جوڑے اور اس رحمت کے دسترخوان سے اپنے لیے زادِراہ اٹھالے۔

دوسری طرف: دعا کرنے والے کو اس کی قبولیت کی شرائط کے حصول کی طرف متوجہ کرنا ہے، ان میں سے سب سے پہلی گناہوں سے توبہ اور اپنے ظاہر و باطن کو تمام اخلاقی آلودگیوں سے پاک کرنا ہے۔

تیسری طرف: یہ دعا انسان کو قبولیت کی راہ میں موجود رکاوٹوں کو ہٹانے کی طرف متوجہ کرتی ہے اس کا سادہ ترین طریقہ خوراک، مشروبات اور پوشاک کا حلال و پاک ہونا اور حرام مال سے پرہیز کرنا اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سعی و کوشش اور اسی طرح گناہوں کو چھوڑ دینا جیسے غیبت، تہمت، شراب پینا، اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا یہ سب دعا کی قبولیت کی راہ میں اہم رکاوٹیں ہیں۔

اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ چیزیں جو خود دعا کے ذریعے انسان تک پہنچتی ہیں، وہ ان سے کہیں زیادہ بہتر و افضل ہیں کہ جو دعا کی قبولیت کی صورت میں انسان کو ہوتی ہیں۔ ان سب سے مستزاد یہ کہ معروف بزرگوں اور پیشواؤں کی عمیق اور دل ہلا دینے والی وہ پاک و شفاف دعائیں ہیں جن کا ہر جملہ اہم مطالب کو سمجھاتا ہے اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے والوں کے لیے بہترین زادِراہ ہے۔

بطور مثال یہ کہ جب ہر ہفتے کی دعاؤں میں سے اتوار کی دعا میں ہم پڑھتے ہیں:

"وَاجْعَلْ غَدِيْ وَمَا بَعْدَهُ أَفْضَلَ مِنْ سَاعَتِيْ وَيَوْمِيْ"

ہوشیار رہو! ہر روز، بلکہ ہر ساعت تمھاری عمر کم ہورہی ہے، اللہ کے اس اہم پیغام کو ہم دل و جان سے سنتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ مزید آگے قدم بڑھائیں اور اپنی عمر کو آہستہ آہستہ اور اطمینان کے ساتھ طے کریں وگرنہ آپ اپنی عمر کو زندگی کا نام نہیں دے سکتے، ایسی زندگی کو آہستہ آہستہ نکلنا کہا جاسکتا ہے جسے تم عمر سمجھ بیٹھے ہو۔

① سورۂ فرقان، آیت ۷۷

https://downloadshiabooks.com/

یا جب ہم دُعائے کمیلؓ میں اس پُر معنیٰ جملے تک پہنچتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيَ الذُّنُوْبَ الَّتِيْ تَحْبِسُ الدُّعَاءَ"

تو ہم اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں کہ دعا اور اس کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ہم خود ہیں۔ اور اس مشکل کا حل ہمیں باہر نہیں، بلکہ اپنے اندر تلاش کر کے روح کی گندگیوں کو دور کرنا چاہیے۔

یا جب ہم دعائے صباح میں اس جملے پر پہنچتے ہیں:

"فَاجْعَلِ اللّٰهُمَّ صَبَاحِيْ هٰذَا نَازِلًا عَلَيَّ بِضِيَاءِ الْهُدٰى وَ بِالسَّلَامَةِ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ مَسَائِيْ جُنَّةً مِنْ كَيْدِ الْعِدٰى وَ وِقَايَةً مِنْ مُرْدِيَاتِ الْهَوٰى"

یہ دعا ہمیں اپنے روز و شب کو ہدایت کے نور کے ساتھ شروع کرنے کا پیغام دیتی ہے، پس اس زندگی کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے ہوشیاری کے ساتھ بچا کر آخر تک لے جانے کی ضرورت ہے۔ یہ کامیابی اللہ کی ہدایت کے نور کے سوا ممکن نہیں ہے۔

یا جب دعائے عرفہ میں اس جملے پر پہنچتے ہیں: "وَ اجْعَلْ غِنَايَ فِيْ نَفْسِيْ"

"پروردگارا! مجھے میرے نفس سے بے نیاز کر دے۔"

اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ بے نیازی کوئی ایسی چیز نہیں جو ظاہری طور سے مال و دولت، بلند بالا عمارتوں، بڑے عہدوں سے حاصل ہوتی ہو، بلکہ بے نیازی اور غنا کو اپنے اندر ڈھونڈیں۔

جب تک آدمی کی جان سیراب اور بے نیاز نہ ہو اگر پوری کائنات اسے دے دی جائے پھر بھی وہ پیاسا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح پیاس کی بیماری میں مبتلا شخص جو مسلسل پانی طلب کر رہا ہو۔لیکن اس کی روح اگر اللہ کی معرفت سے سیراب ہو جائے تو اس کی نظر میں اس جہاں کے تمام مصائب اور آلام مختصر اور آسان ہو جائیں گے۔

یا جب ہم دعائے ندبہ میں اس جملے کو پڑھتے ہیں:

"وَ اجْعَلْ صَلَاتَنَا بِهٖ مَقْبُوْلَةً وَ ذُنُوْبَنَا بِهٖ مَغْفُوْرَةً وَ دُعَائَنَا بِهٖ مُسْتَجَابًا وَ اجْعَلْ أَرْزَاقَنَا بِهٖ مَبْسُوْطَةً وَ هُمُوْمَنَا بِهٖ مَكْفِيَّةً وَ حَوَائِجَنَا بِهٖ مَقْضِيَّةً"

یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقتِ ولایت کو جب تک سمجھیں گے نہیں ہم پر تمام دروازے بند ہیں، ہماری نماز کی قبولیت، ہمارے گناہوں کی بخشش، ہماری دعاؤں کی قبولیت، روزی میں برکت و زیادتی، اور تمام دکھ درد اور مصیبتوں سے نجات صرف ولایت کے نور سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے اس میں اور ہزاروں نکات کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ اور اگر موجودہ بحث میں دعاؤں کی طرف آ جائیں تو امیر المومنینؑ کے معنیٰ و مفاہیم سے پُر ان چار جملوں کو ہم

https://downloadshiabooks.com/

دیکھتے ہیں کہ حقیقت میں مکمل درسِ اخلاق اور فضائلِ انسانی کا نصاب بیان کیا ہے۔اور ان اخلاقی برائیوں کو جن کی وجہ سے انسان عظمتوں کی بلندی سے گرتا ہے، آپؑ نے روکا ہے۔

جی ہاں معصومینؑ کی دعائیں انسانوں کی تربیت اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے لیے پیغام پہنچانے والے عظیم دروس ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

اُناسی واں خطبہ

ومن کلام له علیه السّلام ①

"قَالَهُ لِبَعْضِ اَصْحَابِهٖ لَمَّا عَزَمَ عَلَى الْمَسِيْرِ اِلَى الْخَوَارِجِ وَقَدْ قَالَ لَهُ: اِنْ سِرْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ خَشِيْتُ اَنْ لَّا تَظْفَرَ بِمُرَادِكَ مِنْ طَرِيْقِ عِلْمِ النُّجُوْمِ. فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ"

جب جنگ خوارج کے لیے نکلتے وقت بعض اصحاب نے کہا کہ امیر المومنینؑ اس سفر کے لیے کوئی دوسرا وقت اختیار فرمائیں۔اس وقت کامیابی کے امکانات نہیں ہیں کہ علم نجوم کے حسابات سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

مورّخین اس گفتگو کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے خوارج کے فتنہ وفساد کی آگ کو بجھانے کے لیے کوفے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپؑ کے اصحاب میں ایک نجومی بھی تھا، وہ آپؑ کے پاس آیا اور عرض کیا، یا امیر المومنینؑ! اس وقت جنگ کے لیے ہمارا حرکت کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ تین گھنٹے کے بعد یہاں سے چلیں گے، کیوں کہ اگر اس وقت چلیں گے تو ہمیں اور ہمارے دوستوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔اور اگر میری بات مانیں تو تین گھنٹے بعد چلیں تو فوج کو نقصان بھی نہیں پہنچے گا اور ہم اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"کیا تُو یہ جانتا ہے کہ میری گھوڑی کے پیٹ میں جو بچہ ہے نر ہے یا مادہ ہے؟ نجومی نے کہا کہ اگر حساب کروں تو بتا

---

① سند خطبہ: سیّد رضیؒ سے پہلے محدثین اور مورّخین کی ایک بڑی تعداد نے اس خطبے کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔من جملہ ان میں ابراہیم بن الحسن بن دیزیل نے اپنی کتاب، صفین میں، شیخ صدوقؒ نے عیون اخبار الرضاؑ میں اس حدیث کو تین سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔اسی طرح کتاب اَمالی کی ۶۴ ویں مجلس میں اور کتاب عیون الجواہر میں یہ خطبہ ذکر ہے۔کتاب، مصادر نہج البلاغہ لکھنے والے بیان شدہ کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیّد رضیؒ کے بعد جن لوگوں نے اس خطبے کو ذکر کیا ہے ہمیں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ شیعہ وسنی راویوں کے درمیان یہ باتیں مشہور ہیں کہ مختلف طریقوں، بہت سارے اشکالات اور کبھی کمی بیشی کے فرق کے ساتھ سیّد رضیؒ نے روایات نقل کی ہیں۔(مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۸۲)

https://downloadshiabooks.com/

سکتا ہوں۔"

امامؑ نے فرمایا:

"جو بھی تیرے اس کام کی تصدیق کرے گا اس نے قرآن کا انکار کیا، کیوں کہ قرآن فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ"۔ (۱)

"بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے۔اور وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے۔اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر یا مادہ) ہے جانتا ہے۔"

پھر نجومی سے فرمایا:

"اللہ کے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا، جس طرح تم کر رہے ہو۔"

اس کے بعد فرمایا:

"کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو اس ساعت کو جس میں کوئی شخص کام کرے تو کامیاب ہو جائے، لوگوں کو بتا سکتا ہے اور کیا تُو وہ ساعت جانتا ہے کہ جس وقت کام شروع کرنا نقصان دہ ہوگا اور لوگوں کو اس سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔کوئی بھی شخص جو تیری باتوں پر ایمان لائے وہ اس امر سے محفوظ نہیں کہ مشرکین میں شمار کر لیا جائے۔ پروردگارا! کامیابی اور ناکامی تیرے ہاتھ میں ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

پھر فرمایا:

"ہم تیری بات کی مخالفت کریں گے اور تُو بھی دیکھے گا کہ تیرا کہا ہوا درست نہیں تھا۔"

اس کے بعد لوگوں کو اس قسم کی غلط سوچوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور نجومی سے فرمایا:

"اگر اس کے بعد تیری ستارہ شناسی کے بارے میں دوبارہ شکایت یا کوئی خبر آئی کہ تُو اس پر عمل کر رہا ہے تو میں تجھے ہمیشہ کے لیے قید خانے میں ڈال دوں گا اور جب تک میری حکومت ہے بیت المال سے ملنے والا خرچہ بند کر دوں گا۔"

پھر اس کے بعد آپؑ نے جن اوقات میں نجومی نے سفر کرنے سے منع کیا تھا فوج کو حرکت کرنے کا حکم دیا اور جنگ میں کامیاب ہوئے۔اُس وقت آپؑ نے فرمایا:

"جن اوقات میں نجومی نے ہمیں چلنے کے لیے کہا تھا اگر ہم اُس کی بات پر عمل کرتے تو لوگ کہتے کہ نجومی کے بتائے ہوئے وقت میں جنگ کے لیے چلے تھے اس لیے کامیابی ہوئی۔"

---

(۱) سورۂ لقمان، آیت ۳۴

https://downloadshiabooks.com/

"اے لوگو! جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی نجومی یا پیش گوئی کرنے والا نہیں تھا اور نہ آپؐ کے بعد ہمارے پاس کوئی نجومی کبھی رہا، پھر بھی خداوندمتعال نے قیصر و کسریٰ کی سرزمین کو ہمارے لیے کھول دیا۔ اے لوگو! اللہ پر توکل کرو اور اُس پر اعتماد رکھو، وہ تمہیں دوسروں سے بے نیاز کردے گا۔"

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ یہ خطبہ اجمالی طور پر نجومیوں کی پیشن گوئیوں کے رَد میں آیا ہے۔ اور اسے توحیدِ پروردگار کے خلاف قرار دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ نجومی لوگ اپنی پیشن گوئیوں میں جو دعوے کرتے ہیں وہ خرافات ہیں اور قرآن مجید کے خلاف ہیں اور لوگوں کو اس قسم کے غلط کاموں اور سوچوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اور خدا پر توکل کو کامیابی کی بنیاد قرار دے کر اُس ذات پر تکیہ کرنے پر تاکید کرتا ہے۔ یہ خطبہ حقیقت میں دو حصوں میں ہے، ایک حصہ میں نجوموں سے خطاب ہے اور دوسرے حصے میں لوگوں سے خطاب ہے۔

حصّہ اوّل

"أَتَزْعَمُ أَنَّكَ تَهْدِي إِلَى السَّاعَةِ الَّتِي مَنْ سَارَ فِيهَا صُرِفَ عَنْهُ السُّوءُ؟ وَ تُخَوِّفُ مِنَ السَّاعَةِ الَّتِي مَنْ سَارَ فِيهَا حَاقَ بِهِ الضُّرُّ؟ فَمَنْ صَدَّقَكَ بِهٰذَا فَقَدْ كَذَّبَ الْقُرْآنَ، وَاسْتَغْنَى عَنِ الْإِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ فِي نَيْلِ الْمَحْبُوبِ وَ دَفْعِ الْمَكْرُوهِ؛ وَ تَبْتَغِي فِي قَوْلِكَ لِلْعَامِلِ بِأَمْرِكَ أَنْ يُوْلِيَكَ الْحَمْدَ دُوْنَ رَبِّهِ، لِأَنَّكَ بِزَعْمِكَ أَنْتَ هَدَيْتَهُ إِلَى السَّاعَةِ الَّتِي نَالَ فِيهَا النَّفْعَ، وَأَمِنَ الضُّرَّ"

"کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تمہیں وہ ساعت معلوم ہے جس میں نکلنے والے سے بلائیں ٹل جائیں گی اور تم اس ساعت سے ڈرانا چاہتے ہو جس میں سفر کرنے والا نقصانات میں گھر جائے گا؟ یاد رکھو جو تمہارے اس بیان کی تصدیق کرے گا وہ قرآن کی تکذیب کرنے والا ہوگا اور محبوب اشیا کے حصول اور ناپسندیدہ امور کے دفع کرنے میں مددِ خدا سے بے نیاز ہو جائے گا۔ کیا تمہاری خواہش یہ ہے کہ تمہارے افعال کے مطابق عمل کرنے والا پروردگار کے بجائے تمہاری ہی تعریف کرے اس لیے کہ تم نے اپنے خیال میں اسے اس ساعت کا پتا بتا دیا ہے جس میں منفعت حاصل کی جاتی ہے اور نقصانات سے محفوظ رہا جاتا ہے۔"

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

نجومیوں کی غلطیاں

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ امیر المومنینؑ نے خوارج کے ساتھ جنگ کا جب مصمم ارادہ کیا اور کسی شخص نے آپؑ کو فوری طور پر میدان جنگ کی طرف جانے سے روکتے ہوئے کہا کہ ”علم نجوم کے ذریعے میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت جنگ کے لیے جانا مناسب نہیں ہے اور ہم کامیاب نہیں ہوں گے۔“ تو امامؑ ناراض ہو گئے اور سختی سے اس کی بات کو رد کر دیا۔ اور اس خطرناک سوچ اور باطل فکر جو کہ نجومیوں اور ستارہ شناسوں کے لیے انسانوں کے گزشتہ حالات جاننے میں ممکن ہے موثر ہو، لیکن امامؑ نے اس نجومی اور لوگوں کو اس غلط کام کے بھیانک نتائج سے خبردار کر دیا۔ سب سے پہلے فرماتے ہیں:

”أَتَزْعَمُ أَنَّكَ تَهْدِي إِلَى السَّاعَةِ الَّتِي مَنْ سَارَ فِيهَا صُرِفَ عَنْهُ السُّوءُ؟ وَ تُخَوِّفُ مِنَ السَّاعَةِ الَّتِي مَنْ سَارَ فِيهَا حَاقَ[1] بِهِ الضُّرُّ؟“

”کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تیرے منع کیے ہوئے اوقات میں جنگ پر چلے جائیں تو لوگ کسی حادثے یا مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے؟ یا جن اوقات میں تو چلنے کے لیے کہہ رہا ہے اس میں اگر کوئی نہ جائے تو کیا اسے کوئی نقصان پہنچے گا؟“

معلوم ہے یہ انکاریہ سوال ہے یعنی علم نجوم کے ذریعے ہرگز کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد امامؑ اپنی گفتگو کے اس باطل عقیدے کے نتائج کے دو حصّوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ فَمَنْ صَدَّقَكَ بِهٰذَا فَقَدْ كَذَّبَ الْقُرْآنَ، وَاسْتَغْنٰى عَنِ الْاِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ فِيْ نَيْلِ الْمَحْبُوْبِ وَ دَفْعِ الْمَكْرُوْهِ“

”تمہارے ان باطل عقائد کی جو بھی تصدیق کرے گا، اس نے گویا قرآن مجید کو جھٹلایا ہے۔ اور مطلوبہ اہداف تک پہنچنے اور حادثات سے امن وامان میں رہنے کے لیے اللہ کی مدد سے اپنے آپ کو بے نیاز کر دیا ہے۔“

۲۔ ”وَ تَبْتَغِيْ فِيْ قَوْلِكَ لِلْعَامِلِ بِأَمْرِكَ أَنْ يُوْلِيَكَ الْحَمْدَ دُوْنَ رَبِّهِ، لِاَنَّكَ بِزَعْمِكَ اَنْتَ هَدَيْتَهُ

[1] حاق کا مادہ حیق ہے بروزن حیف، یہ نزولِ عذاب یا تلوار کے زخم اور گھیرا تنگ کرنے کے معنی بھی آیا ہے۔ حاق مادّہ حق سے ہے، یہ تحقق پانے کے معنی میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اِلَى السَّاعَةِ الَّتِي نَالَ فِيهَا النَّفْعَ، وَأَمِنَ الضُّرَّ"

"تُو اپنے اس دعوے کے ذریعے چاہتا ہے کہ وہ تیرے کہے ہوئے پر عمل کر کے اپنے پروردگار کی ستائش چھوڑ کر تیری تعریفیں کرے، کیوں کہ تُو نے اپنے خیال میں اسے اس معین وقت میں کامیابی سے ہمکنار ہو کر نقصان سے بچنے کی ہدایت کر دی ہے۔"

امامؑ نے جو دو خطرناک اور مشرکانہ نتائج کو اس نجومی کے اعتقاد و گمان کی طرف نسبت دی ہے، اس کی وجہ ایک اہم نکتہ ہے جو ستاروں کے حالات اور ستاروں کے احکام کے مابین فرق کے مسئلے میں پوشیدہ ہے۔

وضاحت

قدیم زمانے سے علم نجوم کا رواج لوگوں میں رہا ہے۔ شاید جو لوگ جو تاریخ کے آغاز سے پہلے زندگی گزارتے تھے اس وقت وہ بھی علم نجوم کے بارے میں معلومات رکھتے تھے، لیکن تاریخ کے مرتب ہونے اور خط (لکھائی) کے ظہور کے بعد قدیم نجومیوں کی علم نجوم پر لکھی ہوئی کتابیں اور نوشتہ جات بعد والوں تک جب پہنچے تو اس علم کا دامن وسیع ہو گیا، علم نجوم نے دوسرے تمام علوم کی طرح تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ نظامِ شمسی کے سیاروں اور آسمان کے دوسرے ستاروں، اور ثوابت سیاروں کے ایک ساتھ حرکت کے درمیان جو ایک خاص نظام موجود تھا، وہ یکے بعد دیگرے کشف ہوا۔ اور ستاروں اور چاند و سورج کی حرکت کے مطابق بعد میں تقویم (کیلینڈر) وجود میں آیا۔ زمین کے حادثات اور ستاروں کی حرکات کا اتفاقی طور پر ایک وقت میں ظہور پذیر ہونا سبب بنا کہ نجومیوں میں سے کچھ لوگ اِس بات کے معتقد ہو گئے کہ ستاروں کی حرکات زمین پر رہنے والوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ سوچ اس قدر پھیلتی چلی گئی کہ آہستہ آہستہ ہر انسان کے لیے آسمان میں موجود کسی نہ کسی ستارے کے قائل ہو گئے اور انسان کے مقدّر کو اسی مخصوص ستارے کی حرکات کے ساتھ منتھی کر دیا گیا دیا اور احوال نجوم کے ساتھ احکام نجوم کے نام سے ایک نیا علم وجود میں آ گیا۔

احوال نجوم: ستاروں کی حرکات، ان کے طلوع و غروب اور ان کے عروج و زوال کے بارے میں صرف مشاہدات اور حساب و کتاب کی بنا پر بنا تھا۔

احکام نجوم: ایسے باطل خیالات اور فکر پر مبنی تھے، جن میں زمین پر رونما ہونے والے حادثات کے بارے میں اور اس کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کا آسمان کے ستاروں کے ساتھ تعلق، اس کے اثرات کے بارے میں قوانین اور احکام بیان کیے گئے تھے۔ بس کیا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان باطل افکار کے ماننے والوں نے ستارہ پرستی شروع کر دی اور اپنی

https://downloadshiabooks.com/

مشکلات کے حل کے لیے ستاروں سے مدد طلب کرنا شروع کردی اور ستاروں کے لیے اُلوہیت (خدائی) کے قائل ہو گئے۔

یہاں تک کہ جب ظہورِ اسلام کے زمانے میں یکتا پرستی کی تیز شعاؤں نے شرک کی تاریکیوں کا پردہ چاک کیا، اس وقت بھی ان باطل افکار کو ماننے والے نجومی موجود تھے اور ستاروں کی حرکات وسکنات کو دیکھ کر آئندہ پیش آنے والے حوادث کی پیشن گوئی کرتے تھے، جس کی ایک مثال خطبے میں ہونے والی یہ بحث اسی سے مربوط ہے، کہ ایک علم نجوم جاننے والے نے امیر المومنینؑ کے سامنے ستاروں کے مطالعے کے مطابق پیشن گوئی کی کہ اگر حضرتؑ اس خاص وقت میں نہروان کے میدان میں جنگ کے لیے نکلیں گے تو کامیابی نہیں ہوگی، بلکہ شکست سے دوچار ہوں گے۔ اس پر امامؑ نے اس نجومی کو سخت لہجے میں ڈانٹا اور اس قسم کے باطل افکار اور بے ہودہ باتوں کو رد کرتے ہوئے فوج کو اسی وقت میدان جنگ کی طرف حرکت کا حکم دیا اور بہت بڑی کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ اس بارے ان شاء اللہ مزید شرح خطبے کے آخر میں چند نکات کے ذریعے تفصیل سے پیش کریں گے۔

دوسرا حصّہ

"أَيُّهَا النَّاسُ، إِيَّاكُمْ وَتَعَلُّمَ النُّجُومِ إِلَّا مَا يُهْتَدَى بِهِ فِي بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ، فَإِنَّهَا تَدْعُو إِلَى الْكَهَانَةِ، وَالْمُنَجِّمُ كَالْكَاهِنِ، وَالْكَاهِنُ كَالسَّاحِرِ، وَالسَّاحِرُ كَالْكَافِرِ وَالْكَافِرُ فِي النَّارِ، سِيرُوا عَلَى اسْمِ اللهِ"

"اے لوگو! خبردار! نجوم کا علم مت حاصل کرو مگر اتنا ہی جس سے بر و بحر میں راستے دریافت کیے جا سکیں، کہ یہ علم کہانت کی طرف لے جاتا ہے اور منجم بھی ایک طرح کا کاہن (غیب کی خبر دینے والا) ہو جاتا ہے جب کہ کاہن جادوگر جیسا ہوتا ہے اور جادوگر کافر جیسا ہوتا ہے اور کافر کا انجام جہنم ہے۔ چلو نام خدا لے کر نکل پڑو۔"

شرح وتفسیر

نجومیوں کی پیشن گوئیوں سے بچیں

خطبے کے اس حصے میں امامؑ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کراتے ہوئے علم نجوم سیکھنے سے خبردار کرتے ہیں۔ حقیقت میں آپؑ احوال نجوم کے حساب و کتاب کو احکام نجوم سے جدا کر کے علم نجوم کے کچھ حصوں کے بے مقصد پیغام کو

https://downloadshiabooks.com/

جس میں دھوکا بازی کے علاوہ کچھ نہیں، نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے لوگو! علم نجوم (جس میں ستاروں کے ذریعے پیشن گوئی کی جاتی ہے) سیکھنے سے پرہیز کرو! صرف سمندری اور خشکی کے راستوں کی رہنمائی کے لیے استعمال کی حد تک سیکھ سکتے ہو، تاکہ راستہ سے بھٹکنے سے محفوظ رہو۔"

بنابرایں، دریاؤں، صحراؤں کی چارسمتوں میں راستوں کی شناخت، اسی طرح دیگر موارد میں جہاں ان کے حالات اور اوضاع کی حقیقت ستاروں کے ذریعے معلوم کی جاتی ہے، وہاں ستارہ شناسی، آسمان میں ستاروں کے حالات سے متعلق معلومات پیدا کرنا اور ان سے استفادہ کرنا نہ صرف ممنوع نہیں ہے، بلکہ ضروری علوم کے ساتھ کبھی اس کا سیکھنا لازم ہو جاتا ہے، کیوں کہ انسانی معاشرے کے قوانین کا اس کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔

قرآن مجید بھی اسے ایک اہم نعمت الٰہی اور یکتا پرستی کی نشانیوں میں سے قرار دیتا ہے:

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ⑯ [1]

"اور لوگ ستاروں سے بھی راستے دریافت کر لیتے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ [2]

"اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس نے ستاروں کو تمہارے لیے رہنما قرار دیا، تاکہ رات کی تاریکیوں، دریاؤں اور صحراؤں میں ان کے ذریعے رہنمائی حاصل کرو۔ ہم نے اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔"

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم انسانوں کو اہم اور ضروری کاموں سے متعلق آگاہی حاصل کرنے کی حد تک علم نجوم سیکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس میں جو چیز ممنوع قرار دی ہے وہ احکام نجوم کے عنوان سے مشہور ہے، یعنی ستاروں کے ذریعے مستقبل کے حالات جاننے کی کوشش کرنا اور یہ کہ ان کی آپس میں دوری یا قربت سے معاشرے یا افراد پر کیا اثرات ہوں گے، اسے معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور معاشرے میں لوگوں کے حالات کی نسبت پیشن گوئیاں کرنا، اس میں بہت سی باتیں اور کام ایسے ہیں جنہیں بہت سے لوگ ستاروں کے حالات پڑھے بغیر مکمل طور پر انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں، یا اس کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ لگا سکتے ہیں اور بہت مرتبہ ساری پیشن گوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں، جس طرح اس

---

[1] سورۂ نحل، آیت ۱۶۔

[2] سورۂ انعام، آیت ۹۷۔

https://downloadshiabooks.com/

خطبے کے شروع میں بیان ہوا ہے۔

امامؑ اپنے کلام کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"فَإِنَّهَا تَدْعُو إِلَى الْكَهَانَةِ، وَالْمُنَجِّمُ كَالْكَاهِنِ، وَالْكَاهِنُ كَالسَّاحِرِ، وَالسَّاحِرُ كَالْكَافِرِ! وَالْكَافِرُ فِي النَّارِ! سِيْرُوْا عَلَى اسْمِ اللهِ."

تم لوگوں کو جو میں علم نجوم سیکھنے سے منع کر رہا ہوں وہ اس لیے ہے کہ یہ علم (کہانت) ان دیکھی اور غیب کی باتیں بتاتا ہے، اور نجومی کاہن کی طرح ہے، اور کاہن مثل ساحر ہے اور ساحر کافر جیسا ہے، اور کافر جہنم کی آگ میں جائے گا۔ (اس بنا پر اس نجومی نے جو پیشن گوئی کی ہے کہ اس وقت اگر حرکت کریں گے تو مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے، اس کی کوئی پروا نہ کریں) اپنے مقصد کی طرف اللہ کا نام لے کر چلنا شروع کریں۔ اللہ تمہیں کامیاب کر دے گا۔

کہانت کیا ہے؟

کہانت سے مراد، پوشیدہ کام اور آئندہ کے مسائل اور ان سے متعلق خفیہ رازوں کی خبر دینا ہے اور کاہن عربی لغت میں اسے کہا جاتا ہے جو مذکورہ باتوں کا دعویٰ کرے، جہالت کے زمانے میں ایسے بہت سے لوگ تھے جو اس قسم کے دعوے کرتے تھے جیسے شقّ بن مصعب اور سطیح۔ اور کاہنوں کے درمیان یہ چیز عام تھی کہ وہ اپنے باطل دعووں اور بے بنیاد باتوں کو بڑی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں اور دل موہ لینے والے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ یہ جو عرب کے مشرکین اور ناسمجھ لوگ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن کہتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ وحی الٰہی کے ذریعے پیش گوئی فرماتے تھے، اس کے علاوہ قرآنی آیات جو نہایت فصیح و بلیغ ہیں ان کے لیے تلاوت فرماتے، اور چوں کہ وہ لوگ حقیقت کو جاننا نہیں چاہتے تھے اس لیے کہانی کا نام دیا کرتے تھے۔

اس بنا پر علمِ احکامِ نجوم، کہانت کا پیش خیمہ ہے۔ اور کاہنوں کا کام ساحر و جادوگر سے زیادہ ملتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں گروہ ہیرا پھیری اور دھوکے بازی سے سادہ لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے۔ جادوگر کافر کی طرح ہیں، کیوں کہ وہ خدا پر توکل نہیں کرتے، بلکہ کسی اور چیز پر یقین رکھتے ہیں، عملی طور پر وہ خدا کو اپنے کاموں میں تاثیر پیدا کرنے والا نہیں جانتے، بلکہ سحر و جادو کو اصلی مؤثر جانتے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور انحراف کرنے والوں کی عاقبت جہنم کی آگ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نکات

علم نجوم کیا ہے؟ اور اس کا کونسا شعبہ منع ہے؟

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خطبۂ شریفہ میں امیرالمومنینؑ جس علم نجوم کی مذمّت کی اور اُسے کفر کا مساوی گردانا اور سیکھنے سے لوگوں کو روکا وہ کیا ہے؟

یقیناً اس علم سے احوالِ علمِ نجوم، ان کی حرکات، ایک دوسرے سے ان کی قربت اور ردوری اور ان کی وضعیّت اور حالات سے آگاہی مراد نہیں، کیوں کہ جس طرح پہلے اس بارے میں بیان ہوا، ستاروں کی حرکات اور ان کے آسمان میں ان کے حالت و کیفیات کو آیات قرآنی میں اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے ہے اور لوگ اندھیری راتوں، دریاؤں اور صحراؤں میں راستوں کی سمت کا تعین کرنے کے لیے اس سے بہرہ مند ہونے کی رغیب دی گئی ہے۔ اور اسی خطبے کے ذیل میں مختصراً یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اصولی طور پر عالم خلقت کے پوشیدہ رازوں، آسمانوں، زمینوں کی خلقت پر غور وفکر کرنا کوئی ایسی چیز نہیں جو قابل مذمت ہو، بلکہ یہ عقلا و دانشوروں کے کاموں میں سے ایک کام ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (۱)

”بے شک زمین وآسمان کی خلقت لیل ونہار کی آمد ورفت میں صاحبانِ عقل کے لئے قدرت کی نشانیاں ہیں۔“

اس بنا پر جس چیز کے سیکھنے سے سختی سے منع کیا گیا اور شدت کے ساتھ جس کی مذمّت کی گئی وہ یقینا کوئی اور چیز ہے، اور وہ احکام نجوم کا علم ہے ہیں یعنی وہ تصوّرات اور خیالات جو اس کرۂ ارض پر انسانوں کی زندگی اور مقدّر کو اور ستاروں کے حالات و کیفیات سے جوڑ دیتے ہیں اور افلاک کے حالات کے ذریعے آئندہ سے متعلق پیشن گوئیاں کرتے ہیں، نہ فقط عمومی و اجتماعی مسائل میں، بلکہ جزئی مسائل کے بارے میں بھی پیشن گوئیاں کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سلاطین، بادشاہوں کے دربار میں آئندہ کے حالات بتانے کے لیے نجومیوں کو رکھا جاتا تھا اور یہ نجومی حضرات ستاروں کے مقام اور حالات کے مطابق جو بادشاہ چاہتے تھے، اس بارے میں پیشن گوئی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی پیشن گوئیوں کی تقویم بن گئی، جب نجومی ستاروں کے حالات کے بارے میں بتانا چاہتے تھے تو ان کا کہنا یہ تھا کہ ستاروں کے اوضاع واحوال بادشاہوں کی سلامتی پر اور ان کی قدرت وقوت اور شان وشوکت پر دلالت کرتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰

https://downloadshiabooks.com/

پھر اُنھیں دیکھ کر کُلّی طور پر ستاروں کا مطالعہ کیے بغیر سب کے لیے پیشن گوئی کرتے تھے، جیسے بعض بزرگوں کے گزر جانے کے بارے میں اور بعض دنیا کے گوشوں اور بعض اشیا کی گرانی، درختوں پر آنے والی بلائیں، سردیوں میں ٹھنڈی ہوائیں اور گرمیوں میں بہت زیادہ گرمی پڑنے کی، اور سردیوں میں گوشت و چربی کی اہمیت، ان کے علاوہ بہت سی مثالیں ہیں جن کے بارے میں یہ لوگ پیشن گوئیاں کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار ان کی کوئی کہی ہوئی بات صحیح نکل آتی اور بعض جگہوں پر ان کے دعوے غلط نکلتے۔ اسلامی روایات میں اور اس خطبے میں جن چیزوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، وہ نجومیوں کی وہی پیشن گوئیاں اور رابطے ہیں۔

علم نجوم کفر کی صف میں کیوں؟

یہ بات درست ہے کہ ہماری زندگی اور ستاروں کے درمیان کسی قسم کے رابطے کا نظریہ بے بنیاد ہے اور عقل کی کسوٹی پر نہیں بیٹھتا۔ لیکن اس علم کی اتنی مذمّت اور اسے کفر گردانںے کی وجہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب واضح ہونے سے پہلے اِس نکتے کی طرف توجّہ ضروری ہے کہ اس مذکورہ نظریے کے طرفدار چند گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں:

۱۔ وہ گروہ جو ستاروں کی ازلیّت اور الوہیّت کا عقیدہ رکھتا ہے اور انہیں لوگوں کی زندگی اور رونما ہونے والے تمام حوادث پر اثر انداز مانتے ہیں۔

۲۔ وہ گروہ جو ستاروں کو اس عالم ہستی کا چلانے والا اور تدبیر کرنے والا جانتا ہے، اگرچہ یہ کام ان کے استقلال کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کے اذن سے انجام پاتا ہے۔

۳۔ وہ گروہ جن کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ ستارے کرۂ زمین میں طبیعی تاثیر رکھتے ہیں، جس طرح سورج کی تپش اور حرارت درختوں پر پتّوں، پھل اور پھولوں کے اگنے کا سبب ہے، اسی طرح ستاروں کی خاص کیفیات بھی لوگوں کی زندگی کی تمام چیزوں پر اثرات رکھتی ہیں، جن میں سے بعض تو ہمارے لیے کشف ہوئی ہیں، مگر بعض کے متعلق اب بھی معاملہ غیر واضح ہے۔

۴۔ ستارے انسانوں کی زندگیوں پر کسی بھی طرح اثر انداز نہیں ہوتے، تاہم وہ حال اور گزشتہ سے متعلق ہمیں آگاہی دے سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے حوادث اور واقعات کی محض نشاندہی کر سکتے ہیں، لیکن ان حوادث و واقعات کی علّت و سبب نہیں ہیں۔

پہلے گروہ کے افراد یقیناً کفار کے زمرے میں ہیں، خواہ اگر وہ خدا پر اعتقاد بھی رکھتے ہوں، کیوں کہ یہ لوگ مشرک

https://downloadshiabooks.com/

ہیں اور خدا کے علاوہ ستاروں کو بھی اپنا خدا مانتے ہیں۔

دوسرے گروہ کے افراد اگرچہ کفار میں شمار نہیں ہوتے ،لیکن دو وجوہ کی رُو سے یہ لوگ غلطی پر ہیں:

پہلی وجہ: یہ کہ یہ لوگ انسانوں کی زندگی میں ستاروں کے اثرات پر بغیر کسی دلیل کے دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جو ازروے علم نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے۔

دوسری وجہ: یہ عقیدہ قرآن مجید کی آیات کے ظاہری معنی اور دین اسلام کی اُن قطعی روایات کے خلاف ہے کہ جو حیات ،شعور اور خلقت کی تدبیر و انتظام کو ستاروں منسوب نہیں کرتی ہیں، بلکہ زندگی ،موت ،رزق اور عالم کی تدبیر کی نسبت خدا کی طرف دیتی ہیں۔ اور اگر کہیں اجرامِ فلکی ،ستاروں ،سورج اور چاند کے متعلق کوئی ذکر ہوا ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ چیزیں خداوند متعال کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اگر یہ اجرام فلکی علم ، زندگی اور اس عالم میں قدرت ، تدبیر اور تصرف کی صلاحیت رکھتے تو قرآن مجید کی آیات اور روایات میں ان کا کہیں نہ کہیں ذکر ضرور آتا۔

جی ہاں! یہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور ان میں سے ہر کوئی مخصوص کام انجام دیتا ہے، مثال کے طور پر سورج روشنی پھیلاتا ہے، چاند اندھیری رات میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو روشنی کے ذریعے درست راستہ دکھاتا ہے۔

تیسرا گروہ جو کہ اس بات کا معتقد ہے کہ کواکبِ آسمانی طبیعی اثرات کے اعتبار سے زمین کے حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں، یقیناً یہ بات واقع کے خلاف نہیں ہے، لیکن اس تاثیر کی حدود حدود کیا ہیں اور کس حد تک یہ زمین پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، یہ ہمارے لیے پوری طرح واضح نہیں ہے۔

ہم جانتے ہی کہ سورج کی حرارت ہر چیز پر اثر انداز ہے، چاند سمندر کے مدّو جزر میں اثر رکھتا ہے، ستاروں کی روشنی بھی تاثیر سے خالی نہیں ہے، لیکن کیا یہ چیزیں ہماری زندگی کے حالات پر بھی اثر انداز ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں بہت سے مسائل اور بھی ہیں جو ہم پر پوشیدہ ہیں اور ان کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا، بغیر علم و دلیل کے بات کرنا ہوگا۔ اس بنا پر اس قسم کی باتیں کرنا شریعت میں جائز نہیں، مگر یہ کہ قطعی اور علمی دلائل کے ساتھ ان ستاروں کی تاثیرات ثابت ہو جائیں۔

دوسرے الفاظ میں، زمین اور انسانوں کی زندگی پر آسمانی کواکب کے جو طبیعی اثرات ثابت ہوتے ہیں، اُس سے متعلق پیشگی اطلاع دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور جو مشکوک ہو اس کے بارے میں امکانات ظاہر کیے جا سکتے ہیں، لیکن قطعی طور پر کچھ کہنا رَوا نہیں۔

بہر حال اس قسم کی تاثیرات کا امکان ظاہر کرنا نہ تو کفر ہے اور نہ شرع کے خلاف۔ اور علم نجوم کے سیکھنے کے سلسلے میں روایات میں جو منع آیا ہے ان کا مطمحِ نظر یہ اثرات نہیں ہیں ہے اور گزشتہ نجومیوں کے احکام میں بھی یہ اثرات ہرگز پیش نظر نہ تھے۔

https://downloadshiabooks.com/

گزشتہ نجومیوں کے کلمات سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ ستاروں کے لیے مخصوص طبیعتوں اور مزاجوں کے قائل تھے، بعض گرم مزاج کے اور بعض سرد مزاج کے وغیرہ۔ بلاتردید ستاروں کے لیے مزاجوں کا قائل ہونا ان کی ذاتی پسند اور گمان کی کی بنا پر تھا، لیکن وہ ان خیالی مزاجوں کی رو سے احکامات صادر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ چونکہ اس ماہ فلاں ستارہ دوسرے فلاں ستارے سے قریب ہو گیا ہے تو ان دونوں کی طبیعت و مزاج کا تقضا یہ ہے کہ روی زمین پر فلاں حادثہ رونما ہو۔ اور چونکہ یہ باتیں پسند اور گمان کی بنیاد پر ہیں اس لیے ان امور میں کسی قطعی حکم پر دلیل ثابت نہیں ہوسکتیں۔ اور شاید اسی وجہ سے مسلمان نجومی ایسے بہت سے مواقع پر امکان ظاہر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "فلاں قسم کے حوادث کے رونما ہونے کا امکان ہے"۔

چوتھا گروہ: یہ افراد کواکب ستاروں کے حالات کو مستقبل میں رونما ہونے والے حادثات کی علامت اور نشانی مانتے تھے، یا کہا کرتے تھے کہ خدائی نظام ایسا ہے کہ ستاروں اور کواکب میں تغیرات اور کیفیات کے ظہور کے وقت زمین پر فلاں حادثہ رونما ہوتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ ان آسمانی ستاروں اور کواکب کے لیے الوہیت اور ربوبیت کے قائل ہوں، ان کا یہ اعتقاد کفر کا موجب نہیں، لیکن چونکہ ان کی بات دلیل اور علم سے عاری ہے اور انھوں نے گمان وخیال یا وہم کی بنیاد پر یہ عقیدہ تراشا ہے اس لیے ان کا یہ عمل حرام ہے، کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں کوئی بھی بات بغیر دلیل، یقین اور شرعی حجت کے انسان سے صادر ہو وہ حرام اور گناہ ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ؕ"[1]

"جس جس چیز کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔"

اور خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[2]

"خدا کے بارے میں ایسی بات کرتے ہو جسے تم جانتے تک نہیں۔"

ایک اور جگہ کفار کے بارے میں فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۶

[2] سورۂ یونس، آیت ۶۸

https://downloadshiabooks.com/

"وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا" [1]

"انہیں اس کی کچھ خبر نہیں وہ لوگ تو بس گمان (خیال) کے پیچھے چل رہے ہیں۔ حالانکہ گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آیا کرتا۔"

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ علم غیب صرف خداوند متعال سے مخصوص ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ کون عملی میدان میں کس راستے پر چل رہا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا اور کس وقت وہ مرے گا اور انسانی معاشرے میں کیا حادثات رونما ہونے والے ہیں۔ البتہ اولیاء اللہ جو اللہ کے حکم سے اس کے دیے ہوئے علم کی روشنی میں ان امور میں سے کچھ چیزوں کے بارے میں آگاہی رکھتے ہیں، لیکن بعض حوادث مثال کے طور پر قیامت کب ہوگی، اور عالم کو امن وامان سے پُر کرنے والی ہستی، حضرت حجتؑ کب ظہور فرمائیں گے، اس کو وہ لوگ بھی نہیں جانتے۔ پس معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی علم غیب کا دعویٰ کرے قابل قبول نہیں ہے، چاہے یہ دعویٰ علم نجوم یعنی ستاروں کے حرکات و سکنات دیکھ کر ہو یا ارواح کے رابطے سے ہو یا جنات وغیرہ کے بتانے سے ہو۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ کیوں حضرت امام علی علیہ السلام نے اس خطبے میں علم نجوم کو کہانت کا منبع، نجومی کو کاہن، کاہن کو ساحر اور ساحر کو کافر قرار دیا۔

اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ نجومی کی تصدیق کرنا قرآن کو جھٹلانے جیسا ہے اور نجومی کی باتوں پر بھروسا کرنا خود کو اللہ پر توکل کرنے اور اس سے مدد طلب کرنے سے بے نیاز کر دینا ہے۔

حقیقت میں امام علیہ السلام کے کلام میں نجومیوں کا وہ گروہ مدنظر ہے جو یا تو ستاروں کو مستقل طور پر مؤثر جانتا ہے یا زمینی حوادث پر ان ستاروں کو دلیل سمجھتا ہے۔

اسلام علم نجوم کے اس حصے کو جس کی کوئی بنیاد نہیں اور وہم و گمان پر مبنی ہو، باطل قرار دیتا ہے، لیکن ستاروں کے پوشیدہ اثرات و اسرار کے علم کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں کو ان کے جاننے اور معلومات حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

نجومیوں کی پیشن گوئیاں کیسے وجود میں آتی ہیں

علم نجوم (خرافاتی معنیٰ میں، نہ کہ علمی معنیٰ میں) کے ظہور کا باعث کیا چیز تھی، اس سلسلے میں دقیق معلومات نہیں ہیں۔

---

[1] سورۂ نجم، آیت ۲۸۔

https://downloadshiabooks.com/

لیکن چند امور کو ممکنہ طور پر اس کے ظہور کا باعث جان جا سکتا ہے:

۱۔ آسمانی حالات اور زمینی حوادث کا اتفاقی طور پر ایک ہی وقت میں واقع ہونا۔

۲۔ ایسی من گھڑت باتیں اور تخیلات جو کہ بہت سے اجتماعی مسائل کے تجزیہ اور تحلیل کی بنیاد بنتے ہیں۔

۳۔ لوگوں، مخصوصاً بادشاہوں اور اقتدار پرست لوگوں کا اپنے بارے میں اور مستقبل کے حادثات واقعات کے بارے میں جاننے پر اصرار کرنا۔

۴۔ مکتبِ اہلِ جبر کا اپنی سیاہ کاریوں کی توجیہ کی خاطر نجومیوں کا سہارا لینا تا کہ دوسروں سے کہہ سکیں کہ ہماری زندگی میں حادثات وواقعات افلاک کے حالات واضاع کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔

۵۔ سیاسی مسائل جن کے پیش نظر ہوتے ہیں وہ اپنے سیاسی مخالفین اور ان کے افکار کو مفلوج کرنے کے لیے یوں توجیہ کرتے ہیں کہ فلکی حالات کے آگے کسی کا کچھ نہیں چلتا، کیوں کہ یہ حالات اطلاع دے کر رونما نہیں ہوتے، لہٰذا چار وناچار فتح وشکست تسلیم کرنا پڑے گی۔۔

یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اسلامی روایات میں آیا ہے کہ قمر درعقرب کے اوقات میں نکاح کرنے سے پرہیز کریں (یعنی چاند، ستارۂ عقرب کے مقابل ہوا ہے) اور اس کے بارے میں جو دستور آیا ہے، کیا یہ آسمانی حالات انسانی زندگی پر طبیعی طور پر اثر انداز نہیں ہیں؟

اس سوال کا جواب اتنا پیچیدہ نہیں ہے، کیوں کہ ہم نے آسمانوں میں رونما ہونے والے حالات کا انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے سے انکار نہیں کیا، کیوں کہ عالم کی تمام جزئیات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور ان میں تاثیر پیدا کرتی ہیں۔ جس طرح ہم نے کہا ہے کہ انسانوں کی زندگی میں آسمانوں کے حالات کا طبیعی طور پر ہر مورد میں بغیر کسی استثنیٰ کے اثر انداز ہونا ثابت ہے، مگر دلیل و برہان کی ضرورت ہے، صرف وہم وگمان اور فریب کے ذریعے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور اگر اس سلسلے میں معصومین علیہم السلام کے وسیلے سے کوئی مطلب ثابت ہوتا ہے تو وہی دلیل و برہان قابل قبول ہے۔ لہٰذا یہاں قمر درعقرب کی روایت مذکورہ بحث کے خلاف نہیں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اسّی واں خطبہ

"بَعْدَ فِرَاغِهِ مِنْ حَرْبِ الْجَمَلِ، فِيْ ذَمِّ النِّسَاءِ بِبَيَانِ نَقْصِهِنَّ" [1]

جنگ جمل سے فراغت کے بعد عورتوں کی مذمت اور ان کے نقائص کے بیان میں۔

یہ خطبہ امامؑ کے ان خطبوں میں سے ہے جو جنگ جمل کے بعد کچھ عورتوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ [2]

خطبہ، ایک نگاہ میں

جیسا کہ سند خطبہ کی شرح میں آیا ہے، امیر المومنینؑ نے یہ خطبہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ اور ان کی فوج کو شکست دینے کے بعد بصرہ میں ارشاد فرمایا۔ اور اس میں عورتوں کی مذمت کی گئی ہے، اس میں ان عورتوں کی مذمت ہے جنہوں نے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی اور ان لوگوں کی مذمت میں ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ امامؑ اس قسم کے افراد کو جو اپنی کمزوریوں کی بنا پر غلط کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہیں، ڈراتے ہیں اور مومنوں کو ان برائیوں کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔

خطبہ

"مَعَاشِرَ النَّاسِ، إِنَّ النِّسَاءَ نَوَاقِصُ الْإِيمَانِ، نَوَاقِصُ الْحُظُوظِ، نَوَاقِصُ الْعُقُولِ، فَأَمَّا نُقْصَانُ إِيمَانِهِنَّ فَقُعُودُهُنَّ عَنِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ فِيْ أَيَّامِ حَيْضِهِنَّ، وَ أَمَّا نُقْصَانُ عُقُولِهِنَّ فَشَهَادَةُ

---

[1] سند خطبہ: مشہور یہ ہے کہ یہ خطبہ مصر پر عمرو بن عاص کے قابض ہونے اور محمدؒ بن ابی بکر کی شہادت کے بعد امامؑ کی طرف سے لکھے ہوئے خط کا ایک حصہ ہے۔ اس خط میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رونما ہونے والے دردناک حادثات و واقعات کا ذکر فرماتے ہیں، امامؑ نے حکم دیا کہ اس خط کے متن کو لوگوں کے لیے پڑھا جائے، تاکہ لوگ خط میں لکھے ہوئے نکات سے آگاہ ہو جائیں اور وسوسۂ شیطانی میں مبتلا نہ ہوں۔ امامؑ نے اس خطبے کو کئی مواقع پر تکرار فرمایا ہے۔

[2] ابن جوزی کہتے ہیں کہ سیرہ کے علماء نقل کرتے ہیں: جیسے ہی حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل سے فراغت حاصل کی تو بصرہ میں منبر پر گئے اور یہ خطبہ دیا۔ سیّد رضیؒ سے پہلے جن لوگوں نے اس خطبے کو نقل کیا ہے ان میں ابو طالب مکی نے کتاب قوۃ القلوب میں، مرحوم شیخ کلینیؒ نے فروغ کافی جلد ۵ میں، ابراہیم بن ہلال ثقفی نے کتاب الغارات میں، ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ میں اور طبری نے المسترشد میں نقل کیا ہے۔ (اقتباس از مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۸۶)

https://downloadshiabooks.com/

امْرَأَتَيْنِ كَشَهَادَةِ الرَّجُلِ الْوَاحِدِ، وَأَمَّا نُقْصَانُ حُظُوظِهِنَّ فَمَوَارِيثُهُنَّ عَلَى الْأَنْصَافِ مِنْ مَوَارِيثِ الرِّجَالِ. فَاتَّقُوا شِرَارَ النِّسَاءِ، وَكُونُوا مِنْ خِيَارِهِنَّ عَلَى حَذَرٍ، وَلَا تُطِيعُوهُنَّ فِي الْمَعْرُوفِ حَتَّى لَا يَطْمَعْنَ فِي الْمُنْكَرِ"

"لوگو! یادرکھو کہ عورتیں ایمان کے اعتبار سے' میراث کے حصے کے اعتبار سے اور عقل کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں۔ایمان کے اعتبار سے ناقص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایام حیض میں نماز روزہ سے محروم ہوجاتی ہیں اور عقلوں کے اعتبار سے ناقص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔حصہ کی کمی یہ ہے کہ انہیں میراث میں حصہ مردوں کے آدھے حصہ کے برابر ملتا ہے۔لہٰذاتم بدترین عورتوں سے بچتے رہو اور بہترین عورتوں سے بھی ہوشیار رہو اور خبردار! نیک کام بھی ان کی اطاعت کی بنا پر انجام نہ دینا کہ انہیں برے کام کا حکم دینے کا خیال پیدا ہوجائے۔"

شرح وتفسیر

انسانی معاشرے میں خواتین کا مقام

اس خطبے کی تفسیر میں نہج البلاغہ بالخصوص زمان حاضر کے شارحین کے درمیان بہت زیادہ بحث ہوئی ہے،لہٰذا ہم یہاں ایک مقدمہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں،تاکہ خطبے کی یہ بحث واضح ہوجائے،طول تاریخ میں عورت کی شخصیت پر کافی گفتگو ہوئی ہے اور اس کے بارے میں قضاوت کے سلسلے میں لوگ افراط وتفریط کا شکار رہے ہیں،کبھی انہیں منزلت انسانی سے نیچے گرا کر ان کی شخصیت سے انکار کردیا تو کبھی انہیں اتنا اوپر کیا کہ انہیں تمام لوگوں سے زیادہ بہترین مخلوق قرار دیا اور انسانی معاشرے میں عورتوں کی حاکمیت کی تجویز دی۔یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ افراط وتفریط ایک دوسرے کا ردِّعمل ہے۔

آج کے دور میں خصوصاً مغربی معاشرہ یا وہ لوگ جو یورپ والوں کے طور طریقوں کو جمہوریت کا نام دیتے ہیں، اس بارے میں بہت ساری باتیں ہیں،سیاست دان خود کو عورتوں کا محتاج پاتے ہیں،کیوں کہ مرد وعورت دونوں انتخابات میں ووٹ دے سکتے ہیں اور سرمایہ دار انھیں اپنے کاروبار کے لیے مفید سمجھتے ہیں کیونکہ عموماً تنخواہوں اور مراعات کے سلسلے میں مردوں کی نسبت عورتوں کی توقعات کم ہوتی ہیں۔عورتیں بڑے بڑے سیاسی واقتصادی پروگراموں میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں اور دنیا کی بڑی بڑی کمپنیاں اپنی شہرت اور اشتہارات کے ذریعے پروگرام مزکرنے میں عورتوں کی محتاج دکھائی دیتی ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ وجوہات سبب بنیں کہ ان کے حقوق کے بارے میں محض زبانی طور پر ان کے حقوق کا دفاع ہوا اور ان کی شخصیت کو جتنا ہو سکے عروج پر لے جایا جائے، لیکن عملی میدان میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہوا وہ آج بھی مختلف محرومیوں کا شکار ہیں ہے، جس طرح ماضی میں ان محرومیوں کے ساتھ دست وگریباں رہی ہیں۔ اسی طرح یہ چیز مذہبی نوشتہ جات پر بھی کافی اثر انداز ہوئی۔ کچھ گروہوں نے عورتوں کے حقوق کے نعرے بلند کیے اور دکھاوے کے طور پر ان کے حقوق کا دفاع کیا، اور اس حقیقت کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ گویا عورتوں اکثریت کا مزاج وطبیعت اور میلان کچھ اسی طرح کا ہے۔

نہج البلاغہ میں اوپر کے خطبے اور ان جیسے مختصر دوسرے جملے ذکر شدہ مثال کی طرح ہیں کہ وہ بھی اس قسم کی گفتگو اور من گھڑت تفسیروں سے محفوظ نہیں رہی ہے، کبھی ان کی سند کی تردید ہوئی ہے، کبھی ان باتوں کی شرح کی گئی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نقص رہ جائے اور عورتوں کی شخصیت پر کوئی دھبّہ لگ جائے۔ بعض نے افراط وتفریط کے راستے کو اپناتے ہوئے عورتوں کو تمام نقائص کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس دوران دو چیزوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا:

پہلی: یہ خطبہ جنگِ جمل کے بعد دیا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس جنگ کے چھڑنے میں اصل کردار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسر حضرت عائشہ کا تھا، جو کہ طلحہ وزبیر کے اکسانے اور ورغلانے پر جنگ میں کود گئی تھیں اور بہت سارے بے گناہ اور ناسمجھ لوگوں کے خون بہائے گئے کہ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق ۱۷ ہزار تک ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنگ میں شکست کھانے کے بعد حضرت عائشہ نے طلحہ وزبیر کی مذمت کی اور ندامت کا اظہار کیا، مگر کیا فائدہ!

امیر المومنینؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کی خاطر انہیں بصد احترام مدینے پہنچا دیا، لیکن اس جنگ کے نامطلوب اثرات تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئے۔

دوسری چیز: ہم قرآن کریم کی بہت سی آیات میں کچھ لوگوں کی مذمت میں پڑھتے ہیں:

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۙ﴿۲۱﴾ [۱]

”بے شک انسان بڑا لالچی پیدا ہوا ہے جب اسے تکلیف چھو بھی گئی تو گھبرا گیا اور جب اسے ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

”اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا“ [۲]

---

[۱] سورۂ معارج، آیات ۱۹، ۲۱۔

[۲] سورۂ احزاب، آیت ۷۲۔

https://downloadshiabooks.com/

انسان ظالم وجاہل واقع ہوا ہے۔

دوسری جگہ انسان کو کھلم کھلا کفر کرنے والا بتایا ہے:

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ" (۱)

ایک اور جگہ آیا ہے:

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ" (۲)

"انسان ایک ایسا وجود ہے کہ اسے جب کوئی نعمت ملتی ہے تو سرکشی پر اتر آتا ہے۔"

انسان اپنی طبیعت میں نہ واضح کفر کرنے والا ہے، نہ ظالم وجاہل، اور نہ سرکشی کرنے والا ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بحث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو خداوند متعال کے رہبروں کی زیر تربیت نہ رہے ہوں اور خودرو گھاس کی طرح نمودار ہوئے ہوں جن کا نہ کوئی رہنما ہے اور نہ بیدار کرنے والا، یہ لوگ خواہشات نفسانی میں غوطہ زن ہیں۔

اس بنا پر قرآن کریم میں خداوند متعال کے مطیع، پرہیزگار انسان کے مقام کی بہت تعریف ہوئی ہے اور اصولی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو تمام مخلوقات میں بہترین مخلوق قرار دیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۳)

"اور ہم نے یقیناً آدمؑ کی اولاد کو عزّت دی اور خشکی اور تری میں ان کو (جانوروں، کشتیوں کے ذریعے) لیے لیے پھرے اور انہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو اچھی خاصی فضیلت دی۔"

عورتوں کی بابت بھی ایسا ہی ہے کہ ان کے درمیان میں بھی ایسی باکردار اور خدا پرست، پرہیزگار عورتیں موجود ہیں، جن کی نظیر مردوں میں کم ہے۔ اس کے برعکس، بہت سی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جو انسانی معاشرے میں برائیوں کا سرچشمہ ہیں۔

اس مقدّمے کو مدّنظر رکھتے ہوئے خطبے کی شرح وتفسیر پیش کرتے ہیں اور آخر میں ان ہی مطالب سے مربوط کچھ نکات بھی پیش کیے جائیں گے۔ جس طرح اوپر بیان ہوا کہ امامؑ اس خطبے کو جنگ جمل میں تمام مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لیے بیان فرما رہے ہیں، تاکہ آئندہ اس قسم کے حادثات سے دوچار ہونے سے بچا جاسکے۔ سب سے پہلے فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۂ زخرف، آیت ۱۵۔

(۲) سورۂ علق، آیات ۶، ۷۔

(۳) سورۂ اسراء، آیت ۷۰۔

https://downloadshiabooks.com/

"مَعَاشِرَ النَّاسِ، إِنَّ النِّسَاءَ نَوَاقِصُ الْإِيمَانِ، نَوَاقِصُ الْحُظُوظِ، نَوَاقِصُ الْعُقُولِ"

"اے لوگو! عورتیں ایمان اور اقتصادی طور پر اور عقل کے اعتبار سے کمزور ہیں۔"

پھر اس کے بعد اس کمزوری اور ناتوانی کے لیے دلیل بھی پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

"فَأَمَّا نُقْصَانُ إِيمَانِهِنَّ فَقُعُودُهُنَّ عَنِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ فِي أَيَّامِ حَيْضِهِنَّ، وَ أَمَّا نُقْصَانُ عُقُولِهِنَّ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ كَشَهَادَةِ الرَّجُلِ الْوَاحِدِ، وَ أَمَّا نُقْصَانُ حُظُوظِهِنَّ فَمَوَارِيثُهُنَّ عَلَى الْأَنْصَافِ مِنْ مَوَارِيثِ الرِّجَالِ."

"ان کے ایمان کی کمزوری کی دلیل یہ ہے کہ مخصوص ایام میں وہ نماز و روزے سے دور رہتی ہیں، عقل کی کمزوری کی دلیل یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، معاشی طور پر ان کی کمزوری یہ ہے کہ ارث میں ان کا حصہ مردوں کے حصے کا آدھا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان تین کمزوریوں میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی دلیل بھی ہے۔ اگر خداوند متعال نے ایّامِ عادت میں عورتوں سے نماز و روزے کو معاف کیا ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: عادت کے زمانے میں عورتوں کی حالت ایسے بیماری سی ہوجاتی ہے کہ جسے آرام و استراحت کی ضرورت ہو۔

دوسری وجہ: ان کی حالت عبادت اور واجبات ادا کرنے کے لائق نہیں رہتی۔

اگر دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان پر اللہ کی مہربانیاں زیادہ ہیں۔ اور اگر ان کا حصہ مردوں کے حصے کا آدھا ہے اس کی بھی دو وجوہ بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: یہ صرف اولاد اور شوہروں سے متعلق ہے، جب کہ ماں باپ کے بارے میں بہت سے موارد میں ارث میں ان کے برابر ہیں اور اسی طرح بہن بھائیوں اور بیٹوں کے بارے میں بعض موارد میں وہ برابر ہیں۔ بالفاظ دیگر، عورت ماں یا بہن کی حیثیت سے بہت سے موارد میں مردوں کے برابر حصہ دار ہے۔

دوسری وجہ: عورت کی زندگی کا خرچ و مصارف مرد کے کندھوں پر ہیں، بیوی اور بچوں کا خرچ جسے نفقہ کہا جاتا ہے، مرد کو ادا کرنا ضروری ہے، چاہے وہ ارث کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے کما کر کھلائے۔

بنابرایں، مرد و عورت کے درمیان یہ تمام فرق اسلامی قوانین میں حساب و کتاب کے مطابق ہے، مگر ایک نکتے سے کبھی انکار نہیں کر سکتے کہ عورت ہر لحاظ سے مرد کے برابر نہیں ہے اور وہ لوگ جو مرد و عورت کی برابری کا یا عورتوں کی برتری کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ اپنے آپ کو کسی اور مشکل سے دوچار کر دیتے ہیں۔ کسی ملک کا کوئی صدر ایسا نہیں ہے جو برابری کا نعرہ لگا کر اپنے

https://downloadshiabooks.com/

وزیروں میں مرد اور عورت وزرا کا انتخاب کریں اور اسی طرح ملک کے دوسرے ادارے جن میں کہیں ایسا نہیں ہے کہ ان میں کام کرنے والے آدھے مرد ہوں اور آدھی عورتیں۔ یہاں تک کہ کافر حکومتوں اور یورپ میں کوئی ایسا پروگرام نہیں ہے۔

جو چیز حقیقت کے نزدیک تر، ریا کاری اور دکھاوے سے دور ہے یہ ہے کہ ہم عورت اور مرد کو ان کی خدا داد صلاحیتوں اور اچھائیوں کے ساتھ پہچانیں اور عدالتِ الٰہی کا ان کے درمیان خیال کریں، تاکہ ان میں سے ہر ایک اپنی خداداد استعداد کو بروئے کار لائے اور ان میں جن چیزوں کے بنانے کی قوت ہے، اس سے استفادہ کرکے خود کو بھی اور معاشرے کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ اس بارے یہ مناسب ترین مثال ہے جو دی گئی اور خدا نے چاہا تو اس بارے میں مزید شرح آئندہ بیان ہوگی۔

اس خطبے کے آخر میں ایک مختصر نتیجہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَاتَّقُوْا شِرَارَ النِّسَاءِ، وَكُوْنُوْا مِنْ خِيَارِهِنَّ عَلٰى حَذَرٍ"

"اب جب کہ ایسا ہے تو عورتوں کے شر سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور ان میں سے اچھی عورتوں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"وَلَا تُطِيْعُوْهُنَّ فِي الْمَعْرُوْفِ حَتّٰى لَا يَطْمَعْنَ فِي الْمُنْكَرِ"

"نیک اعمال میں ان کی بغیر کسی قید و بند کے اطاعت نہ کرو، تاکہ بُرے اعمال میں بھی تمہاری اطاعت و پیروی کی امید نہ رکھے۔"

یہ بات طے شدہ ہے کہ اچھے کاموں میں بھی ان کی اطاعت نہ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر وہ امر بہ معروف، جیسے نماز و روزہ، عدالت، احسان کرنے کے بارے میں کہیں تو ایسا نہ ہو کہ ان کی مخالفت کرو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کسی بھی بات کو شرائط کے بغیر قبول نہ کرو۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہ جو بات واضح اور صحیح ہو وہ بیوی کی بات ہونے پر نہیں، بلکہ اس میں غلطی نہ ہونے کی بنا پر قبول کرو۔ اگر بیوی کی بات رکھنے کے لیے قبول کرو گے تو اس میں کسی بُرے کام کو بھی تم سے منوانے کی جرأت و ہمت پیدا ہو جائے گی اور انہیں اپنے ہر جائز و ناجائز کاموں میں تمہاری پیروی اور اطاعت کا انتظار رہے گا۔

اگرچہ نہج البلاغہ کی عبارت یہاں پر بیویوں سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام عورتوں سے متعلق ہے، مگر یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اس قسم کے مسائل اکثر اوقات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

بنابرایں، جو چیز اس خطبے میں آئی ہے وہ آیات و روایات کی روشنی میں مرد و عورت دونوں کے لیے اچھائی اور نیکی کی

https://downloadshiabooks.com/

طرف دعوت اور برائی سے اپنے آپ کو روکنے کو کہا جار ہا ہے اور اسے قبول کرنا واجب بھی ہے۔ اگر انسان اس میں کوئی شرط نہیں رکھتا ہے تو اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ خطبے کا مطلب یہ نہیں کہ امر و نہی کو ترک کر دو، بلکہ امامؑ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہر کام کو بغیر شرط کے انجام نہیں دو، بلکہ کہو کہ میں خود بھی اس کام کو کرنا چاہتا تھا جو تم کہہ رہی ہو (یہ اس صورت میں ہے کہ واقعاً تمہارا ارادہ ہو) یا کہ ان سے کہو کہ اگر ایسا کام ہے تو اسے ضرور کریں گے مگر کچھ وقت لگے گا، ابھی میں مصروف ہوں وغیرہ، تا کہ بیوی کو یہ احساس نہ ہو کہ اس کا شوہر اس کا غلام ہے۔

لیکن اِس حکم سے ایماندار، آگاہ، ہوشیار اور خدا پرست خواتین، جو اپنی رضا کو خدا کی رضا پر قربان کریں، مستثنیٰ ہیں، جیسے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، جن کا فرمان سوائے خیر و برکت اور خدا کی رضا حاصل کرنے اور قربِ پروردگار کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

یہ نکتہ بھی بیان کرنا ضروری ہے، کہا جاتا ہے کہ عورتوں کی خوبیوں سے ہوشیار رہو۔ چوں کہ یہاں اچھائی نسبی ہے مطلق نہیں، کیوں کہ اگر ان کی خوبیاں مطلق ہوں تو ان سے پرہیز نہیں، بلکہ ان کے مشوروں کا دل سے استقبال کرو اور ان کی گفتگو کو غنیمت جانو۔ اس بنا پر تاریخ اسلام میں ایسی عظیم ہستیوں کو ہم دیکھتے ہیں جو اپنی شائستہ بیویوں کے مشورے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور بعض آیات قرآن کریم میں شائستہ عورتوں سے مشورے کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ بچے کا دودھ چھڑوانے کے سلسلے میں آیا ہے:

"فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا." (۱)

"جب بھی ماں باپ ایک دوسرے کے مشورے اور رضایت سے بچے کو دو سال سے پہلے دودھ چھڑوانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

نکات

۱۔ عورتوں اور مردوں میں برابری اور فرق

اس موضوع پر دانش وروں کے درمیان کافی بحث ہوئی ہے کہ کیا واقعی مرد اور عورت خلقت اور حقوق کے

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۳۔

https://downloadshiabooks.com/

اعتبار سے برابر ہیں یا ان دونوں میں کوئی فرق ہے؟

غالب عقیدہ یہ تھا کہ جسمانی ساخت، جذباتی اور عقلی پہلو کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے، اس فرق کی وجہ سے نہ تو عورت کی شخصیت گھٹتی ہے اور نہ مرد کی شخصیت میں کوئی بڑھاوا وجود میں آتا ہے۔ یہ فرق یقیناً معاشرے میں ان کی ذمّے داریوں میں بھی فرق کا باعث ہوسکتا ہے۔

سماجی لحاظ سے دیکھا جائے تو اکثر کا خیال یہ ہے کہ مردوں کی حاکمیّت کے قائل ہیں۔ یہ افراطی فکر باعث بنی کہ ایک گروہ اس فکر کی مخالفت میں عورتوں کی حاکمیّت کا معتقد ہوجائے۔

اسلامی منابع اور عقل کی منطق سے اس سلسلے میں جو استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کے تین پہلو ہیں:

۱۔ الٰہی اور انسانی پہلو

۲۔ علمی اور ثقافتی پہلو

۳۔ اقتصادی پہلو

۱۔ الٰہی اور انسانی پہلو: اس پہلو میں جو اہم انسانی اقدار شامل ہیں، ان میں مرد و عورت دونوں میں فرق نہیں، دونوں خدا کے حضور یکساں ہیں۔ دونوں قربِ خداوندی کے حصول کے لیے آخر حد تک جا سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ تکامل کی راہ دونوں کے لیے یکساں طور پر کھلی ہوئی ہے۔ لہٰذا قرآن خطابات میں دونوں کو برابری کی نظر سے دیکھتا ہے۔

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾" (۱)

"جو کوئی بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرط یہ کہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے (دنیا) میں پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ان کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق عطا کریں گے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً

(۱) سورۂ نحل، آیت ۹۷۔

https://downloadshiabooks.com/

وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا"۔ ①

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر و ثواب مہیا کر رکھا ہے۔"

"اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ"۔ ②

"بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"

اس آیۂ کریمہ میں بھی قرب پروردگار کو معیار قرار دیا گیا ہے، جنس کو معیار قرار نہیں دیا گیا۔

اسلامی روایات میں بھی یہ حقیقت بخوبی نمایاں ہے۔ مرحوم کلینیؒ نے کتاب "کافی" میں لکھا ہے:

"پیغمبر اکرمؐ کی رضاعی بہن آپؐ کی خدمت میں آئیں اور جب آپؐ نے انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا کر اس پر بٹھا دیا، پھر ان سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ آپؐ کے ہاں سے چلی گئیں تو ان کا بھائی اندر آ گیا (یہ بہن بھائی سعدیہ حلیمہؓ کے بچے تھے جو آپؐ کی رضاعی ماں تھیں) لیکن پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی کا اتنا احترام نہیں کیا، جتنا بہن کا احترام کیا، جب کہ آپؐ اس سے بھی محبت کرتے تھے۔

بعض نے سوال کیا یا رسول اللہؐ جو عزت بہن کو آپؐ نے دی، بھائی کی اتنی عزت بھائی کو نہیں دی، کیا یہ مرد ہونے بنا پر ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

"لِاَنَّهَا كَانَتۡ أَبَرَّ بِوَالِدَيۡهَا مِنۡهُ"۔ ③

"یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بہن اپنے ماں باپ کی اس بھائی سے بہتر خدمت اور اُن کی فرماں برداری کرتی تھی۔"

عجیب بات یہ ہے کہ اصحاب نے عزت کو مرد کے لیے مخصوص کر کے اس پر اکتفا کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد

---

① سورۂ احزاب، آیت ۳۵۔

② سورۂ حجرات، آیت ۱۳۔

③ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۱۶۱

https://downloadshiabooks.com/

کے لیے مخصوص نہیں کیا، بلکہ اپنی بہن کو الٰہی اور انسانی اقدار کی بنا پر مقدم رکھا۔

جنگ اُحد میں نسیبہ کی شجاعت و بہادری کی داستان میں ملتا ہے کہ وہ جنگ کے میدان میں جان کی پروا کیے بغیر لشکر اسلام کے سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں اور اس دوران دشمن نے ان پر حملہ بھی کیا تو اپنا دفاع کرتے ہوئے لشکر اسلام کے شانہ بشانہ دشمن سے لڑنے لگیں یہاں تک کہ ان کے جسم پر تیرہ (۱۳) زخم بھی آئے اور آخر میں یمامہ میں مسیلمہ کے ساتھ جنگ میں شہید ہوگئیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مشہور حدیث ہے کہ آپؐ نے اُحد میں ان کے بارے میں فرمایا:

"لَمَقَامُ نَسِيبَةَ بِنْتِ كَعْبٍ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ مَقَامِ فُلَانٍ وَفُلَانٍ"[۱]

"آج کے روز اس خاتون کا مقام و منزلت فلاں اور فلاں (لشکر کے بعض سپہ سالاروں کی طرف اشارہ تھا) سے بلند و برتر ہے۔"

شطیطۂ نیشاپوری کی مشہور داستان میں آیا ہے:

جب محمد بن علی نیشاپوری لوگوں کی طرف سے کافی مال و اسباب اور تحفہ تحائف حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لیے اپنے ساتھ لے کر آئے اور حضرتؑ کی خدمت میں پیش کیے تو امامؑ نے تیس ہزار دینار اور پچاس ہزار درہم اور کپڑے کے تھانوں میں سے صرف ایک ایماندار خاتون "شطیطہ" کی طرف سے بھیجا ہوا ایک درہم اور کچھ کپڑے قبول فرمائے اور باقی چیزوں کو واپس بھیج دیا۔[۲]

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی قدر و قیمت کے لحاظ سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس معاملے میں کبھی عورتیں مردوں سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔

۲۔ علمی اور ثقافتی پہلو: اِس حصّے میں بھی مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علم و دانش کے دروازے دونوں کے لیے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔ معروف حدیث، "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ"[۳]، "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"، اس مدّعا پر دلیل ہے (یہاں تک کہ اگر لفظ مسلمة حدیث کا جز نہ بھی ہو؛ یہ حدیث عورتوں کو بھی شامل ہے؛ کیونکہ حدیث میں لفظ مسلم سے نوعِ انسان مراد ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں بھی لفظ مسلم فقط ذکر ہوا ہے)۔

---

[۱] سفینة البحار، مادۂ نسب

[۲] بحار الانوار، جلد ۴۸، ص ۷۳

[۳] اس روایت کو مرحوم مجلسیؒ نے بحار الانوار میں کتاب عالی اللئالی سے، پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے اور اسی طرح میزان الحکمہ میں کتاب مجموعۂ ورام سے نقل ہوئی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اس بنا پر اسلامی نقطۂ نظر سے حصولِ علم کے کسی بھی مرحلے میں عورتوں کے لیے کوئی حد اور پابندی نہیں ہے، وہ علمی لحاظ سے کمال کے تمام مدارج کو طے کرنے کا حق رکھتی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں ایسی عظیم اور با فضیلت خواتین گزری ہیں جن کے نام احادیث کی کتب میں راویوں کی فہرست میں درج ہے اور انہوں نے روایتیں نقل کی ہیں۔

۳۔ اقتصادی پہلو: مرد اور عورت کے درمیان اس پہلو سے بھی کوئی فرق نہیں ہے یعنی وہ عورت بھی اپنے کام کے محصول کی مالک ہوسکتی ہے جس طرح مرد مالک ہیں۔ اسلام نے خصوصی طور پر عورتوں کو آزادی کے ساتھ کام کاج کا اختیار دیا ہوا ہے، مگر بعض مغربی ممالک میں اب بھی عورت کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی۔ وہ اپنے مال کو شوہر کی اجازت کے بغیر استعمال میں نہیں لا سکتی جب کہ اسلام میں عورت اپنے مال کو شوہر کی اجازت کے بغیر ہر قسم کے دینی و شرعی کاموں میں استعمال کر سکتی ہے۔

البتہ اگر تمام دعووں کو ایک طرف رکھ دیں تو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مردوں کی تولیدی سرگرمیاں عورتوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس بات پر دو دلیلیں ہیں:

پہلی دلیل: اس کی دلیل یہ ہے کہ مردوں میں بھاری کاموں کو انجام دینے کی ہمت وقوت عورتوں کی نسبت زیادہ ہے، اس بنا پر زیادہ تر اقتصادی مسائل مردوں کے ہاتھ میں ہیں۔

دوسری دلیل: حمل کے دوران اور بچے کو دودھ پلانے اور بڑا کرنے کے (جو دو تین سال پر محیط ہیں) دوران اُن کی عمر کا ایک بڑا حصہ اِنہی کاموں سے مخصوص ہو کر رہ جاتا ہے اور اس دوران عورتوں کی جسمانی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے اور اگر فرض کریں کہ ہر عورت اوسطاً تین سے زیادہ بچے پیدا کرتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے، زمانۂ حمل سے لے کر چلنے پھرنے تک کے لیے چار سال کا عرصہ لگ جاتا ہے، تو مجموعی طور پر بارہ سال ہو جاتے ہیں جو کہ جوانی یا جوانی کے قریب کا زمانہ ہے۔

شاید اسی بنا پر تمام ملکوں میں اور اُن ممالک میں، جہاں مرد و زن کے درمیان عملی میدان میں برابری کا راج ہے اور وہاں پر مذہب کی حاکمیت نہیں ہوتی، بہت سے بھاری کاموں کی ذمّے داری مردوں کے دوش پر ہے اور سیاسی اقتصادی و اجتماعی ذمّے داریوں کو انجام دینے کے لیے اکثر اوقات مردوں میں سے ہی کسی کو منتخب کرتے ہیں۔

اِس بنا پر جج کے منصب کی ذمّے داری، گواہ کے سلسلے میں مرد و عورت کی تعداد میں فرق اور میراث کے مسئلے میں فرق جیسے چند فرق، مرد و زن کے درمیان الٰہی اور انسانی، علمی اور فرہنگی اور اقتصادی پہلوؤں کے لحاظ سے برابری کے قاعدۂ کلی کو نابود نہیں کر سکتے میو غیرہ کی دلیل کو اوپر ذکر کیا ہے۔ اصولی طور پر بعد الٰہی و انسانی، وبُعد علمی و ثقافتی اور بُعد اقتصادی کے لحاظ سے ان دو جنس کے درمیان فرق کو ہرگز نہیں مٹا سکتے۔

https://downloadshiabooks.com/

بہر حال مرد وزن کے درمیان جو طبیعی اور جسمانی فرق ہے اسے قبول کرنا چاہیے اور جھوٹے نعروں کے ذریعے خود کو گمراہ نہ کریں۔

۲۔ حضرت عائشہ سے متعلّق کچھ باتیں

آپ (خلیفۂ اوّل) مسلمانوں کے خلیفۂ اول کی بیٹی اور قبیلۂ تیم جو کہ خاندان قریش میں سے ایک تھا، سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی ماں اُمّ الرومان تھیں جو عامر بن عویمر کی بیٹی تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عائشہ بعثت کے چوتھے سال مکے میں پیدا ہوئیں اور وہیں پرورش پائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد ان سے شادی فرمائی اور شوال کے مہینے میں جنگِ بدر کے بعد ان کے باپ حضرت ابوبکر کے اصرار پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر لے گئے۔

خلیفۂ ثالث کے خلاف بغاوت

حضرت عائشہ بعد از پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ زمانہ اپنے باپ کے دور خلافت میں اور ان کے بعد خلیفۂ ثانی کی حکومت میں، اور خلیفۂ ثالث کی حکومت کے پہلے نصف حصے میں ان کی حکومت کی طرف دار رہیں لیکن دوسرے نصف حصے میں ان سے اختلافات شروع ہوگئے۔ اور یہ اختلافات انتہائی شدید ہوگئے، یہاں تک کہ یہ اختلافات دشمنی میں تبدیل ہوگئے اور اس طرح حضرت عائشہ خلیفۂ ثالث کے دشمنوں میں شامل ہوگئیں اور اس شورش کو خوب ہوا دی جو خلیفۂ ثالث کے خلاف پھیل چکی تھی، یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث قتل ہوگئے۔ اب حضرت عائشہ کو امید تھی کہ خلافت "طلحہ" کو جو ان کا چچازاد بھائی تھا، مل جائے گی لیکن جب انھیں پتا چلا کہ لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کر لی ہے اور ان کے تمام ارادے نقش بر آب ثابت ہوگئے تو راستہ بدل دیا اور خلیفۂ ثالث کے خون کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور بصرہ میں جنگ جمل کے بانیوں میں سے ایک تھیں اور "طلحہ" اور زبیر کے ساتھ آتشِ جنگ بھڑکا دی۔ لیکن جب جنگ جمل میں شکست فاش ہوئی اور ان کے شرکائے کار "طلحہ" اور زبیر قتل ہوگئے اور امیر المومنین علیہ السلام نے احترامِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث انھیں مدینے واپس بھجوا دیا، جہاں وہ خانہ نشین ہوگئیں۔ وہ بذاتِ خود کافی ہوشیار اور ذہین تھیں اسی لیے اپنی مرضی سے فقہی معاملات میں فتویٰ دیتی تھیں اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سابق خلفاء بھی اس معاملے میں انھیں ڈھیل دیے ہوئے تھے۔

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں تحریر کیا ہے:

https://downloadshiabooks.com/

"عمر نے امہات المومنین کے گزارے کے لیے دس ہزار دینار سالانہ مقرر کیے، لیکن اُنہیں بارہ ہزار دینار دیے کرتے تھے لیکن جب خلیفۂ ثالث سے ان کا جھگڑا ہوا۔ تاریخ یعقوبی کے مطابق۔ تو یہ اضافی دو ہزار دینار روک لیے۔"

خلیفۂ ثالث اور حضرت عائشہ کے درمیان اختلاف "ولید بن عقبہ" کی کوفے کی گورنری کے موقع پر عروج کو پہنچا۔ ولید کو جو نہ صرف شراب خور تھا بلکہ ابن مسعود جیسے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان جیسے دیگر صحابہ کی توہین کا بھی مرتکب ہوا تھا، خلیفۂ ثالث کے پاس لایا گیا اور اس کی شراب خوری کے ثبوت اور گواہ پیش کیے تا کہ اس پر حد جاری کی جائے لیکن بقول بلاذری جو انھوں نے "انساب الاشراف" میں بیان کیا ہے، خلیفۂ ثالث نے ولید کو جوان کا برادرِ خواندہ (منہ بولا بھائی) تھا، کوئی سزا نہیں دی بلکہ الٹا گواہوں کو ہی سزا کا حکم دے دیا، ان لوگوں نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی، اس پر خلیفۂ ثالث نے احتجاج کیا کہ کیا ان سرکش عراقیوں کو پناہ لینے کے لیے حضرت عائشہ کے گھر کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ملی۔ جب حضرت عائشہ نے یہ سنا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک ہاتھوں میں اٹھا کر بلند کر کے کہا، ابھی یہ نعلین بوسیدہ نہیں ہوئیں، لیکن خلیفۂ ثالث نے سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسیدہ کر دیا اور پس پشت ڈال دیا، جب ان کی یہ بات لوگوں تک پہنچی تو لوگوں کا ایک گروہ ان کی حمایت میں اور دوسرا خلیفۂ ثالث کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ مسجد نبویؐ میں جھگڑا اور باہم مار پیٹ شروع ہو گئی۔

جب خلیفۂ ثالث قتل ہو گئے تو حضرت عائشہ خوش ہوئیں، مگر جب دیکھا کہ حکومت حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں آ گئی ہے تو سخت ناراض ہوئیں۔ حضرت امام علی علیہ السلام عدالت و انصاف کے پابند تھے۔ یہی چیز حضرت عائشہ کو پسند نہ آئی اور آپؑ کی طرف ان کے دل میں بغض و کینہ بیٹھ گیا۔

طبری اور ابن اثیر اپنی تواریخ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر اسے ملی تو بہت خوش ہوئی اور سجدۂ شکر بجا لائی اور انتہائی خوشی میں حضرت عائشہ کی زبان سے یہ شعر جاری ہو گیا:

فَأَلْقَتْ عَصَاهَا وَاسْتَقَرَّ بِهَا النَّوٰی كَمَا قَرَّ عَيْنًا بِالْإِيَابِ الْمُسَافِرِ

"اپنے عصا کو پھینک دیا ہے اور پُرسکوں ہو گیا، جس طرح انسان کسی عزیز رشتے دار کی سفر سے واپسی پر خوش ہوتا ہے۔"

اس سے مراد یہ کہ اب جب میری بے چینی ختم ہو گئی، تو میں آرام سے ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انھوں نے ابن ملجم کی تعریف اور مدح میں اشعار کہے اور جب "زینبؑ" دختر امّ المومنین اُمّ سلمہؓ نے سنے تو انھوں نے حضرت عائشہ کو شدید انداز میں برا بھلا کہا اور انھیں توجّہ دلائی کہ انھوں نے انتہائی گھٹیا کام کیا ہے، تو انھوں نے ظاہری طور پر معذرت کی اور کہا، "اب مجھے بھول جانے کی بیماری ہو گئی ہے؛ آئندہ جب بھی ایسی کوئی بات کروں تو مجھے بتا دینا۔" (یاد رہے کہ اس وقت

https://downloadshiabooks.com/

حضرت عائشہ کی عمر ۵۰ سال تھی)۔

حضرت عائشہ کی زندگی کے عجیب وغریب واقعات میں خلیفۂ ثالث کے لیے ان کے رویّے کی فوری اور شدید تبدیلی ہے۔ بقول ابن الحدید جو شخص تاریخ اور اس کے واقعات سے معمولی آگاہی بھی رکھتا ہے وہ بخوبی واقف ہے کہ حضرت عائشہ خلیفۂ ثالث کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھیں، وہ سب سے پہلی ہستی تھیں جنھوں نے خلیفۂ ثالث کو نعثل کا نام دیا اور کہا:

"اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا قَتَلَ اللّٰهُ نَعْثَلًا"

"نعثل کو قتل کردو؛ خدا اِسے قتل کردے۔"

نعثل عربی لغت میں بوڑھے احمق شخص کے معنی میں ہے، اس کے علاوہ لمبی اور گھنی داڑھی والے کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی کہا گیا کہ ایک لمبی داڑھی والا یہودی تھا۔ معلوم نہیں حضرت عائشہ نے یہ لفظ کس معنی میں استعمال کیا تھا لیکن ان تمام باتوں اور اپنی دشمنی کے باوجود جب انھوں نے یہ سنا کہ لوگوں نے خلیفۂ ثالث کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کر لی ہے تو کہا، "اگر یہ خبر صحیح ہے تو کاش آسمان پھٹ کر زمین پر آگرے"، اور اُسی وقت سے کہا کرتی تھی:

"قَتَلُوا ابْنَ عُفَّانَ مَظْلُوْمًا"

"ہائے عفّان کے بیٹے کو مظلومیت کے ساتھ قتل کر دیا۔"

پھر طلحہ و زبیر کے ساتھ خونِ خلیفۂ ثالث کے بدلے کی تحریک میں شامل ہوئیں اور لوگوں کو امیر المومنینؑ کے خلاف جمع کیا۔

اس کے بعد ابن ابی الحدید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف قیام کرنے کا مکمل ارادہ کیا تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باوفا ہمسر حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پاس آئیں تاکہ انہیں اپنے ساتھ ملا سکیں، انھیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی اور عثمان کی مظلومیت کے بارے میں انہیں بتایا۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ نے جب ان کی بات سنی تو دنگ رہ گئیں اور ان سے کہا:

"کل تک تو لوگوں کو تُو خلیفۂ ثالث کے خلاف اکسارہی تھی اور انہیں نعثل کہتی تھی، آج کیسے ان کی خیر خواہی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہو! جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی قدر و منزلت تم بہت اچھی طرح جانتی ہو اگر تم بھول گئی ہو تو میں تمہیں یاد دلاتی ہوں۔

حضرت عائشہ نے کہا:

https://downloadshiabooks.com/

"کوئی بات نہیں۔"

اس کے بعد حضرت اُمِّ سلمہؓ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ایک واقعے کی طرف توجّہ دلائی کہ جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو خلافت کے لیے سب سے مناسب جانا تھا۔ حضرت عائشہ نے اس واقعے کی تصدیق کی، اُمِّ سلمہؓ نے پوچھا:

"پھر تم کیوں ان سے مقابلہ کرنا چاہتی ہو؟"

حضرت عائشہ نے کہا:

"لوگوں کی اصلاح کے لیے میں ان کے خلاف ہوگئی ہوں۔" (۱)

مشہور مورّخ طبری نے بھی نقل کیا ہے:

جب حضرت عائشہ نے کہا کہ خلیفۂ ثالث کو مظلومیت کے ساتھ قتل کر دیا اور میں خلیفۂ ثالث کے خون کا بدلہ لینے کے اٹھ کھڑی ہوئی ہوں، کسی نے ان سے کہا:

"خدا کی قسم! سب سے پہلے جس نے خلیفۂ ثالث کے خلاف آواز بلند کی وہ تُو تھی، اور تم ہی نے کہا تھا:

"أُقْتُلُوا نَعْثَلًا فَقَدْ كَفَرَ"

"نعثل کو قتل کردو کہ وہ کافر ہوگیا ہے۔"

حضرت عائشہ نے کہا:

"جی ہاں، لیکن لوگوں نے خلیفۂ ثالث کو پہلے توبہ کرائی اس کے بعد ان کو قتل کیا۔ میں اس بات کو قبول کرتی ہوں کہ میں نے ایسی بات کہی تھی، لیکن اس وقت بھی میں کہہ رہی ہوں کہ وہ مظلومیت کے ساتھ قتل ہوا تھا اور یہ بات جو میں اب کہہ رہی ہوں وہ پہلی بات سے کہیں بہتر ہے۔ (۲)

اس جیسی بات کتاب کامل میں ابن اثیر نے بھی نقل کی ہے۔ (۳)

بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی نسبت حسد کرنے کے بارے میں نقل کیا ہے حالاں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ کی شادی سے پہلے ہی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا انتقال ہو چکا تھا۔ (۴)

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۲۱۵

(۲) تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۴۷۷، طبع بیروت۔

(۳) کامل ابن اثیر، جلد ۳، ص ۲۰۶۔

(۴) صحیح بخاری، جلد ۵، ص ۴۷، باب تزویجِ خدیجہؓ وفضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کتوں کے بھونکنے کا واقعہ

جب حضرت عائشہ کا لشکر جنگ جمل کی طرف جاتے ہوئے بصرہ کے راستے میں مقام حوئب پہ پہنچا تو وہاں کے کتوں نے ان کے قافلے پر بھونکنا شروع کیا، حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور یہ کتے کیوں بھونک رہے ہیں، جب انہیں بتایا گیا کہ یہ جگہ حوئب ہے تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی طرف متوجہ ہوئی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا، اس دن سے ڈر کہ جب تُو حوئب کی سرزمین سے گزرے گی تو وہاں کے کتے تیرے چاروں طرف سخت بھونکیں گے۔ حضرت عائشہ کو بہت تشویش ہوئی اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا، لیکن لوگ جو ان کی واپسی کے مخالف تھے، انہوں نے پچاس (۵۰) نفر عرب صحرانشین جمع کر کے انہیں پیسے دیے اور کہا کہ وہ حضرت عائشہ کو اس بات سے مطمئن کریں کہ یہ جگہ حوئب نہیں ہے۔ [۱]

حضرت عائشہ کی دس شوال، منگل کی رات سن ۵۷ یا ۵۹ھ ق میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی اور ابو ہریرہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

[۱] اس واقعے کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد ۴، ص ۲۲۵، اور علامہ امینیؒ نے الغدیر، جلد ۳، ص ۱۸۸ پر اہل سنّت کے متعدد منابع سے نقل کیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اکیاسی واں خطبہ

ومن کلام لہ علیہ السلام [۱]

فی الزھد

زہد کے بارے میں

خطبہ، ایک نگاہ میں

امیر المومنینؑ نے اس خطبے میں تین مختصر اور معروف جملوں کے ساتھ زہد کی حقیقت کی خوبصورت اور جامع تعریف بیان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد جو لوگ ان حقیقت تک پہنچنے سے عاجزی ظاہر کرت ہیں، مولاؑ انہیں نصیحت کرتے ہیں کہ کم از کم محرمات سے بچنے کی کوشش کریں اور پروردگار کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کریں، کیوں کہ خداوند متعال نے تم سب کی نسبت واضح دلائل کے ساتھ اتمامِ حجت کیا ہے۔

خطبہ

"أَيُّهَا النَّاسُ، الزَّهَادَةُ قِصَرُ الْأَمَلِ، وَالشُّكْرُ عِنْدَ [عَنِ] النِّعَمِ، وَالتَّوَرُّعُ عِنْدَ الْمَحَارِمِ، فَإِنْ عَزَبَ ذٰلِكَ عَنْكُمْ فَلَا يَغْلِبِ الْحَرَامُ صَبْرَكُمْ، وَ لَا تَنْسَوْا عِنْدَ النِّعَمِ شُكْرَكُمْ، فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْكُمْ بِحُجَجٍ مُسْفِرَةٍ ظَاهِرَةٍ، وَ كُتُبٍ بَارِزَةِ الْعُذْرِ وَاضِحَةٍ"

"اے لوگو! زہد امیدوں کے کم کرنے، نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے اور محرمات سے پرہیز کرنے کا نام ہے۔ اب اگر یہ کام تمہارے لیے مشکل ہو جائے تو کم از کم اتنا کرنا کہ حرام تمہاری قوت برداشت پر غالب نہ آنے پائے اور نعمتوں کے موقعے پر شکریہ کو فراموش نہ کر دینا کہ پروردگار نے نہایت واضح اور روشن دلیلوں اور حجت تمام کرنے والی کتابوں کے ذریعے تمہارے ہر عذر کا خاتمہ کر دیا ہے۔"

[۱] سند خطبہ: اس خطبے کو سیّد رضیؒ سے پہلے مرحوم صدوقؒ نے کتاب معانی الاخبار میں، خصال میں نقل کیا ہے، اس خطبے کے دوسرے حصے کو مرحوم برقی نے کتاب، محاسن میں، اس کے علاوہ غرر الحکم، روضۃ الواعظین، مشکوۃ الانوار میں نقل کیا ہے۔ (مصادرِ نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۸۸، ۸۹)

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

زہد کی حقیقت

اس مختصر اور جامع گفتگو میں امام عالی مقامؑ نے زہد کی حقیقت بیان فرمائی ہے:

"أَيُّهَا النَّاسُ، الزَّهَادَةُ[1] قِصَرُ الْأَمَلِ، وَالشُّكْرُ عِنْدَ (عن) النِّعَمِ وَالتَّوَرُّعُ عِنْدَ الْمَحَارِمِ"

"اے لوگو! امیدوں کو کم کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا اور گناہوں سے بچنے کا نام زہد ہے۔"

زہد کے بارے میں حضرت امام علی علیہ السلام نے ان تین جملوں سے جو وضاحت فرمائی، وہ ان غلط تفسیروں کے مقابلے میں ہے، جو کہ زہد کے بارے میں کی گئی ہیں۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو زہد کا معنی سمجھے بغیر خود کو زاہد سمجھتے ہیں، یہ لوگ سادہ لباس پہننے، اہم اجتماعی مسائل میں دلچسپی نہ لینے، گوشہ نشینی، انسانی معاشرے سے دوری اور اقتصادی اُمور سے لاتعلق رہنے کو زہد خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی زہد کی دلیل نہیں ہے۔

زہد جو کہ رغبت کی ضد ہے، مادّی نعمتوں سے بے توجّہی برتنا یا دوسرے الفاظ میں، دنیا اور اس کے زرق و برق سے لاتعلقی ظاہر کرنا ہے۔

جو شخص مادّی معاملات سے لاپروائی برتے، وہ کبھی بھی لمبی آرزوئیں نہیں رکھتا (دنیا کی آرزوئیں دنیا پرستوں سے مخصوص ہیں)۔ جو کوئی ایسا ہوگا وہ نعمتوں پر شکر گزار اور گناہوں سے ہوشیار رہے گا، اس لیے کہ نعمتیں اُسے اپنے آپ میں مشغول نہیں رکھتیں اور اسے خدا کی یاد سے غافل نہیں رکھتیں اور گناہ اس کے دل اور دین کو اپنے قبضے میں نہیں لیتے۔

نہج البلاغہ میں مولاؑ کے کلماتِ قصار میں زہد کی ایک اور تفسیر بیان ہوئی ہے جو اس تفسیر سے ظاہراً تھوڑی سی مختلف ہے، مگر دونوں کے معنی ایک ہی ہیں:

"الزُّهْدُ كُلُّهُ بَيْنَ كَلِمَتَيْنِ مِنَ الْقُرآنِ: قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَافَاتَكُمْ وَ لَاتَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ. وَمَنْ لَمْ يَأْسَ عَلَى الْمَاضِي وَلَمْ يَفْرَحْ بِالْآتِي فَقَدْ أَخَذَ الزُّهْدَ بِطَرَفَيْهِ"

---

[1] زھادۃ، بروزن شہادت جو دنیا کی چمک دمک سے لاپروا رہنے کے معنی میں ہے، لیکن حقیقت میں اپنی طبیعی آرزوؤں سے پرہیز اور گناہوں سے دور رہنے کو کہتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

"پوراز ہدقرآن کے اندر دو جملوں میں پوشیدہ ہے، اللہ فرماتا ہے،" گزشتہ پر افسوس نہ کرو اور آئندہ پر خوش مت ہو جاؤ۔تو جو گزشتہ (اور وہ چیز جسے کھو چکے ہو) پر اداس نہ ہو اور آئندہ (اور جو کچھ ہاتھ میں ہے) کی نسبت خوش نہ ہو، ایسے فرد کے اختیار میں زہد کے دونوں سرے ہیں۔"

اس تعبیر سے اشارہ ہوتا ہے کہ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان گزشتہ و آئندہ سے وابستگی اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالے۔

"وَ الشُّكْرُ عِنْدَ النِّعَمِ" کی تعبیر سے جو زہد کے تین ارکان میں سے دوسرا رکن ہے، اشارہ ملتا ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ نعمتیں خدا کی طرف سے عطا کردہ ہیں نہ کہ وہ اپنی طرف نسبت دے تاکہ اسی وجہ سے انسان کی توجّہ خدا کی طرف رہے اور اپنے من میں نہ ڈوب جائے۔

"التَّوَرُّعُ عِنْدَ الْمَحَارِمِ" کی تعبیر سے اشارہ ہوتا ہے کہ گناہ کی اصل جڑ دنیا پرستی ہے جیسا کہ معروف حدیث میں پڑھتے ہیں:

"حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ"

"دنیا کی محبت اور عشق ہر گناہ کی جڑ ہے۔"[۱]

اس دنیا میں جو بھی آرزوؤں کو کم کرے، نعمات الٰہی پر شکر گزار اور گناہوں سے پرہیز کرے وہی حقیقی زاہد ہے، خواہ فقیر ہو یا امیر، کیونکہ زہد و تقویٰ کا معیار ہرگز فقیری نہیں ہے۔

امامؑ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَإِنْ عَزَبَ [۲] ذٰلِكَ عَنْكُمْ فَلَا يَغْلِبِ الْحَرَامُ صَبْرَكُمْ، وَلَا تَنْسَوْا عِنْدَ النِّعَمِ شُكْرَكُمْ، فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ بِحُجَجٍ مُسْفِرَةٍ [۳] ظَاهِرَةٍ، وَ كُتُبٍ بَارِزَةِ الْعُذْرِ وَاضِحَةٍ"

"اگر ان تمام صفات کو تمہیں اپنا سکتے ہو تو کم از کم حرام سے پرہیز کرو، صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے وقت خدا کو فراموش نہ کرو، چونکہ خدا نے نہایت واضح اور روشن دلیلوں اور حجت تمام کرنے والی کتابوں کے ذریعے تمہارے ہر عذر کا خاتمہ کر دیا ہے۔"

امامؑ نے زہد کے ان تین ارکان میں سے آخری دو ارکان پر زیادہ زور دیا ہے (گناہوں سے پرہیز اور نعمت الٰہی پر

---

[۱] اصولِ کافی جلد ۲، صفحہ ۱۳۱، حدیث ۱۱۱۔

[۲] عزب، عزوب کے مادّے سے ہے، دور ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے غیر شادی شدہ کو کہتے ہیں۔

[۳] مسفرہ، سفور کے مادّے سے ہے جس کے معنی بے حجاب ہونے کے ہیں یعنی حقیقت کے چہرے سے پردہ اُٹھانا۔

https://downloadshiabooks.com/

شکر) لیکن اس جملے میں جو تعبیرات استعمال کی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کہنا یہ چاہتے ہیں اگر نعمتوں کا شکر مکمل طریقے سے انجام نہیں دیتے ہو تو کم از کم شکر گزاری کو مت بھولو، اگر گناہوں سے اُن کی اعلیٰ حد (کہ جس میں مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنا شامل ہے) تک پرہیز نہیں کر سکتے ہو تو، کم از کم صبر کا پیمانہ بھی لبریز نہیں ہونا چاہیے، اس حد تک بھی تقویٰ کی رعایت کرو۔

امامؑ نے جو جملے زہد کی علّت کے سلسلے میں بیان فرمائے ہیں، ان سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس حد تک تقویٰ ہر کسی پر لازم ہے، کیونکہ خداوند عالم نے حجت تمام کر دی ہے، اس لیے اُس کی مخالفت کی صورت میں کوئی معذور نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے دو مرحلے ہیں، ایک مرحلہ وہ ہے جو تمام مسلمانوں کی ذمّے داری ہے اور حقیقت میں ایمان کی شرط ہے اور دوسرا جو بڑا مرحلہ ہے، وہ شبہات سے پرہیز اور اُمیدوں کو کم کرنا ہے، اور یہ زاہدوں اور ایمان کی جانب سبقت کرنے والوں کے شایانِ شان ہے۔

نکتہ

زہد یہ ہے کہ حاکم بن جاؤ، نہ کہ دنیا کے اسیر

نہج البلاغہ کے خطبوں میں دنیاوی زہد کے متعلق بہت کچھ بیان ہوا ہے، کہیں پر زہد کے یہی معنی لیے گئے ہیں اور کہیں دوسرے عنوانات سے مخصوص کیا گیا ہے، اگرچہ زہد کا لفظ قرآن مجید میں کم دیکھا گیا ہے لیکن اس کا مفہوم اور مضمون وسیع طور پر ذکر ہوا ہے۔ ادیانِ الٰہی کی منطق میں زہد کے معنی دنیاوی چمک دمک سے آزادی اور لاتعلقی بیان ہوئے ہیں۔ زہد یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا کے مال و ثروت اور امکانات سے فائدہ نہ اُٹھائے، زہد یہ ہے کہ مال و ثروت وغیرہ کے اسیر نہ ہوں بلکہ دنیاوی مال و متاع پر حاکم ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ہے:

"الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ، وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِ اللهِ"

"دنیا میں زہد کا مطلب یہ نہیں کہ حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیں، یا اپنے مال و دولت سے اپنے آپ کو دور رکھیں، بلکہ دنیا میں زہد کا مطلب یہ ہے کہ جتنا خداوند عالم نے دیا ہے اس سے زیادہ تمہاری خواہش نہیں ہونی چاہیے۔" (جتنا

https://downloadshiabooks.com/

ہو سکے فرمانِ خداوندی پر عمل اور اس کی رضا کے حصول کے لیے کوشش کریں)[1]

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی زہد کا مسیحی رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلامی زہد سادہ زندگی گزارنا، ظاہری رنگینیوں، خواہشاتِ نفسانی اور جاہ طلبی سے پرہیز کے معنی میں ہے، جب کہ رہبانیت اجتماعی زندگی سے دوری اور جدائی کا نام ہے۔

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب عثمان بن مظعون کے بیٹے اس دنیا سے چلے گئے تو وہ بہت غمگین ہوئے، بالفاظِ دیگر وہ زہد کی جانب مائل ہوئے، اپنے گھر کو مسجد قرار دیا اور عبادت میں مشغول ہوئے اور سوائے عبادت کے تمام کاموں کو چھوڑ دیا۔ جب یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو اُسے بُلایا اور فرمایا:

"یَا عُثْمَانُ! إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَمْ يَكْتُبْ عَلَيْنَا الرُّهْبَانِيَّةَ إِنَّمَا رُهْبَانِيَّةُ أُمَّتِي، الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ"

"اے عثمان! خداوند عالم نے ہمیں رہبانیت کے لیے نہیں کہا ہے، میری اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"[2]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر آپ مادّی زندگی کو ٹھکرانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے منفی طریقہ نہ اپنائیں، بلکہ ایک مثبت طریقے سے، راہِ خدا میں جہاد، کے اندر تلاش کرو۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جماعت کی فضیلت تفصیل سے بیان کی، تاکہ وہ جان لیں کہ رہبانیت اور گوشہ نشینی کو ترک کرنا اور اجتماعیت کی طرف رغبت ہی روحِ اسلام ہے۔ زہد کے بالمقابل رغبت یعنی دنیا سے وابستگی اور دنیا کے حصول کے لیے سرتوڑ کوشش کرنا ہے کہ جس کی اسلام میں سختی سے مذمّت کی گئی ہے۔

انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں زہد کے بہت اثرات مرتّب ہوتے ہیں، ان آثار کے وسیلے سے انسان زہد کو پہچان سکتا ہے۔ امیدوں کو کم کرنا، نعمات خداوندی کا شکر کرنا اور گناہوں سے پرہیز کرنا، اس زہد کے ارکان یا نشانیوں میں سے ہے۔ زہد کا فقر و محتاجی سے موازنہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

زہد، انسان کی اندرونی بے نیازی، معنوی حوالے سے روحِ انسان کا سیراب ہونا اور مادّی وابستگیوں کو ترک کرنے کے معنی میں آیا ہے، اس کی نشانی یہ ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے پرہیز کرے، اسلامی مفکرین میں سے کسی ایک نے زہد کی وجوہات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ زاہد وہ ہے جو بے تکلف ہو کر اور قناعت کے ساتھ اپنی زندگی

---

[1] کنز الاعمال، جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، حدیث نمبر ۶۰۵۹

[2] بحار الانوار، جلد ۷۰، صفحہ ۱۱۴۔

https://downloadshiabooks.com/

گزارتا ہے، تاکہ دوسرے لوگوں اور ضرورت مندوں کو آسائش پہنچا سکے۔ وہ ان مستحق اور ضرورت مندوں کے کھانے اور پہننے سے اتنی لذت حاصل کرتا ہے کہ جیسے خود ہی کھایا اور پہنا ہو۔ "اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ"، جسے اہل بیتؑ نے اپنا شعار بنایا ہے، اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے۔

محروموں اور محتاجوں کے غم میں شرکت، ہمدردی زہد کی ایک دوسرا باعث ہے، اس مقام پر معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہوتا ہے، ثروت مندا ور محروم۔ الٰہی لوگ پہلے مرحلے میں ان محروموں کی بے سروسامانی کا انتظام کرتے ہیں، اگر امکانات میں میسّر نہ ہوں تو وہ معاشرے کے محروم ترین افراد کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں تاکہ محروم لوگوں کی تکالیف میں شریک ہوں، تاکہ انھیں معاشرے میں برابر کی حیثیت مل جائے اور اس کے نتیجے میں لوگ ان کے جسم پر پھٹے پرانے لباس سے احساسِ حقارت نہ کریں اور وہ لوگ جن کے دسترخوان پر خشک روٹی کے سوا کچھ نہ ملے، لوگوں کی نظروں سے نہ گریں، جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اپنے پرانے لباس کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا:

"يَخْشَعُ لَهُ الْقَلْبُ، وَتَذِلُّ بِهِ النَّفْسُ، وَيَقْتَدِي بِهِ الْمُؤْمِنُونَ"

اس کی وجہ سے دل میں خضوع وخشوع پیدا ہوتا ہے اور نفس میں نرمی آجاتی ہے اور مومنین اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (۱)

آزادی، زہد کی ایک دوسری وجہ ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس بنا پر زہد وقناعت احتیاج کو کم کرتی ہے، آدمی کو لوگوں کے سامنے بےبسی سے آزاد کرتی ہے، پس کہہ سکتے ہیں کہ زہد سے آگاہی رکھنے کی قیمت اُس کی فکری آزادی میں مضمر ہے۔ زہد وتقویٰ کے حامل لوگ بہت بہادر اور ہوشیار ہوتے ہیں، دنیا میں آزادی کی تحریکیں چلانے والے عام طور پر وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں زہد وتقویٰ کا جذبہ موجزن ہو۔ (۲)

اس گفتگو کی اہمیت کے بیان کو ہم دو نورانی روایتوں کے ذریعے اختتام پزیر کریں گے۔ روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"يَا عَلِيُّ! إِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ زَيَّنَكَ بِزِينَةٍ لَمْ يُزَيِّنِ الْعِبَادَ بِزِينَةٍ هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْهَا: زَهَّدَكَ فِيهَا وَبَغَّضَهَا إِلَيْكَ وَحَبَّبَ إِلَيْكَ الْفُقَرَاءَ، فَرَضِيتَ بِهِمْ اَتْبَاعًا وَرَضُوا بِكَ إِمَامًا"

"اے علیؑ! اللہ نے تمھیں وہ زینت دی ہے کہ کسی بندۂ خدا کو وہ زینت نہیں دی ہے، اللہ نے دنیا میں زہد کو تمھیں نصیب کیا ہے اور دنیا کو تمھاری نظر میں حقیر بنا دیا ہے اور فقیروں کو پسند فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ تم ایسے پیروکاروں سے خوش ہو

---

(۱) نہج البلاغہ، کلمات قصار، حکمت ۱۰۳۔

(۲) سیری در نہج البلاغہ سے اقتباس، مرحوم مطہری، صفحہ ۲۱۱ کے بعد۔

https://downloadshiabooks.com/

اورتمہارے ماننے والےتم جیسے پیشوااوررہنما سے خوش ہیں ۔"①

ایک اور جامع حدیث میں ہے کہ ایک عرب شخص حضرت علیؑ کی خدمت میں آیااوراپنی حاجت طلب کی، حضرت علی علیہ السلام نے اپنے وکیل سے کہا، انھیں ایک ہزار درہم دے دو، وکیل نے پوچھا ایک ہزار سونے کے دیناروں یا ایک ہزار چاندی کے درہم؟

آپؑ نے فرمایا:

"كِلَاهُمَا عِنْدِي حَجَرَانِ فَأَعْطِ الْأَعْرَابِيَّ أَنْفَعَهُمَا لَهُ"②

"میری نظر میں دونوں پتھر کے ٹکڑے ہیں، جو اس کے فائدے میں ہو دے دو۔"

① بحارالانوار، جلد ۴۰، صفحہ ۳۳۰، شمارہ حدیث ۱۳

② بحارالانوار، جلد ۴۱، صفحہ ۳۲

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

بیاسی واں خطبہ

فِيْ ذَمِّ صِفَةِ الدُّنْيَا (۱)

دنیا کی صفات کے بارے میں

خطبہ، ایک نگاہ میں

مبرّد اپنی کتاب کامل میں کہتے ہیں، یہ خطبہ امامؑ نے اُس وقت ارشاد فرمایا کہ جب آپؑ خطبہ پڑھنے میں مشغول تھے۔ مجمع سے ایک فرد اُٹھا اور عرض کیا، اے امیر المومنینؑ! ہمیں دنیا کے بارے میں کچھ بتائیں۔ امامؑ نے ارشاد فرمایا:

"بغیر تمہید کے بتاتا ہوں ایسے گھر کے بارے میں جس کی ابتدا سخت اور مشقت ہو اور انتہا فنا۔"

اسی طرح سے آپؑ نے خطبے کو آخر تک بیان کیا کہ جس میں اس دنیاوی زندگی کی مشکلات، بے سروسامانی اور آزمائشوں کے بارے میں بہت عمدہ خاکہ کشی ہوئی ہے۔ خطبے کے اس مختصر جملے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیاوی زندگی کے بارے میں اہم حقائق سے آگاہی حاصل کرسکتا ہے، جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں، دنیا کے بارے میں کچھ کہنے کو باقی نہ رہا، مگر وہ ارشادات جو امامؑ نے ان دس جملوں میں بیان فرمائے ہیں:

"مَا أَصِفُ مِنْ دَارٍ أَوَّلُهَا عَنَاءٌ، وَآخِرُهَا فَنَاءٌ! فِيْ حَلَالِهَا حِسَابٌ، وَ فِيْ حَرَامِهَا عِقَابٌ. مَنِ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ، وَمَنِ افْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ، وَمَنْ سَاعَاهَا فَاتَتْهُ، وَمَنْ قَعَدَ عَنْهَا وَاتَتْهُ، وَمَنْ أَبْصَرَ بِهَا بَصَّرَتْهُ، وَمَنْ أَبْصَرَ إِلَيْهَا أَعْمَتْهُ"

"میں اس دنیا کے بارے میں کیا کہوں جس کی ابتدا رنج و غم اور انتہا فنا و نیستی ہے۔ اس کے حلال میں حساب میں ہے

---

(۱) سند خطبہ کے بارے میں مصادر نہج البلاغہ میں صراحت سے بیان ہوا ہے کہ امامؑ نے اس خطبے میں دنیا کی توصیف مختلف طریقوں سے بیان کی ہے، مبرد کی کتاب کامل، شیخ صدوق کی امالی، تحف العقول ابن شعبہ، جن کا نہج البلاغہ کے بعد تذکرہ کرتا ہے اور اسی طرح امالی، سیّد مرتضیٰ، تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی وغیرہ میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (مصادرِ نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ ۹۰)

https://downloadshiabooks.com/

اور حرام میں عقاب۔ جو اس میں غنی ہو جائے وہ آزمائشوں میں مبتلا ہو جائے اور جو فقیر ہو جائے وہ رنجیدہ و افسردہ ہو جائے۔ جو اس کی طرف دوڑ لگائے اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور جو منہ پھیر کر بیٹھ رہے اس کے پاس حاضر ہو جائے۔ جو اس کو ذریعہ بنا کر آگے دیکھے اسے بینا بنا دے اور جو اس کو منظور نظر بنا لے اسے اندھا بنا دے۔"

شرح و تفسیر

دنیا وسیلہ ہے ہدف نہیں

حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنے فصیح و بلیغ خطبے میں دنیا کے اوصاف کو دس جملوں میں ارشاد فرمایا ہے:

پہلی صفت میں آپؑ نے فرمایا:

"مَا أَصِفُ مِنْ دَارٍ أَوَّلُهَا عَنَاءٌ" (۱)

"میں اس دنیا کی حالت کیا بیان کروں کہ جس کی ابتدا رنج و غم ہو۔"

دوسری صفت میں آپؑ نے مزید فرمایا:

"وَآخِرُهَا فَنَاءٌ"

"جس کی انتہا فنا و نابودی ہے۔"

اگر ایک اجمالی نظر دنیاوی زندگی پر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی رنج اور مشقتوں سے پُر ہے، ابتدا اس کی ولادت ہے جو نہ صرف ماں کے لیے عظیم رنج و ملال کا باعث ہے، بلکہ پیدا ہونے والے کے لیے بھی تکلیف دہ ہے، کیونکہ وہ ایک بند مقام سے کھلے مقام پر وارد ہوتا ہے جن کے درمیان بہت فرق ہے۔ تمام چیزیں درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ بچپن میں وہ انتہائی کمزور ہوتا ہے نہ صرف مچھر تک کو نہیں ہٹا سکتا ہے بلکہ لعاب دہن پر بھی قابو نہیں پا سکتا ہے، ہر لحظہ اس کی دیکھ بھال نہ کریں تو نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

شیر خوارگی کے زمانے میں تمام مشکلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اپنے لخت جگر کو رنج و تکلیف کے ساتھ اس دودھ سے الگ کیا جاتا ہے، جو اس کی زندگی کا سبب ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ چلنا شروع کرتا ہے جب کہ زندگی کا کوئی تجربہ نہیں

---

(۱) عناء، رنج و مشقت کے معنی میں ہے اسی وجہ سے اسیر کو عانی کہتے ہیں، چونکہ وہ رنج و مشق کے عالم میں ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

رکھتا اور عظیم خطرات مسلسل اسے لاحق رہتے ہیں۔ جب عقل پروان چڑھتی ہے اور اس کے حواس مکمل ہوجاتے ہیں تو ایک نئی مشکل سامنے آجاتی ہے، کیونکہ زندگی کی مشکلات، پریشانیوں اور محرومیوں سے باخبر ہوجاتا ہے کہ معاشرے کے مسائل سے کیسے ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر احتیاط کرتا ہے۔ گھر، خاندانی اور عائلی مسائل کا سامنا کرتا ہے، وہ تمام مشکلات جن کا پوری عمر میں واسطہ پڑتا ہے، بڑھاپے میں ان پر گرفت کمزور پڑتی ہے۔ ہر قسم کی کمزوریاں، بیماریاں اس کی آنکھوں، کان، ہاتھوں، اور ہڈیوں سے ظاہر ہوجاتی ہیں، مشکلات میں روز بہ روز اضافہ ہوجاتا ہے۔

جی ہاں! یہ دنیا ایسا گھر ہے جس کا آغاز رنج و تکلیف سے ہوتا ہے اور مختلف قسم کے مسائل کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ[1]

"بے شک ہم نے انسان کو درد و تکلیف کے ساتھ خلق کیا ہے۔"

کبد، اصل میں شدّت یا اس درد کے معنی میں آیا ہے جو انسان کے جگر پر عارض ہوتا ہے، اس کے بعد ہر رنج و تکلیف پر اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے، ہم نے انسان کو درد و تکلیف میں پیدا کیا ہے، گویا درد و رنج انسان کے لیے گھر اور خاندان کی طرح ہیں۔ جن سے انسان کا تعلق روزِ اوّل ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آسائشوں سے بھرپور زندگی گزارنے والے بھی رنج و تکلیف سے مبرّا نہیں ہیں، ہر حال میں کسی نہ کسی طریقے سے تکلیف اور آزمائش کا سامنا ہوتا ہے۔

جی ہاں! دنیاوی زندگی کا مزاج ہی ایسا ہے کہ تکلیف سے آغاز ہوتا ہے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، جو شخص بغیر درد و رنج کے دنیا کا طلب گار ہو، حقیقت میں وہ اس کائنات کے مزاج کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے، جو کہ ممکن نہیں ہے۔

ہمارے زمانے کے ایک مشہور شاعر ابوالحسن تہامی نے جب ان کے جوان فرزند کا انتقال ہوا اور انھوں نے غم کے اشعار پڑھے تو اشعار کے ضمن میں یہ نکتہ بھی بیان کیا:

طُبِعَتْ عَلٰی كَدَرٍ وَ اَنْتَ تُرِیْدُهَا صَفْوًا مِنَ الْاَقْذَارِ وَالْاَكْدَارِ
وَ مُكَلِّفُ الْاَیَّامِ ضِدَّ طِبَاعِهَا مُتَطَلِّبٌ فِی الْمَاءِ جَذْوَةَ نَارٍ

"اس کائنات کی طبیعت کدورتوں سے پُر ہے اور تُو چاہتا ہے کہ یہ دنیا ہر قسم کی ناپاکی سے پاک ہو، جو اس کائنات کو اس کی طبیعت کے برعکس چاہے گا، اس کی خواہش ایسی ہے جیسا کہ دریا کے موجوں میں آگ کے شعلوں کو تلاش کرنا ہے۔"

---

[1] سورۂ بلد، آیت ۴

https://downloadshiabooks.com/

یہ تو دنیا کے درد و رنج کے بارے میں تھا مگر فنا ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر فرد خواہ مومن ہو یا کافر، بڑا ہو یا چھوٹا ہر قوم و ملت کے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ آخرکار اس دنیا سے جانا ہے، کسی کو پہلے اور کسی کو بعد میں رخصت ہونا ہے۔

تیسری اور چوتھی صفت میں بیان فرمایا:

"فِيْ حَلَالِهَا حِسَابٌ، وَفِيْ حَرَامِهَا عِقَابٌ"

"اس کے حلال میں حساب اور حرام میں سزا وعقاب ہے۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان آخرت میں اپنے دنیاوی مکافات عمل کا سامنا کرے گا، کیونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں، یا حلال کا طلب گار ہے یا حرام کا، اگر حلال کی تلاش میں نکلا ہے تو قیامت میں اس کا حساب دینا ہوگا، اگر حرام کی تلاش میں تھا تو اس کی سزا ملے گی۔ اس دلیل کی بنا پر حدیث پیغمبرؐ میں ہم پڑھتے ہیں:

"يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ" [1]

"میری امت کے فقراء امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (کیونکہ شاید دولت مند افراد اپنے مال کا حساب دینے کے لیے روکے جائیں گے)۔"

یہ بات کہ خدا بندوں کا حساب کیسے کرے گا؟ کون سی چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا؟ کون بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا؟ یہ ایسی بحث ہے کہ ان شاءاللہ ہم آئندہ نکات میں بیان کریں گے۔

پانچویں اور چھٹے وصف میں آپؑ نے فرمایا:

"مَنِ اسْتَغْنَى فِيهَا فُتِنَ، وَمَنِ افْتَقَرَ فِيهَا حَزِنَ"

"جو دنیا میں ثروت مند ہے وہ ہر قسم کی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے اور جو غریب ہے وہ حزن و ملال میں رہتا ہے۔"

جی ہاں! اس دنیا کی طبیعت ایسی ہے کہ انسان ہمیشہ ایک دوراہے پر کھڑا نظر آتا ہے۔ دونوں کا انجام تکلیف دہ ہے، اگر فقیر اور تنگ دست ہوں تو غم و اندوہ کا پہاڑ گر پڑتا ہے اگر امیر ہوں تو دوسری مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں، کیونکہ مال و ثروت کی حفاظت حتیٰ کہ اس کا خرچ کرنا بھی ہر قسم کی مشکلات پیدا کرتا ہے، دوسری طرف لوگوں کے کینہ و حسد اور الٰہی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اندرونی طور پر بخل، تنگ نظری، خود پرستی اور حرص و طمع اسے اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور ظاہری طور پر یہ ثروت مندی کبھی آفات و بلاؤں اور ذکرِ خدا سے دور کرتی ہے اور وہ صرف اپنی ذات میں مصروف رہتا ہے، انسانی اقدار کو اپنی ذات کے مفاد میں فنا کرتا ہے اور صرف مال و دولت کا پجاری بن کر رہتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، جلد ۶۹، صفحہ ۴۸

https://downloadshiabooks.com/

اس خطبے کے دونوں حصوں میں مربوط حدیث سے اس بحث کا اختتام ہوسکتا ہے:

"مَنِ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ، وَمَنِ افْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ"

ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سعد نام کا ایک فقیر اہل صفہ کے درمیان بیٹھا رہتا تھا، جو بہت محتاج تھا، آپؐ کے خادمین کے ساتھ تمام نمازوں میں شریک ہوتا تھا، جب آپؐ نے اس کی احتیاج کو دیکھا تو بہت غمگین ہوئے، آپؐ کے غم کو دور کرنے کے لیے خداوند عالم نے جبرائیلؑ کو بھیجا اور آپؐ کو دو درہم دیے تاکہ سعد کو دیں کہ وہ تجارت کرے، پیغمبرؐ نے سعد کو دیکھا اور فرمایا، کیا تم تجارت کرنا چاہتے ہو؟ اُس نے کہا، میرے پاس تجارت کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یہ دو درہم لے لو اور ان سے روزگار تلاش کرو۔" سعد اپنے کام میں مشغول ہوا، چند دن نہ گزرے تھے کہ اس کی کمائی میں ترقی ہوئی اور وہ ثروت مند ہوگیا۔

اس کے روزگار کی جگہ مسجد کے قریب تھی، جب حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے تو وہ اپنی تجارت میں سرگرم رہتا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے کہا، کہ دنیا نے تجھے اتنا مشغول کر رکھا ہے کہ نماز چھوڑ دی؟ کہا کہ آپؐ فرمائیں کیا کروں؟، اپنا مال ضائع کر دوں؟ اس آدمی کو دیکھیں کہ مجھ سے اتنی چیزیں خرید رہا ہے، چاہتا ہوں کہ پیسے لے لوں، اگر آپؐ کہتے ہیں تو نہ لوں؟ ایک دوسرے شخص نے مجھے کوئی چیز بیچ دی ہے، چاہتا ہوں اُسے اس کی قیمت ادا کر دوں، آپؐ فرمایئے کہ ادا نہ کروں؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غمگین ہوئے، اتنا غمگین ہوئے کہ جتنا سعد کی فقیری کے وقت ہوئے تھے۔ ایسے میں جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا، سعد کے متعلق آپ کی غمگینی سے خدا آگاہ ہے، کس حالت کو پسند کرتے ہیں، سعد کی موجودہ حالت یا سابقہ حالت؟ فرمایا: حالتِ سابقہ کو پسند کرتا ہوں کیونکہ اس نے دنیا کو آخرت پر مقدم کر دیا ہے۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا، دنیا اور اس کا مال ومتاع فتنہ اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں، سعد کو کہو کہ آپؐ نے جو دو درہم اُسے دیے تھے واپس کرے، اس صورت میں وہ سابقہ حالت ہی میں رہے گا، پیغمبرؐ نے سعد سے ملاقات کی اور فرمایا: "کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ دو درہم مجھے واپس کرو؟" اُس نے کہا، دو درہم کوئی چیز نہیں دو سو درہم دوں گا، نہیں وہی دو درہم مجھے واپس کردو۔

سعد نے دو درہم واپس کر دیے، اُس دن سے اس کے حالات بگڑنے شروع ہوگئے اور جو کچھ اُس نے جمع کیا تھا سب سے ہاتھ دھو بیٹھا اور سابقہ حالت میں پلٹ گیا۔ [1]

ساتواں اور آٹھواں وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

[1] وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸، باب ۱۴، حدیث ۲

https://downloadshiabooks.com/

"مَنْ سَاعَاهَا[1] فَاتَتْهُ، وَمَنْ قَعَدَ عَنْهَا وَاتَتْهُ[2]"

"جو شخص تیزی سے دنیا کی طرف دوڑے اُسے رسائی حاصل نہیں ہوسکتی، اور جو اُسے چھوڑ دیتا ہے دنیا خود ہی اُس کے پاس چلی آتی ہے۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے لوگ دنیا کی تلاش میں نکلتے ہیں اور مقصد تک نہیں پہنچ پاتے اور بہت سارے دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں مگر دنیا ان کے لیے سازگار ہو جاتی ہے۔ تجربات اور تاریخ کے مطالعے سے اس حقیقت کی تائید ہو جاتی ہے کہ دنیا کی رنگینیوں کی تلاش میں نکلنا ہمیشہ استغناء (امیری) کی دلیل نہیں ہے اور اس سے بے توجہی ہمیشہ فقر و غریبی کا باعث نہیں، معلوم ہُوا کہ دنیا سے ہمارا مقصود عزت کی زندگی اور دوسروں کا محتاج ہونے سے مبرّا رہنا نہیں بلکہ وہ زندگی مقصود ہے جو ہر قسم کی چمک دمک اور رنگینیوں سے جنون کی حد تک پر ہو۔

بہرحال ان تعبیروں کا ہدف اپنے آپ کو دنیا کی چمک دمک، عشق اور حرص و طمع کی آگ کو سرد کرنا ہے۔

نویں اور دسویں وصف میں دنیا کے بارے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جس نے نہج البلاغہ کے اکثر مفسرین اور مرحوم سیّد رضیؒ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور شراب طہور سے اپنے کو سیراب کیا، فرماتے ہیں:

"مَنْ أَبْصَرَ بِهَا بَصَّرَتْهُ، وَمَنْ أَبْصَرَ إِلَيْهَا أَعْمَتْهُ"

"جو شخص اس دنیا کو عبرت حاصل کرنے کے لیے دیکھے تو وہ اس کی آنکھوں کو روشن و بینا کر دیتی ہے اور جو صرف دنیا ہی پر نظر رکھتا ہے تو وہ اس کی آنکھوں کی بینائی چھین لیتی ہے۔"

یعنی جو دنیا کو اپنے کمال کا ذریعہ اور آخرت تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتا ہے تو اس کے سامنے سے پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ دنیا کی حقیقتوں کو درک کر لیتا ہے، مگر وہ شخص جو دنیا کو ہدف کے عنوان سے دیکھتا ہے اور اسے ایک ہمیشہ رہنے والی چیز سمجھتا ہے تو اس کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ حقیقتوں کے انکشاف سے محروم رہتا ہے، دنیا کی چمک دمک کا عاشق اور اس مادّی دنیا کا دلدادہ ہوتا ہے اور دنیا کے علاوہ سب چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ درحقیقت خدا کے حقیقی عبادت گزار اور دنیا کے حریص لوگوں میں فرق یہی ہے کہ ایک شخص دنیا کو آخرت پر مقدم قرار دیتا ہے اور دوسرا دنیا کو اپنا آخری ہدف اور مقصد قرار دیتا ہے۔

دنیا یعنی مادّی وسائل کا مجموعہ جیسے کہ سورج ہے کہ اُسے دیکھو تو نابینا ہو جاؤ گے اور اس کی روشنی کے ذریعے دیکھو تو اس کی روشنی میں ہر چیز کا مشاہدہ کرو گے، اس جملے کی مزید تفسیریں ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ جملہ اوّل سے مراد یہ ہے کہ اگر دنیا

---

[1] ساعی، دوڑنے کے معنی میں ہے، تلاش اور کوشش کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس مقام پر تلاش دنیا میں دوڑنا مراد ہے۔

[2] وَاتَتْهُ، مواتاۃ، کے مادّے سے ہے، کسی شخص یا چیز کی تلاش میں نکلنا اور اُس کی اطاعت کرنا۔

https://downloadshiabooks.com/

کو تمام آیاتِ الٰہی اور ربّانی نشانیوں کی روشنی میں دیکھیں تو یہ بہتر طور پر سمجھ میں آسکتی ہے اور انسان کی بصیرت میں اضافہ ہوسکتا ہے جبکہ دوسرے جملے سے مراد یہ ہے کہ اگر دنیا کو صرف مادّی وسائل کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معرفت الٰہی سے محرومی اور قربِ پروردگار سے دوری کا سبب ہوگا۔

مزید یہ کہ جملہ "أَبْصَرَ بِهَا" سے مقصود یہ ہے کہ دنیا کے عیوب، ناپائیداری اور اس میں پوشیدہ عبرت کے دروس کو مدّ نظر رکھنا یقیناً نگاہ کی بینائی اور ہوشیاری کا ثبوت ہے۔ اور جملہ "أَبْصَرَ إِلَيْهَا" سے دنیا کی چمک دمک اور اس کے دھوکا دینے والے نظاروں کی طرف دیکھنا مقصود ہے کہ جس کی وجہ سے باطنی آنکھ اندھی ہوجاتی ہے۔ ان تینوں معنوں کا مجموعی مفہوم ان دو جامع اور مختصر جملوں میں پایا جاتا ہے، واقعاً کتنا خوبصورت، کتنا سبق آموز اور جامع کلام ہے اگر انسان صرف اس ایک درس کو مکتبِ مولاؑ سے سیکھے تو اس کی دنیاوی و اُخروی نجات کے لیے کافی ہے۔ اُس مولا و آقاؑ پر درود و سلام ہو کہ جس کے دو مختصر جملے اس قدر الہام بخش اور انسان ساز ہیں۔

نہج البلاغہ اور معصومینؑ کے تمام کلمات میں بھی مولاؑ کی اس گفتگو سے ہم آہنگ تعبیرات دیکھنے میں آئی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ خداوند عالم نے حضرت داوٗدؑ سے کہا:

"يَا دَاوُدُ احْذَرِ الْقُلُوْبَ الْمُعَلَّقَةَ بِشَهَوَاتِ الدُّنْيَا! فَإِنَّ عُقُوْلَهَا مَحْجُوْبَةٌ عَنِّيْ" (۱)

"اے داوٗدؑ! شہوات دنیاوی سے وابستہ دلوں سے پرہیز کرو کیونکہ ان کی عقل و فہم میری نسبت حجاب میں ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت علیؑ سے نقل کیا گیا ہے:

"لِحُبِّ الدُّنْيَا صَمَّتِ الْأَسْمَاعُ عَنْ سَمَاعِ الْحِكْمَةِ وَعَمِيَتِ الْقُلُوْبُ عَنْ نُوْرِ الْبَصِيْرَةِ"

"حُبِّ دنیا کی وجہ سے کان حکمت سننے سے بہرے ہوچکے ہیں اور چشمِ بصیرت، نورِ بصیرت سے اندھی ہوچکی ہے۔" (۲)

مرحوم سیّد رضیؒ اس خطبے کے اختتام میں فرماتے ہیں:

"وَ إِذَا تَأَمَّلَ الْمُتَأَمِّلُ قَوْلَهُ (عليه السلام): «وَ مَنْ أَبْصَرَ بِهَا بَصَّرَتْهُ» وَجَدَ تَحْتَهُ مِنَ الْمَعْنَى الْعَجِيْبِ وَالْغَرَضِ الْبَعِيْدِ، مَا لَا تُبْلَغُ غَايَتُهُ وَ لَا يُدْرَكُ غَوْرُهُ، لَا سِيَّمَا إِذَا قُرِنَ إِلَيْهِ قَوْلُهُ: وَ مَنْ أَبْصَرَ إِلَيْهَا أَعْمَتْهُ، فَإِنَّهُ يَجِدُ الْفَرْقَ بَيْنَ «أَبْصَرَ بِهَا» وَ «أَبْصَرَ إِلَيْهَا» وَاضِحًا نَيِّرًا، وَ عَجِيْبًا بَاهِرًا! صَلَوَاتُ اللهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ"

---

(۱) بحار الانوار جلد ۱۴، صفحہ ۳۹

(۲) غرر الحکم، شمارہ حدیث ۷۳۶۳

https://downloadshiabooks.com/

"اگر غور و فکر کرنے والے صاحبان فکر حضرتؑ کے اس ارشاد "وَمَنْ أَبْصَرَ بِهَا بَصَّرَتْهُ" کو اس دنیا کو عبرت حاصل کرنے کے لیے دیکھیں تو وہ اس میں عجیب و غریب معانی اور گہرے مطالب پائیں گے کہ نہ اس کی انتہا تک کسی کی پہنچ ہے اور نہ اس کے گہرائی تک رسائی ہوسکتی ہے، خصوصاً اس کے ساتھ یہ جملہ "مَنْ أَبْصَرَ إِلَيْهَا أَعْمَتْهُ" اور جو صرف دنیا کو دیکھتا رہا وہ اس سے آنکھوں کی روشنی چھین لیتی ہے" ملایا جائے تو ان دونوں جملوں میں واضح فرق محسوس ہوگا، اور حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ان حضرتؑ پر اللہ کی رحمتیں اور درود و سلام ہو۔"

مرحوم سیّد رضیؒ ان دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرنا نہیں چاہتے تھے، شاید وجہ یہ ہو کہ علماء و شارحین اس کی طرح طرح کی تفاسیر اور اس جملے کو زیادہ روشن کرنے کے لیے تلاش و جستجو میں رہیں۔

نکات

ا۔ دوسری دنیا میں اعمال کا حساب کیسا ہوگا؟

روزِ قیامت حساب لینے کے متعلق خطبہ بالا میں اشارہ ہو چکا ہے۔ یہ اسلام کے وہ حقیقی مسائل ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید اور دوسری روایات میں کثرت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ انسان خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی رفتار و گفتار حتیٰ کہ اس کی خاموشی یہ تمام اعمال کے دائرے میں شمار ہوتے ہیں، انہی آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب کی جانچ پڑتال انتہائی باریک بینی سے کی جائے گی، جیسا کہ سورۂ لقمان میں ذکر ہوا ہے:

يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۱۶ [1]

"اے بیٹا اس میں شک نہیں کہ وہ عمل (اچھا ہو یا بُرا) اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور پھر وہ کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں (چھپا ہوا) ہو تو بھی خدا اُسے (قیامت کے دن) حاضر کر دے گا۔ بے شک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے۔"

مجموعی طور پر آیات قرآنی اور روایاتِ اسلامی میں روزِ قیامت حساب و کتاب کے متعلق چند اہم موضوعات کی

[1] سورۂ لقمان، آیت ۱۶

https://downloadshiabooks.com/

طرف اشارہ ہوا ہے:

الف: حساب کی عمومیت

اوّلین و آخرین کے تمام انسان حتیٰ کہ انبیاؑ وپیغمبرانِ خدا اس لحاظ سے برابر کے شریک ہیں۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک "یوم الحساب" ہے جو کہ قرآن کی کئی آیات میں آیا ہے۔ (۱) نہ صرف انسانوں میں بلکہ ان کے تمام اعمال میں بھی عمومیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ سورہ انبیاؑ میں ہم پڑھتے ہیں:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ (۲)

"اور قیامت کے دن تو ہم (بندوں کے بھلے بُرے اعمال تولنے کے لیے) انصاف کی ترازوئیں کھڑی کردیں گے اور پھر تو کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے۔ اور ہم حساب کرنے کے واسطے بہت کافی ہیں۔"

البتہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی حد سے زیادہ برائیاں ہوں گی یا حد سے زیادہ نیکیاں ہوں گی، انھیں بغیر حساب دوزخ یا بہشت میں ڈال دیا جائے گا، دوسرے الفاظ میں ان کا حساب واضح اور روشن ہے۔

حضرت امام زین العابدینؑ کی ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں:

"اِعْلَمُوْا عِبَادَ اللهِ! اِنَّ اَهْلَ الشِّرْكِ لَا تُنْصَبُ لَهُمُ الْمَوَازِيْنُ وَلَا تُنْشَرُ لَهُمُ الدَّوَاوِيْنُ وَاِنَّمَا يُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا." (۳)

"اے بندگانِ خدا! جان لو، مشرکین (فساد پھیلانے والے) کے لیے ترازو نصب نہیں کی گئی ہے اور ان کے اعمال کی چھان بین نہیں ہوگی بلکہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔"

ب: حساب میں جلدی

آیات و روایات میں یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا حساب فوری ہوگا، قرآن مجید میں آٹھ

---

(۱) سورۂ غافر، آیت ۲۷، سورۂ ص، آیات ۱۶، ۲۶، ۵۳

(۲) سورۂ انبیاء، آیت ۴۷

(۳) تفسیر نور الثقلین جلد ۴، ص ۵۰۷

https://downloadshiabooks.com/

مقامات پر خداوند عالم کو سریع الحساب کے عنوان سے متعارف کیا گیا ہے۔ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں:

"اِنَّ اللهَ یُحَاسِبُ الْخَلَائِقَ کُلَّھُمْ فِی مِقْدَارِ لَمْحِ الْبَصَرِ"

"خداوند متعال مخلوقات سے پلک جھپکنے کی دیر میں اپنا حساب لے گا۔"[1]

اس سرعت اور فوری کی دلیل واضح ہے کیونکہ محاسبے میں جلدی کا تعلق علم وآگہی سے ہے اور واضح ہے کہ پروردگار کا احاطہ علمی اس حد تک ہے کہ ایک لحظے میں بھی تمام انسانوں کا حساب لے سکتا ہے۔مگر یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ ایک گروہ کو اس کی نیکی کا صلہ یا سزا دینے یا کسی اور حکمت کی وجہ سے میزانِ حساب کتاب کو معطل کرے۔

اصولی طور پر ہمارے اعمال ہمارے جسم و روح میں کچھ آثار بطور یادگار چھوڑ دیتے ہیں۔اگر اُسے ایک اجمالی نظر سے کہیں دیکھا جائے تو حساب کا معاملہ روشن ہوتا ہے۔کبھی انسان کے اعمال کو ایک بس سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کہ جب سڑک پر نظارہ کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بیس سال میں کتنا فاصلہ طے ہوگا؟ بالخصوص اس کمپیوٹر کے زمانے میں کہ ایک بٹن دبانے سے صفحے پر ہر چیز نمایاں ہوجاتی ہے،پس حساب کی جلدی کا مسئلہ بھی زیادہ پیچیدہ نہیں۔

ج: حساب میں باریک بینی

یہ بھی قیامت کے دن حسابِ الٰہی کی ایک خصوصیت ہے۔قرآن مجید میں کبھی "مثقال ذرّہ" "ایک ذرّہ کے برابر" اور کبھی "مثقال خردل" "رائی کے دانے کے برابر" جو اتنا چھوٹا دانہ ہے کہ جسے ضرب المثل قرار دیا گیا ہے، جیسے فارسی میں مثال دی جاتی ہے،سر سوزن یعنی سوئی کی نوک کے برابر وغیرہ۔

د: حساب میں سختی

ان لوگوں کے سلسلے میں جو دنیا میں لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں جو کہ روزِ قیامت حساب و کتاب کی ایک دوسری خصوصیت ہے،آیات قرآن میں اسے "سُوءِ الحساب" سے تعبیر کیا ہے،یقیناً سُوئے حساب کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اللہ کسی سے غلط یا برا حساب لے گا،بلکہ مراد حساب و کتاب میں سخت گیری سے پیش آنا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو دوسروں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔

---

[1] مجمع البیان،جلد ۱،ص ۲۹۷

https://downloadshiabooks.com/

ہ: آسان حساب کتاب

بعض آیاتِ قرآنی سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا گروہ کے برعکس بعض سے قیامت کے دن کا حساب اللہ آسان کردے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اس کے بدلے خدا بھی ان کا حساب آسان کرے گا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ [1]

"پھر (اُس دن) جس کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس سے تو حساب آسان طریقہ سے لیا جائے گا اور (پھر) وہ اپنے (مومنین کے) قبیلہ کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔"

حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ حَاسَبَهُ اللهُ حِسَابًا يَسِيرًا وَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ: قَالُوا: وَ مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: تُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ"

"تین صفات ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ حساب کو آسان کرتا ہے، کوئی تمہیں محروم کردے تو تم اُسے عطا کرو، اور جو تم سے دور ہو تو تم اس سے مل جاؤ، اور جو تم پر ظلم وستم کرے تو تم اسے معاف کرو۔" [2]

اس حدیث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا قیامت کے دن کا حساب اُسی انداز کا ہوگا جس طریقے سے انسان نے دنیا میں لوگوں کے ساتھ سلوک روا رکھا تھا۔

و: وہ لوگ جو بغیر حساب کے بہشت میں جائیں گے

سخت حساب کے گروہ یا آسان حساب کے گروہ کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ہے جس کے افراد بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر ہوں گے اور الٰہی معرفت رکھنے والے ہوں گے۔ حضرت امام سیّد سجاد علیہ السلام کی حدیث میں ہم پڑھتے ہیں:

---

[1] سورۂ انشقاق، آیات ۷ تا ۹

[2] تفسیر نور الثقلین، جلد ۵، صفحہ ۵۳۷

https://downloadshiabooks.com/

"إِذَا جَمَعَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْآخِرِيْنَ، قَامَ مُنَادٍ - فَنَادٰى يُسْمِعُ النَّاسَ - فَيَقُوْلُ: اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللهِ؟ «فَيَقُوْمُ عُنُقٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ: «اِذْهَبُوْا اِلَى الْجَنَّةِ بِغَيْرِ حِسَابٍ" [1]

"قیامت کے دن جب اللہ اوّلین وآخرین کو جمع کرے گا، ایک آواز دینے والا کھڑا ہوگا، یہ آواز سب لوگ سن لیں گے، وہ کہے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا کی خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں؟ اُس وقت لوگوں میں سے ایک گروہ اُٹھے گا اور اُن سے کہا جائے گا تم لوگ بغیر حساب بہشت میں داخل ہو جاؤ۔"

اور صابرین [2] اور اطاعتِ خداوندی [3] میں پیش پیش لوگوں کے بارے میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ ان کے مقابلے میں وہ گروہ بھی ہے جس کے افراد بغیر حساب کے دوزخ میں ڈالے جائیں گے، کیونکہ وہ گناہوں سے اس قدر آلودہ ہوں گے کہ حساب کی ضرورت نہیں پڑے گی، لہٰذا ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں پڑھتے ہیں:

"ثَلَاثَةٌ يُدْخِلُهُمُ اللهُ النَّارَ بِغَيْرِ حِسَابٍ: اِمَامٌ جَائِرٌ وَتَاجِرٌ كَذُوْبٌ وَشَيْخٌ زَانٍ"

"تین گروہ ایسے ہیں کہ جنھیں خداوند عالم بغیر حساب کے دوزخ میں ڈالے گا، ظالم حکمران، جھوٹ بولنے والے تاجر (جھوٹ اور مکاری کے ذریعے محروموں کا خون بہاتے ہیں) اور بوڑھے زناکار۔" [4]

دوسری روایات میں دوسرے گروہوں کو بھی اس زمرے میں شامل کیا ہے، ظاہر ہے یہ گروہ اور وہ گروہ جو بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے، ایسے لوگ ہیں جو یا تو اس قدر معصیت اور نافرمانی کر چکے یا اس قدر اطاعت خداوندی میں مشغول ہوئے، یا پاکی و ناپاکی میں اس طرح قدم جمایا کہ ان کا سراپا وجود نور یا ظلمت میں نظر آتا ہے، انہی شرائط کی وجہ سے وہ حساب کے حقدار نہیں ہیں۔ حقیقتاً انھیں اس عمومی حساب سے استثنٰی حاصل ہے جس کی جانب ہم نے ابتدائی بحث میں اشارہ کیا ہے۔

۲۔ دنیا پرستی مذموم ہے، نہ کہ دنیا داری

ایک دوسرا نکتہ جس کی طرف ہم یہاں پر اشارہ کرنا لازمی سمجھتے ہیں، یہ ہے کہ اس خطبے میں دنیا کی مذمت کے بارے میں جو بیان ہوا ہے اس سے مراد دنیا پرستی ہے یعنی ان لوگوں کا طرزِ زندگی جو اپنے تمام اہداف کو دنیاوی فائدے پر

---

[1] اصولِ کافی جلد ۲، صفحہ ۱۲۶

[2] بحار الانوار جلد ۷۹، صفحہ ۱۳۸

[3] کنز الاعمال، شمارہ حدیث، ۳۰، ۳۱

[4] خصالِ صدوق ص ۸۰، باب ۳، حدیث ۱

https://downloadshiabooks.com/

قربان کرتے ہیں۔ ان کا دل اور دین دنیا میں لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اسلام میں آبرومندانہ زندگی گزارنے اور مادّی مفادات سے فائدہ اُٹھانا ہرگز منع نہیں ہے، اور نہ مذمت کی جاتی ہے۔ ہم آئندہ اس بات کو ان جیسے خطبوں میں مدارک اور شواہد کے ساتھ تفصیل سے بیان کریں گے اِن شاءاللہ۔

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

تیراسی واں خطبہ

ومن خطبة له عليه السّلام [1]

وهی الخطبة العجيبة وتسمّى "الغرّاء" وفيها نعوت الله جلّ شأنه، ثمّ الوصيّة بتقواه، ثمّ التنفير من الدّنيا، ثمّ ما يلحق من دخول القيامة، ثمّ تنبيه الخلق إلى ما هم فيه من الأعراض، ثمّ فضله عليه السّلام فی التذكير"

اس خطبے میں پروردگار کی صفات' تقویٰ کی نصیحت' دنیا سے بیزاری کا سبق' قیامت کے حالات ،لوگوں کی بے رخی پر تنبیہہ اور پھر یادِ خدا دلانے میں اپنی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم نے اس خطبے کے اہم حصوں کا ذکر کیا ہے۔حضرت علی علیہ السلام کے اس خطبے کو بیان کرنے کی وجہ اس طرح بیان کی ہے:

امیر المومنینؑ ایک مسلمان کی تشیع جنازے میں تھے، جب جنازے کو قبر میں اُتارا تو اس کے عزیز و اقارب نے گریہ وزاری کی، امامؑ نے فرمایا، خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میت پر گزرنے والے واقعات کو دیکھتے تو رونا بھول جاتے (اپنے آپ کو روتے)؛ خدا کی قسم! موت ان میں سے ہر ایک کا تعاقب کرے گی، اور کسی کو بھی نہیں چھوڑے گی۔ اس کے بعد

---

[1] خطبے کی سند، اس خطبے کے آخر میں مرحوم سیّد رضیؒ نے کچھ تعبیروں سے بتایا ہے کہ یہ خطبہ لوگوں میں مقبول عام تھا اس لیے اس خطبے کا خاص نام رکھا ''ومن الناس من یسمی هذا الخطبة الغراء'' جس کسی نے بھی مرحوم سیّد رضیؒ سے پہلے اس خطبے کو نقل کیا ہے، وہ حافظ اور ان کے کچھ اساتذہ ہیں، جن میں جعفر ابن یحییٰ بھی ہیں، جنھوں نے اسے نقل کیا ہے اور باریک بینی سے اس کی شرح لکھی ہے، مصادر نہج البلاغہ کے مصنف کہتے ہیں کہ ''حسن بن شعبہ'' (تحف العقول کے مصنف) جنھوں نے سیّد رضیؒ سے پہلے اس خطبے کے کچھ حصوں کو اپنی کتاب تحف العقول میں لکھا ہے، اسی طرح آمدی ''ابونعیم اصفہانی'' ابن اثیر نے اپنی کتابوں میں اس بحث کا تذکرہ کیا ہے بہر حال خطبہ اس سے کہیں زیادہ مشہور ہے کہ جس طرح اس سے بحث و مباحثہ کیا جائے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۷، اس کے بعد)

https://downloadshiabooks.com/

امامؑ (تشیع جنازہ کرنے والوں کو الٰہی ہدایات کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے) کھڑے ہوئے اور اس خطبے کو ارشاد فرمایا (البتہ یہ خطبہ حلیۃ الاولیا میں نقل کردہ حصوں میں سے ہے مگر یہ خطبے کا خلاصہ ہے) [1]

بہر حال خطبے کی وسعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امامؑ نے لوگوں کے مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لیے یہ خطبہ ارشاد فرمایا اور امامؑ نے اُس وقت کو انتہائی مناسب اور سازگار سمجھ کر خوبصورت اور جامع خطبہ ارشاد فرمایا کہ انسان سازی کے لیے ایک مکمل اور دُور رس، درس ہے، شاذ و نادر کوئی ایسا ہوگا جو اس خطبے کو دقتِ نظر سے جانچے اور متاثر نہ ہو، اس خطبے کو ہم بارہ حصوں [2] میں تقسیم کرسکتے ہیں کہ جن میں سے ہر حصہ ایک مکمل باب ہے۔

پہلے حصے میں اللہ کی تعریف، اللہ کے جمال وجلال کے بارے میں بیان کیا تاکہ آدابِ گفتگو کی رعایت کے ضمن میں دلوں کو نام خدا کے نور سے روشن کرنے اور نصیحتوں کے سننے کے لیے تیار کریں۔

دوسرے حصے میں تقویِ الٰہی کی دعوت دی، جو کہ انسان کی مادّی ومعنوی زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔

تیسرے حصے میں دنیا کی مذمت کی، تاکہ تقویِ الٰہی کے راستے میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کریں۔

چوتھے حصے میں قیامت یا محشر کا میدان اور قیامت کے خوفناک منظر کے بارے میں بتایا تاکہ خدا کی نصیحتوں کو سننے کے لیے دل سے آمادہ ہوں۔ جو چیز انسانیت کی پہچان کے لیے مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

پانچویں حصے میں انسان کی ابتدا وانتہا کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

چھٹے حصے میں بھی مسئلۂ تقویٰ کا بیان ہے اور اس کی اہمیت یاد دلائی گئی ہے، یہ چیز انسان کو الٰہی نعمات، معرفتِ خداوندی، شکر نعمت اور اطاعت کی طرف توجّہ دلاتی ہے۔

ساتواں حصّہ وہ اہم حصہ ہے جس میں انسان کے الٰہی نعمات میں سرتاپا لطف اندوز ہونے کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

آٹھویں حصے میں وہ نصیحتیں ہیں جو دلوں کو بیدار اور عقلوں کو ہوشیار کرتی ہیں۔

نویں حصے میں بھی تیسری بار تقویٰ کے مسئلے کا ذکر ہے، جدید تعبیرات کے ساتھ آخرت کے اس زادِ راہ کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

دسویں حصے میں پیدائش سے موت اور اس کے بعد تک کی انسانی خلقت سے متعلق جھنجھوڑنے والی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

---

[1] مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۱۰

[2] توجّہ رہے کہ ایک کُلی تقسیم کے طور پر بارہ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ورنہ ان میں سے بعض حصے پھر سے تقسیم کرنا ہوں گے، اسی لیے ہم نے اس تفسیر کو ۱۸ حصوں میں بتایا ہے

https://downloadshiabooks.com/

گیارہویں حصے میں ایک انتباہ ہے کہ مرنے کے بعد نہ واپسی ممکن ہے اور نہ ان اعمال کا انجام دینا ممکن ہے جو انسان سے انجام نہ پائے ہوں۔

بارہویں حصے میں ان عبرت انگیز دروس کی طرف اشارہ ہے جو گزشتہ لوگوں کی تاریخ میں پوشیدہ ہیں۔ان کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔اس خطبے کی تعبیرات کو بیان کرنے سے ضمیر بیدار ہو جاتا ہے، درحقیقت یہ خطبہ کس قدر جامع، عبرت انگیز اور بیدار کرنے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ سیّد رضیؒ کے قول کے مطابق جب امامؑ اس خطبے کو بیان فرمار ہے تھے لوگوں کے جسم لرز رہے تھے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور دل گھبرائے ہوئے تھے۔

پہلا حصّہ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَلَا بِحَوْلِهٖ، وَ دَنَا بِطَوْلِهٖ، مَانِحِ كُلِّ غَنِيْمَةٍ وَ فَضْلٍ، وَ كَاشِفِ كُلِّ عَظِيْمَةٍ وَأَزْلٍ. اَحْمَدُهٗ عَلٰى عَوَاطِفِ كَرَمِهٖ، وَ سَوَابِغِ نِعَمِهٖ، وَ أُوْمِنُ بِهٖ اَوَّلًا بَادِيًا، وَاَسْتَهْدِيْهِ قَرِيْبًا هَادِيًا، وَاَسْتَعِيْنُهٗ قَاهِرًا قَادِرًا، وَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ كَافِيًا نَاصِرًا، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ - عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهٗ لِاِنْفَاذِ اَمْرِهٖ، وَاِنْهَاءِ عُذْرِهٖ، وَ تَقْدِيْمِ نُذُرِهٖ"

"ساری تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو اپنی طاقت کی بنا پر بلند اور اپنے احسانات کی بنا پر بندوں سے قریب تر ہے۔وہ ہر فائدہ اور فضل کا عطا کرنے والا اور ہر مصیبت اور رنج کا ٹالنے والا ہے۔میں اُس کی کرم نوازیوں اور نعمتوں کی فراوانیوں کی بنا پر اُس کی تعریف کرتا ہوں اور اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہی اوّل اور ظاہر ہے اور اُسی سے ہدایت طلب کرتا ہوں کہ وہی قریب اور ہادی ہے۔اُسی سے مدد چاہتا ہوں کہ وہی قادر اور قاہر ہے۔اور اُسی پر بھروسا کرتا ہوں کہ وہی کافی اور ناصر ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں۔انہیں پروردگار نے اپنے حکم کو نافذ کرنے، اپنی حجت کو تمام کرنے اور عذاب کی خبریں پیش کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

شرح وتفسیر

خدا نزدیک بھی ہے اور دور بھی، ازلی بھی اور ابدی بھی خطبۂ غراء میں امامؑ سب سے پہلے حمد وثنائے الٰہی بجالائے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور ہر ایک (حمد ونعت) کے خاص اوصاف بیان کیے کہ ثنائے پروردگار اور درود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

https://downloadshiabooks.com/

ایک گہرائی اور خوبصورتی عطا کرتے ہیں۔ آپؑ نے سب سے پہلے خداوند کریم کے چار اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَا بِحَوْلِهِ① وَ دَنَا بِطَوْلِهِ② مَانِحِ③ كُلِّ غَنِيْمَةٍ وَ فَضْلٍ، وَ كَاشِفِ كُلِّ عَظِيْمَةٍ وَأَزْلٍ"④

"تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو اپنی قدرت کے اعتبار سے بلند، اپنی بخشش کے لحاظ سے قریب ہے، ہر نفع عطا کرنے والا اور ہر مصیبت کو دور کرنے والا ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ خدا کے اوصاف بندوں کے محدود اوصاف کے برعکس ہیں، وہ قریب بھی ہے، بعید بھی، وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی، اُس کی صفات بندوں کی صفات کی طرح ایک ذات میں محدود نہیں بلکہ وہ لامحدود ہیں۔

امامؑ نے پہلے جملے میں اس معنٰی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں، خداوند عالم بہت بلند اور بخشش کے لحاظ سے بہت قریب ہے، اُس کا بلند مقام اُس کی قدرت کی وجہ سے ہے اور نزدیکی نعمت اور بخشش کی وجہ سے ہے۔

دوسرے جملے میں امامؑ نے اللہ کو فیوض و برکات کا سرچشمہ قرار دیا خواہ مثبت ہوں یا منفی، خدا کو ہر نفع کا عطا کرنے والا اور ہر سختی و مصیبت کو دور کرنے والا قرار دیا، جس کے پاس یہ قدرت اور یہ تمام ہمدردی و محبت ہو، اُس سے یہی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ قرآن مجید میں دوسری تعبیر کے ساتھ آئی ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

"اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کے بعد بھی جب تمہیں کوئی تکلیف چھو لیتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو (وہ ہر تکلیف و رنج کا دور کرنے والا ہے)"⑤

ظاہر ہے کہ خدا کے علاوہ (کیونکہ انسان کی قدرت محدود ہے) کوئی نہ فضل و بخشش میں قدرت رکھتا ہے اور نہ مصیبت و بلا کو ٹال سکتا ہے، صرف خدا کی ذات ہی ہے کہ جو لامحدود قدرت کی مالک ہے۔

---

① حول، دراصل کسی چیز میں تغیر اور دوسری چیز سے جدا ہونے کے معنی میں ہے اور حائل کو اسی وجہ سے حائل کہتے ہیں کہ وہ دو چیزوں میں فاصلہ پیدا کرتا ہے، یہاں پر اُمور خداوندی میں اس کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی قدرت میں ہے کہ کسی بھی خطرہ یا رکاوٹ کو دور کرے یا حوادث دنیا میں رکاوٹ ڈالے، اسی وجہ سے ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کہا جاتا ہے۔ اس سے اشارہ ہے کہ خدا کی قدرت سے ہر مقصد تک رسائی ہو سکتی ہے اور رکاوٹوں کو دور کرنا بھی اُسی کی طرف سے ہے۔

② طول، بروزن قول، نعمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

③ مانح، ارباب لغت کی نظر میں بمعنی عطا ہے۔

④ ازل، مصیبت اور مشکل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

⑤ سورہ نحل، آیت ۵۳

https://downloadshiabooks.com/

اس کے بعد آپؑ نے اس نکتے کی وضاحت فرمائی کہ یہ حمد و ثنائے پروردگار کس لیے ہے؟ دوسرے الفاظ میں سابقہ گفتگو، نعمتوں کے عطا کرنے والے کے بارے میں تھی اور یہاں خود نعمتوں کی صفات اور مہربانیوں کی عطا کی وجہ سے تعریف کرتا ہوں:

"اَحْمَدُهُ عَلٰى عَوَاطِفِ كَرَمِهٖ، وَسَوَابِغِ[1] نِعَمِهٖ"

درحقیقت الٰہی نعمتوں کی دو صفات ہیں، وسیع اور پھیلے ہوئے اوصاف اور مسلسل اور ہمیشہ رہنے والے اوصاف۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی لامحدود قدرت اور لطف و کرم کے باوجود انسان اُس کی نعمتوں میں مستغرق ہو اور اُسے ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش کیا جائے۔

اور پھر اُس خدا پر ایمان کے دلائل بیان کیے:

"وَ أُوْمِنُ بِهٖ اَوَّلًا بَادِيًا[2] وَاَسْتَهْدِيْهِ قَرِيْبًا هَادِيًا، وَ اَسْتَعِيْنُهُ قَاهِرًا قَادِرًا، وَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ كَافِيًا نَاصِرًا"

"میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں، چونکہ وہ اوّل و ظاہر ہے اور اُس سے ہدایت چاہتا ہوں، چونکہ وہ قریب تر اور ہادی ہے اور اُس سے مدد چاہتا ہوں، چونکہ وہ قادر و توانا ہے اور اُس پر بھروسا رکھتا ہوں چونکہ وہ ہر طرح کی کفایت و اعانت کرنے والا ہے۔"

ان مختصر اور جامع جملوں میں امامؑ نے ہر نکتے کو دلیل کے ساتھ واضح کیا ہے، اللہ پر ایمان کو اس دلیل سے ثابت کیا کہ وہ اس کائنات کا خالق اور واجب الوجود ہے اور اُس کی عظمت کے آثار اس پورے جہاں پر ظاہر ہیں۔ امامؑ اس دلیل کی بنیاد پر اللہ سے ہدایت کے خواہاں ہیں کہ وہی بندوں کی ہدایت کا سرچشمہ ہے، وہی بندگان کے نزدیک ہے اور امامؑ اللہ ہی سے مدد کے طالب ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔ اور اُسی کی پاک ذات پر بھروسا کرتے ہیں کہ وہی حقیقی حامی و مددگار ہے۔

اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے بعد ایمان کا دوسرا رکن نبوت کی گواہی دینا ہے۔ امامؑ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ - عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

---

[1] سوابغ، سابغہ کی جمع ہے جس کے معنی وسیع اور کامل کے ہیں۔

[2] بادی، بدو کے مادّے سے ہے جس کے معنیٰ ظاہر ہونے کے ہیں، اور ابتدا و سرِ آغاز کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے، چونکہ خداوند عالم سرِ آغاز کائنات ہے اور اُس کا وجود زمین و آسمان پر ظاہر ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔"

اس کے بعد آپؑ نے نبوّت کی بھاری ذمّے داریوں کو تین مختصر جملوں میں بیان فرمایا:

"أَرْسَلَهُ لِإِنْفَاذِ أَمْرِهِ، وَإِنْهَاءِ عُذْرِهِ، وَتَقْدِيمِ نُذُرِهِ۔"[1]

"انہیں پروردگار نے اپنے حکم کو نافذ کرنے، اپنی حجت کو تمام کرنے اور عذاب کی خبریں پیش کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

پہلا جملہ پیغمبرؐ کی بعثت اور لوگوں کو ایمان باللہ کی طرف دعوت دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرے جملے میں تبلیغِ رسالت، عقلی دلائل اور معجزات کے ذریعے اتمامِ حجّت کرنے کی جانب اشارہ ہے اور تیسرے جملے میں فرمانِ الٰہی کی مخالفت کرنے والوں کے لیے دنیاوی واخروی عذاب کا بیان ہے۔

دوسرا حصّہ

"أُوصِيكُمْ عِبَادَ اللهِ بِتَقْوَى اللهِ الَّذِي ضَرَبَ الْأَمْثَالَ، وَوَقَّتَ لَكُمُ الْآجَالَ، وَأَلْبَسَكُمُ الرِّيَاشَ، وَأَرْفَغَ لَكُمُ الْمَعَاشَ، وَأَحَاطَ (احاطكم) بِكُمُ الْإِحْصَاءَ، وَأَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَاءَ، وَآثَرَكُمْ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ، وَالرِّفَدِ الرَّوَافِغِ، وَأَنْذَرَكُمْ بِالْحُجَجِ الْبَوَالِغِ، فَأَحْصَاكُمْ عَدَدًا، وَوَظَّفَ لَكُمْ مُدَدًا، فِي قَرَارِ خِبْرَةٍ، وَدَارِ عِبْرَةٍ أَنْتُمْ مُخْتَبَرُونَ فِيهَا، وَمُحَاسَبُونَ عَلَيْهَا"

"بندگانِ خدا! میں تمہیں اُس خدا سے ڈرنے کی دعوت دیتا ہوں جس نے تمہاری ہدایت کے لیے مثالیں بیان کی ہیں، تمہاری زندگی کے لیے مدت معین کی ہے، تمہیں مختلف قسم کے لباس پہنائے ہیں تمہارے لیے اسبابِ معیشت کو فراواں کر دیا ہے۔ تمہارے اعمال کا مکمل احاطہ کر رکھا ہے اور تمہارے لیے جزا کا انتظام کر دیا ہے۔ تمہیں مکمل نعمتوں اور وسیع تر عطیوں سے نوازا ہے اور مؤثر دلیلوں کے ذریعے عذابِ آخرت سے ڈرایا ہے۔ تمہارے اعداد کو شمار کر لیا ہے اور تمہارے لیے اس کو امتحان گاہ قرار دیا اور اس مقامِ عبرت میں مدتیں معین کر دی ہیں۔ یہیں تمہارا امتحان لیا جائے گا اور اسی کے اقوال و اعمال پر تمہارا حساب کیا جائے گا۔"

[1] نذر، نذیر کے مادّے سے ہے جس کا معنی ڈرانے کے ہیں۔ آیاتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعے اللہ نے بندگان کو ڈرایا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

تقویٰ، انسانی زندگی کا تقدیر ساز مسئلہ

خطبے کے اس دوسرے حصے میں امامؑ حمد وثنائے پروردگار اور نبوت کی شہادت دینے کے بعد انسان کے بنیادی مسئلے یعنی تقویٰ کو زیر بحث لائے ہیں، اور تمام انسانوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتے ہیں اور خداوند کریم کے وہ اوصاف بیان کیے جو کہ تقوائے الٰہی کے اسباب ہیں۔

امامؑ کبھی خداوند عالم کی گونا گوں نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، کبھی حساب کتاب اور جزا وسزا کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں اور کبھی الٰہی نصیحتوں اور اتمام حجت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ پھر آپؑ نے انسان کی عمر کی محدودیت اور الٰہی آزمائشوں پر گفتگو فرمائی، ان میں سے ہر ایک تقوائے الٰہی کی طرف دعوت دیتی ہے۔

پہلی صفت: آپؑ فرماتے ہیں:

"أُوصِيكُمْ عِبَادَ اللهِ بِتَقْوَى اللهِ الَّذِي ضَرَبَ الْأَمْثَالَ"

"اے بندگانِ خدا! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، جس نے تمھارے لیے مثالیں پیش کیں۔"

قرآن مجید، احادیث پیغمبرؐ ومعصومینؑ میں جو مثالیں اور تشبیہات آئی ہیں اور عقلی حقائق کو قابلِ فہم بناتی ہیں، اُن میں کبھی ایک محسوس کو دوسرے محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے (البتہ محسوسِ ثانی محسوسِ اوّل سے واضح تر) اور کبھی معقول کو محسوس سے، کبھی محسوس کو معقول سے اور کبھی معقول کو دوسرے معقول سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان تمام کا ہدف یہ ہے کہ انسانوں کے لیے تربیتی مسائل اور امر بالمعروف ونہی المنکر کے مسائل قابلِ فہم اور دل نشین بن جائیں اور کسی کے لیے بہانے اور عذر کی گنجائش باقی نہ رہے،

جی ہاں! مثالیں فہم وفراست کی راہ ہموار کرتی ہیں، پیچیدہ مسائل کو روشن کرتی ہیں اور اس حد تک اطمینان بخش ہوتی ہیں کہ مفسدوں کو خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

دوسری صفت: آپؑ فرماتے ہیں:

"وَوَقَّتَ لَكُمُ الْآجَالَ"

"خداوند عالم نے تمھاری عمر کی حد مقرر کردی ہے۔"

https://downloadshiabooks.com/

جی ہاں! ہر فرد اور قوم کے لیے عمر کی حد مقرر ہے اور فنا اور موت کا مزہ ہر موجود کو چکھنا ہے، خواہ یہ موت انسان کی زندگی کے مکمل خاتمے کی صورت میں ہو جسے اصطلاح میں اجل مسمّی کہتے ہیں یا حادثاتی موت کی صورت میں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ [۱]

"ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرّر ہے جب وہ وقت آجائے گا تو ایک گھڑی کے لئے نہ پیچھے ٹل سکتا ہے اور نہ آگے بڑھ سکتا ہے۔"

قرآن مزید فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ [۲]

"جو بھی روئے زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جب انسان زندگی کے خاتمے اور عمر کی حد پر توجہ دے گا تو وہ تقویٰ اختیار کرے گا۔

تیسری اور چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت امام علیؑ نے فرمایا:

"وَأَلْبَسَكُمُ الرِّيَاشَ [۳] وَأَرْفَغَ [۴] لَكُمُ الْمَعَاشَ"

"تمہیں خوبصورت لباس سے ڈھانپا اور تمھاری زندگی کو وسعت دی۔"

امامؑ نے اس پہلی تعبیر میں مسئلہ لباس اور نعمتوں کا ذکر کیا اور پھر زندگی اور معاش کے ذرائع کی طرف اشارہ کیا، بطور خاص اس کے تذکرے کا شاید مقصد یہ ہو کہ لباس اہم نعمتوں میں سے ہے۔ لباس نہ صرف انسان کی گرمی و سردی کی تکالیف سے حفاظت اور عیوب کو چھپاتا ہے بلکہ اس نظر سے کہ قرآن نے تقویٰ کو لباس سے تشبیہ دی ہے، یہ تعبیر امامؑ کی اصل گفتگو (جو تقویٰ کی طرف دعوت ہے) کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔

اس نکتے پر دقت کے ساتھ توجّہ دینے کی ضرورت ہے کہ انسان کی زندگی میں اس قدر توانائی، نعماتِ الٰہی کا ہونا اللہ کی معرفت اور تقویٰ کے اسباب ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ انسان نعمت کو سمجھے اور نعمت عطا کرنے والے کی پہچان نہ رکھے اور اُس

---

[۱] سورۂ اعراف، آیت ۳۴

[۲] سورۂ رحمٰن، آیت ۲۶

[۳] الریاش، ریش کے مادّے سے ہے جو پرندوں کے پر کے معنی میں ہے یعنی وہ لباس جو پرندوں کے خوبصورت پروں کی طرح ہو۔ بعد میں یہ معنی نعمتوں کی فراوانی پر منطبق ہوا ہے، مزید تفصیل کے لیے سورۂ اعراف آیت ۲۶ دیکھیے۔

[۴] ارفغ، رفغ کے مادّے سے ہے جو وسعت کے معنی میں آیا ہے نعمتوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کی کھلم کھلا مخالفت کرے؟

قرآن مجید فرماتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ (۱)

"اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جس سے اپنی شرمگاہوں کا پردہ کرو اور زینت کا لباس بھی دیا ہے لیکن تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے یہ بات آیات الٰہیہ میں ہے کہ شاید وہ لوگ عبرت حاصل کر سکیں۔"

قابلِ توجّہ ہے کہ رِیش عربی لفظ ہے جو پرندوں کے پر کے معنیٰ میں آیا ہے، اور چونکہ پرندوں کے پر ان کے جسم پر ایک طبعی لباس ہے اسی لیے لباس پر بھی لفظ ریش کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور چونکہ پرندوں کے پر مختلف خوبصورت رنگوں کے ہوتے ہیں اسی لیے کلمہ "ریش" میں زینت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ تقویٰ انسان کے عیوب کو چھپاتا ہے، شیطانی وسوسوں سے حفاظت کرتا ہے اور آدمی کی زینت شمار ہوتا ہے، اُوپر کی آیت میں تقویٰ کو لباس سے تعبیر ہے کیا۔ (۲)

پانچویں اور چھٹی صفت بیان کرتے ہوئے امامؑ فرماتے ہیں:

"وَأَحَاطَ بِكُمُ الْإِحْصَاءَ، وَأَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَاءَ"

"اُس نے تمہارا پورا جائزہ لے رکھا ہے اور تمہارے لیے جزا مقرر کر رکھی ہے۔"

ظاہر ہے جب انسان اس نکتے پر توجّہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حساب و کتاب دقیق ہے۔ گویا وہ ایک مضبوط قلعے میں موجود ہے، اس کے اعمال، رفتار و گفتار کو پرکھا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس کے اعمال کی جزا بھی مقرّر کی گئی ہے اس طرح کہ اُس کا کوئی عمل جزا کے بنا نہیں رہے گا۔ یہ چیز باعث بنتی ہے کہ انسان تقویٰ و پرہیزگاری اپنائے اور خدا کی مخالفت سے اجتناب کرے۔

"أَحَاطَ بِكُمُ الْإِحْصَاءَ" کی تعبیر جسے آیت "لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾" (۳) سے اخذ کیا ہے، ایک خوبصورت تعبیر ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اللہ کے دائرۂ حساب میں واقع ہے کہ اس کا کوئی بھی عمل بغیر حساب کتاب کے نہیں اور "اَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَاءَ" کی تعبیر بھی

---

(۱) سورۂ اعراف، آیت ۲۶

(۲) آیت میں لفظ ریشاً کا محلِ اعراب کیا ہے۔ مفسرین و شارحین نہج البلاغہ کی آپس میں بحث ہے۔ بعض نے لباساً کا معطوف قرار دیا ہے اس وجہ سے لباس سے وسیع تر مفہوم بیان کیا ہے۔ بعض نے مفعول لہ قرار دیا ہے کہ انسان کے جسم پر لباس کے ہدف کو بیان کیا ہے۔

(۳) "تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے اور وہ جس کے پاس جو کچھ بھی ہے اس پر حاوی ہے اور سب کے اعداد کا حساب رکھنے والا ہے۔" سورۂ جن، آیت ۲۸۔

https://downloadshiabooks.com/

ایک خوبصورت تعبیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزائے الٰہی انسان کے انتظار میں ہے تا کہ اس کا کوئی عمل اس دائرے سے باہر نہ ہو۔

ساتویں اور آٹھویں صفت بیان فرماتے ہیں:

"وَآثَرَكُمْ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ، وَالرِّفَدِ[1] الرَّوَافِغِ[2]، وَأَنْذَرَكُمْ بِالْحُجَجِ الْبَوَالِغِ"

"تمہیں اپنی وسیع نعمتوں اور فراواں عطیات سے نوازا اور مؤثر دلیلوں سے تمہیں متنبہ کیا۔"

ایثار کسی کو برتری دینے کے معنی میں ہے، خواہ اپنوں پر یا دوسروں پر، چنانچہ سورۂ یوسف آیت ۹۱، میں ہم اس طرح پڑھتے ہیں:

"تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا"

"خدا کی قسم! خدا نے تمہیں (حضرت یوسفؑ کو) ہم پر (یوسفؑ کے بھائی پر) برتری دی ہے۔"

نہج البلاغہ کے بعض شارحین کا یہ خیال کہ ایثار کا مفہوم دوسروں کو اپنے پر مقدم رکھنا ہے یا یہ کہ جہاں ایثار کرنے والا خود احتیاج رکھتا ہو، دوسروں کے لیے چھوڑ دے اور چونکہ یہ دونوں معنی مقامِ خداوندی میں تصور نہیں ہوتے ہیں اس لیے مجازی معنی کی تلاش کی جائے، عبث ہے۔[3]

بہرحال جملۂ بالا کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ساری مخلوقات پر فضیلت دی ہے، ہر طرح کی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

"ہم نے بنی آدم کو کرامت بخشی ہے اور ہم نے اسے زمین و خشکی کی سواری پر سوار کرایا اور پاکیزہ رزق عطا کیا اور اسے اپنی بہت ساری مخلوقات پر برتری دی۔"[4]

---

[1] "رفد" رفدہ کی جمع ہے جس کے معنی بخشش و جائزہ ہیں۔

[2] روافغ جمع رافغہ کی، جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے وسعت اور پھیلاؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس وجہ سے "الرِّفَدُ الرَّوَافِغ" کے معنی عطائے پروردگار ہیں۔

[3] مقائیس اللغۃ میں ہے کہ اس لفظ کا اصل معنی کسی کو مقدم کرنا ہے۔ راغب کی مفردات میں یہی معنی ذکر ہوئے ہیں۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم میں ہے: ایثار کی حقیقت، صاحبِ فضلیت کو برتری دینا ہے۔

[4] سورۂ اسراء، آیت ۷۰

https://downloadshiabooks.com/

ظاہر ہے کہ جب انسان ان تمام نعمتوں کی طرف توجّہ کرتا ہے کہ اُسے تمام مخلوقات پر افضل بنایا ہے، تُواس کے وجود میں بندگی اور شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے کہا، وہ معرفتِ منعم کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور نتیجتاً اللہ کے حکم کی مخالفت سے بچتا ہے اور تقویٰ کا دامن تھام لیتا ہے۔" اسی طرح سے "حُجَجِ الْبَوَالِغِ" یعنی پیغمبروں کا وجود، کتب آسمانی، معجزات اور واضح عقلی ونقلی دلائل بھی تقویٰ کے اسباب میں سے ہیں جنھیں ہم اس خطبے کے شروع میں ذکر کر چکے ہیں۔

نعمت الٰہی اور انذار کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کرنا ممکن ہے اس نکتے کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ خداوند کریم انسان کو بے حساب نعمتوں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ خبردار بھی کرنا چاہتا ہے کہ ان نعمتوں سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ ان نعمتوں سے سعادت مندی، نفس کی اصلاح کے سلسلے میں مدد لیں۔

نویں اور دسویں صفت میں بیان فرماتے ہیں:

"فَاَحْصَاكُمْ عَدَدًا، وَ وَظَّفَ لَكُمْ مُدَدًا [1] فِيْ قَرَارِ خِبْرَةٍ [2]، وَدَارِ عِبْرَةٍ، اَنْتُمْ مُخْتَبَرُوْنَ فِيْهَا، وَمُحَاسَبُوْنَ عَلَيْهَا"

"وہ ایک ایک کر کے تمھیں گن چکا ہے اور اس مقامِ آزمائش میں تمھاری عمریں مقرر کر دی ہیں، اس دنیا میں تمھاری آزمائش ہے اور یہ عبرت کی جگہ ہے۔ جو بھی اعمال انجام دو گے اس کا برابر حساب دینا پڑے گا۔"

دوسرے وصف میں زندگی کے اختتام کی طرف اشارہ کیا ہوا اور پانچویں وصف میں انسان کے اعمال کی نگرانی سے متعلق بات ہوئی ہے، لیکن اس جگہ ان دو وصفوں کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دو اوصاف انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور انسان کے وجود میں تقویٰ کی حقیقت کے ظاہر ہونے میں ان کا بڑا عمل دخل ہے۔ آزمائش کی دنیا میں جب انسان اپنی عمر کے محدود ہونے اور اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کی طرف متوجّہ رہتا ہے تو وہ اطاعت خداوندی سے نافرمانی کرنے سے باز آتا ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ تکرار ایک جدید معنی سے استفادہ کرنے کے لیے ہوئی ہے۔

گزشتہ جملوں میں انسان کے اعمال کے حساب کے متعلق گفتگو تھی، یہی وجہ ہے کہ اس کے فوراً بعد ان اعمال کی جزا سے متعلق ذکر ہے۔ اس مقام پر خود آدمیوں کے درمیان حساب کا معاملہ ہے کہ انسان کسی بھی طرح سے اللہ کی نگرانی سے مستثنیٰ نہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

---

[1] "مدد" مدہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی زمانے میں سے ایک زمانہ ہے کبھی ایک مدت کے خاتمے کے معنی میں ہے، کبھی اس مادّے کو جس کے ذریعے کچھ تحریر کیا جائے "مِداد" کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں ان تمام معانی میں ایک قسم کا امتداد اور کھنچاؤ پایا جاتا ہے۔

[2] خبرہ، مصدری و اسم مصدری دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے، جو علم و آگہی کے معنوں میں ہے، بہ معنی امتحان بھی ذکر ہوا ہے خطبے میں یہی معنی ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ۞ لَقَدۡ اَحۡصٰٮهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ۞ [1]

"جو لوگ زمینوں اور آسمانوں میں بستے ہیں سب خدا کے بندے ہیں (اُس کے تابع ہیں) ہم نے ان کا حساب لگایا اور ان کی تعداد کو جانتے ہیں۔"

زندگی ایک امتحان اور عبرت کا گھر ہے۔ اگر یہ زندگی کے اختتام کی طرف اشارہ ہو تو یہ بعد کے جملوں کے لیے ایک ایسا مقدمہ بنے گا کہ جو حقیقت میں پہلے جملے کی نسبت زیادہ تفصیل رکھتا ہے۔ "قَرَارِ خِبْرَةٍ وَدَارِ عِبْرَةٍ" کی تعبیر سے انسان کی پوری زندگی کی طرف اشارہ ہے جو آزمائشوں میں گھری ہوئی ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ [2]

"آیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے، انھیں آزمایا نہیں جائے گا، اور انھیں چھوڑ دیا جائے گا، ہم نے ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزمایا ہے، پس اللہ انھیں بھی جانتا ہے جو سچ بولتے ہیں اور انھیں بھی جانتا ہے جو جھوٹ بولتے ہیں۔" (تاکہ وہ اپنے حال سے غافل نہ ہوں اور وقتِ امتحان کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھیں)

عبرت کی تعبیر سے مراد ظالم، اور گنہگار قوموں کا انجام ہے، پوری تاریخ ان عبرتوں سے بھری ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جزائے الٰہی صرف قیامت میں منحصر نہیں، ان میں سے اہم حصہ اس دنیا میں ہی ملے گا "وَ مُحَاسَبُونَ عَلَيْهَا" کے جملے میں ضمیر "ھا" اس دنیاوی گھر کی طرف پلٹتی ہے۔ جیسا کہ دنیا تمھاری آزمائش کی جگہ ہے اور تمھارے حساب و کتاب کا تعلق بھی اسی دنیا سے ہے، وہ اعمال جو تم انجام دیتے ہو اور وہ نعمتیں جو تمہیں خدا نے دی ہیں ان سب کا تعلق بھی دنیا سے ہے۔

نکتہ

ہمیشہ اور ہر جگہ تقویٰ کی دعوت

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس خطبے میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد تقویٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے، انسان

---

[1] سورۂ مریم، آیات ۹۲، ۹۳

[2] سورۂ عنکبوت، آیات ۲، ۳

https://downloadshiabooks.com/

کی سعادت مندی کے تمام اسباب اس میں جمع ہیں۔ انسان کی مکمل شخصیت اور کرامتوں کا راز خدا کی اطاعت میں پوشیدہ ہے اور سفرِ آخرت کے لے یہی تقویٰ بہترین توشہ ہے۔

اس خطبے میں اس نکتے کی طرف توجّہ دینے کی ضرورت ہے کہ امامؑ صرف تقویٰ کی طرف دعوت نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ تمام اُمور جو تقویٰ کے اسباب ہیں، اُن کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ خدا کی بے شمار نعمتیں، انسان کی عمر کا محدود ہونا، انسان اور اس کے اعمال پر اللہ کا علمی احاطہ ہونا وہ دروس عبرت ہیں جو کہ گزشتہ لوگوں حتیٰ کہ آج کے لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح اس معنی کی طرف توجّہ دینا کہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، خداوند عالم نے پیغمبروںؑ اور کتب آسمانی کو بندگانِ خدا کو ڈرانے کے لیے بھیجا ہے، یہ انتہا درجے کی فصاحت و بلاغت ہے کہ تقویٰ جیسے ایک اہم ترین مسئلے کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا۔

درحقیقت جب بھی انسان خطبے میں مذکور ان دس اوصاف پر غور کرے تو تقویٰ و پرہیز گاری کے آثار اُس کے وجود میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں پر اچھی طرح غور و فکر کرے، قیامت، حساب و کتاب پر بھی یقین رکھے، حججِ الٰہی (الٰہی دلائل) کو آسمانی کتابوں اور فرامین معصومینؑ میں تلاش کرے، عمر کی ناپائیداری پر یقین ہو، گزشتہ لوگوں کے عبرت ناک واقعات کا مطالعہ کرے، لیکن اس کے باوجود حرمتِ الٰہی کو پامال کرے، تقویٰ کے دستور کو پاؤں تلے روند ڈالے اور اپنے آپ کو گناہوں سے آلودہ کر دے۔

تیسرا حصّہ

"فَإِنَّ الدُّنْيَا رَنِقٌ مَشْرَبُهَا، رَدِغٌ مَشْرَعُهَا، يُونِقُ مَنْظَرُهَا، وَ يُوبِقُ مَخْبَرُهَا. غُرُورٌ حَائِلٌ، وَضَوْءٌ آفِلٌ، وَظِلٌّ زَائِلٌ، وَ سِنَادٌ مَائِلٌ، حَتّٰى إِذَا أَنِسَ نَافِرُهَا، وَاطْمَأَنَّ نَاكِرُهَا، قَمَصَتْ بِأَرْجُلِهَا، وَقَنَصَتْ بِأَحْبُلِهَا، وَأَقْصَدَتْ بِأَسْهُمِهَا، وَأَعْلَقَتِ الْمَرْءَ أَوْهَاقَ الْمَنِيَّةِ قَائِدَةً لَهُ إِلٰى ضَنْكِ الْمَضْجَعِ، وَ وَحْشَةِ الْمَرْجِعِ، وَ مُعَايَنَةِ الْمَحَلِّ وَ ثَوَابِ الْعَمَلِ، وَ كَذٰلِكَ الْخَلَفُ بِعَقْبِ السَّلَفِ، لَا تُقْلِعُ الْمَنِيَّةُ اخْتِرَامًا، وَلَا يَرْعَوِي الْبَاقُونَ اجْتِرَامًا، يَحْتَذُونَ مِثَالًا، وَ يَمْضُونَ أَرْسَالًا، إِلٰى غَايَةِ الْاِنْتِهَاءِ، وَ صَيُّورِ الْفَنَاءِ"

"یاد رکھو! اس دنیا کا سرچشمہ گندہ اور اس کا گھاٹ گرد آلود ہے۔ اس کا منظر خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اندر کے حالات انتہائی درجہ خطرناک ہیں۔ یہ دنیا ایک مٹ جانے والا دھوکا ہے ایک بجھ جانے والی روشنی۔ ایک ڈھل جانے والا سایہ اور ایک گر جانے والا سہارا ہے۔ جب اس سے نفرت کرنے والا مانوس ہو جاتا ہے اور اسے بُرا سمجھنے والا مطمئن ہو جاتا

https://downloadshiabooks.com/

ہے تو یہ اچانک اپنے پیروں کو پٹخنے لگتی ہے اور عاشق کو اپنے جال میں گرفتار کر لیتی ہے اور پھر اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیتی ہے۔ انسان کی گردن میں موت کا پھندا ڈال دیتی ہے اور اسے کھینچ کر تنگیِ مرقد اور وحشت منزل کی طرف لے جاتی ہے جہاں وہ اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے اور اپنے اعمال کا معاوضہ حاصل کر لیتا ہے اور یوں ہی یہ سلسلہ نسلوں میں چلتا رہتا ہے کہ اولاد بزرگوں کی جگہ پر آ جاتی ہے۔ نہ موت چیرہ دستیوں سے باز آتی ہے اور نہ آنے والے افراد گناہوں سے باز آتے ہیں۔ پرانے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلتے رہتے ہیں اور تیزی کے ساتھ اپنی آخری منزل انتہا و فنا کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔"

شرح و تفسیر

دنیا کا حقیقی چہرہ

امیر المومنینؑ نے اس خطبے میں دنیا کی شدید مذمت کی ہے، کیونکہ خطبے کے پہلے جملوں میں عبرت اور امتحان کے متعلق گفتگو تھی اب یہ گفتگو اس عبرت اور امتحان کی خصوصیات (جو کہ دلوں کو جھنجھوڑنے والی تعبیرات کے ساتھ ہیں) کی تفصیل بیان کرتی ہے۔

اور دوسری جانب گزشتہ خطبہ تقویٰ کے بارے میں تھا، معلوم ہے کہ تقویٰ میں سب سے بڑی رکاوٹ حبّ دنیا اور ماڈی زندگی سے شدید وابستگی ہے، امامؑ اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، دنیا کی قیمت اور اس کی رنگینیاں افراد کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تقویٰ کے اسباب مستحکم اور ان کی رکاوٹیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ اس خطبے کے آغاز میں دنیا کی آٹھ خصوصیات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پہلی اور دوسری خصوصیت میں فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ الدُّنْيَا رَنِقٌ (۱) مَشْرَبُهَا، رَدِغٌ (۲) مَشْرَعُهَا"

"اس دنیا کا گھاٹ گدلا اور سیراب ہونے کی جگہ کیچڑ سے بھری ہوئی ہے۔"

---

(۱) رَنِق، رَنْق کے مادّے سے ہے، صفت مشبہہ ہے بروزن رنگ جس کے معنی گھاٹ اور گدلا ہونے کے ہیں، اس بنا پر رنق مشربھا سے مراد گدلے پانی سے سیراب ہونے کی جگہ ہے۔

(۲) ردغ، ردغ کے مادّے سے بروزن فتق ہے، جو کیچڑ سے بھری ہوئی کا معنی دیتا ہے، اسی وجہ سے دنیا کو اس بزرگ نہر سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کا کنارہ کیچڑ سے بھرا ہوا ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

عام طور پر وہ بڑی نہر جس کی سطح زمین سے بہت گہری ہو، لوگ اس کے اطراف میں نہیں چل سکتے اور نہ اس کے پانی سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ کبھی اس نہر کا ساحل خراب ہوتا ہے اور دھنس جاتا ہے اور پھر کچھ خشکی پیدا ہونے کے بعد پانی حاصل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، عرب ایسے راستے کو شریعہ یا مشرع کہتے ہیں۔ اور وہ راستہ جو پانی کی طرف جاتا ہو اُسے مشرب کہتے ہیں۔ اگر یہ راستہ کیچڑ سے بھرا ہوا ہے یا پانی اس طریقے سے حاصل ہو کہ گدلا ہو جائے (مٹی جانے کی وجہ سے) تو اس پانی سے استفادہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے شریعہ (راستے) کو مناسب طریقے سے تعمیر کرتے ہیں یا نہر کے ذریعے بناتے ہیں جس سے دونوں (پانی سے استفادہ اور راستے سے گزرنا) مشکلات حل ہوں۔

امامؑ نے مادّی وسائل کو پانی سے تشبیہ دی ہے، مگر افسوس کہ ناہموار راستے کو اختیار کرنا پڑتا ہے اور پانی کو حاصل کرنے کی جگہ مٹی سے آلودہ ہو گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ پانی دور سے پیاسوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے مگر جب وہاں جاتے ہیں تو عجیب مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ہرگز پینے کے قابل پانی میسر نہیں ہوتا، حقیقت ہے کہ مال و مقام و تجملاتِ دنیا سب ہی میں اس قسم کی مشکلات ہیں، چونکہ دنیا کے حصول کے لیے انسان بہت سے اخلاقی فضائل سے چشم پوشی کرتا ہے اور جھوٹ، خیانت، ذلّت برداشت کرنے سے اپنے آپ کو گناہوں میں آلودہ کرتا ہے۔ ان تمام کارستانیوں کے ساتھ جب وہ ان تک پہنچتا ہے تو حاسدوں، مزاحمت کاروں کی طرف سے رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو انتہائی غلاظت سے پُر ہوتی ہیں۔

تیسری اور چوتھی خصوصیت میں فرماتے ہیں:

"یُوْنِقُ (۱) مَنْظَرُهَا، وَيُوْبِقُ (۲) مَخْبَرُهَا"

"جس کا ظاہر خوشنما اور باطن تباہ کن ہے۔"

اس طرح کی دورُخی اس دنیا میں پائی جاتی ہے، جس کا اسلام کے بزرگ پیشواؤں کی تعبیرات میں مختلف صورتوں میں ذکر ہے، کبھی دنیا کو اس سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے جو ظاہر میں نرم اور باطن میں مہلک ہے۔

"فَاِنَّمَا مَثَلُ الدُّنْيَا مَثَلُ الْحَيَّةِ: لَيِّنٌ مَسُّهَا، وَقَاتِلٌ سَمُّهَا" (۳)

کبھی اس دنیا کو خوبصورت بناؤ سنگھار والی عورت سے تشبیہہ دی گئی ہے جو اپنے شوہروں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیتی ہے۔ کوئی بھی شخص دنیا کی اس صفت سے ناواقف نہیں، ظاہر دلکش و فریب تر اور اس کا باطن زہرِ قاتل ہے۔

---

(۱) یُوْنِقُ، اَنَق کے مادّے سے ہے، بروزن شفق، کسی چیز کو پسند کرنا اور اس سے متاثّر ہونا۔

(۲) یُوْبِقُ، وبق کے مادّے سے ہلاکت کے معنیٰ میں ہے۔

(۳) سمّھا، نہج البلاغہ، نامہ ۶۸

https://downloadshiabooks.com/

پانچویں وصف میں دنیا کی بے اعتباری اور ناپائیداری کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"غُرُورٌ حَائِلٌ ⁽¹⁾، وَضَوْءٌ آفِلٌ ⁽²⁾ وَظِلٌّ زَائِلٌ، وَسِنَادٌ ⁽³⁾ مَائِلٌ"

"یہ ایک مٹ جانے والا دھوکا، غروب ہونے والی روشنی، ڈھل جانے والا سایہ اور جھکا ہوا ستون ہے۔"

بے شک دنیا خوبصورت اور دل فریب ہے، مگر جونہی انسان اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اس کی خوبصورتی اور دل فریبی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے امامؑ نے اسے "غرور حائل" سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ غُرُوْر دھوکا دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس کے لیے ظاہری خوبصورتی لازمی ہے، جب کہ غَرُوْر (بروزن قَبول) دھوکا دینے والے کو کہتے ہیں۔ اس لیے شیطان کو غرور کہا گیا ہے۔

"حائل" بھی گزر جانے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دو چیزوں کے درمیانی فاصلے کو بھی حائل کہتے ہیں، جو دو چیزوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

دنیاوی نعمتوں میں چمک دمک ہے، اس لیے امامؑ نے اسے ضَوْءٌ سے تعبیر کیا ہے۔ مگر یہ چمک ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، جلد ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اسے آفِل سے تعبیر کیا ہے۔

یہ دنیا وقتی طور پر آرام دہ سایہ فراہم ہوتا ہے، لیکن یہ سایہ ہے جو زوال پذیر ہے، اسی لیے اسے ظِلٌّ زَائِلٌ کہا گیا ہے۔ دنیاوی ذرائع ہو سکتا ہے ستون و سہارا ہوں مگر افسوس ہے کہ یہ سہارا جھکا ہوا ہے اور ہمیشہ کے لیے نہیں اس لیے اُسے سِنَادٌ مَائِلٌ کہا گیا ہے۔

پھر آپؑ نے دنیا کی دوسری خصوصیات کی طرف اشارہ کیا، انہی صفات کو دوسری تشبیہات اور تعبیرات سے بیان فرمایا ہے:

"حَتّٰى اِذَا اَنِسَ نَافِرُهَا، وَاطْمَاَنَّ نَاكِرُهَا، قَمَصَتْ ⁽⁴⁾ بِاَرْجُلِهَا، وَ قَنَصَتْ ⁽⁵⁾ بِاَحْبُلِهَا ⁽⁶⁾ وَ

⁽¹⁾ حائل، دگرگوں ہونے والا اور دوسری تعبیر میں زود گزر چیز۔

⁽²⁾ افل، افول کے مادّے سے ہے جس کے معنی چھپ جانا ہیں، یعنی آفتاب کے غروب ہو جانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

⁽³⁾ سناد، سند کے مادّے سے ہے جو سہارے اور ستون کے معنی میں ہے اور چونکہ یہ دنیا ایک ٹیڑھی اور ناقابلِ بھروسہ سہارا ہے اس لیے مذکورہ خطبے میں اسے "سِنَادٌ مائل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

⁽⁴⁾ قمصت مادّہ قمص سے ہے جو بروزن شمس ہے یعنی جب گھوڑا اپنے سامنے کے پاؤں بلند کرتا ہے اور پھر پٹخ دیتا ہے، یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

⁽⁵⁾ قنصت قنص کے مادّے سے ہے اور بروزن قند شکار کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

⁽⁶⁾ احبل، جمع ہے حبل کی، جو رسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اَقْصَدَتْ بِاَسْهُمِهَا"۔ (۱)

دنیا کی مکاری اور ظاہری خوشنمائی لوگوں کی دنیا سے محبت کا سبب بنتی ہے، دنیا سے منہ موڑنے والے اس سے دل لگاتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے سرکش گھوڑا اچانک اُچھلتا ہے اور اپنے سوار کو زمین پر دے مارتا ہے، دنیا بھی اس طرح سے لوگوں کو زمین پر دے مارتی ہے اور اپنے جال میں پھنسا دیتی ہے اور اپنے تیروں کا نشانہ بنا دیتی ہے۔"

امامؑ نے تین تشبیہوں سے دنیا کی حالت کو مشخص (معین) کیا، پہلے دنیا کو ایک گھوڑے سے تشبیہ دی جو ظاہر میں ایک سواری ہے مگر تھوڑی دیر میں وہ مجنوں اور پاگل ہو جاتا ہے اور اپنے سوار کو زمین پر دے مارتا ہے۔ پھر آپؑ نے دنیا کو ایک شکاری سے تشبیہ دی جو اپنے جال کو وسیع کرتا ہے اور پُرکشش دانہ ڈالتا ہے؛ جب شکار وہاں سے گزرتا ہے اس طرح گرفتار ہو جاتا ہے کہ بھاگنا ممکن نہیں ہوتا، بالآخر دنیا کو اس شکاری سے تشبیہ دی جو کہ گھات میں بیٹھے اور اچانک باہر آ کر یکے بعد دیگرے انسانوں پر اپنے تیروں کی بارش کرتا ہے۔

توجہ رہے کہ "حَتّٰى إِذَا أَنِسَ نَافِرُهَا" اس جملے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ دنیا کو دھوکا دینا اتنا آسان نہیں کہ اُس سے آسانی سے گزر سکیں، بلکہ وہ اپنے مخالفین، نفرت کرنے والوں، اور پرہیزگاروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی اور اپنے دام میں پھنسا دیتی ہے۔ یہ تمام چیزیں ہم سب کے لیے تنبیہ ہیں کہ دنیا کو سادہ نہ سمجھیں اور صرف تقویٰ اور دانش کا سہارا نہ لیں بلکہ ذکر خدا "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا" کے ذریعے سایۂ رحمت سے خود کو وابستہ رکھیں۔

صد هزاران دام و دانه است ای خدا! ما چو مرغان حریص و بی نوا
دم به دم وابستهٔ دامِ نویم هر یکی گر باز و سیمرغی شویم
می رهانی هر دمی ما را و باز سوی دامی می رویم ای بی نیاز
گر عنایاتت شود با ما مقیم کی بود خوفی از آن دزدِ لئیم

پھر آپؑ نے اس دنیا میں انسان کی کارکردگی کے انجام کے متعلق ارشاد فرمایا اور اس کی آخرت کے بارے میں یوں فرمایا:

وَاَعْلَقَتِ الْمَرْءَ اَوْهَاقَ (۲) الْمَنِيَّةِ قَائِدَةً لَهُ اِلٰى ضَنْكِ الْمَضْجَعِ (۳) وَ وَحْشَةِ الْمَرْجِعِ، وَ

---

(۱) اسهم، جمع ہے سھم کی اور اس کے معنیٰ تیر کے ہیں۔
(۲) اوهاق، جمع ہے وھق کی بروزن شفق، ایسی رسّی جو کسی شخص یا حیوان کی گردن میں ڈالی جاتی ہے۔
(۳) ضنك المضبحع، مضجع اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان رُو بہ پہلو لیٹتا ہے یعنی قبر۔

https://downloadshiabooks.com/

مُعَايَنَةِ الْمَحَلِّ، وَ ثَوَابِ الْعَمَلِ"

"دنیا موت کا پھندا ڈال کر تنگ و تاریک قبر اور وحشت ناک منزل تک لے جاتی ہے، جہاں سے وہ اپنا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کی صورت میں دیکھ لے اور اپنے کیے کا نتیجہ پا لے۔"

بے شک دنیا پرست اور اسے دوست رکھنے والے اس دنیا سے بددل ہونا نہیں چاہتے مگر دنیا بے رحمی کے ساتھ موت کا پھندا ان کے گلے میں ڈال دیتی ہے اور اسے آباد گھروں اور خوبصورت محلات سے اُٹھا کر تنگ و تاریک قبر تک لے جاتی ہے۔ یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو مضطرب اور خوف میں مبتلا کر دیتی ہے، سب سے مشکل بات یہ ہے کہ آنکھوں سے پردے ہٹ جاتے ہیں اور انسان قیامت کے دن اپنی منزل کو دیکھ لیتا ہے۔

اگر وہ انسان عذاب کا مستحق ہے تو جہنم کی آگ کے شعلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، اور مال و متاع، بیوی، بچوں کی جدائی کے خوف سے اس کی وحشت دُگنی ہو جائے گی۔

امامؑ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دنیا اور دنیا والوں کے بارے میں کہا گیا، یہ صرف ایک مخصوص گروہ کے لیے نہیں ہے، یہ تلخ و شیریں حالات جو انسان پر گزرتے ہیں، یہ اسرافیل کے صور پھونکنے تک تمام انسانوں کو بڑی آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں اور موت کا حکم ہر انسان کی پیشانی پر لکھ دیا جاتا ہے، صرف خدا کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"وَ كَذٰلِكَ الْخَلَفُ بِعَقْبِ السَّلَفِ، لَا تُقْلِعُ الْمَنِيَّةُ اخْتِرَامًا [۱] وَ لَا يَرْعَوِي [۲] الْبَاقُونَ اجْتِرَامًا" [۳]

"یہ نسل در نسل اپنے پچھلوں کی تلاش میں حرکت کرتے ہیں۔ نہ موت کاٹ چھانٹ سے منہ موڑتی ہے اور نہ باقی رہنے والے گناہ سے باز آتے ہیں۔"

جی ہاں!

---

[۱] اخترام، خرم کے مادّے سے ہے۔ بروزن چرمجو ٹکڑے کرنے کے معنی میں ہے لیکن یہاں پر انسانی عمر کے اختتام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

[۲] یرعوی، رعو کے مادّے سے بروزن سھو ہے۔ جملۂ بالا میں ''لا یرعوی الباقون اخترا ما'' سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے باز نہیں آتے اور اپنی اصلاح نہیں کرتے ہیں۔

[۳] اجترام، ضرم کے مادّے سے ہے یعنی گناہ کرنا۔

https://downloadshiabooks.com/

"يَحْتَذُونَ [1] مِثَالًا، وَيَمْضُونَ أَرْسَالًا [2] إِلَى غَايَةِ الْإِنْتِهَاءِ، وَصَيُّورِ [3] الْفَنَاءِ"

"وہ ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مقامِ فنا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

درحقیقت اس نورانی بیان سے دو نکتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے، پہلا یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ یہ خیال کریں کہ اس عمومی قانون میں استثنا ہے اور وہ اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو جاودانی سمجھتے ہوں، دوسرے یہ کہ اپنے گزشتگان سے درسِ عبرت حاصل کریں، شہیدوں کی آرام گاہوں پر نظر ڈالیں اور اس بے وفا اور رسوا دنیا کا بغور جائزہ لیں۔

این دشت خوابگاه شهیدان است فرصت شمار وقت تماشا را
بشکاف خاک را و ببین آنکه بی مهری زمانهٔ رسوا را
از عمر رفته نیز شماری کن مشمار جدی و عقرب و جوزا را

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اخترام کی تعبیر سے لغت میں تو کاٹنا، جدا کرنا، اور شگاف ڈالنے کے معنی لیے گئے ہیں (اس لیے نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے موتِ اخترامی کو حادثاتی موت سے تعبیر کیا ہے) یہ گویا اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ بہت کم افراد طبعی موت کے ذریعے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے عوامل خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی، روحانی ہوں یا جسمانی، انفرادی حوادث ہوں یا اجتماعی، انسانی عمر کی ڈور کو کاٹ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی اپنی زندگی کی بقاء کی یہاں تک کہ ایک دن یا ایک گھنٹہ کے لیے سو فی صد اُمید نہیں کر سکتا۔ امامؑ فرماتے ہیں:

"لَا يَرْعَوِي الْبَاقُونَ اجْتِرَامًا" [4]

"(لیکن اس کے بوجود) باقی رہ جانے والے لوگ گناہوں سے کیوں باز نہیں آتے۔"

یہ انسان کی غفلت اور لاپروائی، نفسِ امارہ اور شیاطین کے وسوسے ہی ہیں جو انسانی وجود کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور اس کی چشمِ بصیرت پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ جیسے مرغیاں لاپروائی سے دانے کی طرف دیکھتی ہیں مگر تاک میں بیٹھے شکاری کو نہیں دیکھتیں اور اس کے جال میں پھنس جاتی ہیں۔

---

[1] یحتذون، حزو کے مادّے سے ہے بروزن حذف، جس کے معنی ایک جیسا کام انجام دینا ہیں۔ اسی وجہ سے جملۂ بالا میں ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر چلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[2] ارسال، رسل کی جمع ہے حیوان کے ریوڑ کے معنی میں ہے یعنی بغیر غور و فکر کے ایک دوسرے کے پیچھے چلنا۔

[3] صیور، صیر کے مادّے سے ہے، بروزن قیوم، یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا۔

[4] شرح نہج البلاغہ، ابن میثم بحرانی جلد ۲، ص ۲۳۶

https://downloadshiabooks.com/

نکتہ

اس جہاں کی ناپائیداری

قرآن مجید اور روایات میں دنیا کی بے وفائی اور ناپائیداری کے متعلق بہت کچھ بیان ہوا ہے، قرآن نے بہت خوبصورت طریقے سے دنیا کو بارش سے تشبیہ دی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ [1]

بارش آسمان سے برستی ہے جس سے رنگ برنگ کے سبزے اُگتے ہیں مگر تھوڑے دن گزرنے کے بعد مرجھانا شروع ہوجاتے ہیں، رنگ اور آب وتاب جاتی رہتی ہے اور خشک ہوجاتے ہیں اور خزاں کی ہوائیں اُنھیں ہر سُو بکھیر دیتی ہیں۔

نہج البلاغہ کے مذکورہ خطبے میں دنیا کی بے اعتباری سے متعلق بہت کچھ بیان ہوا ہے، غافل ترین افراد کو اس طرح جھنجھوڑ دیا کہ تھوڑی سی مدت کے لیے ہی بیدار ہوجائیں۔ اس قسم کی مثالیں نہج البلاغہ میں بہت ملتی ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امامؑ کا فرمانا ایسے زمانے میں تھا کہ اسلام کی پیش رفت، عظیم فتوحات اور کثیر دولت مملکت اسلامی کے دارالحکومت اور دوسرے علاقوں میں منتقل ہوئی، یہاں تک کہ سلاطین اور شہنشاہوں کے آثار بھی وہاں دیکھے گئے، ان کے اثر سے بہت سے گروہ (دولت کی وجہ سے) دنیا پرستی کی طرف متوجّہ ہوئے۔ جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں بُرے آثار پیدا ہوگئے، امامؑ نے جو ایک بزرگ آسمانی معلّم ہیں، ایک طرف بے مثال تقویٰ اور دوسری طرف بیدار کرنے والے کلمات کے ذریعے اس نظریے (دنیا پرستوں کا نظریہ) کے خلاف قیام کیا۔

شعرا اور ادیبوں نے بھی ہر زمانے میں دنیا کی بے وفائی اور بے اعتباری کے متعلق بہت سارے اشعار کہے اور اپنی یادگار کے طور پر محفوظ کیے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ نہ آیات و روایات اور نہ نظم و نثر ان دنیا پرستوں کی بیداری کا سبب بنے اور وہ مسلسل اپنے انحرافی راستے پر گامزن ہیں۔

جی ہاں، وہ مومنین جو آگاہ ہیں اور علم و ایمان کے نور سے جن کے دل منور ہیں، وہ بہت کچھ عبرتیں حاصل کرتے

---

[1] سورۂ کہف، آیت ۴۵

https://downloadshiabooks.com/

ہیں، اپنے آپ کو نصیحتوں اور ہدایات سے سیراب کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں۔

چوتھا حصّہ

"حَتّٰی إِذَا تَصَرَّمَتِ الْأُمُوْرُ، وَ تَقَضَّتِ الدُّهُوْرُ، وَأَزِفَ النُّشُوْرُ، أَخْرَجَهُمْ مِنْ ضَرَائِحِ الْقُبُوْرِ، وَ أَوْكَارِ الطُّيُوْرِ، وَأَوْجِرَةِ السِّبَاعِ، وَ مَطَارِحِ الْمَهَالِكِ، سِرَاعًا إِلٰى أَمْرِهِ، مُهْطِعِيْنَ إِلٰى مَعَادِهِ، رَعِيْلًا صُمُوْتًا، قِيَامًا صُفُوْفًا، يَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ، وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِيْ، عَلَيْهِمْ لَبُوْسُ الْاِسْتِكَانَةِ، وَضَرَعُ الْاِسْتِسْلَامِ وَالذِّلَّةِ. قَدْ ضَلَّتِ الْحِيَلُ، وَانْقَطَعَ الْأَمَلُ، وَهَوَتِ الْأَفْئِدَةُ كَاظِمَةً، وَ خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ مُهَيْنِمَةً، وَأَلْجَمَ الْعَرَقُ، وَعَظُمَ الشَّفَقُ، وَأُرْعِدَتِ الْأَسْمَاعُ لِزَبْرَةِ الدَّاعِيْ إِلٰى فَصْلِ الْخِطَابِ، وَ مُقَايَضَةِ الْجَزَاءِ، وَنَكَالِ الْعِقَابِ، وَنَوَالِ الثَّوَابِ"

"یہاں تک کہ جب تمام معاملات ختم ہو جائیں گے اور تمام زمانے بیت جائیں گے اور قیامت کا وقت قریب آ جائے گا تو انہیں قبروں کے گوشوں، پرندوں کے گھونسلوں۔ درندوں کے بھٹوں اور ہلاکت کی منزلوں سے نکالا جائے گا۔ اُس کے امر کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اور اپنی وعدہ گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے، گروہ در گروہ، خاموش صف بستہ اور ایستادہ۔ نگاہِ قدرت ان پر حاوی اور داعیِ الٰہی کی آواز ان کے کانوں میں۔ بدن پر بیچارگی کا لباس اور خودسپردگی وذلت کی کمزوری غالب۔ تدبیریں کم۔ امیدیں منقطع، دل مایوس کن خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے۔ اور آوازیں دب کر خاموش ہو جائیں گی۔ پسینہ منہ میں لگام لگا دے گا اور خوفِ عظیم ہوگا۔ کان اُس پکارنے والے کی آواز سے لرز اٹھیں گے جو آخری فیصلہ سنائے گا اور اعمال کا معاوضہ دینے اور آخرت کے عقاب یا ثواب کے حصول کے لیے آواز دے گا۔"

شرح وتفسیر

حشر کا ہولناک میدان

خطبے کا یہ حصہ جو حقیقت میں خطبۂ غرّا ہے، جو زیادہ واضح اور بیدار کرنے والا ہے، امیر المومنینؑ حمد وثنائے پروردگار، تقویٰ کی نصیحت، دنیا کی بے وفائی و بے اعتنائی کی تشریح کرنے کے بعد معاد کی طرف متوجّہ ہوئے، میدانِ محشر

https://downloadshiabooks.com/

اور مخلوقات کے حالات کے بارے میں توجہّ دلائی تا کہ غافل ترین افراد بیدار ہوں اور امامؑ کے تربیتی خطبے کو ہدف بنا کر جوق در جوق ان کے نزدیک ہوں تا کہ معلوم ہو کہ اس روحانی طبیب نے جو دردمندوں کی مکمل دوا ہیں، کس طرح اس سلسلے میں قدم اُٹھایا، پہلے فرماتے ہیں:

"حَتّٰى إِذَا تَصَرَّمَتِ الْأُمُوْرُ، وَ تَقَضَّتِ الدُّهُوْرُ، وَأَزِفَ[۱] النُّشُوْرُ"

"جب دنیا کے معاملات ختم ہو جائیں گے اور دنیا کی عمر تمام ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی۔"

یہ تین جملے زندگی کی ناپائیداری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پہلے جملے میں تمام چیزوں یعنی عمر، قدرت، مال وثروت وغیرہ کے فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے جملے میں مہینوں، سال اور صدیوں کے ختم ہو جانے، اور تیسرے جملے میں اس کا نتیجہ، یعنی قیامت کا نزدیک ہونا اور اس کی علامتوں کا ظاہر ہونا ہے

اس بارے میں کہ دنیا کا اختتام ہولناک انقلاب کے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی بعض آیات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اور یہ کہ برزخ کا مرحلہ کیسے طے ہوگا، اس سلسلے میں امامؑ نے کوئی اشارہ نہیں فرمایا، بلکہ بلا واسطہ انسانوں کے قبروں سے اُٹھنے، جو کہ ایک حساس مرحلہ ہے، سے متعلق فرماتے ہیں:

"أَخْرَجَهُمْ مِنْ ضَرَائِحِ[۲] الْقُبُوْرِ وَ أَوْكَارِ[۳] الطُّيُوْرِ وَ أَوْجِرَةِ[۴] السِّبَاعِ وَ مَطَارِحِ[۵] الْمَهَالِكِ

"اللہ سب کو قبر کے گوشوں، پرندوں کے گھونسلوں، درندوں کے بھٹوں اور ہلاکت گاہوں سے نکالے گا۔"

انسان کبھی اپنوں کے درمیان طبعی موت مرجاتا ہے اور اُسے مٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے، کبھی ممکن ہے کہ کسی بیابان میں عالمِ تنہائی میں اس دنیا سے رخصت ہو جائے اور اس کا بے جان جسم پرندوں کے لیے لقمہ بن جائے، ممکن ہے کبھی ایسا بھی ہو کہ اُسے درندے کھا جائیں اور کبھی ممکن ہے صحرا یا دریا میں اس دارِفانی کو وداع کہے، اس کا جسم گل سڑ جائے، اور مٹی میں مل جائے، یا زلزلہ اور بھونچال وغیرہ سے زمین میں دھنس جائے۔

---

[۱] ازف، ازف کے مادّے سے ہے، بروزن شرف، نزدیک ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۲] ضرائح، ضریح کی جمع ہے، قبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۳] اوکار، جمع ہے وکر کی، بمعنی گھونسلہ۔

[۴] اوجرہ، جمع ہے وجار کی، بمعنی درندوں کے رہنے کی جگہ۔

[۵] مطارح، جمع ہے مطرح کی، بمعنی ایسی جگہ جہاں چیزیں پھینکتے یا ڈالتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

امامؑ فرماتے ہیں، خداوند عالم ہر جگہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور اللہ ہی کے فرمان سے سب اپنی اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اور اپنے حساب و کتاب کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

امامؑ اس ضمن میں ایک خوبصورت نکتہ ارشاد فرماتے ہیں: کوئی بھی نہیں جانتا ہے کہ اُسے موت کیسے آئے گی اور اس کی قبر کہاں ہوگی۔ یہ ایسا سبق آموز اور بیدار کرنے والا نکتہ ہے کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ [۱]

”کوئی نہیں جانتا ہے کہ وہ کل کیا کرے گا اور کس سرزمین میں دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔“

قرآن مجید اسی طرح بہت ساری آیات میں معادِ جسمانی کو صراحت سے بیان کرتا ہے، کیونکہ قبر کے اندر، پرندوں کے گھونسلوں یا درندوں کے بھٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ مٹی اور اُن جسموں کی ہڈیاں ہیں ورنہ یہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد قبر میں نہیں رہتی، اس سلسلے میں ہم نکات کے ذیل میں تشریح کریں گے۔

ممکن ہے یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ بہت ساری قرآنی آیات میں ذکر ہے کہ دنیا کے خاتمے پر زمین مکمل طور پر ویران ہو جائے گی تو ایسی صورت میں قبریں کیسے اپنی حالت پر باقی رہیں گی؟ اس سوال کا جواب بھی نکات کے ذیل میں آئے گا۔

امامؑ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سِرَاعًا إِلَى أَمْرِهِ، مُهْطِعِينَ [۲] إِلَى مَعَادِهِ، رَعِيلًا [۳] صُمُوتًا، قِيَامًا صُفُوفًا، يَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ، وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِيْ“

”وہ سب عدالت گاہِ الٰہی کی طرف بڑھتے ہیں، حالانکہ ان کی گردنیں کھنچی ہوئی ہیں (ان کے اعمال ان کے نگراں ہیں) خاموشی سے اپنی صفوں میں کھڑے ہوں گے، نگاہ قدرت انہیں دیکھ رہی ہوگی اور پکارنے والے کی آواز ان کے کانوں میں آتی ہوگی۔“

یہ مختصر اور جامع جملے میدان حشر میں بندوں کی حالت زار کے مناظر کی وحشت ناک اور دہلا دینے والے انداز میں منظر کشی کر رہے ہیں۔ میدانِ حشر میں انسانوں کی زندگی کے متعلق قرآن مجید میں بھی اس قسم کی تعبیرات کا بیان ہوا ہے

---

[۱] سورۂ لقمان، آیت ۳۴

[۲] مهطعین هطع کے مادّے سے ہے بروزن منع، صف بستہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

[۳] رعیل، کچھ گروہ سوار یا پیدل چلنے والے یا پرندے۔

https://downloadshiabooks.com/

کبھی "سِرَاعاً"① اور کبھی "یَنۡسِلُوۡنَ"② سے تعبیر کیا ہے، یہ بھی صف بستہ چلنے کے معنی ہیں، اور کبھی "کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾"③ کہ جس کے معنٰی تیز تیز چلنا ہیں۔

یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾

میدان محشر میں مختلف گروہوں کا صفوں کی شکل میں حرکت کرنا اس لیے ہے کہ لوگ اپنے اعمال اور رفتار و گفتار کے حساب سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے، ہر کسی کو اُسی جیسے عمل والے کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا، جن لوگوں کا عمل طبعی طور پر ایک جیسا ہو یا یہ کہ یہ وہ گروہ ہوں گے جو ایک ہی قبرستان میں تھے، اس لیے وہ ایک ساتھ چل پڑیں گے۔

قرآن مجید مزید فرماتا ہے:

یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ﴿۱۸﴾

"جس دن صور پھونکا جائے گا تم لوگ فوج در فوج میدان محشر میں حاضر ہو جاؤ گے۔"④

ان کی تیز حرکت اپنے انجام کے بارے میں گھبراہٹ اور وحشت کی علامت ہے اور گردن کھینچے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر لحظہ وہ کسی حادثے کے انتظار میں ہوتے ہیں۔

"یَنۡفُذُهُمُ الۡبَصَرُ..." کے جملے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہو گی لیکن وہ اس طرح صف بستہ ہوں گے کہ وہ سبھی نمایاں ہوں گے اور پکارنے والے کی آواز سب سن پائیں گے۔

اس کے بعد امامؑ نے میدانِ حشر میں مخلوقات کی حالت کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا:

"عَلَیۡهِمۡ لَبُوۡسُ الۡاِسۡتِکَانَةِ، وَضَرَعُ⑤ الۡاِسۡتِسۡلَامِ وَالذِّلَّةِ. قَدۡ ضَلَّتِ الۡحِیَلُ، وَانۡقَطَعَ الۡاَمَلُ، وَهَوَتِ الۡاَفۡئِدَةُ کَاظِمَةً، وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ مُهَیۡنِمَةً⑥ وَاَلۡجَمَ الۡعَرَقُ، وَعَظُمَ الشَّفَقُ⑦"

"(انجام کی فکر، عدالت پروردگار کے فیصلے کے نتیجے کا خوف اور محشر کی ہولناکی اور وحشتنا کی ایسی ہو گی کہ گویا)

---

① سورۂ معارج، آیت ۴۳

② سورۂ یٰس، آیت ۵۱

③ سورۂ معارج، آیت ۴۳

④ سورۂ نباء، آیت ۱۸

⑤ ضرع، بروزن طمع ضعف و خضوع اور ذلّت کے معنٰی میں ہے۔

⑥ مهینمة، مادّہ هینمه سے ہے جس کے معنٰی آہستہ آواز دینے کے ہیں۔

⑦ شفق، دن کی روشنی کو رات کی تاریکی سے ملانا۔

https://downloadshiabooks.com/

انہوں نے ضعف و بے چارگی کا لباس پہنا ہوا ہو، اور عجز و بے کسی کی وجہ سے ذلّت ان پر چھائی ہوئی ہوگی، حیلے اور ترکیبیں غائب اور اُمیدیں منقطع ہو چکی ہوں گی، پسینہ منہ میں پھندا ڈال دے گا، وحشت بڑھ جائے گی۔"

جب واپسی کا راستہ بند ہو جائے گا، درد کی دوا خداوند عالم ہو، تمام چھوٹے بڑے اعمال مقامِ حساب میں ہوں تو ہر کسی کو اُس کے اعمال کی جزا یقیناً دی جائے گی۔ دردناک عذاب گناہوں سے آلودہ اور بدکاروں کے انتظار میں ہوتا ہے۔ ان جیسے حالات کا واقع ہونا عجیب بات نہیں۔

قرآن مجید میں بھی یہی اوصاف دیکھنے میں آئے ہیں۔ امامؑ کا خطبہ بھی حقیقت میں انہی آیات سے ماخوذ ہے، ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝۴۳ (۱)

"محشر کے میدان میں گردنیں کھینچی جائیں گی، سروں کو آسمان کی طرف بلند کیا جائے گا، ان کی طرف ان کی نظر نہیں لوٹتی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝۱۰۸ (۲)

"اُس روز تمام الٰہی دعوت دینے والوں کے لیے انحراف کی گنجائش نہیں ہوگی، عظمت خداوند کریم کے سامنے تمام صدائیں نیچی ہو جائیں گی، صرف اُس کی دھیمی آواز سنی جائے گی۔"

"أَلْجَمَ الْعَرَقُ" کی تعبیر سے گویا اہلِ محشر کو خبردار کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وحشت و اضطراب ہے تو دوسری طرف محشر کی گرمی اور پھر تیسری بات یہ ہے کہ افراد کا ہجوم اور حد سے بڑھ کر تھکاوٹ اور باہم اس طرح ملے ہوں گے کہ ان کا بدن پسینے سے شرابور ہو جائے اور تمام جسم پر پسینہ جاری ہو جائے۔ سر اور چہرے سے بھی پسینہ جاری ہوگا کہ اگر منہ کھولا جائے تو منہ پسینے سے بھر جائے گا، اس وجہ سے امامؑ نے اسے "أَلْجَمَ الْعَرَقُ" منہ میں پسینے کی لگام سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام اس میدانِ محشر کے ہولناک حالات کے متعلق اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۂ ابراہیم، آیت ۴۳

(۲) سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۰۸

https://downloadshiabooks.com/

"وَ أُرْعِدَتِ الْاَسْمَاعُ لِزَبْرَةِ (۱) الدَّاعِیْ إِلٰی فَصْلِ الْخِطَابِ، وَ مُقَایَضَةِ (۲) الْجَزَاءِ، وَ نَکَالِ (۳) الْعِقَابِ وَنَوَالِ (۴) الثَّوَابِ"

"کان اس پکارنے والے کی آواز سے لرز اٹھیں گے جو آخری فیصلہ سنائے گا اور اعمال کا معاوضہ دینے اور آخرت کے عقاب یا ثواب کے حصول کے لیے آواز دے گا۔"

درحقیقت تمام خوف و وحشت کا مقام یہی محشر ہے کہ کوئی بھی اپنے انجام سے بے خبر نہیں اور اپنے آپ کو بہشت و دوزخ اور سزا و جزا کے درمیان دیکھتا ہے، خوف و وحشت اسی مقام سے پیدا ہوتی ہے اور کوئی بھی اپنی بندگی کی کسوٹی سے واقف نہیں اور اپنی بھولی ہوئی لغزشوں اور خطا کاریوں سے باخبر نہیں، حساب کتاب بہت سخت اور حساب لینے والا ہر چیز سے آگاہ ہے، اس حساب سے نہ جائے فرار ہے اور نہ کسی کو ایک دوسرے کا دفاع کرنے پر قدرت ہے۔

نکات

۱۔ معادِ جسمانی کی منظر کشی

اگرچہ معادِ جسمانی یا روحانی سے متعلق فلسفیوں کے درمیان بحث ہے، مگر آیات قرآنی و ہدایات اسلامی میں کوئی ابہام نہیں کہ انسان کی روح اور جسم دوسرے جہاں میں لوٹ جاتے ہیں اور جسمانی و روحانی صورت محشر کے مراحل سے گزریں گے، بہت سی آیات و روایات بھی اس بات پر گواہ ہیں ان میں سے کچھ آیات کی تصریح کرتے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن قبروں سے اُٹھیں گے۔ (۵) معلوم ہوا کہ جو کچھ قبروں میں ہے وہ انسانوں کے اجسام سے باقی ماندہ مٹی ہے اس خطبے میں بھی امامؑ نے مزید صراحت کے ساتھ اس موضوع پر سے پردہ اُٹھایا ہے۔

---

(۱) زبرۃ، گرجدار آواز کے معنیٰ میں آیا ہے۔

(۲) مقایضۃ، قیص کے مادّے سے ہے بروزن قبض، یعنی ایک چیز کے بدلے میں دینا، اس لیے کہ اعمال کی جزا انسان کے عمل کے بدلے میں ہوتی ہے اس لیے اوپر کی تعبیر میں مقایضہ کہا گیا ہے۔

(۳) یعنی مجازات اور صلہ۔

(۴) نوال، نعمت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ گزشتہ بحث میں اس حصّے سے مربوط آیات کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) اس بحث کی مفصل تشریح، پیام قرآن جلد ۵ ص، ۳۰۷، ۳۵۳ پر ملاحظہ کریں۔

https://downloadshiabooks.com/

آپؑ نے فرمایا:

اللہ سب کو قبروں، پرندوں کے گھونسلوں، درندوں کے بھٹوں اور جنگ کے میدانوں سے نکالے گا۔

درحقیقت اگر معاد کو مکمل عادلانہ طور پر چاہیں تو ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ روح اور جسم ایک دوسرے میں تقابلی اثر رکھتے ہیں، اوران کا تکامل بھی ایک دوسرے سے پیوستہ ہے، اگران میں سے ایک نہ ہوتو دوسرا بھی ناقص رہ جاتا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان کی شخصیت اس کی روح سے قائم ہے، ایسی بڑی غلطی ہے کہ جو روح کو مستقل قرار دینے والے وہم سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک وسیع بحث ہے جس کی طرف ہم تھوڑا سا اشارہ کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ آکل و ماکول کا مشہور شبہ

وہ شبہات جو معادِ جسمانی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور صحیح جواب نہ ملنے کی وجہ سے بہت سارے لوگ جسمانی معاد کی نفی کرتے ہیں، ان میں سے مشہور و معروف شبہ، آکل و ماکول کا شبہ ہے۔

کہتے ہیں فرض کریں کہ قحط کے زمانے میں انسان دوسرے انسانوں کا گوشت کھالیں، تو معاد کے وقت اُس جسم کا کیا ہوگا جو کہ دوسرے جسم کا حصہ بن گیا ہے؟ اگر جسمِ اوّل اپنی حالت کی طرف لوٹ جائے تو جسمِ دوّم ناقص رہ جائے گا اور اگر جسمِ اوّل دوسرے جسم کے ساتھ ہم ہی محشور ہ جائے تو جسمِ اوّلی ناقص ہو جائے گا۔

اس شبہے کو اس طرح بھی وضوح کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے کہ عام حالات میں مرنے کے بعد بہت سے انسانوں کے اجسام خاک میں مل جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ خاک پودوں اور درختوں میں جذب ہو جائے اور جانور اُن درختوں اور پودوں کو اپنی خوراک بنالیں اور پھر یہ جانور انسانوں کی خوراک بن کر اُن کے بدن میں جذب جائیں، تو دوبارہ یہ سوال پیش آتا ہے کہ یہ جذب شدہ اجزاء کون سے جسم کے ساتھ محشور ہوں گے؟

اُوپر کے خطبے میں آپؑ نے جو تعبیر فرمائی کہ، پرندوں کے گھونسلوں اور درندوں کے بھٹوں اور جنگ کے میدانوں سے نکالے جائیں گے، اُس سے بھی اس طرح کے سوالات ابھرتے ہیں۔

اس سوال کا جواب اگرچہ بہت طولانی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، آیات و روایات کہتی ہیں کہ وہ آخری انسانی جسم جو خاک میں مل گیا ہے وہ قیامت کے دن واپس پلٹایا جائے گا، اس بنا پر اگر انسانی بدن کے اعضا جو کسی وجہ سے دوسرے جسم کا حصہ بن گئے ہوں، یا اس سے الگ ہو گئے ہوں، وہ قیامت کے دن حکمِ الٰہی سے پہلے جسم سے ملائے جائیں گے اور پھر

---

(۱) پیامِ قرآن، جلد ۵، ص ۳۴۰ سے ص ۳۴۷ تک اس موضوع کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

https://downloadshiabooks.com/

دوسرے جسم کے ناقص ہونے کا مسئلہ بھی پیش نہیں آئے گا، اس لیے کہ نشوونما کے ذریعے ناقص جسم کے خالی حصے بھر جائیں گے۔ جیسا کہ ہم دنیا میں بہت سی چوٹوں اور زخموں میں بھی اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں جب زخم کے اطراف موجود خلیے پھلتے اور پھلتے ہیں اور خالی جگہ کو پُر کردیتے ہیں۔ البتہ روزِ حشر یہ عمل تیزی سے انجام پائے گا۔

آج کل دنیا میں شبیہ اور نقل بنانے (cloning) کا مسئلہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے اور انسانی جسم کے ایک خلیے کی پرورش کرنے سے اُسی جیسا ایک اور زندہ وجود میں آتا ہے۔ اس قسم کے مسائل کا حل بہت آسان ہے اور آکل وماکول کا شبہہ معادِ جسمانی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ [1]

۳۔ مردے قبروں سے کس طرح باہر نکلیں گے؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر زمین اور آسمان قیامت کے دن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائیں گے اور تمام چیزیں ختم ہوجائیں گی تو وہ قبریں کیسے محفوظ رہیں گی جن سے مُردے محشور ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ روزِ قیامت روے زمین پر جو رُونما ہوگا وہ آیات قرآنی کے مطابق ایک اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝١ [2] عظیم زلزلہ ہوگا۔

اس سلسلے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اُس دن مردوں کی قبریں اِس عظیم زلزلے کے ملبے تلے رہ جائیں۔ اسی طرح اگر انسان کا بدن بیابانی درندوں یا پرندوں کا لقمہ بن جائے اور پھر وہ جانور بھی مرنے کے بعد پیوند خاک ہوجائیں اور اُس عظیم زلزلے کے بعد وہ اور اُن کے ٹھکانے ملبے تلے رہ جائیں تو پھر روزِ حشر انسان اُسی میں سے باہر نکل آئے گا۔

باالفاظ دیگر یہ کائنات ویران ہوجائے گی نابود نہیں ہوگی۔ طبعی طور پر انسانوں کے جسم کی مٹی ان ویرانوں میں ذرّات کی شکل میں موجود رہے گی۔

پانچواں حصّہ

"عِبَادٌ مَخْلُوقُونَ اقْتِدَارًا، وَمَرْبُوبُونَ اقْتِسَارًا، وَمَقْبُوضُونَ احْتِضَارًا، وَمُضَمَّنُونَ أَجْدَاثًا، وَكَائِنُونَ رُفَاتًا، وَمَبْعُوثُونَ أَفْرَادًا، وَمَدِينُونَ جَزَاءً، وَمُمَيَّزُونَ حِسَابًا، قَدْ أُمْهِلُوا فِي طَلَبِ الْمَخْرَجِ، وَ

[1] اس کی مفصل شرح پیامِ قرآن کی جلد ۵، ص ۳۴۰ تا ۳۴۴ میں ملاحظہ کریں۔

[2] ''قیامت کا زلزلہ بہت بڑی شے ہے۔'' سورۂ حج، آیت ۱۔

https://downloadshiabooks.com/

هُدُوا سَبِيلَ الْمَنْهَجِ، وَ عُمِّرُوا مَهَلَ الْمُسْتَعْتَبِ، وَ كُشِفَتْ عَنْهُمْ سُدَفُ الرِّيَبِ، وَ خُلُّوا لِمِضْمَارِ الْجِيَادِ وَرَوِيَّةِ الْارْتِيَادِ، وَأَنَاةِ الْمُقْتَبِسِ الْمُرْتَادِ، فِي مُدَّةِ الْأَجَلِ، وَ مُضْطَرَبِ الْمَهَلِ"

"وہ ایسے بندے ہیں جو اُس کے اقتدار کے اظہار کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور اُس کے غلبہ و تسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے۔ نزع کے ہنگام ان کی روحیں قبض کر لی جائیں گی اور انہیں قبروں کے اندر چھپا دیا جائے گا۔ یہ خاک کے اندر مل جائیں گے اور پھر الگ الگ اٹھائے جائیں گے۔ انہیں اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اور حساب کی منزل میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ انہیں دنیا میں عذاب سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کے لیے مہلت دی جا چکی ہے اور انہیں روشن راستے کی ہدایت کی جا چکی ہے۔ انہیں مرضیِ خدا کے حصول کا موقع بھی دیا جا چکا ہے اور ان کی نگاہوں سے شک کے پردے بھی اٹھائے جا چکے ہیں۔ انہیں میدانِ عمل میں آزاد بھی چھوڑا جا چکا ہے تاکہ آخرت کی دوڑ کی تیاری کر لیں اور سوچ سمجھ کر منزل کی تلاش کر لیں اور اتنی مہلت پالیں جتنی فوائد کے حاصل کرنے اور آئندہ منزل کا سامان مہیا کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔"

شرح و تفسیر

ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانے والے ہیں؟

اس خطبے میں امیرالمومنینؑ نے آخرت سے دنیا کی طرف توجّہ دلائی ہے اور اس دنیا میں انسانوں کی حالتِ زار سے متعلق تشریح فرمائی ہے، تاکہ انسان جان لے کہ اُسے کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور کس سمت میں حرکت کرنا ہے؟ قیامت کے دن نجات کے لیے کس حد تک اختیارات دیے گئے ہیں اور ان سہولتوں اور اختیارات سے کس قدر فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے؟

امامؑ کی یہ گفتگو بھی آپؑ کے دوسرے کلاموں کی طرح نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ گفتگو تیرہ جملوں پر مشتمل ہے، پہلے پانچ جملے انسان کی خلقت سے مرنے تک اور پھر مٹی میں تبدیل ہونے سے متعلق ہیں۔ تین جملے انسان کے قیامت کے دن محشور ہونے کے بارے میں ہیں اور پانچ جملے پروردگار کی طرف سے اتمامِ حجت اور وہ قیمتی اوقات جو دنیا میں انسان کے اختیارات میں دیے گئے ہیں، کے بارے میں ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

پہلے حصے میں فرماتے ہیں:

"عِبَادٌ مَخْلُوقُونَ اقْتِدَارًا، وَ مَرْبُوبُونَ اقْتِسَارًا (۱) وَ مَقْبُوضُونَ احْتِضَارًا (۲) وَ مُضَمَّنُونَ أَجْدَاثًا، وَ كَائِنُونَ رُفَاتًا" (۳)

"یہ بندے اُس کے اقتدار کا ثبوت دینے کے لیے وجود میں لائے گئے ہیں، ان کی مرضی کے بغیر ان کی تربیت ہوئی ہے، نزع کے وقت ان کی روحیں قبض کر لی جاتی ہیں، اور قبروں میں رکھ دیے جاتے ہیں، جہاں یہ سڑی ہوئی ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔"

بے شک انسان اپنے افعال میں خود مختار و آزاد ہے مگر پیدائش و موت میں ایسا نہیں ہے۔ کوئی بھی اپنی تاریخ پیدائش کو معین نہیں کر سکتا اور کوئی بھی اپنی مرضی سے اپنی موت کی تاریخ طے نہیں کر سکتا۔ زندگی اور موت ہمارے اختیار سے باہر ہے، جیسا کہ سڑ کر خاک میں تبدیل ہونا ہمارے اختیار میں نہیں۔ بعض نے اس معنی کو "الامر بین الامرین" کا عنوان دیا ہے۔

بہر حال ہم چاہیں یا نہ چاہیں زندگی کا معاملہ مرضی پروردگار اور مقررہ قوانینِ الٰہی سے مربوط ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے غفلت انسان کو پروردگار سے غافل کر دیتی ہے اور اس کی طرف متوجّہ رہنے سے بیداری اور آگہی ملتی ہے۔

دوسرے تین جملوں میں انسانوں کے محشور ہونے کے متعلق گفتگو ہوئی ہے اور یہ بھی انسان کے اختیار سے باہر ہے فرماتے ہیں:

"وَ مَبْعُوثُونَ أَفْرَادًا، وَ مَدِينُونَ جَزَاءً، وَ مُمَيَّزُونَ حِسَابًا"

"انسان اکیلا محشور ہوگا اور اپنے اعمال کا حساب پائے گا اور ہر ایک کا عمل ایک دوسرے سے جدا ہے۔"

بے شک ہر کوئی قبر سے اکیلا نکلے گا، یہ اس بات سے متصادم نہیں ہے کہ محشور ہونے کے بعد اعمال اور اعتقاد کے تناسب کے اعتبار سے لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ گزشتہ بحث میں رعیل یعنی گروہ سے تعبیر کیا گیا تھا اور قرآن نے انہیں افواج سے تعبیر کیا ہے۔ (۴)

"مُمَيَّزُونَ حِسَابًا" کی تعبیر سے ممکن ہے اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى (۵) میں ذکر ہوا ہے۔

---

(۲) اجداث، جدث کی جمع ہے بروزن عبث، قبر کے معنی رکھتا ہے۔

(۳) رفات، رفت بروزن ہفت ہے، معنی ہیں سڑ جانا۔

(۴) سورۂ نباء، آیت ۱۸

(۵) سورۂ فاطر، آیت ۱۸

https://downloadshiabooks.com/

جی ہاں! کسی کو بھی دوسروں کا صلہ نہیں دیا جائے گا اور کسی دوسرے کا حساب نہیں لیا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے اعمال پر راضی ہونے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کی وجہ سے دوسروں کے حساب میں شریک ہوں۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا، آخری پانچ حصوں میں الٰہی مہلتوں اور اتمامِ حجت، کے متعدد پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں:

"قَدْ أُمْهِلُوا فِي طَلَبِ الْمَخْرَجِ"

"انہیں مہلت دی گئی ہے تاکہ وہ اپنی مشکلات اور ذمّے داریوں سے نکلنے کی جستجو کریں۔"

"وَهُدُوا سَبِيلَ الْمَنْهَجِ"

"اور سیدھا راستہ دکھایا جا چکا تھا۔"

"وَعُمِّرُوا مَهَلَ الْمُسْتَعْتَبِ (۱)"

"اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی مہلت دی گئی تھی۔"

"وَكُشِفَتْ عَنْهُمْ سُدَفُ الرِّيَبِ"

"شک وشبہات کی تاریکیاں ان سے روشن دلائل کے ساتھ دور کردی گئی تھیں۔"

"وَخُلُّوا لِمِضْمَارِ الْجِيَادِ (۲) وَرَوِيَّةِ الْإِرْتِيَادِ (۳) وَأَنَاةِ (۴) الْمُقْتَبِسِ الْمُرْتَادِ فِي مُدَّةِ الْأَجَلِ، وَمُضْطَرَبِ (۵) الْمَهَلِ"

"آخرکار اس مدتِ حیات اور آماج گاہِ عمل میں انھیں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ آخرت کی جستجو کریں اور زندگی کو بہترین طریقے سے گزاریں۔"

ان چند جملوں میں اتمامِ حجت کے مختلف طریقوں کی طرف اشارہ ہوا ہے، ایک طرف لوگوں کو رضائے پروردگار کی مہلت دی گئی ہے اور دوسری طرف کتبِ آسمانی انبیا اور اولیا کے ارشادات اور عقل کی ہدایت کے ذریعے نجات کا سامان فراہم کیا ہے اور تیسری طرف سے خطاؤں اور گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے اور خوشنودیِ پروردگار حاصل کرنے کے لیے توانائی اور مہلت دی گئی ہے، چوتھی طرف ظلمت وتاریکی کے پردے (جو شیاطین کے وسوسوں اور شک وشبہات کے پیدا

---

(۱) مستعتب، عتب کے مادّے سے ہے جو رضایت اور خوشنودی کے معنیٰ میں ہے۔

(۲) سدف، سدفہ کی جمع ہے بروزن عرفہ، ظلمت کے معنی میں ہے۔

(۳) جیاد، جواد کی جمع ہے اور قیمتی گھوڑے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

(۴) ارتیاد، دور کے مادّے سے ہے۔ بروزن صوت، کیس چیز کو طلب کرنا۔

(۵) اناة، آرام، وقار اور حلم کے معنیٰ میں ہے۔ کسی جگہ ٹھہر جانے پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

ہونے سے انسان کے دل میں ہیں) پڑے تھے، انہیں نورِ الٰہی کی جلا اور ربّانی ہدایتوں سے دور کردیا گیا اور پانچویں طرف سے نفس کی ریاضت، فکر کو بروئے کار لانے اور نورِ معرفتِ خداوندی کے چراغ سے استفادہ کرنے کی خاطر توفیقات کے دروازے اُن پر وا کر دیئے گئے۔

اس بنا پر جو اپنے مقصد تک نہ پہنچے یا شیاطین کے جال میں پھنس جائیں یا گناہوں کا سیلاب اُنہیں بہالے جائے، ان سب کا ذمّے دار وہ خود ہیں؛ وہ خود کو ملامت کریں کہ سعادت مندی کی راہیں ہموار ہونے کے باوجود اُنھیں نظر انداز کر دیا اور گہرے گڑھے میں جا گرے اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ اس بنا پر قیامت کے دن اُس سے کہا جائے گا:

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ۝۳۷ ①

"کیا ہم نے تمہیں وہ عمریں نہیں دی ہیں جن میں تم خوب سوچ سمجھ سکو اور کیا تمھارے پاس ڈرانے والے (محمدؐ) نہیں آئے۔ پس عذابِ الٰہی چکھ لو، ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔" کیا یہ تعجب کا مقام نہیں؟

نکتہ

دنیا مشق اور آزمائش کا میدان ہے

آج کل کی طرح گزشتہ زمانے میں بھی گھڑسواری کے مقابلے اچھے نہیں سمجھے جاتے تھے۔ سوار کو اپنی کامیابی کے لیے خوامخواہ سخت مشق کرنی پڑتی تھی، تاکہ وہ خود کو اور گھوڑے کو مقابلے کے لیے مکمل طور پر آمادہ کر سکے، جس کی وجہ سے یہ مشق گھوڑوں کی کمزوری کا سبب بنتی تھی۔ مشق کے میدان کو عربی زبان میں مضمار کہا جاتا تھا۔ (جیاد، اچھے اور قیمتی گھوڑوں کے معنیٰ میں ہے)

اسلامی عبارات میں دنیا کو قیامت کے بالمقابل جو کہ حقیقت میں مقابلے کا میدان ہے، کبھی مشق، ریاضت اور تیاری کے میدان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس خطبے میں، ایک مختصر عبارت میں اس مسئلے کی طرف اشارہ ہو چکا ہے اور اس کے متعلق خطبہ ۲۸ میں مزید تشریح کی گئی ہے۔ یہ ایک بہت خوبصورت تشبیہ ہے جو اخروی زندگی کے بالمقابل دنیاوی زندگی کی

---

① سورۂ فاطر، آیت ۳۷

https://downloadshiabooks.com/

حقیقت کو واضح کر سکتا ہے۔

چھٹا حصّہ

"فَيَالَهَا أَمْثَالًا صَائِبَةً، وَ مَوَاعِظَ شَافِيَةً، لَوْ صَادَفَتْ قُلُوبًا زَاكِيَةً، وَأَسْمَاعًا وَاعِيَةً، وَآرَاءً عَازِمَةً، وَ أَلْبَابًا حَازِمَةً! فَاتَّقُوا اللهَ تَقِيَّةَ مَنْ سَمِعَ فَخَشَعَ، وَاقْتَرَفَ فَاعْتَرَفَ، وَ وَجِلَ فَعَمِلَ، وَ حَاذَرَ فَبَادَرَ، وَأَيْقَنَ فَأَحْسَنَ، وَ عُبِّرَ فَاعْتَبَرَ، وَ حُذِّرَ فَحَذِرَ، وَ زُجِرَ فَازْدَجَرَ، وَأَجَابَ فَأَنَابَ، وَ رَاجَعَ فَتَابَ، وَاقْتَدٰى فَاحْتَذٰى، وَ أُرِيَ فَرَاٰى، فَأَسْرَعَ طَالِبًا، وَ نَجَا هَارِبًا، فَأَفَادَ ذَخِيرَةً، وَأَطَابَ سَرِيرَةً، وَ عَمَّرَ مَعَادًا، وَ اسْتَظْهَرَ زَادًا، لِيَوْمِ رَحِيلِهِ، وَ وَجْهِ سَبِيلِهِ، وَ حَالِ حَاجَتِهِ، وَ مَوْطِنِ فَاقَتِهِ، وَ قَدَّمَ أَمَامَهُ لِدَارِ مُقَامِهِ. فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ جِهَةَ مَا خَلَقَكُمْ لَهُ، وَاحْذَرُوا مِنْهُ كُنْهَ مَا حَذَّرَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ، وَاسْتَحِقُّوا مِنْهُ مَا أَعَدَّ لَكُمْ بِالتَّنَجُّزِ لِصِدْقِ مِيعَادِهِ، وَالْحَذَرِ مِنْ هَوْلِ مَعَادِهِ"

"اوہ! یہ کس قدر صحیح مثالیں اور شفا بخش نصیحتیں ہیں، اگر انہیں پاکیزہ دل، سننے والے کان، مضبوط رائیں اور ہوشیار عقلیں نصیب ہو جائیں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو! اُس شخص کی طرح جس نے نصیحتوں کو سنا تو دل میں خوف پیدا ہو گیا اور گناہ کیا تو فوراً اعتراف کر لیا اور خوفِ خدا پیدا ہوا تو عمل شروع کر دیا۔ آخرت سے ڈرا تو عمل کی طرف سبقت کی۔ قیامت کا یقین پیدا کیا تو بہترین اعمال انجام دیے۔ عبرت دلائی گئی تو عبرت حاصل کر لی۔ خوف دلایا گیا تو ڈر گیا۔ روکا گیا تو رک گیا۔ صدائے حق پر لبیک کہی تو اس کی طرف متوجّہ ہو گیا اور مڑ کر آ گیا تو توبہ کر لی۔ بزرگوں کی اقتدا کی تو اُن کے نقشِ قدم پر چلا۔ منظرِ حق دکھایا گیا تو دیکھ لیا۔ طلبِ حق میں تیز رفتاری سے بڑھا اور باطل سے فرار کر کے نجات حاصل کر لی۔ اپنے لیے ذخیرۂ آخرت جمع کر لیا اور اپنے باطن کو پاک کر لیا۔ آخرت کے گھر کو آباد کیا اور زادِ راہ کو جمع کر لیا اُس دن کے لیے جس دن یہاں سے کُوچ کرنا ہے اور آخرت کا راستہ اختیار کرنا ہے اور اعمال کا محتاج ہونا ہے اور محلِ فقر کی طرف جانا ہے اور ہمیشہ کے گھر کے لیے سامان آگے بھیج دیا۔

اے بندگانِ خدا! خدا سے ڈرو، اس جہت کی غرض سے جس کے لیے تم کو پیدا کیا گیا ہے اور اُس کا خوف پیدا کرو اس طرح جس طرح اُس نے تمہیں اپنی عظمت کا خوف دلایا ہے اور اس اجر کا استحقاق پیدا کرو جس کو اس نے تمہارے لیے مہیا کیا ہے اُس کے سچے وعدے کو پورا کرنے اور قیامت کے ہول سے بچنے کے مطالبے کے ساتھ۔"

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

جھنجھوڑنے والی نصیحتیں

امیر المومنینؑ کے کلام کا یہ حصّہ دراصل پہلے حصے کا تتمہ ہے، جس میں انسانی نجات کا سبب بننے والی فکر انگیز نصیحتوں اور روشن مثالوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"فَيَالَهَا أَمْثَالًا صَائِبَةً، وَ مَوَاعِظَ شَافِيَةً، لَوْ صَادَفَتْ قُلُوبًا زَاكِيَةً، وَأَسْمَاعًا وَاعِيَةً، وَآرَاءً عَازِمَةً، وَأَلْبَابًا حَازِمَةً[1]"

"کتنی ہی صحیح مثالیں اور شفا بخش نصیحتیں ہیں، بشرط یہ کہ انھیں پاکیزہ دل، سننے والے کان، مضبوط رائیں اور ہوشیار عقلیں نصیب ہوں۔"

اس جملے سے ممکن ہے ان نصیحتوں اور مثالوں کی طرف اشارہ ہو، جن کا خطبے کے گزشتہ حصّوں میں ذکر ہوا ہے، یا وحیِ الٰہی اور اولیائے الٰہی کے ذریعے پہنچنے والی ان نصیحتوں اور مثالوں کے مجموعے کی طرف اشارہ ہو۔ اس بات پر قرینہ، پہلے حصّے میں مذکورہ تعبیرات ہیں جو خدا کی جانب سے راہِ نجات کی طرف ہدایت، شک وشبہات کے پردوں کے ہٹائے جانے، صالح انسانوں کی پرورش کے لیے کافی مہلت دینے اور خطاکاروں پر اتمامِ حجت سے متعلق تھیں۔

بہر حال اس نکتے کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی سننے والا، بیدار دل رکھنے والا ہو تو ہدایت کی نصیحتیں بقدرِ کافی ہیں، دوسرے الفاظ میں فاعل کی فاعلیّت میں کوئی نقص نہیں ہے، نقص اگر ہے تو فاعل کی استعداد ولیاقت میں ہے۔

امثال کے ساتھ "صَائِبَة" کی تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مثالیں حقیقت کے عین مطابق ہیں اور "وَأَسْمَاعاً وَاعِيَةً" کی تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بات سننے کے بعد اس پر غور کرے اور اپنے اعمال پر نظر ثانی کرے، نہ کہ کچھ افراد کی مانند مشہور کہاوت "ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے باہر نکالنا" کے مطابق بے توجّہی برتے۔

---

[1] حازم، حزم کے مادّے سے ہے بروزن مغز وفکر کی گہرائی میں جانا، دور اندیش افراد کو حازم کہتے ہیں۔ حزام بروزن کتاب، یعنی کمر باندھنا جو اصل معنیٰ سے کچھ نسبت رکھتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

آرَاءٌ عَازِمَةٌ اور أَلْبَابًا حَازِمَةً میں ظاہراً اس وجہ سے فرق ہے کہ "آرَاءٌ عَازِمَةٌ" سے عزمِ مصمّم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مصمم ارادے کے بغیر انسان کبھی بھی اولیاء اللہ کے وعظ و نصیحت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا، گرچہ اُن کی تصدیق کرے اور قبول بھی کرے لیکن ارادے کی کمزوری کے باعث عزمِ مصمم پر قادر نہ ہو۔

"أَلْبَابِ حَازِمَة" سے گہری سوچ و فکر کی طرف اشارہ ہے یعنی انسان کام کے نتیجے اور عواقب سے اچھی طرح واقف ہو اور دور اندیشی کے ساتھ ہر مسئلے پر تحقیق کرے۔

جی ہاں! جو بھی قوتِ فکر، عزمِ مصمم سننے والے کان اور پاکیزہ دل رکھتا ہو وہ ان مثالوں اور وعظ و نصیحت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

اس کے بعد امامؑ نے تقویٰ کا حکم دیا اور بارہ مختصر و جامع جملوں میں تقویٰ کے مختلف جلووں کو بیان فرمایا ہے۔

حقیقت میں اُس گمشدہ گوہر کے متعلق بیاں ہے کہ قربِ خداوندی کی راہ کے بہت سے سالک، جس کی جستجو میں ہیں۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"فَاتَّقُوا اللهَ تَقِيَّةَ مَنْ سَمِعَ فَخَشَعَ"

"تقویٰ الٰہی اختیار کرو، ایسے شخص کا تقویٰ کہ جو (خدا کے اومر و نواہی کو) سنے تو فوراً سرِ تسلیم کم کرے۔"

"وَاقْتَرَفَ (۱) فَاعْتَرَفَ"

اور جب اُس سے گناہ سرزد ہو تو اُس کا اعتراف کرے (اور توبہ کرے)۔

"وَوَجِلَ فَعَمِلَ"

"جب دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے تو واجبات پر عمل کرے۔"

"وَحَاذَرَ فَبَادَرَ"

جب ڈر جائے تو حق کی اطاعت کی جانب سبقت کرے۔

"وَأَيْقَنَ فَأَحْسَنَ"

اور جب موت اور اللہ سے ملاقات پر یقین ہو جائے تو نیک کام انجام دینا شروع کر دے۔"

"وَعُبِّرَ فَاعْتَبَرَ"

---

(۱) اقترف، قرف کے مادّے سے ہے، بروزن حرف یعنی کسی چیز کو حاصل کرنا، اقتراف گناہ انجام دینے کے سلسلے میں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"اور جب درسِ عبرت دیا جائے تو عبرت پکڑے۔"

"وَ حُذِّرَ فَحَذِرَ"

"اور جب بُرے کاموں سے روکا جائے تو رک جائے۔"

"وَزُجِرَ فَازْدَجَرَ"

"اور اگر خدا کی نافرمانی کرنے سے روکا جائے تو باز آجائے۔"

"وَ أَجَابَ فَأَنَابَ"

"اور اگر (دعوتِ حق کو) زبانی قبول کرے تو عملی اقدام کرے۔"

"وَرَاجَعَ فَتَابَ"

"اور جب پلٹ آئے تو توبہ کرے۔"

"وَاقْتَدٰى فَاحْتَذٰى [1]"

"اور جب (دین کے رہبروں کی) پیروی کرے تو اُن کے نقشِ قدم پر چلے۔"

"وَ أُرِيَ فَرَاٰى"

"جب اُسے حقائق سے رُوشناس کرایا جائے تو (آنکھوں کو کھولے اور) دیکھے۔"

ان بارہ مختصر اور جامع جملوں میں تقویٰ کے جلووں کی بخوبی نشاندہی کی گئی ہے، تقویٰ صرف دعویٰ کرنا اور ناپاکی سے پرہیز کرنا نہیں، تقوی حق کے منادیوں کی روح پرور گفتگو پر کان دھرنے سے شروع ہوتا ہے اور دل وجان اس کے سامنے سراپا تسلیم بن جاتے ہیں ہے۔ سب سے پہلے توبہ کا مقام ہے اور انسان حق تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے؛ پھر خوفِ الٰہی اُسے عمل کی طرف متوجّہ کرتا ہے اور انسان تیزی کے ساتھ اس راستے پر گامزن ہو جاتا ہے اور یقین کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے آثار اس کے عمل میں ظاہر ہوتے ہیں، تاریخی واقعات اور جو کچھ بھی اُسے اپنی آنکھوں سے نظر آتا ہے اُس سے عبرت حاصل کرتا ہے، تنبیہہ سے سبق سیکھتا ہے اور اوامر ونواہی کو سنتا ہے اور حق کی دعوت کو قبول کرتا ہے، اگر کہیں کوئی لغزش سرزد ہو تو فوراً توبہ کرتا ہے، اور رہبرانِ الٰہی کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور دکھائے گئے حقائق کو رخ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ب اچھی طرح دیکھتا ہے۔

ان خوبصورت اوصاف کو تسلسل دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

[1] احتذی، حزو کے مادّے سے ہے بروزن حذف، اس خطبے کے مطابق پیروی کرنا اور الٰہی نصیحتوں کے مطابق حرکت کرنا۔

https://downloadshiabooks.com/

"فَأَسْرَعَ طَالِبًا وَ نَجَا هَارِبًا"

"حق کی طلب کے لیے تیزی کے ساتھ حرکت کی اور نافرمانیوں سے فرار کر کے نجات کو پالیا۔"

"فَأَفَادَ ذَخِيرَةً، وَأَطَابَ سَرِيرَةً، وَ عَمَّرَ مَعَادًا، وَ اسْتَظْهَرَ[1] زَادًا، لِيَوْمِ رَحِيلِهِ، وَ وَجْهِ سَبِيلِهِ، وَ حَالِ حَاجَتِهِ، وَ مَوْطِنِ فَاقَتِهِ، وَ قَدَّمَ أَمَامَهُ لِدَارِ مُقَامِهِ"

نتیجے میں ایسے ذخیرے تک پہنچا؛ اپنے باطن کو پاک کیا، آخرت کو آباد کیا۔ اپنی منزلِ مقصود اور فقر و محتاجی کے دن کے لیے پہلے ہی سے توشہ اور زادِ راہ آمادہ کر لیا۔

حقیقت میں یہ تقویٰ کے دوسرے جلوے ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی طرف تیزی کے ساتھ متوجّہ کرتے ہیں اور اُس کے اندر گناہوں سے بچنے کا جذبہ زندہ کرتے ہیں اور ابدی منزل اور کسمپرسی و حاجت کے دن کے لیے زادِ راہ و توشہ حصول پر اُبھارتے ہیں۔

گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے آپؑ نے تقویٰ کی طرف ایک بار پھر دعوت دی اور ایک روشن نتیجہ گیری فرمائی ہے:

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ جِهَةَ مَا خَلَقَكُمْ لَهُ"[2]

"اے بندگانِ خدا! خدا سے ڈرو، اس مقصد کے سلسلے میں جس کے لیے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔"

یقیناً انسان کی خلقت کا کوئی خاص مقصد ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾[3]

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔"

یقیناً تقویٰ کے بغیر وہ اپنی خلقت کی غرض کو نہیں پاسکتا، ہدف یہ تھا کہ انسان خدا کی بندگی کی راہ پر گامزن ہو، قربِ الٰہی حاصل کرے اور ہر دن رحمت اُس کے شامل حال ہو اور کمال کے مراحل طے کرے۔ ظاہر ہے اس راستے کو طے کرنا صرف تقویٰ و معرفتِ الٰہی کی بدولت ممکن ہے۔

آپؑ مزید وضاحت فرماتے ہیں:

"وَاحْذَرُوا مِنْهُ كُنْهَ[4] مَا حَذَّرَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ"

---

[1] استظهر، ظهر سے ہے، بروزن دھر۔ پشت پر بار اُٹھانے کے معنیٰ میں ہے استظهر زادا یعنی زادِ راہ کو اپنی پشت پر بار کرنا۔

[2] جهة ما خلقكم له، کا جملہ ظرف ہے یا مفعول بہ فعل مصدر کے لیے، یا مفعول لاجلہ ہے، مختلف احتمالات ہیں، شاید احتمال اوّل سب سے بہتر ہو۔

[3] سورۂ قیامت، آیت ۳۶

[4] کنہ، کسی چیز کی حقیقت یا باطن کو کہتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

"خدا کی نافرمانی سے باز آجاؤ جیسا کہ تمہیں خبردار کیا گیا ہے۔"

کُنْہ کی تعبیر سے اس خوبصورت حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ الٰہی تنبیہہ کے مقابلے میں صرف ظاہر پر اکتفا نہ کرو، ظاہر کو حقیقت پر مقدم نہ کرو، بلکہ ان تنبیہات کی گہرائی کو سمجھو اور خدا کی خوشنودی حاصل کرو۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے اس خطبے کے آخر میں تقویٰ کے آثار کو بیان فرمایا:

"وَاسْتَحِقُّوا مِنْهُ مَا أَعَدَّ لَكُمْ بِالتَّنَجُّزِ [1] لِصِدْقِ مِيعَادِهِ، وَالْحَذَرِ مِنْ هَوْلِ مَعَادِهِ"

"قیامت کی ہولناکیوں کی وحشت سے بچاتے ہوئے خداوندمتعال کے حتمی اور سچے وعدوں کا جو اس نے تمہارے ساتھ کیے ہیں، اپنے آپ کو ان کا مستحق بناؤ۔"

اس مقام پر حضرت امام علی علیہ السلام کی تعبیرات اُن آیات، جیسے سورۂ مائدہ کی نویں آیت، کی جانب اشارہ ہے، جس میں اللہ فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ [2]

"خدا نے ایمان لانے والوں اور عملِ صالح انجام دینے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"

اور سورۂ آل عمران میں اللہ فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ [3]

"وہ لوگ جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا، اُن کے لیے پروردگار کے پاس بہشت ہے جس میں نہریں بہتی ہیں۔"

اور سورۂ توبہ میں آیا ہے:

"وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" [4]

"خداوند عالم نے کافر اور منافق مردوں اور عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

---

[1] تنجز، مادّۂ نجز سے ہے، بروزن عجز اس مقام پر وعدے کی وفائی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۹

[3] سورۂ آل عمران، آیت ۱۵

[4] سورۂ توبہ، آیت ٦٨

https://downloadshiabooks.com/

نکتہ

تقویٰ کی جڑیں اور شاخیں

تقویٰ یعنی انسان کا سب سے بڑا فخر، قربِ خداوندی کا بہترین وسیلہ، انسانی کرامت کا معیار اور راہِ خدا پر چلنے والوں کا زادِراہ، کی ایسی جڑیں، شاخیں اور میوے ہیں کہ جن کی طرف اس عظیم خطبے کے مذکورہ بالا حصے میں اشارہ ہو چکا ہے۔

تقویٰ کا سرچشمہ وہ سننے والے کان، آگہی رکھنے والا دل، مستحکم ارادے اور وہ نورانی افکار ہیں جو انسان کو تقویٰ کے راستے پر گامزن ہونے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ اس تناور درخت کی شاخیں اور میوے خدا کی بارگاہ میں گناہوں کا اعتراف اور ان سے توبہ کرنا، نیکیاں کمانا، عبرت پکڑنا اور الٰہی نمائندوں کی پیروی کرنا ہیں۔ جب تقویٰ کے بیج دل کی تیار زمین میں بوئے جائیں اور محافظت اور محاسبے کے پانی سے اس کی آبیاری کی جائے تو خوف، خشیت، خشوع وخضوع، توبہ اور خدا کی جانب واپس پلٹنے کی شکل میں تقویٰ کے میوے ظاہر ہو جائیں گے۔

ساتواں حصّہ

"جَعَلَ لَكُمْ أَسْمَاعًا لِتَعِيَ مَا عَنَاهَا، وَ أَبْصَارًا لِتَجْلُوَ عَنْ عَشَاهَا، وَأَشْلَاءً جَامِعَةً لِأَعْضَائِهَا، مُلَائِمَةً لِأَحْنَائِهَا، فِي تَرْكِيبِ صُوَرِهَا، وَ مُدَدِ عُمُرِهَا، بِأَبْدَانٍ قَائِمَةٍ بِأَرْفَاقِهَا، وَ قُلُوبٍ رَائِدَةٍ لِأَرْزَاقِهَا، فِي مُجَلِّلَاتِ نِعَمِهِ، وَ مُوجِبَاتِ مِنَنِهِ، وَ حَوَاجِزِ عَافِيَتِهِ. وَ قَدَّرَ لَكُمْ أَعْمَارًا سَتَرَهَا عَنْكُمْ، وَ خَلَّفَ لَكُمْ عِبَرًا مِنْ آثَارِ الْمَاضِينَ قَبْلَكُمْ، مِنْ مُسْتَمْتَعِ خَلَاقِهِمْ، وَ مُسْتَفْسَحِ خَنَاقِهِمْ. أَرْهَقَتْهُمُ الْمَنَايَا دُونَ الْآمَالِ، وَ شَذَّبِهِمْ عَنْهَا تَخَرُّمُ الْآجَالِ. لَمْ يَمْهَدُوا فِي سَلَامَةِ الْأَبْدَانِ، وَلَمْ يَعْتَبِرُوا فِي أُنُفِ الْأَوَانِ"

"اُس نے تمہیں کان عنایت کیے ہیں تا کہ ضروری باتوں کو سنیں اور آنکھیں دی ہیں تا کہ بے بصری میں روشنی عطا کریں اور جسم کے وہ حصے دیے جو مختلف اعضا کو سمیٹنے والے ہیں اور ان کے پیچ وخم کے لیے مناسب ہیں۔ صورتوں کی ترکیب اور عمروں کی مدّت کے اعتبار سے ایسے بدنوں کے ساتھ جو اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے والے ہیں اور ایسے دلوں کے ساتھ جو اپنے رزق کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اُس کی عظیم ترین نعمتوں، احسان مند بنانے والی بخششوں اور سلامتی کے حصاروں کے

https://downloadshiabooks.com/

درمیان۔ اُس نے تمہارے لیے وہ عمریں قرار دی ہیں جن کو تم سے مخفی رکھا ہے اور تمہارے لیے ماضی میں گر جانے والوں کے آثار میں عبرتیں فراہم کر دی ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے حظ و نصیب سے لطف و اندوز ہو رہے تھے اور ہر بندھن سے آزاد تھے لیکن موت نے انہیں امیدوں کی تکمیل سے پہلے ہی گرفتار کر لیا اور اجل کی ہلاکت سامانیوں نے انہیں حصولِ مقصد سے الگ کر دیا۔ انہوں نے بدن کی سلامتی کے وقت کوئی تیاری نہیں کی تھی اور ابتدائی اوقات میں کوئی عبرت حاصل نہیں کی تھی۔"

شرح و تفسیر

ہم سب اللہ کے احسان مند ہیں

امیر المومنینؑ خطبے کے اس حصے میں اللہ کی بعض اہم نعمتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، ایسی نعمتیں جو انسان کو اللہ کا شکر ادا کرنے اور اللہ کی معرفت و پرہیز گاری کا احساس دلاتی ہیں، آپؑ نے فرمایا:

"جَعَلَ لَكُمْ أَسْمَاعًا لِتَعِيَ مَا عَنَاهَا (۱) وَأَبْصَارًا لِتَجْلُوَ (۲) عَنْ عَشَاهَا (۳) وَأَشْلَاءً (۴) جَامِعَةً لِأَعْضَائِهَا، مُلَائِمَةً لِأَحْنَائِهَا (۵) فِي تَرْكِيبِ صُوَرِهَا، وَمُدَدِ عُمُرِهَا"

"اللہ نے تمہیں کان دیے جن کے ذریعے اہم باتوں کو سنو اور انھیں اپنے ذہنوں میں محفوظ کرو، آنکھیں دیں تا کہ ظلمت کی تاریکیوں کو دور کر کے حقیقتوں کو دیکھ لو، جس کے مختلف حصے ہیں، جن میں ہر ایک میں بہت سارے اعضا ہیں۔ اپنی صورتوں کی ترکیب اور عمر کی مدتوں کے تناسب کے ساتھ ساتھ اپنی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں۔"

درحقیقت حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے اس حصے میں اعضائے بدن کے ہر حصے کو بڑی نعمت قرار دیا ہے

---

(۱) عنا، عنایت کے مادّے سے ہے، بمعنیٰ توجّہ واہتمام اور عناھا میں ضمیر ممکن ہے خدا کی طرف ہو کہ جس کا اشارہ اہدافِ الٰہی ہیں جو کانوں کے ذریعے انسان تک پہنچتے ہیں یا ضمیر انسان کی طرف پلٹی ہے یعنی وہ اہداف جنہیں انسان قوتِ سماعت کے ذریعے حاصل کرتا ہے یا دعا کی طرف پلٹی ہے یعنی وہ مطالب جن کا سننا اہم ہے۔

(۲) تجلو، واضح اور آشکار ہونے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

(۳) عشا، عشو یا عشی، کے مادّے سے ہے، آنکھوں کی کمزوری کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

(۴) اشلاء، شِل کی جمع ہے بروزن شکل، جسم وعضو کے معنیٰ میں آیا ہے چونکہ بعد میں جامعة الاعضائها آیا ہے، کبھی اس کے معنی گوشت کا ٹکڑا بتایا گیا ہے، یہ بھی حقیقت میں انھیں اعضا کے معنیٰ دیتا ہے۔ (جسم کے اعضا)۔

(۵) احناء، حنو کی جمع ہے، حلم کے وزن پر ہے اور اس کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جس میں کجی اور خمیدگی پائی جاتی ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

اور کان، آنکھیں جو انسان کے دنیاوی رابطے کا وسیلہ اور اچھی معلومات حاصل کرنے کے ذرائع ہیں، کا تذکرہ فرمایا اور دوسری طرف اعضائے بدن کے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بدن میں موجود گوشت کا ذکر کیا جس کی تمام اعضائے بدن سے ہم آہنگی ہے اور یقیناً مختلف شکلوں کی ہڈیوں سے مطابقت اور وابستگی ہے۔

اعضائے بدن کی ہم آہنگی کا مسئلہ خالقِ کائنات کی حکمت کا ایک خوبصورت نمونہ اور اہم الٰہی نعمت ہے، حالانکہ ظاہراً بہت سارے اعضا بطور مستقل ہیں لیکن جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اعضائے بدن میں ہم آہنگی خود بخود وجود میں آتی ہے کہ انسان تعجب کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو انسان مجبور ہوتا ہے کہ حادثے کی جگہ سے جلدی سے دُور بھاگے تو ایسے میں ایک ہی لحظے میں جسم کے تمام اعضا کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں، سانس پھولنے لگتا ہے یہاں تک کہ کافی مقدار میں آکسیجن اور خون رگوں اور پٹھوں میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے، بدن میں چستی آ جاتی ہے، سماعت اور بینائی تیز ہو جاتی ہے، اگر بھوک اور پیاس رکاوٹ ہو تو اچانک اُسے بھول جاتا ہے تاکہ حادثے کی جگہ سے جلدی دور ہو سکے۔ اس طرح کی ہم آہنگی انسان کی اپنی توجّہ اور اختیار سے نہیں ہوتی ہے بلکہ دماغ کی طرف سے تمام اعضا کو حکم ملتا ہے۔ اس قسم کی ہم آہنگی عجیب ہے جو کہ قدرت وعظمتِ پروردگار کی علامت ہے اور اُس کی طرف سے ہمارے لیے عظیم نعمت ہے جس کے بارے میں اوپر کے جملوں میں اشارہ ہو چکا ہے۔

یہ ہم آہنگی نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ اعضا کے باطنی حصوں میں بھی اور حتیٰ کہ عمر کی ایک حد تک بھی وجود رکھتی ہے۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے اس کی طرف خصوصی اشارہ فرمایا ہے۔

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

"بِأَبْدَانٍ قَائِمَةٍ بِأَرْفَاقِهَا (۱) وَ قُلُوبٍ رَائِدَةٍ (۲) لِأَرْزَاقِهَا، فِي مُجَلِّلَاتِ (۳) نِعَمِهِ، وَ مُوجِبَاتِ مِنَنِهِ، وَ حَوَاجِزِ (۴) عَافِيَتِهِ"

"جسم کی ضروریات کے ساتھ ساتھ بڑی الٰہی نعمتیں بھی فراواں ہیں اور ایسے دلوں کے ساتھ جو اپنی غذائے روحانی

---

(۱) ارفاق، رفیق کی جمع ہے بروزن فکر ہر وہ چیز جس کے ذریعے انسان اپنے ہدف کو حاصل کرتا ہے، خطبے میں یہی مراد لی گئی ہے۔

(۲) رائدہ، رود کے مادّے سے ہے، بروزنِ شوق، دراصل پانی کی تلاش میں نکلنے کو کہتے ہیں، بعد میں یہ ہر طرح کی جستجو اور تلاش کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور ہدایت کرنے والے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔

(۳) مجلّلات، جلال کے مادّے سے ہے، عام وخاص کو شامل کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ مجلّلات النعم، ہر خاص و عام کے فائدہ اُٹھانے والی نعمتیں۔

(۴) حواجز، جمع ہے حاجز کی۔ اس کے معنی ہیں وہ چیز جو کسی کام میں رکاوٹ اور مانع ہو جائے۔ اور حواجز عافیته، خدا کی طرف سے دی گئی سلامتی کے لیے رکاوٹ کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کی تلاش میں رہتے ہیں (یقیناً اس کے لیے دستور بناتے ہیں) تاکہ نعماتِ الٰہی اور گوناگوں وسائل سے فائدہ اُٹھائیں اور جو عافیت وسلامتی کے لیے رکاوٹ چیزیں ہیں، ان سے پرہیز کرتے ہیں۔"

امامؑ کے کلام کا یہ حصہ بدن کے اعضا میں ہم آہنگی سے متعلق گزشتہ جملوں کا بقیہ حصہ ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

"نہ صرف اعضائے بدن ہم آہنگ ہیں بلکہ روح اور فکر بھی منفعت حاصل کرنے اور مفاسد کو دور کرنے کے سلسلے میں تمام معاملات میں لازم وملزوم ہیں۔ اس طرح کی روحانی وجسمانی ہم آہنگی تمام وجود انسان میں موجود ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ جس انداز میں زمانہ گزرتا جاتا ہے، علم ترقی کرتا ہے، تازہ اور نئی ایجادات منظرِ عام پر آتی ہیں، یقیناً یہ بھی ایک عظیم الٰہی عطا اور عظمتِ پروردگار کی بڑی نشانی ہے۔"

"مجلّلات نعمہ" یہاں صفت، موصوف کی طرف اضافہ ہوا ہے۔ "نعمة المجللة" کا معنی نعمتوں کی فراوانی ہے، جن سے تمام انسان، دوست ودشمن، کافر ومومن سب ہی استفادہ کرتے ہیں۔

"حَوَاجِزَ عَافِيَتِهِ" اس کا معنی خدا داد تندرستی کے موانع اور رکاوٹیں ہے۔ یہاں ایک جملہ "مَا يَمْنَعُ حَوَاجِزَ عَافِيَتِهِ" تفسیر میں ہے، اسے نظر میں رکھا جائے تو جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند متعال نے انسان کو تندرستی کے موانع اور رکاوٹوں کو دور کرنے کے طریقے سکھائے ہیں۔

پھر امامؑ نے انسان کے لیے دو بڑی نعمتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جن کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے، اس پر مزید فرماتے ہیں:

"وَ قَدَّرَ لَكُمْ أَعْمَارًا سَتَرَهَا عَنْكُمْ، وَ خَلَّفَ لَكُمْ عِبَرًا مِنَ آثَارِ الْمَاضِيْنَ قَبْلَكُمْ، مِنْ مُسْتَمْتَعِ خَلَاقِهِم (۱) وَ مُسْتَفْسَحِ خَنَاقِهِمْ (۲) أَرْهَقَتْهُمُ (۳) الْمَنَايَا دُوْنَ الْآمَالِ، وَ شَذَّ بِهِمْ (۴)

(۱) خلاق، خلق کے مادّے سے ہے جو اندازے کو معین کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی بنا پر نصیب اور حصے کو بھی خلاق کہتے ہیں۔ خطبے میں "مستمتع خلاقھم" سے دنیاوی لذتیں مراد ہیں۔

(۲) خناق، خنق کے مادّے سے ہے بروزن خشم۔ خناق، بروزن کتاب اُس رسّی کے معنی میں ہے جس سے گلا گھونٹا جائے۔ جملہ بالا میں "مستفسح خناقھم" سے مراد وہ نعمتیں ہیں جن سے انسان موت کے گلوگیر ہونے سے پہلے مستفیض ہوتا ہے۔

(۳) ارھق، ارھاق کے مادّے سے ہے، کسی چیز کو جلدی سے اُٹھانا۔ اصل رھق، بروزن شفق ہے، ظلم کے معنی میں آیا ہے۔

(۴) شذبھم، یہ ایک کلمہ یا دو کلمہ ہے جس کے متعلق مفسرین نہج البلاغہ میں بحث ہے، جو لوگ ایک کلمہ سمجھتے ہیں وہ شذب کو مادّہ تشذیب سے لیتے ہیں جس کے معنیٰ کاٹنا اور درخت کی شاخوں کی اصلاح کرنا ہے، جو کہ خطبے کے متن کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ جنھوں نے دو کلمہ کا مرکّب جانا ہے یعنی شذ+بھم جو مادّہ شذوذ سے ہے اور اس کا معنیٰ جدا ہونا، منفرد ہونا، اور کمیابی ہے۔ یہ احتمال بھی خطبے کے متن سے مناسبت رکھتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

عَنۡهَا تَخَرُّمُ [1] الۡآجَالِ. لَمۡ یَمۡهَدُوا فِيۡ سَلَامَةِ الۡاَبۡدَانِ، وَلَمۡ یَعۡتَبِرُوا فِيۡ أُنُفِ [2] الۡاَوَانِ"

"خداوند عالم نے تمھاری عمریں مقرر کی ہیں جن کی مقدار تم سے مخفی رکھی ہے اور گزشتہ لوگوں کے حالات و واقعات سے تمہارے لیے عبرت لینے کے مواقع کو باقی چھوڑا ہے (جو تمھاری بیداری اور ہوشیاری کے سامان ہیں) ایسے لوگ جو اپنے نصیب سے لذّت اٹھاتے اور کھلے بندوں آزاد پھرتے تھے، کس طرح امیدوں کے برآنے سے پہلے موت نے گھیر لیا اور ان کے اور امیدوں کے درمیان جدائی کی، تندرستی کے دوران انھوں نے اپنا سامان تیار نہیں کیا، آغازِ جوانی میں عبرت حاصل نہیں کی۔"

پہلی نعمت: یہ عمر کی نعمت ہے جو یقیناً تمام سعادت مندیوں اور خوش بختیوں کا مجموعہ ہے، اگر امیرالمومنینؑ لیلۃ المبیت میں بستر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوئے ہیں تو اس ایثار کی بنا پر اپنے لیے ایک بڑی فضیلت کے مستحق قرار پائے، عمر کی صرف ایک رات سے استفادہ تھا، اگر روزِ خندق عمرو ابن عبدود کے جسم پر وار جنّ و انس کی عبادت سے افضل ہے تو صرف یہ عمر کا ایک لمحہ تھا، اگر کربلا کے شہید تاریخ بشریت میں سب سے بڑی بہادری کا ثبوت دیتے ہیں اور تمام قوموں کے لیے ایک نمونہ اور درس دیتے ہیں تو وہ صرف آدھے دن کا معاملہ تھا۔

جی ہاں! عمر کی اکسیر اس قدر قیمتی ہے کہ کوئی نعمت اس سے بڑھ کر نہیں، لیکن خداوند عالم نے اپنے لطف و حکمت سے ہر ایک کے لیے اس کی عمر کی حد کو چھپا کے رکھا ہے، کیونکہ بقول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اگر انسان کو اپنی عمر کی مقدار کے بارے میں علم ہو اور جان لے کہ اس کی عمر مختصر ہے، تو وہ موت کی انتظار ہی میں رہے گا اور کسی بھی دن وہ خوشگوار زندگی بسر نہ کر سکے گا، اُس شخص کی طرح جس کا تمام مال ختم ہو جائے اور وہ بقیہ تمام عمر کو فقر و فاقہ کی زندگی محسوس کرے، اگر اپنی عمر کے لمبی ہونے کے بارے میں علم ہو تو وہ غرور و تکبر اور قسم قسم کے گناہوں کی لذّت اُٹھانے میں غرق ہو جائے گا اور ان ہی خیالوں میں تمام لذّتوں سے فائدہ اُٹھائے گا اور آخر عمر میں توبہ کرے گا۔ [3] اس بنا پر عمر کے ایام اور لمحات بھی نعمت ہیں اور عمر کی مقدار کا معلوم نہ ہونا بھی نعمت ہے۔

دوسری نعمت یعنی وہ عبرت کے اسباق ہیں جو تاریخ کے صفحات پر بزرگوں کی یادگاریں، عمارتیں، محلات اور گزشتہ لوگوں کی قبروں کی صورت میں باقی ہیں۔ یہ بھی عظیم نعمتِ الٰہی ہے، کیوں کہ ان آثار پر غور کرنے اور تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انھوں نے تجربات میں زندگی گزاری ہے اور عمرِ جاودانی پائی ہے۔ پیدائش کے دنوں

---

[1] تخرّم، خرّم کے مادّے سے ہے جس کا معنی پارہ کرنا ہے۔

[2] انف، ہر چیز کے شروع کو کہتے ہیں اس لیے وہ جگہ جہاں حیوانات نہ چرے ہوں، اُسے انف کہتے ہیں۔

[3] بحار الانوار، ج ۳، ص ۸۳

https://downloadshiabooks.com/

سے ہی اقوام کے ساتھ زندگی گزاری اور زندگی کے تلخ وشیریں لمحات کا مزہ چکھا ہے۔ گزشتہ لوگوں کی تاریخ اور ان کے آثار عبرت کا ایک اہم آئینہ ہے۔ انسان اپنا مستقبل اس آئینے میں دیکھ سکتا ہے۔ شکست کے اسباب، کامیابی و کامرانی کے عوامل، خوش بختی و بدبختی کے اسباب، کامیابی و ناکامی کے دلائل کو تاریخ کے آئینے میں مشاہدہ کر سکتا ہے، حقیقی معنوں میں یہ بھی انسان پر اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ط

"گزشتہ لوگوں کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔"[1]

بہت سارے لوگوں نے اپنی زندگی کے بارے میں لمبی لمبی اُمیدیں باندھ لیں اور دنیا کی امیدوں میں غرق ہوئے لیکن جب موت نے ان کا گلا دبایا تو یہ تمام امیدیں جلد ختم ہو گئیں اور تمام امیدوں پر پانی پھر گیا، یہ ایسے حال میں ہوتا ہے جب انھوں نے بھی اقوام کی تاریخ میں خود کو قرار دیا لیکن سرکش خواہشات نے اُن کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ ڈال دیا کہ اپنی زندگی کے واقعات کو نہ دیکھ سکیں اور اس طرح خالی ہاتھ وہ اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف چلے جائیں گے۔

آٹھواں حصّہ

"فَهَلْ يَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ إِلَّا حَوَانِيَ الْهَرَمِ؟ وَأَهْلُ غَضَارَةِ الصِّحَّةِ إِلَّا نَوَازِلَ السَّقَمِ؟ وَأَهْلُ مُدَّةِ الْبَقَاءِ إِلَّا آوِنَةَ الْفَنَاءِ؟ مَعَ قُرْبِ الزِّيَالِ، وأُزُوفِ الْإِنْتِقَالِ، وَعَلَزِ الْقَلَقِ، وَأَلَمِ الْمَضَضِ، وَغُصَصِ الْجَرَضِ، وَتَلَفُّتِ الْإِسْتِغَاثَةِ بِنُصْرَةِ الْحَفَدَةِ وَالْأَقْرِبَاءِ، وَالْأَعِزَّةِ وَالْقُرَنَاءِ!"

"تو کیا جوانی کی تر و تازہ عمریں رکھنے والے بڑھاپے میں کمر جھک جانے کا انتظار کر رہے ہیں اور کیا صحت کی تازگی رکھنے والے مصیبتوں اور بیماریوں کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں اور کیا بقا کی مدت رکھنے والے فنا کے وقت کے منتظر ہیں جب کہ وقتِ زوال قریب ہوگا اور انتقال کی ساعت نزدیک تر ہوگی اور بسترِ مرگ پر قلق کی بے چینیاں اور سوز و تپش کا رنج و الم اور لعابِ دہن کے پھندے ہوں گے اور وہ ہنگام ہوگا جب انسان اقربا اولاد، اعزّہ احباب سے مدد طلب کرنے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہوگا۔"

---

[1] سورۂ یوسفؑ، آیت ۱۱۱

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

ہوشیار رہو، تمام نعمتیں ختم ہونے والی ہیں

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی گفتگو میں دنیاوی زندگی اور اس کے وسائل کے سلسلے میں ایک دوسرے اہم نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ تمام نعمتیں زوال پذیر ہونے والی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان پر نہ اعتماد کیا جائے اور نہ لگاؤ رکھا جائے۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"یَنْتَظِرُ أَهْلُ بَضَاضَةِ [1] الشَّبَابِ إِلَّا حَوَانِيَ [2] الْهَرَمِ؟ [3] وَ أَهْلُ غَضَارَةِ [4] الصِّحَّةِ إِلَّا نَوَازِلَ السَّقَمِ؟ وَ أَهْلُ مُدَّةِ الْبَقَاءِ إِلَّا آوِنَةَ [5] الْفَنَاءِ؟"

"کیا یہ بھرپور جوانی والے، کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے منتظر ہیں؟ صحت کی تر وتازگی والے ٹوٹ پڑنے والی بیماریوں کے منتظر ہیں اور یہ زندگی والے فنا کی گھڑیاں دیکھ رہے ہیں۔"

اس گفتگو کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"مَعَ قُرْبِ الزِّيَالِ [6] وَ أُزُوفِ [7] الِانْتِقَالِ، وَ عَلَزِ [8] الْقَلَقِ، وَ أَلَمِ الْمَضَضِ [9] وَ غُصَصِ

---

[1] بضاضة، مصدر ہے اصل میں تروتازگی اور شادابی کو کہتے ہیں۔
[2] حوانی، حانیہ کا مفرد ہے، اس مقام پر بڑھاپے کے لیے کنایہ ہے کہ انسان کے قد کو کمان کی طرح جھکا دینے کے معنی میں ہے۔
[3] ہرم ، بروزن حرم بمعنی بڑھاپا اور ناتوانی ہے جسے فارسی میں پیر فرتوت سے تعبیر کیا ہے۔
[4] غضارة، نعمت، آرام دہ زندگی کے معنیٰ میں آیا ہے۔
[5] آونة، اوان کی جمع ہے، زمانے کے معنی میں ہے۔
[6] زیال، مصدر ہے جس کے معنی دور کرنا اور زائل کرنا ہیں۔
[7] زوف، بروزن خضوع نزدیک ہونے کے معنی میں ہے، ازفہ، چونکہ قیامت بندوں سے دور نہیں۔
[8] علز ، بروزن مرض، مریضوں کی دوران تکلیف پیدا ہونے والے لرزش کو کہتے ہیں۔
[9] مضض، مض کے مادّے سے ہے بروزن سد، ناراحتی اور دکھ کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

الْجَرَضِ[۱] وَ تَلَفُّتٍ[۲] الِاسْتِغَاثَةِ بِنُصْرَةِ الْحَفَدَةِ[۳] وَالْاَقْرِبَاءِ، وَالْاَعِزَّةِ وَالْقُرَنَاءِ!

"یہ تمام اُس وقت ہوگا جب چل چلاؤ کا ہنگامہ نزدیک اور کُوچ قریب ہوگا اور بستر مرگ پر قلق واضطراب کی بے قراریاں اور سوز وتپش کی بے چینیاں اور لعابِ دہن کے پھندے ہوں گے، عزیز واقارب اور اولاد واحباب سے مدد کے لیے فریاد کرتے ہوں گے، اِدھر اُدھر کروٹیں بدلنے کا وقت آ گیا ہوگا تو کیا قریبیوں نے موت کو روک لیا۔"

اِس کائنات کی خصوصیت میں سے ہے کہ یہاں کے وسائل اور نعمتوں کی ناپائداری باعث بنتی ہے کہ انسان ان سے وابستگی نہ رکھے اور دین وتقویٰ کو ان پر قربان نہ کرے۔

نوجوان تیزی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور جوانی کی طراوت بڑھاپے کی مرجھاہٹ میں بدل جاتی ہے، عمر کی بہار میں خزاں آ جاتی ہے، جسم وجان کی سلامتی مختلف قسم کی بیماریاں آنے سے ختم ہو جاتی ہے، زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سفر آخرت کی نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

مگر ان تمام خصوصیات وعلامات کے باوجود بعض لوگ اس دنیا سے دل لگا لیتے ہیں، اور تمام معاملات کی ذمّے دار اسے ٹھہراتے ہیں اور مادّی مال ومتاع کے علاوہ سب سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعی غور وفکر کا مقام ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کے سامنے سب فنا ہونے والی چیزوں کا نظارہ کرتا ہے پھر بھی دنیا کے باقی رہنے کی امید رکھتا ہے۔

تاریخ بغداد میں آیا ہے کہ ایک دن بنوعباسی خلیفہ، سفاح نے آئینے میں دیکھا وہ ظاہراً خوبصورت آدمی تھا، کہا خداوندا! میں سلیمان ابن عبدالملک (اموی خلیفہ) کی طرح یہ نہیں کہتا ہوں کہ میں ایک جوان بادشاہ ہوں، مگر یہ کہتا ہوں کہ تیری اطاعت کے لیے عمر کی سلامتی کا خواستگار ہوں، ابھی یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ اُس نے سنا کہ اس کا ایک غلام جس کا کسی اور کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا، نے کہا، میرے اور تمھارے درمیان صرف دو مہینے اور پانچ دن ہیں، سفاح نے اس بات کو فالِ بد سمجھا کہ میری عمر کے آخری دو ماہ پانچ دن رہ گئے ہیں اور اتفاق سے ایسا ہی ہوا، اسے شدید قسم کا بخار ہوا اور وہ دو ماہ پانچ دن بعد اس دنیا سے چلا گیا حالانکہ اس کی عمر ۳۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔[۴]

قرآن مجید نے متعدد بار اس حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے (حقیقت میں اس میں کوئی پردہ نہیں ہے) اور مثالوں

---

[۱] جرض، جرض کے مادّے سے ہے بروزن خرج، غم واندوہ کے اثر سے منہ میں آبِ دہن کا بھر جانا۔

[۲] تلفت، لفت کے مادّے سے ہے بروزن ہفت، رُوگردانی کرنے اور کسی چیز سے الگ ہونے کو کہتے ہیں۔

[۳] حفدۃ، حفد کے مادّے سے ہے، بروزن ہفت اپنے کاموں میں جلدی کرنے کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے پوتوں اور نواسوں کو بھی حفدہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔

[۴] تاریخ بغداد، ج۱۰، ص۴۹

https://downloadshiabooks.com/

کے ضمن میں دنیا کی ناپائیداری کو مجسّم بناتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴿۲۴﴾ [۱]

"بے شک دنیا کی زندگی پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا، اس میں سے زمین سے گھاس اُگی، جسے انسان اور جانور کھا لیتے ہیں، جب زمین نے خود کو سبز پایا اور اہلِ ارض مطمئن ہوئے، وہ اس پر قابض ہوئے، اچانک ہمارا حکم دن یا رات میں آ پہنچا تو ہم نے اس کھیت کو ایسا صاف کیا اور میدان بنا دیا گویا اس میں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم آیتوں کو اس تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ غور و فکر کریں۔"

نواں حصّہ

"فَهَلْ دَفَعَتِ الْاَقَارِبُ، أَوْ نَفَعَتِ النَّوَاحِبُ، وَ قَدْ غُودِرَ فِي مَحَلَّةِ الْاَمْوَاتِ رَهِيْنًا، وَ فِي ضِيْقِ الْمَضْجَعِ وَحِيْدًا، قَدْ هَتَكَتِ الْهَوَامُّ جِلْدَتَهُ، وَأَبْلَتِ النَّوَاهِكُ جِدَّتَهُ، وَ عَفَتِ الْعَوَاصِفُ آثَارَهُ، وَ مَحَا الْحَدَثَانِ مَعَالِمَهُ، وَ صَارَتِ الْاَجْسَادُ شَحِبَةً بَعْدَ بَضَّتِهَا، وَالْعِظَامُ نَخِرَةً بَعْدَ قُوَّتِهَا، وَالْاَرْوَاحُ مُرْتَهَنَةً بِثِقَلِ أَعْبَائِهَا، مُوقِنَةً بِغَيْبِ أَنْبَائِهَا، لَا تُسْتَزَادُ مِنْ صَالِحِ عَمَلِهَا، وَلَا تُسْتَعْتَبُ مِنْ سَيِّيءِ زَلَلِهَا! أَوَ لَسْتُمْ أَبْنَاءَ الْقَوْمِ وَالْآبَاءَ، وَإِخْوَانَهُمْ وَالْاَقْرِبَاءَ؟! تَحْتَذُونَ أَمْثِلَتَهُمْ، وَ تَرْكَبُونَ قِدَّتَهُمْ، وَتَطَؤُونَ جَادَّتَهُمْ؟! فَالْقُلُوبُ قَاسِيَةٌ عَنْ حَظِّهَا، لَاهِيَةٌ عَنْ رُشْدِهَا، سَالِكَةٌ فِي غَيْرِ مِضْمَارِهَا! كَأَنَّ الْمَعْنِيَّ سِوَاهَا، وَ كَأَنَّ الرُّشْدَ فِي إِحْرَازِ دُنْيَاهَا"

"کیا آج تک کسی رشتے دار نے موت کو دفع کر دیا ہے یا فریاد کسی کے کام آئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مرنے والے کو تو قبرستان میں گرفتار کر دیا گیا ہے اور تنگی قبر میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس عالم میں کہ کیڑے مکوڑے اس کی جلد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں اور پامالیوں نے اس کے جسم کی تازگی کو بوسیدہ کر دیا ہے۔ آندھیوں نے اس کے آثار کو مٹا دیا ہے اور روزگار کے

---

[۱] سورۂ یونس، آیت ۲۴

https://downloadshiabooks.com/

حادثات نے اس کے نشانات کو محو کر دیا ہے۔ جسم تازگی کے بعد ہلاک ہو گئے ہیں اور ہڈیاں طاقت کے بعد بوسیدہ ہو گئی ہیں۔ روحیں اپنے بوجھ کی گرانی میں گرفتار ہیں اور اب غیب کی خبروں کا یقین آ گیا ہے۔ اب نہ نیک اعمال میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ بدترین لغزشوں کی معافی طلب کی جا سکتی ہے۔ تو کیا تم لوگ انہی آباء و اجداد کی اولاد نہیں ہو اور کیا انہی کے بھائی بندے نہیں ہو کہ پھر انہی کے نقش قدم پر چلے جا رہے ہو اور انہی کے طریقے کو اپنائے ہوئے ہو اور انہی کے راستے پر گامزن ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ دل اپنا حصہ حاصل کرنے میں سخت ہو گئے ہیں اور راہِ ہدایت سے غافل ہو گئے ہیں' غلط میدانوں میں قدم جمائے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا مخاطب ان کے علاوہ کوئی اور ہے اور شاید ساری عقلمندی دنیا ہی کے جمع کر لینے میں ہے۔"

شرح وتفسیر

آخرکار تر و تازہ جسم بوسیدہ ہو گئے

جہانِ انسانیت کے بزرگ معلّم اخلاق حضرت امام علی علیہ السلام خطبے کے اس حصے میں اشارہ کرتے ہیں کہ جس دن انسان کی آنکھ بند ہو جائے گی اس وقت کسی کی ہمت نہ ہوگی کہ موت کو انسان سے دور کرے اور نہ پس ماندگان کی نالہ و فریاد کسی مشکل کو حل کرے گی۔ امامؑ استفہامِ انکاری فرماتے ہیں:

فَهَلْ دَفَعَتِ الْاَقَارِبُ، أَوْ نَفَعَتِ النَّوَاحِبُ [1] وَ قَدْ غُوْدِرَ [2] فِيْ مَحَلَّةِ الْاَمْوَاتِ رَهِيْنًا، وَ فِيْ ضِيْقِ الْمَضْجَعِ وَحِيْدًا"

"کیا اس کے قریبی لوگوں نے موت کو روک لیا یا رونے والوں کے رونے نے کچھ فائدہ پہنچایا؟ اُسے تو قبرستانوں میں قبر کے ایک تنگ گوشے میں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔"

گویا اس کے اور عزیز و اقارب کے درمیان کئی ہزار میٹر تک لوہے کی دیوار بنائی گئی ہے جسے عبور کرنا ممکن نہیں۔ پس ماندگان کے رونے سے محض جدائی کی تکلیف میں کمی واقع تو ہو سکتی ہے، لیکن اس سے مرجانے والے عزیزوں کو کوئی فائدہ

---

[1] نواحب، ناحبہ کی جمع ہے اور نحب کے مادّے سے ہے، بروزن نذر، دراصل جدّت کے معنی میں ہے، بلند آواز سے گریہ کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ نواحب وہ رشتے دار جو روتے وقت اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں۔

[2] غودر، غدر کے معنی دیتا ہے بروزن مکر، بے وفائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نہیں حاصل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد امامؑ دس مختصر جملوں کے ضمن میں موت کے بعد جسم و روح کے انجام کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

"قَدْ هَتَكَتِ الْهَوامُّ [1] جِلْدَتَهُ، وَأَبْلَتِ النَّوَاهِكُ [2] جِدَّتَهُ [3] وَ عَفَتِ [4] الْعَوَاصِفُ آثَارَهُ، وَ مَحَا الْحَدَثَانِ [5] مَعَالِمَهُ، وَ صَارَتِ الْأَجْسَادُ شَحِبَةً [6] بَعْدَ بَضَّتِهَا، وَالْعِظَامُ نَخِرَةً [7] بَعْدَ قُوَّتِهَا، وَ الْأَرْوَاحُ مُرْتَهَنَةً بِثِقَلِ أَعْبَائِهَا [8] مُوقِنَةً بِغَيْبِ أَنْبَائِهَا، لَا تُسْتَزَادُ مِنْ صَالِحِ عَمَلِهَا، وَ لَا تُسْتَعْتَبُ مِنْ سَيِّئِ زَلَلِهَا"

"موذی حشرات اس کے جسم کے گوشت میں سوراخ ڈالتے ہیں، قبر کی سختی اس کے جسم کو فشار میں مبتلا کرتی ہے، تیز ہوائیں اس کے آثار مٹا ڈالتی ہیں۔ ہر آنے والا دن اس کے نشانات کو مٹا دیتا ہے۔ تر و تازہ جسم مرجھا جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں روحوں پر مسئولیت کا بار آتا ہے اور غیب کی خبروں پر یقین آتا ہے۔ اس دنیا میں قیامت کے آثار دیکھ چکے ہیں، سب سے دردناک بات یہ ہے نہ ان کے اعمال صالح میں اضافہ ہوگا اور نہ بُرے اعمال سے توبہ کرنے کی گنجائش ہوگی۔"

روح و جسم کی وصیّت انسان کے مرنے کے بعد اس تعبیر سے جامع تر، کامل تر اور بیدار کرنے والی نہیں ہوسکتی ہے۔ انسان تیزی سے آگے بڑھ جاتا ہے اور زمین کے حشرات کے لیے غذا بن جاتا ہے۔ تر و تازہ چہرے، قوت گویائی، دانا عقلیں یہ سب برباد ہو جاتی ہیں، سوائے کچھ گلی سڑی ہڈیوں، ویران قبروں کے کچھ باقی نہیں رہتا، کبھی تو مکمل طور پر نظروں سے یہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔

---

[1] هوامّ، جمع ہے ھامہ کی، موذی حشرات کے معنیٰ میں ہے بالخصوص زہریلے حشرات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[2] نواهك، جمع ہے ناهكه کی، وہ چیز جو انسان کے جسم کو خراب کرے، یہ تعبیر لباس کے پرانے ہونے کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، نهك الثوب۔

[3] جدة، مادّۂ جدید سے ہے یعنی تر و تازگی۔

[4] عفت، عفو کے مادّے سے ہے، محو کرنا، ختم کر دینا یا چھپانے کے معنیٰ میں ہے۔ خطبے میں انسان کی موت کے بعد تند و تیز ہواؤں کے ذریعے ان کے آثار کے ختم کیئے جانے کے معنی میں ہے۔

[5] حدثان، حدوث کے مادّے سے ہے کہ جس کا معنیٰ واضح ہے۔ حدثان اشارہ ہے دن اور رات کی طرف جو کہ یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔

[6] شحبة، شحوب کے مادّے سے ہے یعنی جسم کا تغیر یا لاغر ہونا۔

[7] نخرہ، نخر سے صفت مشبہہ ہے بروزن ضرر، خطبے میں ہڈیوں کے لیے صفت بیان ہوئی ہے یعنی سڑی ہوئی ہڈیاں۔

[8] اعباء، عب کی جمع ہے بروزن فکر، بھاری بوجھ، خطبے میں بھاری ذمّےداری کے لیے استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اعمال کا دفتر مکمل طور پر بند ہو جاتا ہے نہ اعمال صالح میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ بُرے اعمال سے توبہ کی جا سکتی ہے۔ اگر توبہ کے لیے شرمندگی کے ساتھ ایک قطرۂ اشک بہا دیا جائے تو جہنم کی آگ بجھ سکتی ہے اور اُس دن صرف "لَا اِلٰهَ اِلاَّ الله" زبان پر جاری کرنے سے بہشت میں اس کے لیے ایک نیا درخت اُگ سکتا ہے بالآخر واپسی کے تمام راستے مکمل طور پر بند ہوں گے۔

اس خطبے کے آخری حصے میں فرماتے ہیں:

"أَوَلَسْتُمْ أَبْنَاءَ الْقَوْمِ وَالْآبَاءَ وَإِخْوَانَهُمْ وَالْأَقْرِبَاءَ؟"

کیا تم ان مُردوں کے باپ، بیٹے، بھائی اور عزیز و اقارب نہیں ہو؟ یہی لوگ ہیں جو ابھی سپردِ خاک کیے گئے ہیں، ان کی ہڈیاں سڑ جائیں گی ایک مہینہ یا سال گزرنے کے بعد ان کی قبروں کے آثار محو ہو جائیں گے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی بیٹے، باپ سے پہلے اور کبھی باپ بیٹوں سے پہلے اور کبھی بھائی دوسرے بھائیوں سے پہلے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں، کسی کے لیے بھی عمر کی لامحدود حد مقرر نہیں کی گئی ہے سب کے لیے موت آنی ہے، کسی کو بھی ایک دن حتیٰ کہ ایک گھنٹے کے لیے بھی بقا نہیں ہے۔

پھر آپؑ نے اس معنیٰ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"تَحْتَذُونَ أَمْثِلَتَهُمْ، وَتَرْكَبُونَ قِدَّتَهُمْ [1] وَتَطَؤُونَ جَادَّتَهُمْ"

آخر تمہیں بھی انہی کے حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان ہی کی راہ پر چلنا ہے، آخر کار تیز و تند ہواؤں نے آثار مٹانے ہیں اور قبر کی وادی میں قدم رکھنا ہے اور اس انجام سے بیٹے بھائی بھی دوچار ہوں گے۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اُوپر کے جملے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت امام علیؑ نے ان کو سرزنش کی اور فرمایا، باوجود یہ کہ تم نے گزشتہ لوگوں کا انجام دیکھا ہے، پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ان ہی کے اعمال اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہو حالانکہ اُن سے درسِ عبرت لیتے اور اُن کی روش چھوڑ دیتے۔

البتہ دونوں معنوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور وہ گزشتہ لوگوں کے انجام سے درسِ عبرت حاصل کرنا ہے۔ ایک شاعر عارف کہتے ہیں:

بشکاف خاک را و ببین یکدم　　بی مهری زمانه رسوا را

---

[1] قدہ، قد کے مادّے سے ہے، لمبائی سے کسی چیز کو جدا کرنا، قدہ اس سڑک کو کہتے ہیں کہ اس کی پستی اور بلندی کو کاٹ لیتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں، اور کبھی اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہوں۔ چونکہ ان گروہوں کا طریقہ کار جدا ہے، اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

این دشت خوابگاہ شہیدان است فرصت شمار وقت تماشا را

از عمر رفتہ نیز شماری کن مشمار جدی و عقرب و جوزا را

پھر حضرت امام علی علیہ السلام نتیجے کے طور پر ایک نکتے کو بیان فرماتے ہیں، ان عبرت انگیز واقعات کو دیکھنے کے بعد لوگ کیوں نصیحت نہیں لیتے ہیں، اور بیدار نہیں ہوتے ہیں؟

"فَالْقُلُوبُ قَاسِيَةٌ عَنْ حَظِّهَا، لَاهِيَةٌ عَنْ رُشْدِهَا، سَالِكَةٌ فِي غَيْرِ مِضْمَارِهَا! كَأَنَّ الْمَعْنِيَّ سِوَاهَا، وَكَأَنَّ الرُّشْدَ فِي إِحْرَازِ دُنْيَاهَا"

"مگر افسوس ان کے دل فائدہ اُٹھانے سے عاجز ہیں اور معنوی رشد و ہدایت سے غافل ہیں۔ غلط راستے کا انتخاب کیا ہے، گویا کہ ان فائدہ مند نصیحتوں کے علاوہ کسی اور چیز کے خواہشمند ہیں۔ (موت اور فرمانِ الٰہی ان کے افکار میں نہیں ہے) گویا دنیا کے جنگل میں پھنسنا ان کے نزدیک نجات ہے۔"

حضرت امام علی علیہ السلام کی تمام باتیں علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ اُنھی میں ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؑ کسی کے تشیع جنازہ میں تھے، اچانک کسی آدمی کی آواز سنی جو اونچی آواز میں ہنس رہا تھا، امام علیہ السلام نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا:

"كَأَنَّ الْمَوْتَ فِيهَا عَلَى غَيْرِنَا كُتِبَ، وَكَأَنَّ الْحَقَّ فِيهَا عَلَى غَيْرِنَا وَجَبَ، وَكَأَنَّ الَّذِي نَرَى مِنَ الْأَمْوَاتِ سَفْرٌ عَمَّا قَلِيلٍ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ" [1]

"گویا موت کسی اور کے لیے آنے والی ہے، گویا حق پر عمل کرنا کسی اور پر واجب ہے، مُردوں کو جب ہم دیکھتے ہیں گویا وہ مسافر ہیں کہ جو تیزی سے ہماری طرف آتے ہیں، یہ کیسی غفلت ہے کہ دنیا ہی میں اپنے حال سے بے خبر ہو۔"

جی ہاں! اگر قساوت اور سنگدلی نے نہ گھیر لیا ہو اور غفلت کے بادل روح پر نہ چھائے ہوں تو گزشتہ لوگوں کا انجام ہماری بیداری کے لیے کافی ہے، ایسا نہ ہو یہ واقعات تکراراً دیکھنے والے حیرت میں پڑ جائیں۔

قرآن مجید اس قسم کے افراد کے لیے فرماتا ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

[1] نہج البلاغہ، کلمات قصار، شمارہ ۱۲۲

https://downloadshiabooks.com/

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝﴿۷۴﴾ (۱)

”اس واقعے کے بعد تمھارے دل سخت ہوئے جس طرح پتھر یا اس سے بھی زیادہ، چونکہ بعض پتھر ٹوٹ جاتے ہیں اور ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض شگاف ایسے ہیں جن سے پانی نکلتا ہے اور ان میں سے بعض پہاڑوں سے نیچے گرتے ہیں (خوفِ خدا سے) مگر تمھارے دل نہ خوفِ خدا رکھتے ہیں، نہ علم و دانش اور نہ انسانی ہمدردی رکھتے ہیں۔ خدا تمھارے اعمال سے غافل نہیں۔“

جی ہاں! جب دنیا پرستی دلوں پر غالب آ جائے، ساتھ سنگدلی بھی ہو تو ایسی صورت میں انسان سعادت مندی کو کھو دیتا ہے اور غلط راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ الٰہی خطاب صرف نیک لوگوں کے لیے ہے۔ آیات میں جو ضمائر ہیں وہ عذاب و تہدید دوسروں کی طرف پلٹتا ہے، ان کی سعادت مندی اور خوش بختی کا دارومدار مالِ دنیا کی جمع آوری ہے۔

دسواں حصّہ

”وَاعْلَمُوْا أَنَّ مَجَازَكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ وَمَزَالِقِ دَحْضِهِ، وَأَهَاوِيلِ زَلَلِهِ، وَتَارَاتِ أَهْوَالِهِ؛ فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ تَقِيَّةَ ذِيْ لُبٍّ شَغَلَ التَّفَكُّرُ قَلْبَهُ، وَأَنْصَبَ الْخَوْفُ بَدَنَهُ، وَأَسْهَرَ التَّهَجُّدُ غِرَارَ نَوْمِهِ، وَأَظْمَأَ الرَّجَاءُ هَوَاجِرَ يَوْمِهِ، وَظَلَفَ الزُّهْدُ شَهَوَاتِهِ، وَأَوْجَفَ الذِّكْرُ بِلِسَانِهِ، وَقَدَّمَ الْخَوْفَ لِأَمَانِهِ، وَتَنَكَّبَ الْمَخَالِجَ عَنْ وَضَحِ السَّبِيلِ، وَسَلَكَ أَقْصَدَ الْمَسَالِكِ إِلَى النَّهْجِ الْمَطْلُوبِ; وَلَمْ تَفْتِلْهُ فَاتِلَاتُ الْغُرُوْرِ، وَلَمْ تَعْمَ عَلَيْهِ مُشْتَبِهَاتُ الْأُمُوْرِ، ظَافِرًا بِفَرْحَةِ الْبُشْرٰى، وَرَاحَةِ النُّعْمٰى، فِيْ أَنْعَمِ نَوْمِهِ، وَآمَنِ يَوْمِهِ. وَقَدْ عَبَرَ مَعْبَرَ الْعَاجِلَةِ حَمِيْدًا، وَقَدَّمَ زَادَ الْآجِلَةِ سَعِيْدًا، وَبَادَرَ مِنْ وَجَلٍ، وَأَكْمَشَ فِيْ مَهَلٍ، وَرَغِبَ فِيْ طَلَبٍ، وَذَهَبَ عَنْ هَرَبٍ، وَرَاقَبَ فِيْ يَوْمِهِ غَدَهُ، وَنَظَرَ قُدُمًا أَمَامَهُ. فَكَفٰى بِالْجَنَّةِ ثَوَابًا وَنَوَالًا، وَكَفٰى بِالنَّارِ عِقَابًا وَوَبَالًا! وَكَفٰى بِاللهِ مُنْتَقِمًا وَنَصِيْرًا! وَكَفٰى بِالْكِتَابِ حَجِيْجًا وَخَصِيْمًا“

”یاد رکھو! تمہاری گزرگاہ صراط اور اس کی ہلاکت خیز لغزشیں ہیں۔ تمھیں ان لغزشوں کے ہولناک مراحل اور طرح طرح کی خطرناک منازل سے گزرنا ہے۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اس طرح جس طرح وہ صاحبِ عقل ڈرتا ہے جس کے

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۷۴

https://downloadshiabooks.com/

دل کو فکرِ آخرت نے مشغول کرلیا ہو اور اس کے بدن کو خوفِ خدا نے خستہ حال بنا دیا ہو اور شب بیداری نے اس کی بچی کھچی نیند کو بھی بیداری میں بدل دیا ہو اور امیدوں نے اس کے دل کی تپش کو پیاس میں گزار دیا ہو اور زہد نے اس کی خواہشات کو پیروں تلے روند دیا ہو اور ذکرِ خدا اس کی زبان پر تیزی سے جاری ہو اور اس نے قیامت کے امن و امان کے لیے یہیں خوف کا راستہ اختیار کیا ہو اور سیدھی راہ پر چلنے کے لیے ٹیڑھی راہوں سے کترا کر چلا ہو اور مطلوبہ راستے تک پہنچنے کے لیے معتدل ترین راستہ اختیار کیا ہو، نہ خوش فریبیوں نے اس میں اضطراب پیدا کیا ہو اور نہ مشتبہ امور نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہو۔ بشارت کی مسرت اور نعمتوں کی راحت حاصل کرلی ہو۔ دنیا کی گزرگاہ سے قابلِ تعریف انداز سے گزر جائے اور آخرت کا زادِ راہ نیک بختی کے ساتھ آگے بھیج دے۔ وہاں کے خطرات کے پیشِ نظر عمل میں سبقت کی اور مہلت کے اوقات میں تیز رفتاری سے قدم بڑھایا۔ طلب آخرت میں رغبت کے ساتھ آگے بڑھا اور بُرائیوں سے مسلسل فرار کرتا رہا۔ آج کے دن کل پر نگاہ رکھی اور ہمیشہ اگلی منزلوں کو دیکھتا رہا۔ ثواب اور عطا کے لیے جنت اور عذاب و وبال کے لیے جہنم ہے اور پھر خدا سے بہتر مدد کرنے والا اور انتقام لینے والا کون ہے اور قرآن کے علاوہ حجت اور سند کیا ہے۔"

شرح وتفسیر

درپیش ہولناک راستہ

خطبۂ غرّا کے اس حصے میں حضرت امام علی علیہ السلام نے آخرت کے بعض مقامات اور خطرناک راستوں کی طرف متوجّہ کیا اور ان راستوں کو اس دنیا کے لیے ایک پُل قرار دیا ہے۔ لوگوں کو قیامت کے میدان میں حاضر اور خطرناک راستوں (صراط) عبور کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، جان لو! تمہیں پل صراط سے گزرنا ہے، جہاں پر قدم لڑکھڑاتے ہیں، قدم قدم پر خوف و دہشت کے خطرات ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"وَاعْلَمُوا أَنَّ مَجَازَكُمْ ⁽¹⁾ عَلَى الصِّرَاطِ، وَمَزَالِقِ ⁽²⁾ دَحْضِهِ ⁽³⁾ وَأَهَاوِيلِ ⁽⁴⁾ زَلَلِهِ، وَتَارَاتِ ⁽⁵⁾ أَهْوَالِهِ"

قیامت کے اہم راستوں میں سے ایک صراط ہے، آیاتِ قرآنی میں بطور اشارہ اور روایات میں واضح اور تفصیل سے اس کے متعلق بحث ہے، ان تمام روایات سے استفادہ کیا گیا ہے، صراط بہشت کے راستے پر دوزخ پر ایک پل ہے جو انسان کی آخری گزرگاہ ہے۔ اچھے بُرے سب اس راستے سے گزر جائیں گے۔ صالح لوگ بجلی کی طرح تیزی سے گزر جائیں گے اور بہشت کے دروازوں پر پہنچ جائیں گے مگر گناہ گار اور بُرے لوگ نہیں گزر سکیں گے اور اس پل سے جہنم میں گر جائیں گے۔

اِس خطرناک راستے کو عبور کرنا جو صرف بہشت کا راستہ ہے، جس کا تعلق صرف ایمان و عمل سے ہے۔ یہاں تک کہ اس راستے کو تقویٰ اور ایمان کے درجات کی مناسبت سے جلدی عبور کیا جائے گا۔ البتہ صراط دنیا میں دوسری شکلوں میں نظر آتا ہے۔ دوسری تعبیر کے مطابق صراط قیامت کے دن دنیاوی رستوں کا مجسّمہ ہوگا۔ کیونکہ صراط قیامت کی توصیف میں آیا ہے:

"أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ، وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ" ⁽⁶⁾

"بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز دھار۔"

بے شک حق و باطل، ایمان و کفر، اخلاص و ریا، قصد قربت، خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کے درمیان حدِ فاصل، یہی خطرناک راستہ ہے، یہ راستہ سوائے خالص، مخلص، نیکوکار اور پاکیزہ لوگوں کے کسی کو میسر نہیں۔ اس کی تفصیل آئندہ نکات کی بحث میں آئے گی۔

بہرحال یہ ایک ایسی گزرگاہ ہے جہاں بہت ساری لغزشیں ہیں کہ جہاں بغیر تیاری کے سلامتی کے ساتھ گزرنا ممکن نہیں۔ اسی بنا پر حضرت امیر المومنینؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ تَقِيَّةَ ذِي لُبٍّ شَغَلَ التَّفَكُّرُ قَلْبَهُ، وَأَنْصَبَ ⁽⁷⁾ الْخَوْفُ بَدَنَهُ، وَأَسْهَرَ ⁽⁸⁾ التَّهَجُّدُ

⁽¹⁾ مجاز، جواز کے مادّے سے ہے، جو حرکت اور عبور کے معنی میں آیا ہے، اس بنا پر مجاز جو مصدر میمی ہے ان مضامین میں استعمال ہوا ہے۔

⁽²⁾ مزالق، مزلق کی جمع ہے جو لغزش گاہ کے معنی میں ہے، زلق بروزن دلو، لغزش کے معنی میں ہے۔

⁽³⁾ دحض، مصدر یا اسم مصدر ہے، تھوڑی سی لغزش سے گرنے کو کہتے ہیں۔ سورج کے مغرب کی طرف غروب کو کہتے ہیں۔

⁽⁴⁾ اھاویل، اھوال کی جمع ہے اور ھول کی بھی جمع ہے بمعنی ترس و خوف کے ہے۔

⁽⁵⁾ تارات، تارہ کی جمع ہے، دفعہ کے معنی میں آیا ہے تار بروزن طرد ہے، اس مقام پر مختلف دفعات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

⁽⁶⁾ بحار الانوار، جلد ۸، ص ۶۵

⁽⁷⁾ انصب، نصب کے مادّے سے ہے بروزن سبب۔ تھکا دینے کے معنی میں ہے، اسی لیے انصب، تھکا دینے کے معنی میں آیا ہے۔

⁽⁸⁾ اسھر، سھر کے مادّے سے بروزن سفر ہے، شب بیداری کے معنیٰ میں ہے جہاں رات کی نیند خوف کی وجہ سے اُڑ جائے، دونوں معنیٰ لیے جاسکتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

غِرَارَ [۱] نَوْمِهِ، وَأَظْمَأَ الرَّجَاءُ هَوَاجِرَ [۲] يَوْمِهِ، وَظَلَفَ [۳] الزُّهْدُ شَهَوَاتِهِ"

"اللہ سے اس طرح ڈرو کہ جس طرح مردِ زیرک و دانا ڈرتا ہے، جس کے دل کو (عقلی) سوچ بچار نے اور چیزوں سے غافل کر دیا ہو اور خوف نے اس کے بدن کو کلفت میں ڈال دیا ہو۔ نمازِ شب نے اس کی تھوڑی بہت نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا ہو۔ امید و ثواب میں اس کے دن کی تپتی ہوئی دوپہریں پیاس میں گزرتی ہوں، زہد و ورع نے اس کی خواہشوں کو روک دیا ہو۔"

جی ہاں! مرحلۂ تقویٰ میں داخل ہونے کے لیے، ایسے تقویٰ کی ضرورت ہے جس کے ذریعے انسان کے لیے صراط سے گزرنا آسان ہو جائے۔ اوّلاً غور و فکر لازمی ہے، ایسا غور و فکر کہ جس سے دل مکمل طور پر اپنی ذات میں مشغول کر دے، انسان میں خوفِ خدا پیدا کر دے اور اس تقویٰ کی تلاش میں نمازِ تہجد میں شب بیداری کرے، گرمی کے دنوں میں روزہ رکھے اور زہد و پارسائی اپنے وجود میں پیدا کرے۔ ایسا تقویٰ انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، اور اسے بجلی کی طرح صراط قیامت کے خطرناک راستے سے عبور کراتا ہے۔ اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"وَ أَوْجَفَ [۴] الذِّكْرُ بِلِسَانِهِ، وَ قَدَّمَ الْخَوْفَ لِأَمَانِهِ، وَ تَنَكَّبَ [۵] الْمَخَالِجَ [۶] عَنْ وَضَحِ [۷] السَّبِيلِ، وَ سَلَكَ أَقْصَدَ الْمَسَالِكِ إِلَى النَّهْجِ الْمَطْلُوبِ; وَلَمْ تَفْتِلْهُ [۸] فَاتِلَاتُ الْغُرُورِ، وَلَمْ تَعْمَ عَلَيْهِ مُشْتَبِهَاتُ الْأُمُورِ"

یہی وہ پرہیزگاری ہے کہ اس کی زبان ہر وقت یادِ خدا میں رہتی ہے۔ خطروں کے آنے سے پہلے اس نے خوف کھایا ہو۔ (شیطانی و انحرافی) وسوسوں سے بچتا ہوا سیدھے راستے کو اختیار کیا ہو۔ خوش فریبی نے اس میں لغزش پیدا نہ کی ہو اور نہ ہی

---

[۱] غرار، مصدر و اسم مصدر ہے، جملہ بالا میں مفہوم یہ ہے کہ رات کی عبادتوں سے نیند میں کمی آنا۔

[۲] ھواجر، ھاجرہ کی جمع ہے، گرم دنوں کے وسط کو کہتے ہیں جس میں لوگ گھروں میں پناہ لیتے ہیں، اصل میں مادّہ ھجر، ھجران سے لیا گیا ہے جس کے معنی کسی چیز کو چھوڑنا یا اس سے جدا ہونا ہے۔

[۳] ظلف، ظلف کے مادّے سے ہے، جس کے معنی کسی چیز سے روک دینا ہے، ظلف، بروزن علف اونچے مکان کو بھی کہتے ہیں۔

[۴] اوجف، ایجاف کے مادّے سے ہے، جو کام میں تیزی ہونے کو کہتے ہیں، یہ لفظ اضطراب پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[۵] تنکب، نکب کے مادّے سے ہے، عدول، دوری اور کسی چیز سے انحراف کو کہتے ہیں اسی بنا پر جب دنیا کسی کو اپنی پشت دکھائے تو اُسے نکبت سے تعبیر کرتے ہیں۔

[۶] مخالج، مخلج کی جمع ہے، جو خلیج کے مادّے سے ہے بروزن خرج، کسی چیز کو مشغول رکھنا، اس بنا پر مخالج، وہ اُمور جو انسان کو مشغول و سرگرم رکھیں۔

[۷] وضح، اس کا مادّہ، وضوح ہے اس کے معنی واضح ہونا ہے اور وضح السبیل کے معنیٰ راستے کے درمیان ہیں۔

[۸] تفتل، فتل کے مادّے سے ہے، بروزن قتل، جو کسی چیز سے منحرف کرنے کے معنی ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

مشتبہ باتوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہو۔تقویٰ کی ہو مدد سے حق کو باطل سے تمیز دی ہو۔

یہاں تک امامؑ پرہیز گاروں کے ایسے اوصاف بیان کرتے ہیں جو نمونہ قرار پائیں،تفکرِ دائم کے ساتھ، دس اوصاف کو بیان کرتے ہیں جن کی تہہ میں ایک مطلب پوشیدہ ہے اور ایک انسان میں ان کا جمع ہونا دوسروں کے لیے مکمل نمونہ بنا دیتا ہے، جو دنیا و آخرت میں سر بلندی اور زندگی کے میدان میں کامیاب اور سیر اِلی اللہ میں کامیاب ہیں۔ یہ سب تعبیرات عمدہ تشبیہات، دل نشین اور پُر مغز کنایات اور عبارات سے ملی ہوئی ہیں اور یوں اس طرح دل کے اندر نفوذ کر جاتی ہیں۔

جی ہاں! سچے پرہیز گار کبھی بھی شیطانی سرسبز باغات کے فریب میں نہیں آتے اور مشکوک امور میں اندھیرے میں قدم نہیں اُٹھاتے، خدا کی جانب قریب ترین راہ کا انتخاب کرتے ہیں اور اس راہ میں جو موانع ہوں انہیں دور کرتے ہیں، خوفِ خدا اور ذمّے داری کا خوف ان کے انحراف کے راستے میں رکاوٹ ہے اور ذکرِ پروردگار، ہمیشہ ان کی زبان پر ہوتا ہے۔

اس کے بعد امامؑ ان اوصاف کے دنیا و آخرت میں نتائج کے حصے کو چھے جملوں کے ضمن میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ظَافِرًا بِفَرْحَةِ الْبُشْرٰى، وَ رَاحَةِ النُّعْمٰى [1] فِيْ أَنْعَمِ نَوْمِهِ، وَ آمَنِ يَوْمِهِ، وَ قَدْ عَبَرَ مَعْبَرَ الْعَاجِلَةِ حَمِيْدًا، وَقَدَّمَ زَادَالْآجِلَةِ سَعِيْدًا"

جنت کی خوش خبری اور نعمتوں کے درمیاں سکھ والی زندگی، بہترین آرام کی جگہوں اور امن سے سرشار بدن کے ساتھ خوش و مسرور ہے، یہ اس حال میں ہے کہ جلد گزرنے والی گزرگاہ دنیا سے پسندیدہ روش سے عبور کر کے اور ایسے توشۂ آخرت کے ساتھ جو سعادت سے معمور تھا، آگے بھیج دیا گیا ہے۔

حقیقت میں وہ چیز جو ان کی بشارت، راحت، سکون اور ان کی ذہنی آسودگی کا سبب بنتی ہے، وہ اس دنیاوی گزرگاہ سے عمدہ طریقے سے عبور کرنا اور توشۂ آخرت آگے بھیجنا ہے اور اہم مشکل یہاں ہے کہ انسان اس جھوٹی فریب دینے والی چمک دمک اور انحرافی راہوں کے مقابلے میں خود اپنی حفاظت کر سکے اور الٰہی صراط مستقیم سے خارج نہ ہو جائے۔

اس کے بعد اس بات کے تسلسل میں قابل نمونہ پرہیز گاروں کی آخری چھے اور صفات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَبَادَرَ مِنْ وَجَلٍ، وَأَكْمَشَ [2] فِيْ مَهَلٍ، وَرَغِبَ فِيْ طَلَبٍ، وَذَهَبَ عَنْ هَرَبٍ، وَرَاقَبَ فِيْ يَوْمِهِ

---

[1] نعمی، مفرد ہے، آرام اور بہترین سکھ چین والی زندگی کے معنیٰ میں ہے اور حقیقت میں نعمیٰ ایسا نعمت کی مانند مفہوم ہے کہ جس کا خود وسیع مفہوم ہے۔

[2] اکمش، کمش کے مادّے سے ہے، بروزن عطش، کام میں جلدی کرنے کے معنیٰ میں ہے اور مذکورہ جملے میں نیک کاموں میں سرعت کی طرف اشارہ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

غَدَهُ، وَنَظَرَ قُدُمًا أَمَامَهُ"

وہ پرہیزگار جو اس روز کے خوف سے عمل صالح کی جانب جلدی کرتے تھے اور زندگی کی مہلت میں تیزی سے مشغولِ بندگی ہوتے تھے اور اس چیز کی نسبت جو مطلوب یعنی پرہیزگاری ہے، کامل رغبت رکھتے تھے اور جس چیز سے بھاگنا چاہیں، دوری اختیار کرتے تھے، آج اپنے کل کے فکر میں تھے اور اپنے آنے والے وقت کی لازمی پیش بینی کرلی تھی۔

ایک جملے میں عمر کی قیمتی فرصتوں سے دوسری رہنے والی جگہ کی پُرسعادت زندگی کے لیے بہترین کوشش کرنا ہے جو کام انجام دینا چاہیے انجام دینا ہے اور وہ کام جس سے دوری اختیار کرنی چاہیے اس سے پرہیز کرنا ہے۔

جی ہاں! ایسا پرہیزگار جو ان اوصاف کا حامل ہے، راہِ خدا کے راہی انسانوں کی زندگی کے لیے نمونہ ہونے کے لائق ہے۔ ان جملوں کے اختتام میں تقویٰ اور عدم تقویٰ کے نتائج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَكَفَى بِالْجَنَّةِ ثَوَابًا وَ نَوَالًا، وَ كَفَى بِالنَّارِ عِقَابًا وَ وَبَالًا! وَ كَفَى بِاللّٰهِ مُنْتَقِمًا وَ نَصِيرًا! وَ كَفَى بِالْكِتَابِ حَجِيجًا وَ خَصِيمًا"

"یہ کافی ہے کہ جنت پرہیزگاروں کی پاداش وعطیہ ہو، اور کافی ہے کہ صاحبان عدم تقویٰ اور بدکاروں کی سزا و کیفر آتش جہنم ہو، اور کافی ہے کہ خداوند تعالیٰ اِن سے انتقام لینے والا اور اُن کا مددگار ہے اور قرآن نیک لوگوں کا مدافع اور بدکاروں کا دشمن ہے۔"

سچ یہ ہے امامؑ کی باتیں ایک اعجاز ہیں، مختصر جملوں میں تقویٰ و پرہیزگاری کی ایسی توصیف کی ہے جو نہ کسی کتاب میں دیکھی گئی ہے اور نہ کسی سے سنی گئی ہے، ایسے الفاظ و جملے جو بے رحم افراد کو احساسِ درد دلاتے ہیں اور سست ترین انسانوں کو آگے چلنے پر مجبور کرتے ہیں اور حق ہے کہ اس خطبے کا نام "خطبہ غرّا" بہت بہتر و بجا ہے۔

نکات

(۱)۔ صراط سے باآسانی کیسے گزریں؟

اُوپر والے خطبے میں صراط کی جانب اشارہ ہوا ہے یعنی ایسی گزرنے والی جگہ سب انسانوں کو قیامت کے دن جس سے عبور کرنا ہے اور اسلامی روایات میں اس کے بارے میں وافر مقدار میں بحث موجود ہے، اگرچہ قرآن مجید میں دو

https://downloadshiabooks.com/

موارد کے علاوہ یہ لفظ صراط اس معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس میں پھر یہ احتمال ہے کہ اس دنیا میں حق و باطل کی راہ کے لیے اشارہ ہو، لیکن قرآن مجید میں دوسری تعبیرات بہ عنوان مرصاد اور اس جیسے الفاظ آئے ہیں جن کے لیے مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ صراط کی جانب اشارہ ہے۔

بہرحال ہم نے جیسے کہا کہ اسلامی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ صراط جہنم کے اوپر ایک پل ہے جو بہت باریک اور خطرناک ہے، اسے عبور کرنے والے جنت میں پہنچیں گے اور جو عبور نہ کرسکیں گے جہنم میں گر جائیں گے اور بعض روایات سے یہ ظاہر ہے کہ صراط جہنم کے اندر سے گزرتا ہے لیکن مومنین اس طرح تیزی سے عبور کرلیں گے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی، جس طرح اگر انسان دنیا کی آگ سے سرعت سے عبور کرلے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

صراط کے اوصاف میں یہ آیا ہے، "صراط ایک ایسا پل ہے جو جہنم کے اوپر جنت کے راستے میں واقع ہے اور جنت میں وارد ہونے کا وہ واحد راستہ ہے، نیک و پاک انسانوں کے گروہ اس طرح تیزی سے گزریں گے جیسے بجلی کی شعاع، کچھ لوگ تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور ایک گروہ افرادِ پیادہ کی مانند اور کچھ انسان ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل اس پل سے گزریں گے اور جو لوگ عبور کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے وہ راستے کے درمیان میں گر جائیں گے۔ [۱]

اس پل سے عبور کی اہمیت رسولِ خدا آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی معروف حدیث سے سمجھی جاسکتی ہے کہ فرمایا:

"إِنَّ عَلَى جَهَنَّمَ جِسْرًا أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ، أَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ" [۲]

"دوزخ کے اوپر ایک ایسا پل ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آیہ شریفہ "إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾" [۳] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قَنْطَرَةٌ عَلَى الصِّرَاطِ لَا يَجُوزُهَا عَبْدٌ بِمَظْلِمَةٍ" [۴]

صراط پر ایک ایسا پل ہے جس سے وہ شخص عبور نہ کرسکے گا جس کی گردن پر کسی مظلوم کا حق ہوگا۔

اسلامی روایات میں صراط سے جلدی گزرنے کے وسیلوں کے عنوان سے کچھ امور ذکر ہوئے ہیں۔ ان میں سے

---

[۱] یہ اس حدیث کا مطلب تھا جو کتاب امالی صدوق رحمہ اللہ میں ۳۳ ویں مجلس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔

[۲] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام والی حدیث میں ''جسر'' کی جگہ صراط ہے، بحار الانوار جلد ۸، صفحہ ۶۴، یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کنز العمال میں ہے، حدیث نمبر ۳۹۳۶، جلد ۱۴، صفحہ ۳۸۶۔

[۳] سورۂ فجر، آیت ۱۴

[۴] بحار الانوار جلد ۸، صفحہ ۶۶ حدیث ۶

https://downloadshiabooks.com/

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث آئی ہے:

"أَسْبِغِ الْوُضُوْءَ تَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ مَرَّ السَّحَابِ".[۱]

"وضو کو شاداب و پُرآب طریقے سے کروتا کہ بادل کی طرح پل صراط سے گزر جاؤ۔"

دوسری حدیث میں جنابِ موسیٰؑ مناجات میں خداوند متعال سے سوال کرتے ہیں:

"اِلٰهِيْ مَا جَزَاءُ مَنْ تَلَا حِكْمَتَكَ سِرًّا وَ جَهْرًا؟ قَالَ: يَا مُوْسٰى! يَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ".[۲]

"اے میرے مالک! وہ شخص جو تیری حکمت کو پوشیدہ وظاہر بتائے (اورلوگوں کو تیری حکیمانہ باتیں جو حق کی جانب دعوت دیں، بتائے) اُس کا اجر کیا ہوگا؟ فرمایا، اے موسیٰؑ! ایسا شخص برق رفتاری سے صراط سے عبور کرلے گا۔"

قابل توجہ یہ ہے کہ اکثر روایات میں دیکھا گیا ہے کہ صراط سے عبور کی اصل شرائط میں سے ایک شرط، ولایت علی ابن ابی طالبؑ ہے۔ اس روایت کو اہل سنّت کے بزرگوں نے اپنی کتب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے حافظ بن سمان کتاب موافقہ میں اس طرح نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَا يَجُوْزُ أَحَدٌ عَلَى الصِّرَاطِ اِلَّا مَنْ كَتَبَ لَهُ عَلِيٌّ (عليه السلام) الْجَوَازَ".[۳]

"کوئی شخص بھی صراط سے عبور نہ کرے گا سوائے اس کے کہ علیؑ اُس کے عبور کے لیے اجازت نامہ لکھیں گے۔"

اور بعض روایات میں آیا ہے:

"إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ نَصَبَ الصِّرَاطَ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ مَا جَازَهَا أَحَدٌ حَتّٰى كَانَتْ مَعَهُ بَرَاءَةٌ بِوِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ عليهما السلام".[۴]

"جب خداوند متعال اوّلین وآخرین کو روزِ قیامت جمع کرے گا اور جہنم پر صراط بنائی جائے گی، کوئی بھی شخص اس پر سے نہیں گزر سکے گا جب تک ولایت علیؑ کا پروانہ اُس کے ہاتھ میں نہ ہو۔"

یہ مضمون مختصر فرق کے ساتھ مناقب خوارزمی، مناقب ابن مغازلی، فرائد السمطین اور کتاب ریاض النضرہ میں آیا ہے۔[۵]

---

[۱] کنزالعمال میں ہے، حدیث نمبر ۲۹۳۶۳، جلد ۱۴، صفحہ ۳۸۶

[۲] بحارالانوار، جلد ۸۹ صفحہ ۱۹۷، حدیث ۳

[۳] الغدیر جلد ۲، صفحہ ۳۲۳، مرحوم علّامہ امینیؒ نے ان روایات کو تفصیلی طریقے سے ذکرِ صفحات کے ساتھ العبدی کے مشہور شعر کی تشریح میں ذکر کیا ہے، شعر یہ ہے: وَإِلَيْكَ الْجَوَازُ تَدْخُلُ مَنْ شِئْتَ جِنَانًا وَمَنْ تَشَاءُ جَحِيْمًا

[۴] مذکورہ بالا حوالہ

[۵] گزشتہ حوالہ

https://downloadshiabooks.com/

جس طرح خطبے کی شرح میں بھی ذکر ہوا، صراط قیامت میں حقیقت میں ایک تجسّم ہے اور وہ صراط جو دنیا میں ہے وہ ایسا باریک اور خطرناک ہے۔

(۲) نمازِ شب، کیمیائے سعادت ہے

اس خطبے میں امامؑ شب بیداری اور رات کی عبادت کے مسئلے کی جانب اشارہ فرماتے ہیں اور اس کو ایسے پرہیز گاروں کے اوصاف میں شمار کرتے ہیں جو راہِ خدا پر چلنے والوں کی صف اوّل میں ہوں۔

تہجّد مادّہ ہجود سے ہے۔ مفردات راغب کے مطابق نیند کے معنیٰ میں ہے لیکن جب باب تفعل میں آئے تو نیند سے بیداری کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ کہ شبانہ بیداری، پرہیز گاروں کے عرف میں درگاہِ خدا میں راز و نیاز کے لیے ہے، یہ لفظ تہجد رات کے دل میں نماز پڑھنے کے معنیٰ میں یا بالخصوص نافلۂ شب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بہر حال نمازِ شب جب خاص آداب سے انجام دی جائے تو اکسیر اعظم اور کیمیائے اکبر ہے جو وجودِ انسانی کے کالے تانبے کو تقویٰ کے خالص چمکدار سونے میں تبدیل کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور سب بزرگان اسلام اور بزرگان اخلاق نے اس انسان ساز عبادت کے انجام دینے اور اس کے تربیتی آثار پر تاکید فرمائی ہے۔

قرآن مجید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ [1]

"رات کے ایک حصے میں نیند سے بیدار ہو جاؤ اور قرآن اور نماز پڑھو، یہ تمہارے لیے اضافی وظیفہ ہے (یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ نمازِ شب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب اور امت پر مستحب ہے) تا کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچا دے۔"

یہ تعبیر عمدہ طور پر واضح کرتی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامِ محمود کو، جو بہت بلند و بالا مقام ہے۔ اور رات کی تاریکی میں عبادت کے ذریعے یہ مقام و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ ایک روشن ضمیر شاعر کے بقول وہ چیز جو ظلمات سے نورِ تقویٰ کی جانب اس کی نجات کا سبب ہوا، نیمۂ شب کی دعا اور سحر کے وقت کا گریہ تھا۔

اس بارے میں بہت روایات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمہ ہدیٰؑ سے نقل ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] سورۂ اسراء، آیت ۷۹

https://downloadshiabooks.com/

"عَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ! يُكَرِّرُهَا أَرْبَعَةً" ①

"تم پر لازم ہے کہ نمازِ شب کو بجالاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات چار مرتبہ دوہرائی۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"يَا عَلِيُّ ثَلَاثُ فَرَحَاتٍ لِلْمُؤْمِنِ: لُقَى الْإِخْوَانِ، وَ الْإِفْطَارُ مِنَ الصِّيَامِ، وَ التَّهَجُّدُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ" ②

"تین چیزیں مومن کی خوشی کا سبب ہوتی ہیں، دوستوں کا دیدار، افطارِ روزہ، اور رات کے آخری حصے میں نمازِ شب۔"

اس حدیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نمازِ شب مومن کی خوشی کا سبب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اور روایت ہے:

"مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا إِلَّا لِإِطْعَامِهِ الطَّعَامَ وَ صَلَاتِهِ بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ" ③

"خداوند متعال نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی دوستی کا مقام (خلیل اللہ کا افتخار) نہ عطا کیا سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اور جس وقت لوگ سورہے ہوتے تھے، وہ نمازِ شب پڑھتے تھے۔"

دوسری حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی کو تاکید فرماتے ہیں:

"لَا تَدَعْ قِيَامَ اللَّيْلِ فَإِنَّ الْمَغْبُونَ مَنْ غُبِنَ قِيَامَ اللَّيْلِ" ④

"نمازِ شب کو ترک نہ کرو کیونکہ قیام اللیل میں کمی کرنے والا خود اپنا نقصان کرتا ہے۔"

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ سورۂ مزمّل کی آیت ۶ میں نمازِ شب کو ناشئۃ اللّیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو بہت اہم اور استقامت کا سبب شمار کیا گیا ہے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ قِيلًا ۝٦ ⑤

بعض مفسرین کے بقول ناشئۃ اللّیل میں ایسے روحانی وملکوتی جذبے وخوشی کی جانب اشارہ ہے جو اس عبادت کے سائے میں انسان کو فراہم ہوتی ہے۔

① بحارالانوار جلد ۴۴، ص ۳۹۲، حدیث ۶۸

② بحارالانوار جلد ۱۷، صفحہ ۳۵۲، حدیث ۲۲

③ بحارالانوار جلد ۸۴ صفحہ ۱۴۴، حدیث ۱۸

④ بحارالانوار جلد ۸۰ صفحہ ۱۲۷

⑤ سورۂ مزمل، آیت ۶

https://downloadshiabooks.com/

اس اہمیت کی دلیل بھی روشن ہے کیونکہ روحِ عبادت جو انسان کو مقاماتِ عالی تک پہنچاتی ہے، وہ دو چیزیں ہیں اخلاص اور حضورِ قلب اور یہ دونوں چیزیں رات میں خصوصاً آخرِ شب میں حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک اچھی گہری نیند کے بعد جبکہ بہت سارے لوگوں کی آنکھیں نیند میں ہیں، مادّی زندگی کے جوش وجذبے خاموش ہیں۔ نہ ہی ریا و ریاست کا موقع ہے اور نہ ہی مادّی روزمرہ کی مشغولیات ہیں جو فکر انسانی کو اپنی طرف متوجّہ کریں۔ اس وجہ سے نمازِ شب وہ خالص عبادت ہے جو حضورِ قلب اور کامل معنویت کے ساتھ مخلوط اور انواعِ برکات کا سرچشمہ ہے، حافظ کے بقول:

ھر گنج سعادت کہ خدا داد بہ حافظ

از یمن ودعای شب ورد سحری بود

”حافظ کو خدا نے جو سعادت کے خزانے عطا کیے ان میں سے دُعائے شب اور وردِ سحری تھے۔“

اس عبادتِ شبانہ کے بے نظیر آثار کو ہر شخص تجربے سے پرکھ سکتا ہے اور جب اس کی مٹھاس اپنی جان میں محسوس کرے گا تو آسانی سے اس کو نہ چھوڑے گا۔

می صبوح و شکر خواب صبحدم تا چند

بہ عذر نیمہ شبی کوش و گریۂ سحری

”میں نے میٹھی صبح، صبح کے وقت حاصل کی، اس لیے کہ نیمۂ شب دل کے کان کھولے اور وقتِ سحری گریہ کیا۔“

جی ہاں! گنجِ سعادت کی کلید اور معشوق حقیقی تک رسیدگی کی راہ یہ ہے۔

دعای صبح و آہ شب، کلید گنج مقصود است بدین راہ و روش می رو کہ با دلدار پیوندی!

”صبح کی دُعا اور آہِ شب، گنجِ مقصود کی کلید ہے۔ اس راہ وروش سے آگے بڑھتے رہو تا کہ دلدار سے ملاقات کرو۔“

گیارہواں حصّہ

”أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ الَّذِي أَعْذَرَ بِمَا أَنْذَرَ، وَاحْتَجَّ بِمَا نَهَجَ، وَ حَذَّرَكُمْ عَدُوًّا نَفَذَ فِي الصُّدُورِ خَفِيًّا، وَ نَفَثَ فِي الْآذَانِ نَجِيًّا، فَأَضَلَّ وَأَرْدَى، وَ وَعَدَ فَمَنَّى، وَ زَيَّنَ سَيِّئَاتِ الْجَرَائِمِ، وَ هَوَّنَ مُوبِقَاتِ الْعَظَائِمِ، حَتَّى إِذَا اسْتَدْرَجَ قَرِينَتَهُ، وَ اسْتَغْلَقَ رَهِينَتَهُ، أَنْكَرَ مَا زَيَّنَ، وَاسْتَعْظَمَ مَا هَوَّنَ، وَ حَذَّرَ مَا أَمَّنَ“

”بندگانِ خدا! میں تمہیں اُس خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس نے ڈرانے والی اشیا کے ذریعے عذر کا خاتمہ

https://downloadshiabooks.com/

کردیا ہے اور راستہ دکھا کر حجت تمام کردی ہے۔ تمہیں اس دشمن سے ہوشیار کردیا ہے جو خاموشی سے دلوں میں نفوذ کرجاتا ہے اور چپکے سے کان میں پھونک دیتا ہے اور اس طرح گمراہ اور ہلاک کردیتا ہے اور وعدہ کرکے امیدوں میں مبتلا کردیتا ہے۔

بدترین جرائم کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے اور مہلک گناہوں کو آسان بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اپنے ساتھی نفس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور اپنے قیدی کو باقاعدہ گرفتار کرلیتا ہے تو جس کو خوبصورت بنایا تھا اسی کو منکر بنا دیتا ہے اور جسے آسان بنایا تھا، اسی کو عظیم کہنے لگتا ہے اور جس کی طرف سے محفوظ بنا دیا تھا، اسی سے ڈرانے لگتا ہے۔"

شرح و تفسیر

شیاطین کے وسوسے، ایک دوسری رکاوٹ

خطبے کے اس حصے میں امامؑ بہت اہم خطرات میں سے ایک اور خطرے کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو انسانوں کو سعادت سے محروم کرتا ہے، اور وہ خطرہ، شیطان کے وسوسے اور اس کی سازشیں ہیں جو انسانوں کو فریب دینے کے لیے اس کے موثر ترین وسائل ہیں، جن سے وہ کام لیتا ہے۔ امامؑ مقدمے کے طور پر تیسری بار تقویٰ کی وصیت کرتے ہوئے حجتِ الٰہی کے اتمام کی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

"أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ الَّذِي أَعْذَرَ بِمَا أَنْذَرَ، وَاحْتَجَّ بِمَا نَهَجَ"

"تم لوگوں کو تقویِ الٰہی کی سفارش کرتا ہوں، وہ خداوند تعالیٰ جس نے خوف اور ڈر کے ذریعے سے راہِ عذر کو بند کردیا ہے اور روشن دلائل سے طریقۂ ہدایت کو ظاہر کیا اور حجت کو تمام کرلیا ہے۔"

واضح رہے کہ عدلِ الٰہی بغیر اتمامِ حجت کے قائم نہیں ہوسکتا اور اسی دلیل سے خداوند متعال نے ظاہری رسول کے ذریعے جو انبیاؑ و اولیا کا سلسلہ اور باطنی رسول جو انسان کی عقل و خرد ہے، کے ذریعے حق و باطل کو بیان فرمایا، تاکہ کوئی شخص جہل و نادانی کے ذریعے اپنے غلط کاموں کے لیے عذر اور بہانہ تلاش نہ کرسکے۔

حقیقت میں جملہ "اِحْتَجَّ بِمَا نَهَجَ" راستے کے طریقے دکھانے اور راہِ سعادت ظاہر کرنے کی جانب اشارہ ہے اور جملہ "أَعْذَرَ بِمَا أَنْذَرَ" ان خطرات کی جانب اشارہ ہے جو اس جہاں میں تسلسل کے ساتھ انسان کی گھات میں ہیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خداوند متعال بندوں کی نسبت صرف اتمامِ حجت سے کام نہیں لیتا، بلکہ اپنے لطف و کرم

https://downloadshiabooks.com/

اور رحمت کے ذریعے زیادہ بلند مقام عطا کرتا ہے۔ اس بنا پر اتمام حجت کے اکثر مراحل میں عقلی دلائل کافی ہیں اور ان کی انبیاؑ پر نازل ہونے والی وحی کے ذریعے تاکید کرتا ہے۔ گنہگاروں کی اصلاح کے لیے اور ان کو جھنجھوڑنے والے عوامل جو ان کی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں اور انہیں کافی مہلت دی جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (۱)

"اور تیرا پروردگار ہرگز شہروں اور آبادیوں کو ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے مرکز میں ایک پیغمبر مبعوث کرے جو ہماری آیات ان پر پڑھے اور ہم نے اس وقت تک آبادیوں اور شہروں کو ہلاک نہیں کیا جب تک ان کے اہل ظالم نہ تھے۔"

اس مقدمے کے ذکر کے بعد امامؑ شیطانی فطرت کی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

"وَحَذَّرَكُمْ عَدُوًّا نَفَذَ فِي الصُّدُوْرِ خَفِيًّا، وَنَفَثَ فِي الْآذَانِ نَجِيًّا، فَأَضَلَّ وَأَرْدٰى"

"خداوند متعال تمہیں ایسے دشمن سے ہوشیار رہنے کو کہتا ہے جو مخفی طریقے سے تمھارے سینوں میں داخل ہوتا ہے اور آہستہ سے خون میں دم کرتا ہے اور اس طریقے سے تم لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ہلاک کرتا ہے۔"

اگرچہ ان جملوں اور آنے والے جملوں میں نامِ شیطان مذکور نہیں لیکن جو صفات آئی ہیں، ان سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ اس سے مقصود شیطان ہے۔ اس کی دشمنی خلقتِ آدمؑ کے آغاز سے ظاہر ہے، جس طرح قرآن فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ (۲)

"یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے، ہوشیار رہو کہ یہ تمہیں جنت سے خارج نہ کرے اور لاچار ہو جاؤ۔"

اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ (۳)

"اے فرزندان آدمؑ! کیا ہم نے آپ سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرنا وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔"

البتہ بیدار مومنین اور ہوشیار سالکین کے لیے تکامل اور پیشرفت کے لیے شیطان وسیلہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ جتنا اس کے وسوسوں سے مقابلہ کرتے ہیں، ان کی معنوی و روحانی قدرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں ان کا

---

(۱) سورۂ قصص، آیت ۵۹

(۲) سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۷

(۳) سورۂ یٰس، آیت ۶۰

https://downloadshiabooks.com/

مقام بلند ہوجاتا ہے۔

بات کے تسلسل میں امامؑ مختلف طریقوں سے شیطانی وسوسوں سے پردہ اُٹھاتے ہوئے تین نکتوں کی جانب متوجّہ فرماتے ہیں:

"وَوَعَدَ فَمَنَّى، وَزَيَّنَ سَيِّئَاتِ الْجَرَائِمِ، وَهَوَّنَ مُوبِقَاتِ الْعَظَائِمِ"

"وہ انسان کو خوش خبریاں دیتا ہے اور انسان کو لمبی لمبی اور باطل امیدوں میں مشغول رکھتا ہے اور گناہوں اور جرائم کو ان کی نظر میں اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور بڑے گناہوں کو بے اہمیت شمار کرتا ہے۔"

حقیقت میں یہ تینوں جملے لوگوں میں نفوذ کے لیے شیطان کی اہم چالیں اور خطرناک طریقے ہیں۔

پہلا یہ کہ شیطان، انسان کو طولانی امیدوں میں گرفتار کرتا ہے اور آئندہ کی نسبت وسوسوں اور خیالات میں مشغول کردیتا ہے، انہیں کبھی نہ ختم ہونے والی امیدوں کے خیال میں سرگرم رکھا جاتا ہے اور ان کا پورا وقت، فکر اور توانائیوں کو شیطان ان رنگینیوں کے ذریعے اپنی طرف کرلیتا ہے اور خودسازی واطاعت پروردگار کی راہ کو انسان پر بند کردیتا ہے۔

دوسرا یہ کہ ایسے بُرے اور قابلِ نفرت گناہوں کو جنہیں انسانی ضمیر کبھی قبول نہیں کرتا، انسان کی نظر میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، بے راہ روی کو آزادی جانتا ہے، آلودگیوں کو تمدن وترقی شمار کرتا ہے اور اہلِ معصیت کی سازشوں کو زندگی کی بقا کا ضامن سمجھتا ہے اور خلاصہ یہ کہ ہر بُرے کام کو خوبصورتی کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور انسان کے ضمیر کی آواز کا گلا دبا دیتا ہے۔

تیسرا یہ کہ ایسے بڑے، کبیرہ گناہوں کو اس کی نظر میں ہلکا اور کم ظاہر کرتا ہے جن کی قباحت سے انسان بھاگتا ہے، اور مختلف حیلوں جیسے خداوند غفار ہے اور کوئی شخص معصوم تو نہیں اور ہر شخص ان گناہوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ بقول شاعر

آنجا کہ برق عصیان بر آدم صفیؑ زد   ما را چگونہ زیبد، دعوی بی گناھی

"جب آدمؑ پر برقِ عصیاں آ پڑی، ہمیں کیسے زیب دیتا ہے دعوائے بے گناہی"

اور یہ کہ توبہ کا راستہ ہر حال میں کھلا ہوا ہے اور شافعین، پیغمبروںؑ، ائمہ معصومینؑ کی شفاعت ایسے امور کے لیے ہی تو ہے، کے ذریعے اسے بدترین گناہوں سے آلودہ کرتا ہے۔

ان شیطانی چالوں اور وسوسوں سے انسان کہاں تک پہنچتا ہے، امامؑ اپنے ارشاد کے تسلسل میں عمدہ تعبیرات سے اس کے نتیجے کو بیان فرماتے ہیں:

"حَتَّى إِذَا اسْتَدْرَجَ قَرِينَتَهُ، وَاسْتَغْلَقَ رَهِينَتَهُ، أَنْكَرَ مَا زَيَّنَ، وَاسْتَعْظَمَ مَا هَوَّنَ، وَحَذَّرَ مَا أَمَّنَ"

https://downloadshiabooks.com/

(" شیطان کا کام جاری رہتا ہے) اپنے پیروکاروں کوفریب دیتا ہے اور اپنے ہاتھوں یرغمال لوگوں پر سعادت کے دروازے بند کر دیتا ہے (لیکن جب قیامت میں سب عدل الٰہی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے) تو شیطان نے جن چیزوں کو خوبصورت بنا کرلوگوں کے سامنے پیش کیا تھا ان سے انکار کرے گا اور جن چیزوں کو کم اہمیت بتایا تھا، بڑا شمار کرے گا اور ان چیزوں سے ڈرائے گا جن سے دھوکا کھانے والوں کو بے خوف کر دیا تھا،لیکن افسوس جبران کا وقت نکل چکا ہوگا۔

اِسْتَدْرَجَ یہ شیطان کے وسوسے معمولاً قدم بقدم ہونے کی طرف اشارہ ہے، تا کہ لوگوں پر مکاریاں کارگر ہوں وہ اچانک یا ایک مرتبہ وسوسہ پیدا نہیں کرتا ہے جس سے کم تقویٰ والے افراد اس کا مقابلہ کریں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط [1]

" شیطان کا اتباع اور پیروی نہ کرو۔"

یہ تعبیر قرآن مجید میں متعدد آیات میں آئی ہے اور اسی نکتے کی جانب اشارہ ہے۔

"قَرِيْنَتَهُ" کی تعبیر گویا اس آیۂ شریفہ سے لی گئی ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ [2]

" جو شخص بھی یادِ خدا سے رُوگردانی کرے گا۔ اس پر ایک شیطان مسلط کروں گا جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔"

حقیقت میں شیطان اپنے تابعین کے ایسے قریب ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگی ہرگز اس سے جدا نہیں ہوتی اور یہاں تک کہ وہ شیطان کے اور شیطان اُن کا ہو جاتا ہے۔

"إِسْتَغْلَقَ رَهِيْنَتَهُ" کی تعبیر اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ شیطان اپنے تابعین کو گرویدہ بنا کر ان کی بازگشت کی راہیں بند کر دیتا ہے۔

بالکل انسان نما شیطانوں کی طرح کہ لوگوں کو ایسے اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں کہ وہ لوگ ان کی اطاعت کے بغیر ایک قدم ادھر اُدھر نہیں اُٹھا سکتے کہ ان کو مختلف جہات سے گناہوں سے آلودہ کر لیتے ہیں سوائے فساد کے ان کے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا،لیکن قیامت میں فریب وغرور کے پردے ختم ہو جائیں گے اور ہر شخص جو رکھتا ہے وہ ظاہر ہوگا، شیطان انکار کرے گا اور جس چیز کو بے اہمیت شمار کرتا تھا اسے بڑا شمار کرے گا اور جس چیز کو سمجھتا تھا کہ یہ بچائے گا اسے خطرناک جانے گا؟ لیکن یہ بات شیطان اور اس کے ماننے والوں کے لیے کوئی فائدہ مند نہ ہوگی، کیونکہ گناہوں سے توبہ اور اپنی بداعمالیوں

[1] سورۂ بقرہ، آیات ۱۶۸ تا ۲۰۸، سورۂ انعام، آیت ۱۴۲، سورۂ نور آیہ ۲۱۔

[2] سورۂ زخرف، آیت ۳۶، سورۂ فصلت، آیت ۲۴ میں اس مطلب کے مشابہ آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کی تلافی کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

نکتہ

شیطانی جال کی اقسام

ہم جانتے ہیں کہ انسان ہمیشہ دو بڑے دشمنوں کے مدمقابل ہے، ایک اندرونی دشمن بنام نفس امارہ اور ایک خارجی دشمن بنامِ شیطان جن کے کرتوت ایک جیسے ہی ہیں۔

اگرچہ جس طرح کہا گیا کہ ان دونوں دشمنوں کا وجود باایمان افراد کی ہوشیاری، آمادگی اور عواملِ گناہ سے قاطعانہ جنگ کا سبب ہے اور نتیجے کے طور پر روح وجان کے تکامل اور قرب الی اللہ کا موجب ہوگا لیکن بہرحال ایسے خطرناک دشمنوں کا وجود بڑی ہوشیاری چاہتا ہے، خصوصاً یہ کہ یہ کبھی بھی انسان کو کھلم کھلا گناہ کی طرف دعوت نہیں دیتے، برائیوں کو اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں، بڑے گناہوں کو چھوٹا اور چھوٹی اطاعت کو بڑا ظاہر کرتے ہیں اور رنگارنگ جال انسان کے راستے میں بچھاتے ہیں اور انسان کے تمام کمزوریوں سے اور نفوذ کی راہوں سے اس کی جان سے فائدہ لیتے ہیں اور شہواتِ مال، مقام اور دور دراز آرزوؤں کی زنجیروں سے اس کے ہاتھ پیر باندھ لیتے ہیں، اسی سبب سے کبھی کبھی غفلت کا لمحہ ایک عمر بھر کی بدبختی کا سامان فراہم کر دیتا ہے۔ اس لیے اسلامی روایات میں اس بارے میں زیادہ خبردار کیا گیا ہے، من جملہ ان میں سے ایک حدیث ہے کہ خداوند متعال نے حضرت موسیٰ کو وحی کی۔

"مَا لَمْ تَسْمَعْ بِمَوْتِ إِبْلِيسَ فَلَا تَأْمَنْ مَكْرَهُ"۔ (۱)

"جب تک شیطان کی موت کی خبر نہ سن لو اس کے مکروفریب سے اپنے آپ کو امن میں نہ سمجھو۔"

اس بارے میں اس کتاب کی جلد اوّل میں ساتویں خطبے کے ذیل میں شیطانی وسواس اور انسان میں اس کی راہِ نفوذ اور شیطان کی منصوبہ بندی کے بارے میں تفصیلی بحث آئی ہے۔ (۲)

اس کلمات کو ان پُرمعنیٰ اشعار پر اختتام پزیر کرتے ہیں:

---

(۱) نہج الصباغہ، جلد ۱۴، صفحہ ۳۵۰، یہ مطلب بحارالانوار میں تھوڑے فرق کے ساتھ "اللہ کی چار نصیحتیں جناب موسیٰ علیہ السلام کو" کے زیرِ عنوان ذکر ہوا ہے، بحار جلد ۱۳، صفحہ ۳۴۴۔ (ما دمت لا تری الشیطان میّتا فلا تأمن مکرہ)

(۲) پیام امامؑ جلد ۱، صفحہ ۴۶۰، ۴۶۷۔

https://downloadshiabooks.com/

زشیطان بدگمان بودن نوید نیک فرجامی است — چون خون درھر رگی باید دواند این بدگمانی را
نھفتہ نفس سوی مخزن ھستی رہی دارد — نھانی شحنہ ای می باید این درز نھانی را

”شیطان سے بدگمان ہونا ایک نیکی کی خوش خبری ہے۔ ہر رگ کے خون میں یہ بدگمانی دوڑانی چاہیے، چھپا ہوا نفس خزانۂ ہستی کی جانب راہ پالیتا ہے، پوشیدہ ہوشیار ہی اس پوشیدہ چور کو پکڑ لیتا ہے۔“

بارہواں حصّہ

”أَمْ هٰذَا الَّذِيْ اَنْشَأَهُ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْحَامِ، وَ شُغُفِ الْاَسْتَارِ، نُطْفَةً دِهَاقًا، وَعَلَقَةً مِحَاقًا، وَ جَنِيْنًا وَ رَاضِعًا، وَ وَلِيْدًا وَ يَافِعًا، ثُمَّ مَنَحَهُ قَلْبًا حَافِظًا، وَ لِسَانًا لَافِظًا، وَ بَصَرًا لَاحِظًا، لِيَفْهَمَ مُعْتَبِرًا، وَيُقَصِّرَ مُزْدَجِرًا، حَتّٰى إِذَا قَامَ اعْتِدَالُهُ، وَ اسْتَوٰى مِثَالُهُ، نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا، وَ خَبَطَ سَادِرًا، مَاتِحًا فِيْ غَرْبِ هَوَاهُ، كَادِحًا سَعْيًا لِدُنْيَاهُ، فِيْ لَذَّاتِ طَرَبِهِ، وَبَدَوَاتِ أَرَبِهِ، ثُمَّ لَا يَحْتَسِبُ رَزِيَّةً، وَلَا يَخْشَعُ تَقِيَّةً، فَمَاتَ فِيْ فِتْنَتِهِ غَرِيْرًا، وَعَاشَ فِيْ هَفْوَتِهِ يَسِيْرًا، لَمْ يُفِدْ عِوَضًا وَلَمْ يَقْضِ مُفْتَرَضًا“

”ذرا اس مخلوق کو دیکھو جسے بنانے والے نے رحم کی تاریکیوں اور متعدد پردوں کے اندھیروں میں بنایا کہ اچھلتا ہوا نطفہ تھا پھر منجمد خون بنا۔ پھر جنین بنا۔ پھر رضاعت کی منزل میں آیا پھر طفلِ نوخیز بنا پھر جوان ہوگیا اور اس کے بعد مالک نے اسے محفوظ کرنے والا دل، بولنے والی زبان، دیکھنے والی آنکھ عنایت کردی تاکہ عبرت کے ساتھ سمجھ سکے اور نصیحت کا اثر لیتے ہوئے برائیوں سے باز رہے لیکن جب اس کے اعضا میں اعتدال پیدا ہوگیا اور اس کا قدوقامت اپنی منزل تک پہنچ گیا تو غرور و تکبر سے اکڑ گیا اور اندھے پن کے ساتھ بھٹکنے لگا اور ہوا و ہوس کے ڈول بھر بھر کر کھینچنے لگا۔“

شرح وتفسیر

انسانی زندگی کا آغاز وانجام

خطبے کے اس حصّے میں امام علیہ السلام ایک اور اہم بحث جو انسان کی جنین کی پیدائش سے لے کر عمر کے اختتام اور دنیا سے آنکھیں بند کرنے اور قیامت کے میدان میں حاضر ہونے تک کے مختلف مراحل بیان فرماتے ہیں، تاکہ گزشتہ ابحاث

https://downloadshiabooks.com/

کو شیطان کے خطرات سے بچاتے ہوئے ضرورت کے مطابق زادِراہ وتوشۂ تقویٰ کی فراہمی کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

دوسرے لفظوں میں، انسان کو ہوشیار ہونا چاہیے اور اپنی ذمّے داریوں کو انجام دے اور شیطان کے وسوسوں سے ڈرے۔ فرماتے ہیں:

"أَمْ هٰذَا الَّذِيْ اَنْشَأَهُ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْحَامِ، وَ شُغُفِ① الْاَسْتَارِ، نُطْفَةً دِهَاقًا② وَعَلَقَةً مِحَاقًا③ وَ جَنِيْنًا وَرَاضِعًا، وَوَلِيْدًا وَيَافِعًا④"۔

یہاں پر انسان کی خلقت اور اس کی زندگی کے مراحل کے بارے میں بات کرتے ہیں۔⑤ یہی انسان جسے خداوندمتعال نے رحمِ مادر کی تاریکیوں اور بہت سے پردوں میں نطفے کی صورت میں رکھا اور اس کے بعد جمے ہوئے خون اور غیر معین شکل میں قرار دیا اور بعد میں جنین کامل کی صورت دی، پھر شیر خوار بچے اور بعد میں چھوٹے بچے اور اس کے بعد بلند قد نوجوان بنایا۔

حقیقت میں امامؑ نے یہاں پر انسانی زندگی کے چھے مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں سے تین مراحل دورانِ جنین اور تولّد سے پہلے سے مربوط ہیں اور دوسرے تین مرحلے بعد از تولّد سے ربط رکھتے ہیں۔ وہ مرحلے جو سرعت سے گزرتے ہیں اور ہر ایک خود خاص خاصیت رکھتا ہے، بعض بہت تعجب آمیز اور بعض عبرت آمیز ہیں۔ توانا خداوندمتعال ایک پانی کے قطرے پر صورت گری کرتا ہے جو کسی شکل کا حامل نہ تھا، ایک دوسرے کے پیچھے تاریکیوں، مشیمۂ رحم اور شکمِ مادر کے اندر تھا، اور پھر علقۂ مِحاق (شکل سے عاری جما ہوا خون) کو خوبصورت اور بہترین شکل عطا کرتا ہے اور جنین کی تکمیل کے بعد

---

① شغف، مادّۂ شغاف سے ہے بروزن خواب، غلاف اور دل کے اوپر ایک نازک پردے کے معنیٰ ہیں اور شغف یہاں متعدد پردوں کے معنیٰ میں ہے۔

② دھاق، مادّۂ دھق بروزن دہر سے شدت سے دبانے کے معنیٰ میں ہے اور پھر قوت سے ڈبونے کے معنیٰ میں آیا ہے اور یہاں پر داخلِ رحم کے وقت نطفے کو ڈبو دینے کی جانب اشارہ ہے۔

③ محاق، مادّۂ محق سے ہے، بروزن محو، تدریجاً کم ہونے اور محو ہونے کے معنیٰ میں ہے، اس لیے چاند کے آخر کو محاق کہتے ہیں اور علقہ کی توصیف محاق سے اس لیے ہے کہ تدریجاً زائل وتبدیل ہوتا ہے اور جنین کی صورت میں آجاتا ہے یا اس لیے کہ غیر مشخص قیافہ رکھتا ہے اور کسی صورت میں نہیں آیا ہے۔

④ یافع، مادّہ یفع سے ہے، بروزن نفع، بلند ہونے اور قدآور ہونے کے معنیٰ میں ہے اور جب بچہ جوانی کی صورت میں اور قدآور ہو جاتا ہے تو اس کو یافع، کہتے ہیں۔

⑤ نہج البلاغہ کے شارحین نے یہاں اَمْ کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ استفہامیہ ہے یا متصلہ یا منقطعہ؟ فیصلہ مشکل ہے کیونکہ مرحوم سیّد رضیؒ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بصورت منطقہ ہے اور تقدیر یہ ہے "بل اذکرکم بحال الانسان" کیونکہ سیّد رضیؒ نے طولانی خطبوں سے خاص خاص باتیں ذکر کی ہیں اس لیے ممکن ہے یہاں یہ عبارت پوشیدہ ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

اُسے اس کو اس جہاں میں بھیجتا ہے اور راہِ حیات اور مراحل تکامل میں اس کو ہدایت فرماتا ہے۔آئے دن اس کے حالات، انداز واطوار میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔

اس کے بعد امامؑ ان اہم وسائل کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ جنہیں اللہ نے اس کے اختیار میں دیے ہیں اور جن کے ذریعے انسان باہر کی دنیا سے مربوط ہوجاتا ہے:

"ثُمَّ مَنَحَهُ قَلْبًا حَافِظًا، وَلِسَانًا لَافِظًا، وَبَصَرًا لَاحِظًا، لِيَفْهَمَ مُعْتَبِرًا، وَيُقَصِّرَ مُزْدَجِرًا"

"اس کے بعد اس کو عقلِ محافظ زبانِ گویا اور دیکھنے والی آنکھیں عطا کیں تا کہ درک کرے اور عبرت حاصل کرے اور برائیوں سے پرہیز کرے۔"

خداوند متعال نے اس کو عقل دی تا کہ نیکی و بدی کو پہچانے اور زبان دی تا کہ سوال کرے اور اپنے علم کو دوسروں میں منتقل کرے اور آنکھیں دیں، تا کہ حسّی حقائق کو ان سے درک کرے اور ان تین بڑی عطاؤں کا آخری ہدف یہ تھا کہ انسان اپنے پروردگار کے حکم کو سمجھے اور جو چیزیں اس کے چاروں جانب ہیں، ان سے درس عبرت لے اور جو اس کے مقام کے شایانِ شان نہیں اُس سے پرہیز کرے۔

حقیقت میں ان تینوں عقل، زبان اور آنکھ کو حصولِ علم کے اہم ذرائع سمجھنا چاہیے جو بالترتیب فکری ونقلی وعینی وحسّی مطالب کے درک کے لیے ہیں، جو اس مختصر عبارت میں جمع ہوئے ہیں اور انسان کو دستور دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کو سعادت کی راہ میں صرف کرے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"حَتّٰى إِذَا قَامَ اعْتِدَالُهُ، وَاسْتَوٰى مِثَالُهُ، نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا، وَخَبَطَ سَادِرًا[1]"

"یہاں تک کہ انسان حدِ اعتدال وکمال تک رسائی حاصل کرے اور اپنے قدموں پر کھڑا ہوجائے، اس وقت وہ سرکشی کر کے راہِ فرار اختیار کرتا ہے اور بے پروا ہو کر غلط قدم اٹھاتا ہے (احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال کر ہوا وہوس میں ڈوب جاتا ہے)

درست ہے سب انسان ایسے ہی ہیں، لیکن کلامِ امامؑ سب کے لیے ہے۔ بہت سارے معاشرے جب توانائی و قدرت حاصل کر لیتے ہیں، سب چیزیں بھلا دیتے ہیں اور اسی طرح فرماں بردار مومنین کو انتباہ ہے کہ اپنی ذات سے غافل نہ رہیں اور ایمان وتقویٰ کی نعمت کا شکر بجالائیں۔امیر المومنین علیہ السلام اس بیان کے تسلسل میں فرماتے ہیں:

---

[1] سادر، مادّہ، سدر، بروزن بدر، حیرت و پریشانی کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"مَاتِحًا ① فِیْ غَرْبِ ② هَوَاهُ"

"یہ اس حالت میں ہے کہ وہ پوری کوشش اپنی نفسانی ہوس کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کرتا ہے۔"

"كَادِحًا ③ سَعْيًا لِدُنْيَاهُ فِي لَذَّاتِ طَرَبِهِ، وَبَدَوَاتِ ④ أَرَبِهِ ⑤"

"وہ دنیا حاصل کرنے کے لیے خود کو تکلیف و زحمت میں ڈالتا ہے اور اس کی لذات کے لیے مسلسل کوشش کرتا ہے اور جو نفسانی خواہش اس کے ذہن میں اُبھرتی ہے اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔"

یہ تعبیرات ان جاہل لوگوں کے لیے ہیں جو اپنی پوری توانائی و کوشش دنیاوی مال و منال کے حصول کی راہ، لذات اور ہوا و ہوس کی پیاس بجھانے صرف کر دیتے ہیں، گویا ان کی خلقت کا مقصد سوائے ہوا و ہوس کے کچھ نہیں، یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے اپنی شکست، ناکامیوں، بیماریوں اور موت کا نظارہ کرتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ امامؑ اس بیان کے تسلسل میں فرماتے ہیں:

"ثُمَّ لَا يَحْتَسِبُ رَزِيَّةً ⑥ وَلَا يَخْشَعُ تَقِيَّةً ⑦ فَمَاتَ فِي فِتْنَتِهِ غَرِيرًا ⑧ وَعَاشَ فِي هَفْوَتِهِ ⑨ يَسِيرًا، لَمْ يُفِدْ عِوَضًا، وَلَمْ يَقْضِ مُفْتَرَضًا"

ایسا انسان کبھی بھی نہیں سوچتا کہ اس پر کوئی مصیبت آجائے اور کبھی بھی خدا کی بارگاہ میں تقویٰ الٰہی کی رُو سے خضوع وخشوع نہیں کرتا، اس وجہ سے بالآخر دنیا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے جبکہ گمراہی اور غرور میں گرفتار ہے اور اپنی مختصر زندگی کے

---

① ماتح، غرب، اس پر توجّہ کے ساتھ کہ ماتح ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کنویں کے اوپر کھڑا ہوا اور پوری کوشش کرتا ہے کہ جتنا ہو سکے کنویں سے پانی کھینچ لے۔

② غرب، بڑے ڈول کے معنی میں ہے، واضح تفسیر اس جملے کی وہ ہے جو اوپر بتائی گئی اور اس شخص کی جانب اشارہ ہے کہ کوئی ہوا و ہوس پیاسی نہ رہے اور تمام آرزوؤں اور سب ہوسوں کو مکمل طور پر انجام دینے کی کوشش میں لگا رہے۔

③ کادح، مادّہ کدح سے بروزن مدح ہے، کام میں کوشش کرنے کے معنی میں ہے اور کبھی حرص کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔

④ بدوات، بَدَاۃٌ کی جمع ہے جو کہ بروزن غفلت ہے اور اس کا مادّہ بَدْوٌ (دَلْوٌ کے وزن پر) ہے جو کہ ظاہر ہونے کے معنیٰ میں ہے۔

⑤ ارب، حاجت اور خوشی اور چارہ جوئی کے معنیٰ میں آیا ہے، اوپر والے معنیٰ پر توجّہ کرتے ہوئے بدوات اربہ ایسی لذّتوں کے معنیٰ میں ہے جو انسان کے ذہن میں خطور کرتی ہیں۔

---

⑥ رزیۃ، رزا، کے مادے سے ہے جو کہ بروزن عضو ہے، اس کا اصل معنی نقصان کے ہے اور رزیۃ، کے معنی بڑی مصیبت بھی ہے۔

⑦ تقیۃ، یہاں تقویٰ الٰہی کے معنی میں ہے اور اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تقویٰ کی خاطر بارگاہ خدا میں خضوع وخشوع نہیں کرتا، بعض شارحین نے تقیہ کو مفعول مطلق نوعی اور بعض نے مفعول لہ قرار دیا ہے لیکن دونوں صورتوں میں جملے کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا۔

⑧ غریر، یہاں پر مغرور اور دھوکا دینے کے معنی میں آیا ہے۔

⑨ هفوه، مادّہ هفو سے تیزی سے قدم اُٹھانے کے معنی میں ہے اور چوں کہ تیزی سے چلنا اکثر اوقات لغزش اور زمین پر گرنے کا سبب ہوتا ہے اس لیے لفظ هفوه لڑکھڑانے اور زمین پر گرنے کے معنی میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

گناہوں میں غوطہ زن، یہ اُس وقت ہے جب جو چیزیں دیں ان کے عوض کچھ حاصل نہ کیا۔

یہ کتنا تکلیف دہ ہے، اس شخص کا حال جو ایسے غرور وغفلت کے بھنور میں گرفتار ہو کر سرمایۂ زندگی کو لُٹا کر فقط چند روزہ لذّات، وہ بھی غموں سے بھری ہوئی اور آخرت میں ہاتھ خالی، دنیا کو ترک کر کے سیاہ نامۂ اعمال کے ساتھ عدلِ الٰہی کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔

نکتہ

تیرا عفو اور میری خطا، میرا بخل اور تیری عطا

خطبے کے اس حصے میں، امامؑ متعدد مقامات میں انسان پر الٰہی نعمتوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں، جو رحمِ مادر میں دورانِ خلقت سے تا وقتِ تولّد ظاہر ہوتی ہیں، پھر مراحل تکامل طے کرتا ہیں، اور امامؑ ظاہر کرتے ہیں کہ خداوند متعال نے کس طرح اس کو رحم اور تاریک پردوں کے ظلمات سے ہر روز تازہ خلقت بخشی اور باہر والی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد، کس طرح شناخت ومعرفت کے آلات اس کے اختیار میں دیئے۔ دانا دل، بینا آنکھ اور زبان گویا اسے بخشی۔ لیکن یہ ناشکرا اور نمک ناشناس انسان، جب قدرت تک پہنچا، اپنی خلقت کے ہدف کو بھلا دیا۔ گویا سونا، کھانا، لذّت اور شہوت کے علاوہ کوئی ہدف ہی نہ تھا بالکل حیوان کی طرح لذّت میں غوطہ زن ہو گیا اور الٰہی انتباہات، مصائب وتکلیف وغم اور عمر کے اختتام کی صورت ایک دوسرے کے بعد اسے دیئے گئے، سب پر کان نہ دھرا اور چشم پوشی کی، گویا ایسے سوچتا تھا کہ موت ہمیشہ اس کے پڑوسیوں کے لیے ہے اور غم وتکلیف اجنبیوں کے لیے ہے۔ گویا یہ فکر کرتا تھا کہ ہمیشگی والی حیات رکھتا ہے اور نہ ختم ہونے والی لذّات۔ نہ اس کے لیے امر ونہی ہے اور نہ پیغمبر دین خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت۔ لیکن جلد ہی اس کے دن پورے ہو گئے اور خالی ہاتھ آخرت کی جانب چل پڑا، موت کا تھپڑ اس کے منہ پر لگا اور موت کے وقت بیدار ہوا، لیکن اب واپسی کی کوئی راہ نہیں تھی اور اس کی عمر کے تمام لمحے ویران ہو چکے تھے۔

تیرہواں حصّہ

"دَهِمَتْهُ فَجَعَاتُ الْمَنِيَّةِ فِيْ غُبَّرِ جِمَاحِهِ، وَسَنَنِ مِرَاحِهِ، فَظَلَّ سَادِرًا، وَبَاتَ سَاهِرًا، فِيْ غَمَرَاتِ

https://downloadshiabooks.com/

الْآلَامِ، وَ طَوَارِقِ الْأَوْجَاعِ وَالْأَسْقَامِ، بَيْنَ أَخٍ شَقِيقٍ، وَ وَالِدٍ شَفِيقٍ، وَدَاعِيَةٍ بِالْوَيْلِ جَزَعًا، وَلَادِمَةٍ لِلصَّدْرِ قَلَقًا؛ وَالْمَرْءُ فِي سَكْرَةٍ مُلْهِثَةٍ، وَ غَمْرَةٍ كَارِثَةٍ، وَ أَنَّةٍ مُوجِعَةٍ، وَ جَذْبَةٍ مُكْرِبَةٍ، وَ سَوْقَةٍ مُتْعِبَةٍ"

"طرب کی لذتوں اورخواہشات کی تمناؤں میں دنیا کے لیے انتھک کوشش کرنے لگا۔نہ کسی مصیبت کا خیال رہ گیا اور نہ کسی خوف وخطر کا اثر رہ گیا۔فتنوں کے درمیان فریب خوردہ مرگیا اور مختصر سی زندگی کو بے ہودگیوں میں گزارا۔نہ کسی اجر کا انتظام کیا اور نہ کسی فریضے کو ادا کیا۔اسی باقی ماندہ سرکشی کے عالم میں مگر مصیبتیں اس پر ٹوٹ پڑیں۔اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔اب راتیں جاگنے میں گزر رہی تھیں،شاید اس قسم کے آلام تھے اور طرح طرح کے امراض واسقام جب کہ حقیقی بھائی اور مہربان باپ اور فریاد کرنے والی ماں اور اضطراب سے سینہ کوبی کرنے والی بہن بھی موجود تھی لیکن انسان سکرات موت کی مدہوشیوں،شدید قسم کی بدحواسیوں،دردناک قسم کی فریادوں اور کرب انگیز قسم کے نزع کی کیفیتوں اور تھکا دینے والی شدتوں میں مبتلا تھا۔"

شرح وتفسیر

موت اچانک آجاتی ہے

خطبے کے اس حصے میں امامؑ اس غافل،مغرور وسرکش انسان کی زندگی کے خاتمے کی کیفیت کو بیاں کرتے ہیں کہ کس طرح جان نکالنے والی بیماریوں میں اپنے پیاروں کی فریادوں کی آوازوں کے ساتھ دردناک لحظات میں حالتِ احتضار میں گزارتا ہے اور امامؑ جاں کندنی کی دل دہلا دینے والی تصویر کشی فرماتے ہیں:

دَهِمَتْهُ (۱) فَجَعَاتُ الْمَنِيَّةِ فِي غُبَّرِ (۲) جِمَاحِهِ (۳) وَ سَنَنِ (۴) مِرَاحِهِ (۵) فَظَلَّ سَادِرًا (۶) وَ بَاتَ

---

(۱) دھمت،دَهْم(بروزن فَهْم) کے مادّے سے،گھیرنے اور ڈھانپنے کے معنیٰ میں ہے۔

(۲) غبر،جمع غابر،باقی کچھ،بقایا کے معنیٰ میں ہے۔

(۳) جماح،مادّۂ جمح،بروزن جمع ہے،سرکشی طغیانی اور ہواپرستی کے معنیٰمیں اور سرکش حیوان کو جموح کہتے ہیں۔

(۴) سنن،مفرد ہے روِش اور طریقے کو کہتے ہیں اور سننبروزن سُخن سنّت کی جمع ہے۔

(۵) مراح،مادّۂ مرح سے بروزن فرح ہے،ایسی بڑی خوشحالی کے معنیٰ میں ہے جو طغیانی اور سرکشی اور میسر حرام وگناہ میں الٰہی نعمتوں کو استعمال کرنے سے ملی ہوئی ہے۔

(۶) سادر،کبھی پریشان آدمی اور کبھی بے پرواشخص کے لیے آتا ہے،پہلے معنیٰ مذکورہ جملے کے مناسب اور دوسرے معنیٰ پہلے فراز کے مناسب ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

سَاهِرًا فِيْ غَمَرَاتِ الْآلَامِ، وَطَوَارِقِ الْأَوْجَاعِ وَالْأَسْقَامِ"

"ابھی وہ ہوا و ہوس کی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ موت کی تکالیف اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں جبکہ اس کے وجود میں سرکشی باقی ہے اور اپنی سیر لذات میں قدم آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ اچانک حیرت و پریشانی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور بیماری کی شدت و درد اور تکلیف کی وجہ سے صبح تک بیدار رہتا ہے اور فریاد کرتا رہتا ہے۔"

"بَيْنَ أَخٍ شَقِيْقٍ، وَوَالِدٍ شَفِيْقٍ، وَدَاعِيَةٍ بِالْوَيْلِ جَزَعًا، وَلَادِمَةٍ [۱] لِلصَّدْرِ قَلَقًا"

"یہ اُس وقت ہے جب وہ ہمدرد بھائی اور مہربان والد اور دلسوز زوجہ کے گریے کی آوازوں کے درمیان ہے اور دل سوختہ ماں شدتِ غم سے سینہ پیٹتی ہے۔"

جی ہاں! اس کے اقربا اور چاہنے والے اس کے زندہ رہنے کی امید سے مایوس ہو کر اس کی موت سے پہلے رونے اور چلّانے لگے ہیں اور جب اس کی شدتِ درد میں کمی ہوتی ہے۔ ہوش میں آجاتا ہے تو یہ رونے اور فریاد والی آوازیں اسے بہت تکلیف دیتی ہیں اور وہ اپنی موت اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں وحشت سے چاروں جانب دیکھتی ہیں۔

"وَالْمَرْءُ فِيْ سَكْرَةٍ مُلْهِثَةٍ [۲] وَغَمْرَةٍ كَارِثَةٍ [۳] وَأَنَّةٍ مُوْجِعَةٍ، وَجَذْبَةٍ مُكْرِبَةٍ [۴] وَسَوْقَةٍ [۵] مُتْعِبَةٍ"

"یہ اُس وقت ہے جب موت کے بے تاب کرنے والے سکرات اور غم انگیز تکالیف اور دردناک فریادیں اور بہت تکلیف سے جان کا نکلنا اور تکلیف دینے والی موت اس شخص پر آچکی ہے۔"

سچ یہ ہے کہ جان دینے اور سکراتِ موت کی حالت عجیب ہے۔ وہ انسان جو کل تک تختِ قدرت پر بیٹھا ہوا تھا اور سب امکانات اس کے ہاتھ میں تھے، غرور کی ہواؤں میں مست تھا اور دنیا میں فخر کرتا تھا، آج شدید بیماریوں کی چنگل میں ذبح شدہ پرندے کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، اس کے اقربا اس سے مایوس ہو کر رونے پیٹنے، فریاد کرنے میں مصروف ہیں

---

[۱] لادمه، لامه کے مادّے سے ہے بروزن هدم، کسی چیز کو دوسری چیز سے کوٹنے کے لیے ہے اور وہ عورتیں جو مصائب میں سینہ و چہرہ پیٹتی ہیں ان کو لادمہ کہتے ہیں۔

[۲] ملهثة، مادّہ لهث بروزن فحص سے ہے، پیاس اور تکلیف سے کتے کا زبان کو باہر نکالنے کے معنی میں ہے اور یہ لفظ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو شدت کے ساتھ کسی چیز کے پیچھے لگ جائیں۔

[۳] كارثه، کرث کے مادّے سے ہے بروزن بحث، غمگینی کی شدت اور ان امور کے لیے آتا ہے جو شدید غم کا سبب ہوں۔

[۴] مكربة، کرب کے مادّے سے ہے بروزن غرب، غموں میں بُری طرح پھنس جانے کے معنی میں ہے۔

[۵] سوقة، دھتکارنے اور ہانکنے کے معنی میں ہے اور جان دینے والی حالت میں اس لیے استعمال ہوا ہے کہ انسان کو اس جہاں سے دوسرے عالم کی جانب سرعت سے ہانکا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اور کوئی بھی اسے بچا نہیں سکتا۔ تاریخ میں بہت ساری جگہوں پر بڑے بڑے طاقتوروں کی زندگی اور ان کے احتضار کے دل ہلا دینے والے لحظات نقل ہوئے ہیں۔

مامون، خلیفہ عباسی جس کی حکومت بہت پھیل چکی تھی کے حالات میں لکھا ہے، وہ اپنے عظیم لشکر کے ساتھ جنگ کے ایک میدان سے واپسی میں طوس کی جانب آرہا تھا۔ ایک سرسبز مقام پر ایک چشمے کے پاس رُکا، ایک بڑی سفید مچھلی پر نظر پڑی تو حکم دیا کہ اس کو پکڑیں اور اس کے لیے پکائیں، اس وقت اس کے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیا، سارا جسم لرزنے لگا، مسلسل لرزتا تھا اور جتنے زیادہ کپڑے اس کے اوپر ڈالے گئے پھر بھی وہ فریادیں کرتا تھا، سردی، سردی، اس کے چاروں جانب آگ جلائی گئی، پھر بھی چیخ رہا تھا، سردی، سردی، مچھلی بھون کر لائے لیکن وہ ذرّہ برابر چکھ نہ سکا، اس کی حالت غیر ہوتی گئی، اور سکراتِ موت نے اسے گھیر لیا، ان کے بدن سے گاڑھا اور چپکنے والا پسینہ نکلنے لگا، اس کے مخصوص طبیب یہ بیماری دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جب اس کی حالت بہت خراب ہوگئی، تو، کہا مجھے ایسی بلند جگہ پر لے چلیں کہ وہاں سے اپنے لشکر کو دیکھ سکوں، رات کا وقت تھا اور سارے بیابان میں لشکر نے جو آگ جلائی تھی، جل رہی تھی، ماموں نے آسمان کی جانب دیکھا اور یہ جملہ کہا، ”یَامَنْ لَایَزُوْلُ مُلْکُهُ اِرْحَمْ مَنْ قَدْ زَالَ مُلْکُهُ“[۱] اس کو پھر اس کے بستر پر لے آئے، معتصم نے ایک شخص کو کہا کہ اس کے بستر کے قریب بیٹھے اور شہادتین، اس کی زبان پر جاری کرے جب اس شخص کی آواز بلند ہوئی تو، مامون کے ایک مخصوص طبیب ”ابن ماسویہ“ نے کہا، مت چیخو خدا کی قسم! یہ اس حالت میں اپنے پروردگار اور مانی کے درمیان فرق نہیں رکھتا۔ مانی ایک ایسا مرد تھا جس نے قدیم ایران میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

مامون متوجّہ ہوا، آنکھیں کھولیں، غصے سے سرخ ہو رہی تھیں، چاہا کہ ابن ماسویہ کو اپنے ہاتھ سے مارے اور زبان سے عتاب آمیز کلمات کہے، لیکن نہ ہاتھ قادر بہ حرکت تھا نہ زبان قابلِ نطق، اپنی آنکھیں آسمان کی جانب کیں، جبکہ مسلسل آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ فقط زبان سے یہ جملہ نکلا:

”یَامَنْ لَایَمُوْتُ اِرْحَمْ مَنْ یَمُوْتُ“[۲]

اے خدا! جس کو موت وفنا نہیں، اس پر رحم کر جو حالتِ موت میں ہے، پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ جی ہاں! اُس وقت جب صاحبِ قدرت تھا، ایسے دن کے لیے کبھی یقین نہ رکھتا تھا:

دیدی آن قہقہۂ کبک خرامان حافظ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ز سر پنجۂ شاھین قضا غافل بود

[۱] ”اے خدا! جس کی حکومت لازوال ہے اس پر رحم کر جس کی حکومت اختتام پزیر ہے۔“

[۲] مروج الذہب، مسعودی، جلد ۳، صفحہ ۴۵۶۔ (خلاصے کے ساتھ)

https://downloadshiabooks.com/

"حافظ نے تو دیکھا کہ وہ خرامان کبک کا قہقہہ شاہین قضا کے پنجے سے غافل تھا۔"

چودھواں حصّہ

"ثُمَّ أُدْرِجَ فِيْ أَكْفَانِهِ مُبْلِسًا، وَجُذِبَ مُنْقَادًا سَلِسًا، ثُمَّ أُلْقِيَ عَلَى الْأَعْوَادِ رَجِيْعَ وَصَبٍ، وَ نِضْوَ سَقَمٍ، تَحْمِلُهُ حَفَدَةُ الْوِلْدَانِ، وَحَشَدَةُ الْإِخْوَانِ، إِلٰى دَارِ غُرْبَتِهِ، وَ مُنْقَطَعِ زَوْرَتِهِ، وَ مُفْرَدِ وَحْشَتِهِ، حَتّٰى إِذَا انْصَرَفَ الْمُشَيِّعُ، وَ رَجَعَ الْمُتَفَجِّعُ أُقْعِدَ فِيْ حُفْرَتِهِ نَجِيًّا لِبَهْتَةِ السُّؤَالِ، وَ عَثْرَةِ الْإِمْتِحَانِ"

"اس کے بعد اسے مایوسی کے عالم میں کفن میں لپیٹ دیا گیا اور وہ نہایت درجہ آسانی اور خود سپردگی کے ساتھ کھینچا جانے لگا۔ اس کے بعد اسے تختے پر لٹا دیا گیا اس عالم میں کہ خستہ حال اور بیماریوں سے نڈھال ہو چکا تھا۔ اولاد اور برادری کے لوگ اسے اٹھا کر اس گھر کی طرف لے جا رہے تھے جو غربت کا گھر تھا اور جہاں ملاقاتوں کا سلسلہ بند تھا اور تنہائی کی وحشت کا دور دورہ تھا، یہاں تک کہ جب مشایعت کرنے والے واپس آ گئے اور گریہ وزاری کرنے والے پلٹ گئے تو اسے قبر میں دوبارہ اٹھا کر بٹھا دیا گیا۔ سوال و جواب کی دہشت اور امتحان کی لغزشوں کا سامنا کرنے کے لیے۔"

شرح و تفسیر

موت کے بعد حوادث

خطبے کے اس حصے میں امامؑ موت کے بعد انسان کی حالت کو بیان فرماتے ہیں، اور وہ بحث جو پہلے حالت احتضار کے بارے میں تھی، اس سے مربوط ہے، امامؑ مختصر و پُر معنیٰ اور دل ہلا دینے والے جملوں میں ایسے انسان کی حالت کا نقشہ پیش کرتے ہیں، جس کی ہڈیاں اور اعضا انتہائی مضمحل ہو چکے ہوں اور فقط بے روح جسم جیسا باقی بچا ہو جو اپنے اقربا اور دوستوں کی مدد سے کفن دفن اور قبرستان کے حوالے ہونے والا ہو، ایسا منظر جس کا مقائیسہ جب حیات و قدرت کے زمانے سے کیا جائے تو واقعاً دل ہلا دینے والا ہے۔

فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"ثُمَّ أُدْرِجَ فِيْ أَكْفَانِهِ مُبْلِسًا ① وَجُذِبَ مُنْقَادًا سَلِسًا ② ثُمَّ أُلْقِيَ عَلَى الْأَعْوَادِ رَجِيْعَ ③ وَصَبٍ ④ وَنِضْوَ ⑤ سَقَمٍ، تَحْمِلُهُ حَفَدَةُ الْوِلْدَانِ، وَحَشَدَةُ ⑥ الْإِخْوَانِ، إِلَى دَارِ غُرْبَتِهِ، وَمُنْقَطَعِ زَوْرَتِهِ ⑦ وَ مُفْرَدِ وَحْشَتِهِ"

"پھراس کے بعد انسان کو کفن پہناتے ہیں جبکہ وہ ہر چیز سے مایوس ہو گیا ہے اور ہر چیز کو بھلا چکا ہے اور اس کو آسانی سے اُٹھاتے ہیں، کیونکہ وہ بے بس ہے اور اس کے کمزور، دکھوں اور تکلیفوں اور بیماری کے اثر کے تحمّل سے ختم ہونے والے جسم کو، تابوت کی لکڑیوں میں ڈالتے ہیں، جبکہ اس کے فرزند، پوتے، نواسے اور سارے دوست اس کے تابوت کو کاندھوں پر اُٹھائے خانۂ غربت کی جانب لے چلتے ہیں جہاں پر وہ کسی کو نہ دیکھ سکے گا اور وحشت ناک تنہائی میں پڑا رہے گا۔

جی ہاں! پہلے آخری لباس کو اس کے جسم پر پہناتے ہیں، ایسا لباس جو دنیاوی چمک دمک سے مکمل طور پر خالی ہے جبکہ ایسے چمک دمک والے لباسوں کی تیاری کے لیے کئی دن، کبھی ہفتے صرف ہوتے تھے، اور بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوتی تھیں۔ لیکن آج جو لباس پہنایا جا رہا ہے نہ اس میں کسی ماہر درزی کی ضرورت ہے اور نہ مختلف ابعاد سے اس کا ناپ لیا جا رہا ہے اور نہ کوئی اس کی خوبی و جنس کی جانب توجّہ کر رہا ہے اور سب سے عجیب یہ کہ اس میں شاہ و گدا برابر ہیں، اور سب کا حصہ اس میں مساوی ہے۔

جی ہاں، ایسا لباس جس کے ایک بار دیکھنے سے دور اندیش وصاحب نظر افراد، اس دنیا کی ناپائیداری کے سبھی اَسرار جاں لیں۔ تابوت میں سُلا کر اس کی ابدی آرام گاہ کی جانب اس کو لے کر چلنا یہ منظر بھی دل ہلا دینے والا ہے، نہ خود کوئی ارادہ رکھتا ہے، نہ کوئی اچھا مشورہ اور نہ اعتراض، جہاں بھی لے جائیں، مان رہا ہے اور جہاں دفن کریں مکمل مطیع ہے، ایسا جسم جو کبھی کئی مہینے یا کئی سال طرح طرح کی بیماریوں کے زیر اثر رہ کر ختم ہو چکا ہے، یہاں تک کہ زندگی کے آخری دنوں میں ہلنے کی سکت بھی نہ رکھتا تھا، مرنے کے بعد کی کیا بات ہے۔

---

① مبلس، مادّہ ابلاس سے ہے، اُس غم کے معنیٰ میں ہے جو شدید ناامیدی کے باعث طاری ہو، اس وجہ سے اسے کبھی ناامیدی کے معنیٰ میں تفسیر کرتے ہیں، مبلس خطبے میں مایوس کے معنیٰ میں ہے اور اس سے مقصود پس ماندگان کا اپنے مرحومین کی واپسی سے مایوس ہونا ہے۔

② سلس، مادّہ سلس سے ہے آسانی کے معنیٰ میں ہے۔

③ رجیع، ایسے حیوان کے معنیٰ میں ہے جو مسلسل سفر پر سفر کر کے کمزور ہو چکا ہو، اس کے بعد کمزور انسان کے لیے استعمال ہوا ہے۔

④ وصب، دائمی درد، دائمی مرض اور سستی کے معنیٰ میں ہے۔

⑤ نضو، اصل میں ایسے حیوان یا اونٹ کے معنیٰ میں ہے جو کمزور ہو، اس کے بعد کمزور انسان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

⑥ حشدۃ، جمع حاشد، ایسے گروہ کے معنیٰ میں ہے جو ایک کام کے کرنے پر جمع ہو جائیں۔

⑦ زورۃ، مصدر ہے زیارت کی مانند، دیدار کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ وہی انسان ہے جو ایک روز تختِ قدرت پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک اشارے سے ہزاروں لوگوں کو چلاتا تھا، آنکھ کے اشارے سے کسی کو بخش دیتا تھا اور تھوڑے سے غصے سے ایک بے گناہ کا سر تن سے جدا کرتا تھا، آج وہ اس حال میں پڑا ہوا ہے۔

معمول کے مطابق، اس کے بیٹے، پوتے، نواسے، بھائی، دوست واحباب اس کے تابوت کو کاندھوں پر اُٹھاتے ہیں لیکن کہاں لے جا رہے ہیں، ایسی جگہ جس سے وہ ہمیشہ ڈرتا تھا۔

امامؑ سلسلۂ کلام کو بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حَتّٰى إِذَا انْصَرَفَ الْمُشَيِّعُ، وَ رَجَعَ الْمُتَفَجِّعُ، أُقْعِدَ فِي حُفْرَتِهِ نَجِيًّا لِبَهْتَةِ[1] السُّؤَالِ، وَ عَثْرَةِ الْاِمْتِحَانِ"

"یہاں تک کہ اس کا نام زبان پر نہ لاتا تھا اور اگر وہاں سے گزرتا بھی تھا تو منہ موڑ لیتا تھا، ایسی جگہ جو اس کے رابطے کو مکمل طور پر اس دنیا کے لوگوں سے منقطع کرتی ہے اور یہ ایک وحشت ناک اور بھولی بسری جگہ ہے۔"

یہ حالت اسی طرح رہتی ہے جب تک تشییع کرنے والے (جنازے کو ابدی آرام گاہ کے سپرد کر کے) واپس آجائیں اور بہت گریہ کرنے والے خاموش ہو جائیں۔ (اور اس کو اکیلا چھوڑ دیں) پھر قبر کے گڑھے میں اس کو لٹایا جاتا ہے (اور اس سے سوال کرتے ہیں) جبکہ وہ اس امتحان میں غلطی اور حیرت وڈر کی وجہ سے بالکل آہستہ بات کرتا ہے۔

جی ہاں! پس ماندگان اور سوگواران کا ساتھ قلیل ہوتا ہے، فقط اس کو قبر کے حوالے کرتے ہیں سب کے سب اس کو وداع کہتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں اور اسے بالکل تنہا چھوڑ دیتے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کو صاف کر دیتے ہیں، ان کی فریادیں خاموش ہو جاتی ہیں، اور بے تابی آرام میں تبدیل ہو جاتی ہے اور تدریجاً اسے فراموشی کے سپرد کرتے ہیں، جبکہ وہ بہت کٹھن مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو فرشتوں کے سوالوں کے جوابات کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ اگرچہ سوالوں کے جوابات آسان ہوتے ہیں لیکن ان کے اظہار کے لیے روحی واعتقادی وعملی آمادگی ضروری ہے، جو بہت سارے لوگوں کی قدرت وطاقت سے باہر ہے اور اس لیے لغزشِ امتحان، واضح ہے۔

درحقیقت جملہ "أُقْعِدَ فِي حُفْرَتِهِ نَجِيًّا" قبر کے سوال وجواب پر واضح اشارہ ہے، جو نکات کی بحث میں تشریح کے ساتھ آئے گا اور نجیا جو نجویٰ کے مادّے سے ہے، جو آہستہ بولنے کے معنیٰ میں ہے، کے ساتھ تعبیر یا پروردگار کے ساتھ مناجات کی جانب اشارہ ہے کہ حساس لحظات میں اُس کے دامنِ لطف میں پناہ لے رہا ہے یا آہستہ بات کرنے کی جانب کہ سوالات کے جوابات کی عدم توانائی کے خوف کی وجہ سے یا بڑے امتحان میں ناکام ہونے کے خوف کی وجہ ہے۔

---

[1] بہتۃ، مادّہ بُہت سے ہے، حیرت اور خوف کی مرکب حالت کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

نکات

ا۔پس ماندگان کا وداع اور عبرت آمیز لمحات

انسان جب اس جہاں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، اس کی حالت مجموعی طور پر پراگندہ ہو جاتی ہے، اس آخری لمحے تک کہ وہ زندہ تھا، سب کے ساتھ ہمرنگ اور ہم قدم تھا، لیکن اب اس کا حساب بالکل جدا ہے۔ اب سب چاہتے ہیں کہ اس ناہم رنگ موجود کو جتنا جلد ہو سکے زمین کے حوالے کریں، جہاں اس کا رابطہ انسانی معاشرے سے بالکل منقطع ہو جائے۔

یہ لمحات بہت عبرت انگیز ہیں، نہ تو خود سے کوئی ارادہ رکھتا ہے، اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کے لیے کوئی کام کر سکتا ہے، نہ فریادیں نہ زور سے رونا، اس کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ اس کے دوست اپنے دوست کے لیے کوئی مدد کر سکتے ہیں، اس کے جنازے کو تیزی سے لے جاتے ہیں اور ٹھنڈی اور ساکت جگہ میں منوں مٹی کے نیچے چھپا دیتے ہیں، ظاہراً فقط ایک چیز اس کے ساتھ بھیجتے ہیں وہ چند ٹکڑے کپڑے کے ہیں وہ بھی کم قیمت اور سلائی کے بغیر اس کا آخری لباس، نہ تخت وشاہی تاج کی کوئی خبر ہے اور نہ زر و زیورات کی اور نہ بڑے بڑے بنگلوں کی۔

اس مقام پر عظیم اسلامی رہبروں کی طرح امیر المومنین علیہ السلام وصیّت کرتے ہیں اس طغیانی کرنے والے نفس کو مہار کرنے کے لیے ان لحظات کو ترک کرنا چاہیے اور موت کو یاد کریں۔ جو چیز تم سے غافل نہیں ہوتی ہے تم کیسے اس سے غافل ہو؟، فرماتے ہیں،" آپ کے لیے بہترین واعظ، یہ مُردوں کے بے جان جسم ہیں، جو ہر روز زندہ لوگوں کے کاندھوں پر سوار ہمیشہ کی آرام گاہ کی طرف جاتے ہیں، جس جگہ سے پیار تھا جدا ہوتے ہیں، اور ایسی جگہ ہمیشہ کے لیے جارہے ہیں، جو وحشت ناک ہے، تکلیفوں سے بھری ہوئی ہے، ان کے اعمال کا رجسٹر بند ہو جاتا ہے، نہ کوئی نیکی ان کے اندر بڑھ سکتی ہے نہ ان سے کوئی بدی مٹ سکتی ہے۔"[۱]

درحقیقت پیدائش کے بعد دنیا کا ہر لمحہ آزمائش کا ہے، دنیا کا ہر آنے جانے والا دن بے اختیاری سے گزرتا ہے دونوں صورتوں (ورود، خروج) میں انسانی ہاتھ خالی نظر آتا ہے، اور دنیا سے خروج والا لحظہ بھی، دونوں کو بے اختیار پاتے ہیں اور دونوں حالتوں میں انسانی ہاتھ ہر چیز سے خالی ہوتے ہیں اور اگر انسان ہر روز تھوڑا بھی ان دونوں میں فکر کرے تو یقیناً ان

---

[۱] خطبہ ۱۸۸ سے اقتباس جس کی شرح ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

https://downloadshiabooks.com/

دونوں کے درمیان غرور، سرکشی، نسیان وفراموشی میں گرفتار نہیں ہوگا۔

امیر المومنینؑ سے منسوب اشعار میں ایک بہت عمدہ نکتہ دکھائی دیتا ہے، فرماتے ہیں:

دَلِيْلٌ عَلَى الْحِرْصِ الْمُرَكَّبِ فِي الْحَيِّ وَ فِيْ قَبْضِ كَفِّ الطِّفْلِ عِنْدَ وِلَادَةٍ

اَلَا فَانْظُرُوْنِيْ قَدْ خَرَجْتُ بِلَا شَيْئٍ وَ فِيْ بَسْطِهَا عِنْدَ الْمَمَاتِ مَوَاعِظٌ

ہم عصر شاعر "شہریار" نے مذکورہ اشعار کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

اس جہاں میں جب آنکھ کھولی تو مٹھی بند تھی یعنی حرص وغضب کے علاوہ میرا حال نہیں ہے

آخر میں زیرِ خاک مٹھی کھلی ہونا یہ دکھاتا ہے کہ دیکھو خالی ہاتھ جا رہا ہوں

۲۔ سوالِ قبر کیا ہے؟

مذکورہ خطبے کے اس حصے میں، ایک واضح اشارہ قبر میں سوال جواب کی جانب آیا ہے، جس کے بارے میں اسلامی روایات میں بھی بہت ملتا ہے اور عقائد کے علمائے کرام کی طرف سے بھی اس کے بارے بھی گفتگو ملتی ہے۔

منہاج البراعۃ (شرح نہج البلاغہ) میں محقق خوئی کہتے ہیں، سب مسلمانوں کا سوالِ قبر کا برحق ہونے پر اجماع ہے؟ بلکہ اس کو ضروریاتِ دین میں سے شمار کیا جاسکتا ہے، فقط چند ملحدوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لَيْسَ مِنْ شِيْعَتِنَا مَنْ اَنْكَرَ ثَلَاثَةً: اَلْمِعْرَاجَ وَسُؤَالَ الْقَبْرِ وَالشَّفَاعَةَ"[1]

"جو شخص تین چیزوں کا انکار کرے، ہمارے تابعین میں سے نہیں، وہ معراج، سوالِ قبر اور شفاعت ہیں۔"

اسلامی مآخذ میں بہت سی روایات بھی اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ جب انسان کو قبر میں رکھتے ہیں، دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے اصولِ عقائد، توحید، نبوت، ولایت ائمہؑ کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور بعض روایات کے مطابق، کس طرح عمر صرف کی، کسبِ اموال کے طریقے اوران کے تصرف کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں، اس لیے اگر سچے مومنین ہیں، تو عمدہ طریقے سے جوابات دیتے ہیں اور رحمت وعنایاتِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہوجاتی ہے اور اگر کوئی گنہگار، منحرف ہے تو جوابات نہیں دے پاتا اور برزخ کے دردناک عذاب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

یہ نکتہ قابلِ توجّہ ہے کہ جو چیز روایات میں موجود ہے، اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ سوال وجواب قبر کوئی معمولی

---

[1] منہاج البراعۃ، جلد ۶، ص ۴۰، ۴۱۔

https://downloadshiabooks.com/

مسئلہ نہیں ہے کہ انسان اپنے رجحان کے مطابق جواب دے دے، اورنجات پالے، بلکہ ایسے سوال ہیں کہ انسان ان کے جوابات اپنے دل ومتن عقائدواعمال سے دے گا، گویاایسا جواب ہے جوانسان کے دل کی گہرائی سے تعلق رکھتاہےاورحقیقت میں یہ پہلی عدالت الٰہی ہےجس کاانجام عالمِ برزخ پر ہوتاہے۔

دوسرے الفاظ میں، موت کا بڑا حادثہ، اتنا عظیم ہے کہ انسان کو بطورکلّی خود سے بےخود کردیتاہےاوراس کی روح گویا اپنے حواس کو کھوچکی ہے، سوائے اس کے کہ یہ کسی ایسی شے میں ایسی ثابت قدم ہو کہ ایسے بڑے حادثے کے وقت فراموش نہ کی جاسکے۔

مرحوم علّامہ مجلسی کہتے ہیں، علمائے متکلمین امامیہ میں یہ مشہور ہے کہ سوال قبر عمومیت نہیں رکھتا، بلکہ ایسے افراد کے ساتھ مربوط ہےجوایمان کے بالادرجات یا کفر کے آخری درجے میں ہوں، لیکن مستضعفین، بچےاورمجنوں افرادسوالِ قبر سے مستثنٰی ہیں۔

مرحوم علّامہ خوئی اس بات کونقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"بہت ساری روایات کتاب کافی وغیرہ میں کثیر تعداد میں وارد ہوئی ہیں، جواس مطلب پر گواہ ہیں۔ (۱)

یہاں پرایک سوال ہے کہ آیا سوالِ قبراس جسمانی بدن سے ہوگا اوراس کا جواب بھی یہ بدن دے گا؟ یا یہ سوال و جواب عالم برزخ میں روحِ انسان سے ہوگا، جواپنے بدن کے قریب ہوگی؟ اوردوسرے الفاظ میں روح سے بھی مثالی سوال ہوگا یاصرف اس مادّی عنصری جسم سے ہوگا؟

یہاں پر بہت سارےنظریات بیان ہوئے ہیں، بعض کا اعتقادہے کہ روح بطورموقت جسم میں واپس پلٹتی ہے۔

لیکن بطور کامل نہیں، بلکہ اتنی مقدار کہ سوال کے جواب پر قادر ہوسکےاورخدا کی طرف سے اُس کے فرشتے سوال کرتے ہیں اوروہ ان کے جوابات دیتاہے۔

لیکن مرحوم علّامہ مجلسیؒ اس بارے میں احادیث کے باب میں تحقیق کے بعداپنے ایک بیان میں اس طرح کہتے ہیں:

"اَلْمُرَادُبِالْقَبْرِفِیْ أَکْثَرِ الْاَخْبَارِمَایَکُوْنُ الرُّوْحُ فِیْہِ فِیْ عَالَمِ الْبَرْزَخِ"

"اکثر روایات میں قبر سے مرادعالمِ برزخ ہے جہاں ارواح مثالی جسم میں موجود ہوتی ہیں(یعنی قالب مثالی میں ہوتی ہیں۔اس جسم مادّی وعنصری میں نہیں)"

اس کے بعد کہتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم روح کو مادّے سے مجرّد مانیں، لیکن اگر ہم روح کو ایک

---

(۱) منہاج البراعۃ، جلد ۶، صفحہ ۴۲

https://downloadshiabooks.com/

جسم لطیف مانیں تو قبر کے سوال و جواب کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ [1]

یہاں جاہل لوگوں کی طرف سے کیے گئے سوالات کے جوابات بھی بیان کرتے ہیں: اگر ہم مُردوں کے منہ پر کوئی نشان لگا دیں اور دو تین دن کے بعد قبر کھول کر دیکھیں اس نے بات کی ہوگی تو نشان کوئی اثر ضرور لگے گا۔ ایسی کوئی بات یہاں نظر نہیں آتی، کیوں کہ سوال و جواب اس مادّی جسم سے نہیں ہوتا، جس کا اثر یہاں دیکھا جائے۔

من جملہ ان اُمور میں سے جو علّامہ مجلسیؒ کے کلام کی صحت پر گواہ ہیں یہ آیہ مبارکہ ہے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَاَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ [2]

ہمارے پروردگار عالم نے ہمیں دو بار موت دی اور دوبارہ زندہ کیا۔ یہ بارگاہ خداوندی میں بروز قیامت گنہگار کہیں گے، اس سے واضح ہے کہ احیا دو مرتبہ سے پیش تر موت نہیں ہے۔ ایک دنیا میں اور دوسرے قیامت میں۔ اگر یہ بدن قبر میں جواب گو ہوتا تو قبر میں بھی موقتِ حیات ہوتی اور نتیجتاً انسان کو تین زندگیاں ملیں گی اور تین بار موت آئے گی: (دنیا کی زندگی، قبر کی زندگی، قیامت کی زندگی۔ دنیاوی موت اور اختتام عمر پر موت اور قبر میں زندگی کے بعد کی موت)

بے شک سوال و جواب روحِ انسان سے قالبِ برزخی میں انجام پاتے ہیں۔ اور اگر مذکورہ خطبے میں آیا ہے "أُقْعِدَ فِي حُفْرَتِهِ" اس کو قبر میں لٹایا جائے گا، اس مطلب کی جانب اشارہ ہے، ورنہ بہت سی قبروں، خصوصاً بغیر لحد کی قبروں، میں انسان کے بیٹھنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

پندرہواں حصّہ

"وَ أَعْظَمُ مَا هُنَالِكَ بَلِيَّةً نُزُوْلُ الْحَمِيْمِ، وَ تَصْلِيَةُ الْجَحِيْمِ، وَ فَوْرَاتُ السَّعِيْرِ، وَ سَوْرَاتُ الزَّفِيْرِ، لَافَتْرَةٌ مُرِيْحَةٌ، وَلَادَعَةٌ مُزِيْحَةٌ، وَلَا قُوَّةٌ حَاجِزَةٌ، وَلَامَوْتَةٌ نَاجِزَةٌ، وَلَاسِنَةٌ مُسَلِّيَةٌ، بَيْنَ أَطْوَارِ الْمَوْتَاتِ، وَعَذَابِ السَّاعَاتِ! إِنَّا بِاللّٰهِ عَائِذُوْنَ!"

"اور وہاں کی سب سے بڑی مصیبت تو کھولتے ہوئے پانی کا نزول اور جہنم کا ورود ہے جہاں آگ بھڑک رہی ہوگی اور شعلے بلند ہو رہے ہوں گے۔ نہ کوئی راحت کا وقفہ ہوگا اور نہ سکون کا لمحہ۔ نہ کوئی طاقت عذاب کو روکنے والی ہوگی اور نہ کوئی موت سکون بخش ہوگی۔ حد یہ ہے کہ کوئی تسلّی بخش نیند بھی نہ ہوگی۔ طرح طرح کی موتیں ہوں گی اور دم بدم کا

---

[1] بحار الانوار، جلد ۶، صفحہ ۲۷۱

[2] سورۂ غافر، آیت ۱۱

https://downloadshiabooks.com/

عذاب۔ بیشک ہم اس منزل پر پروردگار کی پناہ کے طلب گار ہیں۔"

شرح وتفسیر

قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے

امامؑ اس حصے میں عالم برزخ کے احوال اور گنہگاروں کی گرفتاری کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

کیونکہ ثواب وعتاب کا مسئلہ فقط عالمِ قیامت سے مربوط نہیں ہے بلکہ یہ جہانِ برزخ میں بہت لوگوں کو پیش آئے گا، جو عالمِ دنیا وعالمِ قیامت کے درمیان واسطہ ہے اور مشہور حدیث ہے:

"اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيرَانِ" (۱)

"قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔"

دوسرے الفاظ میں جو چیز قیامت ہے محدود شکل میں برزخ میں بھی اس کا وجود ہے، فرماتے ہیں:

"وَ أَعْظَمُ مَا هُنَالِكَ بَلِيَّةً نُزُوْلُ الْحَمِيْمِ (۲) وَ تَصْلِيَةُ (۳) الْجَحِيْمِ، وَ فَوْرَاتُ (۴) السَّعِيْرِ، وَ سَوْرَاتُ (۵) الزَّفِيْرِ (۶)

"بہت بڑی مصیبت وہاں، کھولتا ہوا جہنم کا پانی اور جہنم میں داخل ہونا اور اس کی آگ کے بھڑکتے اور آواز نکالتے شعلے ہیں۔"

---

(۱) یہ حدیث ترمذی نے اپنی صحیح میں پیغمبر گرامیؐ سے نقل کی ہے، جلد ۴، کتاب "ہفتہ القیامتہ" حدیث ۲۴۶۰، اور علاّمہ مجلسی نے بحارالانوار جلد ۶، صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۸ پر نقل کی ہے۔

(۲) حمیم، مادّہ حم سے غم کے وزن پر ہے۔ گرمی کے معنیٰ میں ہے، اور بہت تیز گرم پانی کے لیے بھی آیا ہے اور عبارت بالا میں یہ معنیٰ مراد ہیں، قرآن مجید فرماتا ہے۔ "فشاربون علیہ من الحمیم" اُس وقت وہ کھولتا ہوا پانی پیئیں گے۔ (سورۂ واقعہ، آیت ۵۴)۔

(۳) تصلیۃ، مادّۂ صلی سے سعی کے وزن پر ہے، صلی جلانے اور آگ میں داخل ہونے کے معنیٰ میں آیا ہے لیکن تصلیہ متعدی ہے اور فقط جلانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

(۴) فورات، جمع فورہ، جوش میں آنے کے معنیٰ میں ہے۔

(۵) سورات، جمع سورہ، غصے کے معنیٰ میں ہے۔

(۶) زفیر، آگ کی بھیانک آواز، جب اس کے زبالے کو نکالا جائے۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ وہ ہی برزخی جہنم ہے جو قیامت میں جلانے والے جہنم کا ایک حصہ ہے۔ بڑے گناہ کرنے والے اس میں گرفتار ہوں گے، جس طرح قرآن مجید آلِ فرعون کے لیے کہتا ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۴۶ [1]

"(اور اب تو قبر میں دوزخ کی) آگ ہے کہ وہ لوگ (ہر) صبح و شام اس کے سامنے لا کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں جھونک دو۔"

ان ہولناک تعبیرات سے عمدہ طور پر استفادہ ہوتا ہے کہ برزخی عذاب بھی شدید اور وحشت ناک ہے، آتش جو فریاد کرتی ہے اس کے شعلے بلند ہوتے ہیں اور کھولتا پانی، جان نکالنے والا ہے۔

درست ہے کہ اگر انسان دنیا میں اس کے بعد کے نشیب و فراز، درد و تکالیف، ناکامیاں اور مصائب برداشت کر کے جب یہاں سے آنکھ بند کرتا ہے، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں وارد ہوتا ہے، اب کوئی تکلیف نہیں۔ اس کی سب تکالیف و مصائب کا جبران (ازالہ) ہو جاتا ہے۔ بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان بدبختیوں کے بعد بھی بداعمال کی خاطر انسان جو آگے بھیج چکا ہے بڑی بدبختیوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ صحیح ہے کہ کلامِ امامؑ یہاں مطلق ہے لیکن واضح ہے:

نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا، وَخَبَطَ سَادِرًا، مَاتِحًا فِيْ غَرْبِ هَوَاهُ، كَادِحًا سَعْيًا لِدُنْيَاهُ"

"یہ دنیا پرستوں، خود خواہوں، ظالموں اور گناہ آلودہ لوگوں پر ناظر ہے اور گزشتہ فقروں میں اس مقصد پر واضح اشارہ تھا۔"

اس کے بعد مزید فرمایا:

"لَا فَتْرَةٌ مُرِيْحَةٌ، وَلَا دَعَةٌ [2] مُزِيْحَةٌ، [3] وَلَا قُوَّةٌ حَاجِزَةٌ، وَلَا مَوْتَةٌ نَاجِزَةٌ، [4] وَلَا سِنَةٌ [5] مُسَلِّيَةٌ [6] بَيْنَ أَطْوَارِ الْمَوْتَاتِ، وَعَذَابِ السَّاعَاتِ! إِنَّا بِاللّٰهِ عَائِذُوْنَ"

---

[1] سورۂ غافر، آیت ۴۶

[2] دعة، مادّۂ ورع، بروزن منع ہے، آرام و راحت کے معنی میں ہے۔

[3] مزیحة، مادّۂ ازاحہ سے ہے، زائل کرنے اور دور کرنے کے معنی میں ہے۔

[4] ناجزة، نجز کے مادّے سے ختم ہونے کے معنی میں ہے۔

[5] سنة، نیند کی ابتدا کے معنی میں ہے۔

[6] مسلّیة، ہٹا دینے اور بھلا دینے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

(مشکل اور بلائے عظیم یہاں یہ ہے) نہ آرام بخش فطرت اس کے عذاب میں ہے اور نہ اس جان نکالنے والے درد میں کمی کے لیے کوئی آرام ہے نہ ایسی قوت جو اس عذاب سے مانع بنے، نہ موت ہے جو اسے ان سب مصائب سے آزادی دلائے اور نہ ایسی نیند سے ہے جو اسے تسکین دے، بلکہ مارنے والے اور مداوم مختلف عذابوں میں گرفتار ہیں اور ہم خدا سے پناہ چاہتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیات سے یہ چھوٹے چھوٹے پُرمعنی جملے جو لیے گئے ہیں، ایک طرف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عالمِ برزخ میں ان جیسے لوگوں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے اور دوسری طرف یہ کہ وہاں سے فرار کا کوئی راستہ موجود نہیں ہے، کیوں کہ مرنے کے ساتھ ہی نامۂ اعمال کا دفتر بند ہوجائے گا اور اس میں تغیر و تبدّل کرنا (کچھ مٹانا اور لکھنا) ممکن نہیں، مگر یہ کہ خداوند متعال کا لطف و کرم کسی کے شامل حال ہوجائے اور اللہ کا احسان بھی حساب کے بغیر نہیں ہوگا۔

جس طرح خطبے کے اس حصے میں مطالب بیان ہوئے ہیں، وہ قرآن مجید کی آیات کے مفاہیم سے ہم آہنگ ہیں جن میں جہنم میں ہونے والے عذاب کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔

جہنم کے بھسم کردینے والے شعلوں کے بارے میں سورۂ مُلک میں آیا ہے:

"وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝۶ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ۝۷" [۱]

"اور جو لوگ اپنے پروردگار کے منکر ہیں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور (وہ) بہت بڑا ٹھکانا ہے۔ جب جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑی چیخ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔"

آتشِ دوزخ کی فریاد کے بارے میں ربّ تعالیٰ سورۂ فرقان میں فرماتا ہے:

"اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا۝۱۲" [۲]

"جب جہنم ان لوگوں کو دور سے دیکھے گی تو (جوش کھائے گی اور) یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آواز سنیں گے۔"

دوزخیوں پر مسلسل عذاب کے بارے میں ربّ تعالیٰ سورۂ زخرف میں فرماتا ہے:

"لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝۷۵" [۳]

---

[۱] سورۂ ملک، آیات ۶، ۷

[۲] سورۂ فرقان، آیت ۱۲

[۳] سورۂ زخرف، آیت ۷۵

https://downloadshiabooks.com/

"جوان سے کبھی ناغہ نہ کیا جائے گا اور وہ اسی عذاب میں نا اُمید ہو کر رہیں گے۔"

سورۂ طارق میں ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰" [۱]

"تو (اس دن) اس کا نہ کچھ زور چلے گا اور نہ کوئی مددگار ہو گا۔"

سورۂ زخرف میں ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝۷۷ [۲]

"اور (جہنمی) پکاریں گے کہ اے مالک (داروغہ جہنم کوئی ترکیب کرو) تمہارا پروردگار ہمیں موت ہی دے دے وہ جواب دے گا کہ تم کو اسی حال میں رہنا ہے۔"

اور بہت سی آیات یہاں بہترین طریقے سے ظاہر کرتی ہیں کہ امامؑ کی باتیں وحیِ آسمانی کے سائے میں آگے بڑھتی ہیں۔

سولہواں حصّہ

"عِبَادَاللهِ، أَيْنَ الَّذِيْنَ عُمِّرُوْا فَنَعِمُوا، وَ عُلِّمُوا فَفَهِمُوا، وَأُنْظِرُوا فَلَهَوْا، وَسُلِّمُوا فَنَسُوا! أُمْهِلُوا طَوِيلا، وَ مُنِحُوا جَمِيلا، وَ حُذِّرُوا أَلِيماً، وَ وُعِدُوا جَسِيماً، [جميلا]! احْذَرُوا الذُّنُوبَ الْمُوَرِّطَةَ، وَالْعُيُوبَ الْمُسْخِطَةَ"

بندگانِ خدا! کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں عمریں دی گئیں تو خوب مزے اُڑائے اور بتایا گیا تو سب سمجھ گئے لیکن مہلت دی گئی تو غفلت میں پڑ گئے۔ صحت و سلامتی دی گئی تو اس نعمت کو بھول گئے۔ انہیں کافی طویل مہلت دی گئی اور کافی اچھی نعمتیں دی گئیں اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا بھی گیا اور بہترین نعمتوں کا وعدہ بھی کیا گیا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب تم لوگ مہلک گناہوں سے پرہیز کرو اور خدا کو ناراض کرنے والے عیوب سے دور رہو۔

---

[۱] سورۂ طارق، آیت ۱۰

[۲] سورۂ زخرف، آیت ۷۷

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

قدر ناشناس، توانا لوگوں کا انجام

خطبے کے اس حصے میں، جو اختتام کے قریب ہے، گفتگو کے انداز کو امام علیہ السلام نے تبدیل کیا اور بندگانِ خدا کو مخاطب قرار دیا ہے اور انھیں گزشتگان کی حالت اور ان کی زندگی کے خاتمے کی طرف مطالعے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

"عِبَادَاللهِ، أَيْنَ الَّذِيْنَ عُمِّرُوْا فَنَعِمُوْا، وَعُلِّمُوْا فَفَهِمُوْا، وَأُنْظِرُوْا فَلَهَوْا، وَسُلِّمُوْا فَنَسُوْا"

"اے بندگانِ خدا! وہ لوگ کہاں ہیں جن کو طولانی عمر دی گئی اور ناز ونعمت میں زندگی گزاری (لیکن ان کی قدر نہ کی) اور وہ لوگ جن کو تعلیم دی گئی اور سمجھے (لیکن کچھ اس پر عمل نہ کیا) اور وہ لوگ جن کو مہلت دی گئی، تاکہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں، لیکن بے ہودہ کاموں میں لگ گئے، اور وہ جن کو سلامتی نصیب کی گئی لیکن اس بڑی نعمت کو فراموش کر دیا (اور کبھی اس کا شکریہ ادا نہ کیا)"

درست ہے، اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں یا اپنے گزشتگان کی زندگی اِس مختصر سے عرصے میں، کے بارے میں فکر کریں، اور یاد کریں، کتنے قدرت مند اور نعمت الٰہی سے سرشار، ہمارے معاشرے اور دیگر معاشروں میں زندگی گزارتے تھے، لیکن نہ الٰہی نعمتوں سے فائدہ اُٹھایا، نہ اپنی آگاہی پر عمل کیا اور نہ سلامتی کے دنوں میں بیماری کے لیے سوچا اور نہ قدرت کے حال میں ناتوانی کے لیے، بالآخر خالی ہاتھ، اس دنیا سے بستر باندھا اور اپنی تاریک زندگی کی طرف چلے گئے۔

جی ہاں، اگر ہم ان اُمور پر غور وفکر کریں تو یقیناً بیدار ہو جائیں گے اور اپنے مستقبل کو بہ چشم خود، ان کی زندگی کے آئینے میں دیکھیں گے۔ اس کے بعد امامؑ اس سخن میں مزید فرماتے ہیں:

"أُمْهِلُوْا طَوِيْلًا، وَمُنِحُوْا جَمِيْلًا، وَحُذِّرُوْا أَلِيْمًا، وَوُعِدُوْا جَسِيْمًا"

"(جی ہاں) ان کو طولانی مدت کے لیے مہلت دی گئی، اور عمدہ نعمتیں ان کے اختیار میں دی گئیں، ان کو گناہوں کی سزا سے ڈرایا گیا (تاکہ پرہیز کریں) اور فرمانِ خدا کی اطاعت میں بڑی جزاؤں کا ان سے وعدہ کیا گیا (لیکن اسے بھی فراموش کر دیا)۔"

جی ہاں! نہ وہ طولانی مہلت ان کے لیے بیداری کا باعث بنی اور نہ گوناگوں الٰہی نعمتیں ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو شکرِ منعم کے لیے بیدار کر سکیں، نہ عذابِ الٰہی کا وعدہ ان کو گناہوں سے روک سکا، اور نہ بڑی جزاؤں کے وعدے ان کو

https://downloadshiabooks.com/

اطاعت کی جانب لے جاسکے۔

امامؑ اس حصے کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"اِحْذَرُوا الذُّنُوبَ الْمُوَرِّطَةَ، وَالْعُيُوبَ الْمُسْخِطَةَ"

"اُن گناہوں سے ڈرو جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں اور ان عیوب سے ڈرو جو غضبِ پروردگار کا موجب بنتے ہیں۔"

اس بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

"كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾"[1]

"تم لوگ، اُن لوگوں کی مانند ہو جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ تم سے قوت میں (بھی) زیادہ تھے اور مال اور اولاد میں بھی کہیں بڑھ کر تھے تو وہ اپنے حصّہ سے بھی بہرہ یاب ہو چکے تو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصّہ سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے حصّہ سے فائدہ اٹھالیا اور جس طرح وہ باطل میں گھسے رہے اسی طرح تم بھی گھسے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا سب کیا دھرا دنیا اور آخرت (دونوں) میں اکارت ہوا۔ اور یہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔"

دینی پیشواوؤں اور علمائے اخلاق نے "بے خبر غافلوں" کی اس نکتے کی جانب توجّہ مبذول کرائی ہے کہ تھوڑا ان قوموں کی زندگی میں غور و فکر کریں جو ان سے پہلے گزریں۔ تاریخ کے بڑے بادشاہوں، طاقتور سرداروں اور ظالموں اور آج کے زمانے کے ظالموں کو دیکھیں، بالآخر وہ کہاں گئے اور اس دنیا سے کون سی چیز اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے پیچھے کیا چھوڑ گئے، ان کی قبریں خاموش، بوسیدہ ہڈیاں، ان کے محل ویران ہو گئے، ان کے اموال وثروت دوسروں کے ہاتھوں میں آ گئے اور وہ لوگ ایسے بھلا دیئے گئے جیسے اس دنیا میں آئے ہی نہیں تھے، ایک شاعر کے بقول:

کہ واقف است کہ چون رفت تختِ جم بر باد　　کہ آگہ است کہ کاووس و کی کجا رفتند

ز کاسۂ سر جمشید و بھمن است و قباد　　قدح، بہ شرط ادب گیر، زان کہ ترکیبش

کون آگاہ ہے کہ کاووس اور کے کہاں گئے کون واقف ہے

ان کے جانے کے بعد ان کے تخت کس طرح برباد ہو گئے

[1] سورۂ توبہ، آیت ۶۹

https://downloadshiabooks.com/

پیالے کو اس ترتیب ادب کے ساتھ پکڑو جو شرط ہے
جو جمشید و بھمن اور قباد کے سر کے پیالے کی طرح ہے

سترہواں حصّہ

"أُولِي الْأَبْصَارِ وَالْأَسْمَاعِ، وَالْعَافِيَةِ وَالْمَتَاعِ، هَلْ مِنْ مَنَاصٍ أَوْ خَلَاصٍ. أَوْ مَعَاذٍ أَوْ مَلَاذٍ، أَوْ فِرَارٍ أَوْ مَحَارٍ! أَمْ لَا؟ "فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ!" أَمْ أَيْنَ تُصْرَفُونَ! أَمْ بِمَاذَا تَغْتَرُّونَ! وَإِنَّمَا حَظُّ أَحَدِكُمْ مِنَ الْأَرْضِ، ذَاتِ الطُّوْلِ وَالْعَرْضِ، قِيْدُ قَدِّهِ، مُتَعَفِّرًا عَلَى خَدِّهِ!"

"تم صاحبانِ سماعت و بصارت اور اہل عافیت و ثروت ہو، بتاؤ کیا بچاؤ کی کوئی جگہ یا چھٹکارہ کی کوئی گنجائش ہے۔ کوئی ٹھکانہ یا پناہ گاہ ہے۔ کوئی جائے فرار یا دنیا میں واپسی کی کوئی صورت ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کدھر بہکے جارہے ہو اور کہاں تم کو لے جایا جارہا ہے یا کس دھوکے میں پڑے ہو؟ یاد رکھو! اس طویل و عریض زمین میں تمہاری قسمت صرف بقدرِ قامت جگہ ہے جہاں رخساروں کو خاک پر رہنا ہے۔"

شرح وتفسیر

اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھیے

آسمانی معلّم بزرگ امامؑ خطبے کے اس حصے میں پھر بندگان خدا کو مخاطب قرار دیتے ہیں لیکن یہاں ایک اور طریقے سے بیان فرماتے ہیں:

"أُولِي الْأَبْصَارِ وَالْأَسْمَاعِ، وَالْعَافِيَةِ وَالْمَتَاعِ، هَلْ مِنْ مَنَاصٍ [1] أَوْ خَلَاصٍ. أَوْ مَعَاذٍ أَوْ

[1] مناص، نوص کے مادّے سے بروزن قوس ہے، ایک چیز سے دور ہونے اور جدا ہونے کے معنیٰ میں ہے، بعض نے کہا یہ لفظ پناہ گاہ اور فریادرس کے معنیٰ میں ہے اور جب انسان ایسی چیز کی جستجو میں ہے تو جہاں وہ ہے اس سے دور ہوتا ہے اور فرار ہوتا ہے، دور ہونے اور فرار کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

مَلَاذٍ، ⁽¹⁾ أَوْ فِرَارٍ أَوْ مَحَارٍ! ⁽²⁾ أَمْ لَا؟"

"اے صاحبانِ چشمِ بینا و گوشِ شنوا، اور اے دنیا کے مقامِ وفات و عافیت رکھنے والو! آیا کوئی گریز کی راہ، بچنے کی جگہ، پناہ گاہ، محکم قلعہ یا فرار اور واپسی کا راستہ بھی موجود ہے یا نہیں؟"

یہاں پر مخاطب ایسے افراد ہیں جو چشمِ بینا اور گوشِ شنوا رکھتے ہیں اور جسم و جان کی سلامتی اور نعمتِ دنیا رکھنے والے ہیں، امامؑ فرماتے ہیں، بالآخر تمہاری عاقبت و انجام سوائے موت اور دنیا سے وداع کے اور کچھ نہیں ہے اور اِس دنیا میں واپس لوٹائے نہیں جاؤ گے، حقیقت میں موت کے چنگل سے فرار کے چھ طریقے امامؑ نے بیان فرمائے ہیں اور یہ تاکید کی ہے کہ یہ سب راہیں تم لوگوں کے اوپر بند کر دی جائیں گی۔

اس دارِ فانی سے وداع، ایک ایسا راستہ ہے جس پر سب کو چلنا ہے اور ایسی سرنوشت ہے جس سے کسی کو استثنا حاصل نہیں۔

اگر امامؑ کے مخاطب صاحبانِ چشمِ بینا و گوشِ شنوا فقط ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بے خبر لوگ ایسے مسائل کا ادراک نہیں رکھتے۔ یہ سچ ہے کہ موت جو کہ روزِ اوّل سے ہی ہمارے مقدر میں رکھ دی گئی ہے، اس کے متعلق معمولی غور و فکر ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور سیدھی راہ پر گامزن ہونے کے لیے کافی ہے۔

اس لیے سخن کے تسلسل میں فرماتے ہیں:

"فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ؟ ⁽³⁾ أَمْ أَيْنَ تُصْرَفُونَ! أَمْ بِمَاذَا تَغْتَرُّونَ! وَ إِنَّمَا حَظُّ أَحَدِكُمْ مِنَ الْأَرْضِ، ذَاتِ الطُّوْلِ وَالْعَرْضِ، قِيْدُ قَدِّهِ ⁽⁴⁾ مُتَعَفِّرًا عَلَى خَدِّهِ"

"سو اب کس طرح راہِ حق سے منحرف ہوتے ہو یا کہاں جا رہے ہو؟ یا کس چیز سے مغرور ہو رہے ہو؟ یہ اسی حالت میں ہے کہ اس زمین سے جو اتنا طول و عرض رکھتی ہے، تمہارا حصہ فقط تمہارے قد کے مطابق ہے جبکہ تمہارے گال خاک پر رکھ دیئے جائیں گے۔"

ممکن ہے ایک شخص کے باغیچے اور زرعی زمین ہزاروں ایکڑ میں پھیلے ہوئے ہوں اور دسیوں بڑی بڑی آباد کوٹھیوں

⁽¹⁾ ملاذ، اس کا مادّہ لوذ، بروزن موز ہے۔ چھپ جانے اور کسی قلعے میں پناہ لینے کے معنیٰ میں ہے اور اس لیے لفظ ملاذ کا پناہ گاہ اور قلعے پر اطلاق ہوتا ہے اور معاذ سے تھوڑا فرق رکھتا ہے جو مادّہ عوذ سے حوض کے وزن پر ہے، پناہ لینے کے معنیٰ میں ہے لیکن چھپنے کا مفہوم اس میں نہیں پایا جاتا۔

⁽²⁾ محار، اسم مکان ہے مادّہ حَوْر سے جو کہ جَوْر کے وزن پر ہے، دراصل نقصان کے معنیٰ میں ہے، بعد میں واپس لوٹنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

⁽³⁾ توفکون، مادّہ اِفک سے، فِکر کے وزن پر منحرف ہونے اور جا بہ جا ہونے کے معنیٰ میں ہے اس لیے یہ لفظ افک کا تہمت اور جھوٹ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

⁽⁴⁾ قید، قاف پر زبر و زیر دونوں کے ساتھ، مقدار کے معنیٰ میں ہے اسی وجہ سے اس رسی کو قید (زبر کے ساتھ) کہتے ہیں جس سے کسی انسان یا حیوان کے پاؤں کو مضبوطی سے باندھ کر معین حد تک محدود کر دیا جاتا ہے اور قدّ، قامت کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کا مالک ہو، لیکن اس دنیا سے وداع کے وقت اس کا حصہ اتنا ہی جتنا جھوپڑی میں رہنے والے فقیر کا ہے، یعنی تقریباً دو گز زمین کا ٹکڑا جو اس کے قد کے برابر ہے اور ساتھ میں کفن کے چند ٹکڑے جو کہ زیادہ سے زیادہ عریاں بدن کو ڈھانپ سکتے ہیں۔

"مُتَعَفِّرًا عَلٰی خَدِّہٖ" کی تعبیر ممکن ہے اس جانب اشارہ ہو کہ جسم کا لطیف ترین حصہ قبر میں خاک پر رکھ دیا جائے گا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنے بدن کی چوڑائی کے برابر بھی زمین سے حصّہ نہیں مل پائے گا کیونکہ اس کو قبر میں سیدھی طرف لٹایا جاتا ہے، اور معمولاً لحد میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ اسے چت لٹایا جا سکے۔

ہر کہ را خوابگہ آخر زدو مشتی خاک است　　گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشی ایوان را!

ہر ایک کی خواب گاہ آخر دو مشتِ خاک ہے

اگرچہ اس کی حاجت بڑے فلک بوس ایوان تھے

اٹھارواں حصّہ

"اَلْآنَ عِبَادَ اللہِ وَالْخِنَاقُ مُهْمَلٌ، وَالرُّوحُ مُرْسَلٌ، فِي فَيْنَةِ الْإِرْشَادِ، وَرَاحَةِ الْأَجْسَادِ، وَبَاحَةِ الْاِحْتِشَادِ، وَمَهَلِ الْبَقِيَّةِ، وَأُنُفِ الْمَشِيَّةِ، وَإِنْظَارِ التَّوْبَةِ، وَانْفِسَاحِ الْحَوْبَةِ، قَبْلَ الضَّنْكِ وَالْمَضِيقِ، وَالرَّوْعِ وَالزُّهُوقِ، وَقَبْلَ قُدُومِ الْغَائِبِ الْمُنْتَظَرِ، وَإِخْذَةِ الْعَزِيزِ الْمُقْتَدِرِ"

"اے بندگانِ خدا! ابھی موقع ہے۔ رسی ڈھیلی ہے۔ روح آزاد ہے۔ تم ہدایت کی منزل اور جسمانی راحت کی جگہ پر ہو۔ مجلسوں کے اجتماع میں ہو اور بقیہ زندگی کی مہلت سلامت ہے اور راستہ اختیار کرنے کی آزادی ہے اور توبہ کی مہلت ہے اور جگہ کی وسعت ہے، قبل اس کے کہ تنگیِ لحد، ضیق مکان، خوف اور جاں کنی کا شکار ہو جاؤ اور قبل اس کے کہ وہ موت آ جائے جس کا انتظار ہو رہا ہے اور وہ پروردگار اپنی گرفت میں لے لے جو صاحبِ عزت و غلبہ اور صاحب طاقت و قدرت ہے۔"

شرح و تفسیر

آخری بات

امامؑ اس خطبے کے آخری حصے میں ایک بار پھر خدا کے بندوں سے مخاطب ہیں اور مختصر، عمدہ اور پُر معنیٰ جملوں سے،

https://downloadshiabooks.com/

اختتامِ زندگی سے پہلے کی فرصتوں کو بے جا خرچ نہ کرنے کے لیے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَلْآنَ عِبَادَاللهِ وَالْخِنَاقُ [1] مُهْمَلٌ، وَالرُّوْحُ مُرْسَلٌ، فِيْ فَيْنَةِ [2] الْإِرْشَادِ، وَرَاحَةِ الْأَجْسَادِ، وَبَاحَةِ [3] الْإِحْتِشَادِ [4] وَمَهَلِ الْبَقِيَّةِ، وَأُنُفِ الْمَشِيَّةِ، وَإِنْظَارِ التَّوْبَةِ، وَانْفِسَاحِ الْحَوْبَةِ [5] قَبْلَ الضَّنْكِ [6] وَالْمَضِيْقِ، وَالرَّوْعِ وَالزُّهُوْقِ [7] وَ قَبْلَ قُدُوْمِ الْغَائِبِ الْمُنْتَظَرِ، وَإِخْذَةِ الْعَزِيْزِ الْمُقْتَدِرِ"

"اے بندگانِ خدا! اب تک موت کی رسی آپ کے گلے میں نہیں ڈالی گئی ہے اور روح (کمالات حاصل کرنے کے لیے) آزاد ہے اور جسم راحت میں ہیں، تم ایک دوسرے کی مدد سے مشکلات کو حل کر سکتے ہو، اور اب تک مہلت رکھتے ہو اور پختہ عزم و ارادے کے لیے فرصت باقی ہے اور راہِ توبہ اور گناہوں سے واپسی کی راہ کھلی ہے (ان قیمتی فرصتوں سے استفادہ کرو) اس سے پہلے کہ سختی، تنگی، ڈر اور نابودی میں گرفتار ہو جاؤ، اس موت سے پہلے جو تمھارے انتظار میں ہے اور اس سے پہلے کہ قوی مقتدر خداوند کا دستِ قدرت تم لوگوں کو پکڑ لے (جی ہاں ان فرصتوں کو غنیمت شمار کرو اور سفرِ آخرت کے لیے اس جہاں سے توشہ و زاد جمع کر لو کیونکہ اگر یہ فرصت ہاتھ سے نکل گئی تو پھر نہ کوئی واپسی کی راہ ہے اور نہ پشیمانی کوئی نفع پہنچائے گی۔"

جو بات امامؑ نے بالائی جملوں میں فرمائی وہ فرصتوں کے مختلف پہلو ہیں، جو انسان کے ہاتھ میں ہیں، عمر کا باقی ہونا، روح کی آسودگی، جسمانی راحت، کسبِ کمالات کے مواقع، آپس میں مل بیٹھنے اور مشاورت کے مواقع، فیصلہ کرنے کی فرصت، توبہ کرنے اور گناہ سے پلٹنے کی توانائی، یہ سب ایک انسان کے لیے فرصت کے عظیم لمحات ہیں اور ان سے خیر و

---

[1] خِنَاق، خَنْق کے مادّے سے ہے جو کہ گلا گھونٹنے کے معنیٰ میں آیا ہے اور خِنَاق، اس رسی کے معنیٰ میں آیا ہے جس سے گلا گھونٹا جائے اور ضیق خناق (گلے میں رسی کا تن جانا) کٹھن حالات اور شدید تناؤ کے لیے کنایہ ہے۔

[2] فینة، بروزن ضربہ، زمان و وقت کے معنیٰ میں ہے۔

[3] باحة، اس کا مادّہ بَوْح ہے جو کہ ظہور اور نمایاں ہونے کے معنیٰ میں ہے اور باحہ، گھر کے صحن اور آبِ فراواں اور بہت سے کھجور کے درخت کے معنیٰ میں ہے کیوں کہ وہ ظاہر اور نمایاں ہوتے ہیں اور اوپر کے مذکورہ جملے میں پہلے معنیٰ یعنی صحن و سرا، میں ہے۔

[4] احتشاد، مشترک کے معنیٰ میں ہے۔

[5] حوبة، دراصل ایسی ضرورت اور حاجت کے معنیٰ میں ہے، جو انسان کو گناہوں کی طرف کھینچتی ہے۔ اسی لیے یہ لفظ قرآن مجید میں اور دیگر استعمالات میں گناہ کے معنیٰ میں آیا ہے۔

[6] ضنك، سختی و تنگی کے معنیٰ میں ہے، "معیشة ضنك" سے مقصود کٹھن زندگی ہے۔

[7] زهوق، بروزن حقوق، نابود ہو جانے کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

سعادت حاصل کیے جاسکتے ہیں، جب کہ ممکن ہے کسی روز یہ سب چیزیں ہاتھ سے نکل جائیں اور انسانی سعادت کا سب سرمایہ نابود ہو جائے، اور کتنے غافل ہیں وہ لوگ جو ان حقیقتوں کی جانب توجہ نہیں کرتے اور ایک بھیڑ کی مانند زندگی کی اس چراگاہ میں چند روزہ لذّتوں میں مگن ہیں اور گرگ اجل سے بے خبر ہیں جو اچانک ریوڑ پر حملہ کرتا ہے۔

مرحوم سیّد رضیؒ اس خطبے کے اختتام پر چند پُر معنٰی اور مختصر جملے اس طرح کہتے ہیں:

"وَفِي الْخَبَرِ: أَنَّهُ لَمَّا خَطَبَ بِهٰذِهِ الْخُطْبَةِ إِقْشَعَرَّتْ لَهَا الْجُلُودُ، وَبَكَتِ الْعُيُونُ، وَرَجَفَتِ الْقُلُوبُ. وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُسَمِّي هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الْغَرَّاءَ"

"روایات میں آیا ہے کہ جب امامؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تو بدن کانپنے لگے، آنسو جاری ہوئے اور دل خوف سے پُر ہوئے اور (اس خطبے کی عجیب فصاحت و بلاغت کی وجہ سے) بعض لوگوں نے اس خطبے کا نام خطبۂ غرّاء (چمکنے والا) رکھا ہے۔"

درحقیقت، جیسا کہ مرحوم سیّد رضیؒ نے روایت نقل کی ہے، یہ خطبہ عجیب دہلا دینے والے خطبات میں سے ہے جو غافل ترین اشخاص کو بھی ہلا کے رکھ دیتا ہے اور ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر سکتا ہے۔ اس کی فصاحت بے نظیر اور اس کی بلاغت بے مثل ہے اور اگر نہج البلاغہ میں فقط یہ ایک ہی خطبہ ہوتا، پھر بھی حضرت علی علیہ السلام کی عظمت و مقام کو سمجھنے اور بہترین موعظہ اور عالی ترین درسِ اخلاق اور خودسازی کے لیے کافی تھا۔

امامؑ اس خطبے میں ایک عجیب عبارت سے ان سب اُمور کی جانب توجّہ مبذول کراتے ہیں جو بیدار کرنے والے اور غفلت دور کرنے والے ہیں اور اس بڑے ہدف کو مختلف پہلوؤں سے جانچا ہے، یہ ایسا خطبہ ہے کہ انسان اس کے پڑھنے سے کبھی تھکن محسوس نہیں کرتا اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہ کبھی پرانا نہیں ہوگا۔

ابن ابی الحدید بھی اس خطبے کے اختتام پر اس طرح کہتے ہیں، جان لیجیے کہ ہم اس مسئلے میں کوئی شک نہیں رکھتے کہ کلام خدا و کلامِ رسولؐ کے بعد امام علیؑ کا شمار اُن بڑے فصحاء میں ہوتا ہے، جنھوں نے پوری تاریخ میں لغتِ عرب میں گفتگو کی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ تقریر کرنے والے اور کتاب لکھنے والے کی تقاریر و تحریریں دو بنیادوں پر استوار ہوتی ہیں، مفردات الفاظ اور جملوں کی ترتیب و ترکیب؛ الفاظ آسان، سادہ، رواں اور مانوس ہوں اور ہر قسم کی پیچیدگی سے دور ہونے چاہئیں، اور امیر المومنینؑ کے الفاظ عموماً ایسے ہی ہیں۔ رہی بات جملوں کی ترتیب و ترکیب کی، تو اُن کا مواد دلچسپ اور قابلِ فہم ہونا چاہیے اور ایسی خاصیتوں کا حامل ہونا چاہیے، جس کی بدولت ایک کلام کو دوسرے کلام پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں علمِ بدیع کے علماء نے ذکر کیا ہے، جیسے مقابلہ، مطابقہ، حُسنِ تقسیم، خاتمۂ سخن کو اس کے آغاز کی طرف پلٹانا، ترصیع، تسهیم، توشیح، مماثلت، استعارہ، مجازِ لطیف کا استعمال، موازنہ، تکافؤ، تسمیط اور مشاکلہ (یہ وہ مخصوص اصطلاحات ہیں، جو

https://downloadshiabooks.com/

علمائے بدیع نے جملوں کی بلاغت وفصاحت اور خوبصورتی کے سلسلے میں بیان کیے ہیں)

بے شک یہ سب خصوصیات حضرت امام علیؑ کے خطبوں اور خطوط میں موجود ہیں اور الفاظ کی خوبصورتی اور جملوں کی ترکیب فقط مولا علیؑ کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہے، کسی اور شخص کے کلام میں ایسی کامل صورت مشاہدہ نہیں کی جاسکتی۔اسی دلیل سے حضرتؑ اپنے کلام میں بہت عجیب چیزیں وجود میں لائے ہیں، امامؑ اور لوگوں کے پیشوا میں یہ بات ہونی چاہیے، کیونکہ ایسی جدتیں لائے ہیں جوان سے پہلے کسی شخص سے نہیں سُنی گئی ہیں۔اور جالبِ توجہ بات یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر امامؑ نے بغیر کسی پیشگی ذہنی آمادگی کے فی البدیہہ خطبات ارشاد فرمائے۔بغیر کسی پیشگی مطالعے کے ایسے گہرے مطالب بیان کرنا واقعاً تعجب انگیز ہے۔[1]

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۲۷۸۔

https://downloadshiabooks.com/

چوراسی واں خطبہ

ومن خطبة له عليه السلام
في ذكر عمرو بن العاص[1]

اس خطبے میں امام علیہ السلام نے عمرو بن عاص کے بارے میں جالب وجامع بیان فرمایا ہے۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

جس طرح خطبے کے عنوان سے ظاہر ہے، امامؑ چاہتے ہیں کہ عمرو بن عاص کی حقیقت کو ظاہر کریں، وہ شخص جو امیر شام کا مشیر خاص تھا، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے خلافت امیر شام کا تسلسل اور اس کی ظاہری کامیابیاں اس کی شیطنت کی مرہون منّت تھیں اور نفر دوّم یا نفر اوّل اس جبار غاصب حکومت کا شمار ہوتا تھا۔

اس کے باوجود کہ جو عباراتِ خطبہ ہمارے سامنے ہیں وہ بہت مختصر ہیں لیکن امامؑ نے ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ گویا اس خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے شخص کی اندرونی حالت اور بیرونی زندگی کو، اور امیر شام کے مکار اور ہم راز ساتھی کے طور پر اس آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ امامؑ نے یہ بیان اس بات کے جواب میں دیا ہے کہ عمرو عاص حضرت امام علیؑ کو مزاح کرنے والا اور شوخ طبع کے عنوان سے متعارف کراتا تھا۔

خطبہ

"عَجَبًا لِابْنِ النَّابِغَةِ! يَزْعُمُ لِأَهْلِ الشَّامِ أَنَّ فِيَّ دُعَابَةً، وَ أَنِّي امْرُؤٌ تِلْعَابَةٌ: أُعَافِسُ وَ

---

[1] سند خطبہ: اس خطبے کو سیّد رضیؒ سے پہلے مشہور علمائے اسلام نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے، من جملہ ان میں سے ابن قتیبہ (مختصر فرق کے ساتھ) عیون اخبار کتاب میں اور ابو حیان توحیدی نے الامتاع والموانسۃ میں اور بیہقی نے المحاسن والمساوی میں اور ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں اور بلاذری نے انساب الا شراف میں نقل کیا ہے اور سیّد رضیؒ کے بعد شیخ طوسی نے امالی میں اور مرزبانی، نہج البلاغہ کی تنظیم سے پہلے کے ہیں، اُنہوں نے اور ابن عقدہ اور زبیر ابن بکار سمیت ابن اثیر نے نہایہ میں نقل کیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۱۹)

https://downloadshiabooks.com/

أُمَارِسُ! لَقَدْ قَالَ بَاطِلًا، وَ نَطَقَ آثِمًا. أَمَا وَ شَرُّ الْقَوْلِ الْكَذِبُ- إِنَّهُ لَيَقُوْلُ فَيَكْذِبُ، وَ يَعِدُ فَيُخْلِفُ، وَ يُسْأَلُ فَيَبْخَلُ، وَ يَسْأَلُ فَيُلْحِفُ، وَ يَخُوْنُ الْعَهْدَ، وَ يَقْطَعُ الْإِلَّ؛ فَإِذَا كَانَ عِنْدَ الْحَرْبِ فَأَيُّ زَاجِرٍ وَ آمِرٍ هُوَ! مَا لَمْ تَأْخُذِ السُّيُوْفُ مَآخِذَهَا، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ كَانَ أَكْبَرُ مَكِيْدَتِهِ أَنْ يَمْنَحَ الْقَرْمَ [قوم] سُبَّتَهُ. أَمَا وَاللهِ إِنِّيْ لَيَمْنَعُنِيْ مِنَ اللَّعِبِ ذِكْرُ الْمَوْتِ، وَ إِنَّهُ لَيَمْنَعُهُ مِنْ قَوْلِ الْحَقِّ نِسْيَانُ الْآخِرَةِ، إِنَّهُ لَمْ يُبَايِعْ مُعَاوِيَةَ حَتّٰى شَرَطَ أَنْ يُؤْتِيَهُ أَتِيَّةً، وَ يَرْضَخَ لَهُ عَلٰى تَرْكِ الدِّيْنِ رَضِيْخَةً"

"تعجب ہے نابغہ کے بیٹے پہ کہ یہ اہل شام سے بیان کرتا ہے کہ میرے مزاج میں مزاح پایا جاتا ہے اور میں کوئی کھیل تماشے والا انسان ہوں اور ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہوں۔ یقیناً اس نے یہ بات غلط کہی ہے اور اس کی بنا پر گناہ گار بھی ہوا ہے۔

آ گاہ ہو جاؤ کہ بدترین کلام غلط بیانی ہے اور یہ جب بولتا ہے تو جھوٹ ہی بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی ہی کرتا ہے اور جب اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو بخل ہی کرتا ہے اور جب خود مانگتا ہے تو چمٹ جاتا ہے۔ عہد و پیمان میں خیانت کرتا ہے۔ قرابتوں میں قطع رحم کرتا ہے۔ جنگ کے وقت امر و نہی کرتا ہے اور چیخ چیخ کر میدان کو سر پر اٹھا لیتا ہے تا کہ لوگ اس کو شجاع اور بہادر سمجھیں، جب تک تلواریں اپنی منزل پر زور نہ پکڑ لیں۔ اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو اس کا سب سے بڑا حربہ یہ ہوتا ہے کہ کپڑے اُتار دے اور دشمن کے سامنے اپنی پشت کو پیش کر دے۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے کھیل کود سے یا مزاح سے موت نے روک رکھا ہے اور اسے حرفِ حق سے نسیانِ آخرت نے روک رکھا ہے۔ اس نے امیر شام کی بھی اُس وقت تک بیعت نہیں کی جب تک اس سے یہ طے نہیں کر لیا کہ اسے کوئی ہدیہ دے گا اور اس کے سامنے ترکِ دین پر کوئی تحفہ پیش کرے گا۔"

شرح و تفسیر

اس جھوٹے شخص کو پہچانیے

امامؑ اپنا بیان، اس جھوٹ و تہمت کے حوالے سے آغاز کرتے ہیں جو عمر بن عاص نے ساحتِ مقدس کی نسبت کہی تھی، اس کی تکذیب کے بعد ایک واضح تعارفی بیان اس تاریخ اسلام کے کثیف عنصر کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

جھوٹ یہ تھا کہ، امامؑ بہت شوخ طبع اور پُر مزاح اور نعوذ باللہ، اہل ہزل و باطل ہیں تا کہ اس بہانے سے امر خلافت کے لیے (اپنے زعم ناقص میں) حضرتؑ کی عدم شائستگی کو ثابت کرے۔

https://downloadshiabooks.com/

مولا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"عَجَبًا لِابْنِ النَّابِغَةِ![1] يَزْعُمُ لِأَهْلِ الشَّامِ أَنَّ فِيَّ دُعَابَةً[2] وَأَنِّي امْرُؤٌ تِلْعَابَةٌ[3] أُعَافِسُ[4] وَأُمَارِسُ![5]

"ابن نابغہ (زنِ بدنام کے بیٹے) پر تعجب کرتا ہوں، وہ شامی لوگوں سے میرے بارے میں کہتا ہے کہ میں بہت اہلِ مزاح اور شوخ طبع شخص ہوں، جو لوگوں کو شوخی اور ہزل میں مسلسل سرگرم رکھتا ہوں۔

عمرو عاص ابنِ نابغہ سے تعبیر کرنا ایک جانب اشارہ ہے اس کے خاندان کی پستی کی طرف، کیونکہ عرب میں یہ رسم تھی کہ اگر کسی کی ماں شرافت میں یا بدی میں مشہور ہوتی تھی، تو اس کو اس کی ماں کی نسبت دیتے تھے، بجائے اس کے کہ اسے اس کے والد سے نسبت دیں، اور دوسری جانب سے نابغہ جو مادّہ نبوغ سے عبارت ہے، اصل میں ظہور و شہرت کے معنیٰ میں ہے، لیکن جب کسی بدکار عورت کے لیے بولا جاتا، تو اس سے اس عورت کی بری شہرت کی جانب اشارہ ہوتا تھا اور یہ لفظ عمرو کی ماں کے اخلاقی فساد کی وجہ سے اس کا لقب بن گیا، جبکہ اس کا اصلی نام سلمیٰ یا لیلیٰ تھا۔

تاریخ میں آیا ہے کہ یہ عورت برائی سے مشہور ہوئی اور نامشروع طریقے سے چند اشخاص من جملہ ابوسفیان کے ساتھ ہم بستر ہوئی اور جب عمرو پیدا ہوا، وہ لوگ آپس میں اس بات پر لڑ پڑے کہ ہمارا بیٹا ہے، لیکن نابغہ نے ترجیح دی کہ یہ عاص کا بیٹا ہے، اور اُس کی فجہ یہ تھی کہ عاص اس کی بہت مالی مدد کیا کرتا تھا۔ ابوسفیان سے نقل ہوا ہے کہ وہ مسلسل کہتا تھا مجھ کو تردّد نہیں اس بات میں کہ عمرو میرا ہی بیٹا ہے اور میرے نطفے سے منعقد ہوا ہے۔[6] حقیقت میں یہ امامؑ کی تعبیر ایک مقدمہ ہے بعد والے ارشاد کے لیے، یعنی ایسے انسان پر تعجب نہیں کرنا چاہیے جو دنیا کے پاک و نیک لوگوں پر تہمت لگائے اور ان سے جھوٹی باتیں منسوب کرے۔

دعابة سے بے حد وحساب مزاح کی جانب اشارہ ہے اور تلعابة ایسے شخص کے معنیٰ میں ہے جو لوگوں کو بے ہودہ

---

[1] نابغة، مادۂ نبوغ سے ظہور و شہرت کے معنیٰ میں ہے اور عرب ان عورتوں کو جو برائی میں مشہور ہوتی تھیں، نابغہ، کہتے تھے۔ جس طرح فارسی میں زنِ معروفہ کہتے ہیں، لیکن دوسری جانب ان افراد کو بھی جو غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے مشہور ہوں، ان پر بھی نابغہ کا اطلاق ہوتا ہے، انہیں نابغۂ روزگار بھی کہتے ہیں۔

[2] دعابة، مزاح یا زیادہ مزاح کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

[3] تلعابة، مادّۂ لعب سے اس شخص کے معنیٰ میں ہے جو لوگوں کو اپنی باتوں یا حرکات سے محظوظ کرے۔

[4] اعافس، مادّہ معافسة سے ہے، بہت زیادہ مزاح کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

[5] امارس، مادّۂ ممارسة سے ہے، کسی چیز میں مشغول ہونے کے معنیٰ میں ہے اور یہاں پر مزاح میں مشغول ہونے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

[6] ربیع الابرار، زمخشری اور بہ نقل ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، جلد ۶، صفحہ ۲۸۳۔

https://downloadshiabooks.com/

حرکتوں کے ذریعے محظوظ کرے اور اعافس اور امارس تقریباً ایک ہی معنیٰ میں ہیں، اور دراصل عورتوں کا مختلف شرارتوں کے ذریعے لوگوں کو محظوظ کرنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اس کے وسیع معنیٰ - ہر قسم کیبے ہودہ شرارت، خواہ مرد سے سرزد ہو یا عورت - میں استعمال ہونے لگا۔ حقیقت میں امامؑ نے اپنی ذات سے منسوب کردہ عمرو بن عاص کی جھوٹی باتوں کو ان جملوں میں خلاصہ فرمایا ہے، تا کہ ان کی جواب گوئی کے لیے ایک مقدمہ ہو، حیرت کی بات یہ کہ مولاؑ کے دشمن جب امرِ خلافت کے لیے مولاؑ کی عدم شائستگی کو ثابت کرنے کے لیے کوئی معمولی کمزوری نہ پیش کر پائے اور انہیں امامؑ کے علمی مقام، زہد، تقویٰ، شجاعت اور تدبیر کا انکار کرنے کا یارا نہ رہا، تو مذکورہ قسم کے ہتھکنڈوں کا سہارا لیا کرتے تھے، کہ چوں کہ حضرتؑ بہت مزاح کرتے ہیں، لہٰذا امرِ خلافت کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ خود ظاہر کرتا ہے کہ امامؑ کی شائستگی اتنی زیادہ واضح اور آشکار تھی کہ کوئی بھی انکار کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، مشہور ضرب المثل "اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ" کے مطابق اس قسم کے بھونڈے ہتھکنڈوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔

اس کے بعد امامؑ عمرو بن عاص کی جھوٹی اور تہمت آمیز باتوں کے جواب میں فرماتے ہیں:

"لَقَدْ قَالَ بَاطِلًا، وَ نَطَقَ آثِمًا. أَمَا وَ شَرُّ الْقَوْلِ الْكَذِبُ"

"اس نے غلط بات کہی اور گناہ کیا ہے اور بدترین بات، جھوٹی بات ہے۔"

ایسا کونسا شخص ہے جو لطیف اور ہر قسم کی بےھودہ اور نامشروع باتوں سے عاری مزاح کا انکار کرتا؟ اور کون ہے وہ جو امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام، خطوط اور کلماتِ قصار میں موجود سنجیدگی اور متانت کا انکاری ہو؟ وہ سب سے زیادہ سنجیدہ تھے اور اپنے کاموں میں آہنی ارادہ رکھتے تھے، اگرچہ کبھی کبھی اپنے دوستوں کے دل سے غم و غصے کا گرد و غبار ختم کرنے کے لیے مزاح بھی فرماتے تھے۔ مولاؑ نے وہی کام اپنی زندگی میں انجام دیے جو ان کے پیشوا یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی میں کاملاً نمایاں تھے، لیکن ایسا دشمن جس کا بس نہ چلتا ہو اور جو ہر طرح سے عیب جوئی میں ناامید ہو گیا ہو، وہ ایسے بہانے تلاش کرتا ہے اور ایسی جھوٹی چیزیں پیش کرتا ہے اور پھر ان کو بڑھا کر بیان کرتا ہے۔

اِس کلام کے تسلسل میں امام علی علیہ السلام چھے مختصر جملوں میں عمرو عاص، بدسیرت شخص کی چھے صفاتِ رذیلہ بیان فرماتے ہیں:

"إِنَّهُ لَيَقُوْلُ فَيَكْذِبُ، وَ يَعِدُ فَيُخْلِفُ، وَ يُسْأَلُ فَيَبْخَلُ، وَ يَسْأَلُ فَيُلْحِفُ [1] وَ يَخُوْنُ الْعَهْدَ، وَ يَقْطَعُ الْإِلَّ [2]"۔

---

[1] یلحف، الحاف کے مادّے سے اصرار کرنے کے معنی میں ہے، اور اس کی اصل لحاف سے ہے جو مشہور و معروف چیز ہے جو اوڑھنے کے کام آتی ہے اور اس وجہ سے کہ اصرار کنندہ کسی کے ساتھ لپٹ سا جاتا ہے اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

[2] اِلّ، عہد و پیمان کے معنیٰ میں ہے اور رشتے داری کی معنیٰ میں بھی آیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

”وہ مسلسل جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے، اگر اس سے کوئی کسی چیز کی درخواست کرتا ہے تو وہ بخل و کنجوسی کرتا ہے، اور اگر خود کسی سے کسی چیز کا تقاضا کرتا ہے تو اصرار کرتا ہے، اپنے عہد و پیمان میں خیانت کرتا ہے، حتیٰ کہ رشتے داری کے پیوند کو بھی قطع کرتا ہے۔“

جو شخص بھی عمرو بن عاص کی سیاہ زندگی کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا، ان چھے اخلاقی رذائل کو اس کے وجود میں بخوبی دیکھے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ ایک دنیا پرست مرد تھا، وہ اس پست دنیاوی زندگی تک پہنچنے کے لیے کسی بھی جھوٹ و تہمت سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ جہاں اس کا فائدہ ہوتا تھا وعدہ کرتا تھا اور جہاں نقصان دیکھتا تھا وہاں مخالفت کرتا تھا، اپنی تمناؤں کو پانے کے لیے، خصوصاً امیر شام سے جہاں تک ہوسکتا تھا اصرار کرتا تھا اور امیر شام کو دباؤ میں رکھتا تھا اور وہ بھی کیونکہ عمرو کی ضرورت رکھتا تھا لہٰذا اس کے خلافِ شرع مطالبات کے سامنے جھک جاتا تھا۔ حکمین کے مسئلے میں اس کی پیمان شکنی سب پر واضح ہوگئی، حتیٰ کہ اپنے رشتے داروں پر بھی رحم نہیں کرتا تھا۔

بعض مورخین کے کہنے کے مطابق اس نے تقریباً ۹۰ سال زندگی گزاری اور یعقوبی کے کہنے کے مطابق جب وہ مر رہا تھا، اپنے بیٹے سے کہا، کاش! تیرا باپ غزوۂ ذات السلاسل میں (پیغمبرؐ کے زمانے میں) مر جاتا؛ میں نے ایسے کام کیے ہیں کہ نہیں جانتا خدا کو کیا جواب دوں گا، اپنے زیادہ اموال کی طرف دیکھ کر کہا کہ کاش اس کی جگہ اونٹ کا فضلہ ہوتا، کاش تیس سال پہلے میں مر چکا ہوتا، امیر شام کی دنیا آباد کی اور اپنا دین برباد کر دیا، دنیا کو مقدم کیا اور آخرت کو چھوڑ دیا۔ راہِ راست و سعادت کو دیکھنے سے نابینا ہوگیا، یہاں تک کہ مرنے کا وقت آ گیا، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ امیر شام میرے اموال کو لے جائے گا اور تمھارے ساتھ بدسلوکی کرے گا۔ [1]

بہرحال ان رذیلہ صفات کا وجود عمرو عاص جیسے شخص اور اس کی زندگی کی تاریخ میں کسی شخص سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے بعد امامؑ، عمرو بن عاص کی اپنی حیات میں انجام دیئے گئے بدترین کاموں کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ ایسے کام جن کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی، مثلاً جنگ صفین میں جب خود کو علی علیہ السلام کے چنگل میں پایا اور یقین کر لیا کہ علی علیہ السلام ایک یا چند ضرباتِ شمشیر سے اس کی گناہ آلود زندگی کا خاتمہ کر دیں گے، تو خود کو برہنہ کر دیا، کیونکہ جانتا تھا مولاؑ کی حیا مانع واقع ہوگی، کہ ان حالت میں اس سے رُوگرداں ہوجائیں، اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہوجائے گا۔ یہ واقعہ عربوں میں ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہوگیا کہ ”عمرو نے اپنی شرم گاہ کی پناہ میں موت سے نجات حاصل کی۔“

---

[1] تاریخ یعقوبی، مطابق نقل الغدیر، جلد ۲، ص ۱۷۵

https://downloadshiabooks.com/

امامؑ فرماتے ہیں:

"فَإِذَا كَانَ عِنْدَ الْحَرْبِ فَأَيُّ زَاجِرٍ وَ آمِرٍ هُوَ! مَا لَمْ تَأْخُذِ السُّيُوفُ مَآخِذَهَا، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ، كَانَ أَكْبَرُ مَكِيدَتِهِ أَنْ يَمْنَحَ الْقِرْمَ[۱] سُبَّتَهُ[۲]"۔

"جنگ کے وقت سپاہیوں کو امر و نہی کرتا ہے اور زیادہ چیختا چلّاتا ہے کہ لوگ اس کو شجاع سمجھیں لیکن یہ صرف اس وقت تک ہے کہ ہاتھ قبضۂ شمشیر تک پہنچے اور جب یہ ہوا تو اپنی جان بچانے کے لیے اس کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ اپنا لباس اُتار کر پھینک دے اور اپنی شرم گاہ کو ظاہر کر دے۔ (تاکہ کریم شخص اس کے قتل سے صرف نظر کر لے)

ابن ابی الحدید کے کہنے کے مطابق اس عجیب داستان کو تمام مؤرخین، خاص طور پر وہ جنہوں نے صفّین کے متعلق لکھا ہے، نے ذکر کیا ہے۔

یہ قصہ اس طرح ہے کہ "حارث ابن نصرؓ اصحابِ علیؑ میں سے ایک تھے، انہوں نے عمرو بن عاص کی مذمت میں کچھ اشعار کہے تھے اور مولا علی علیہ السلام کی شعلہ بار شمشیر کے مقابلے میں اُس کی ضعف و پستی پر مذمتی اشعار کہے۔ یہ اشعار لوگوں میں مشہور ہو گئے۔ یہ بات عمرو کے کانوں تک پہنچی تو اس نے کہا، اگر اس طرح ہے تو خدا کی قسم! میں میدانِ جنگ میں علی کے مقابلے میں جاؤں گا چاہے ہزار بار مارا جاؤں۔ جب صفین میں لشکر کی صفوں نے عمومی حملے کا آغاز کیا، تو عمرو نے بھی ایک نیزہ اٹھایا اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف بڑھایا، تاکہ خود کو بے نقاب کرے، مولاؑ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا، عمرو نے اپنے آپ کو ایسی چڑیا کی مانند محسوس کیا جو ایک عقاب کے پنجے میں آنے والی ہو، اس لیے پسپائی اختیار کی، خود کو گھوڑے سے گرا دیا اور اپنے آپ کو برہنہ کر دیا، امیر المومنینؑ نے چہرے کو دوسری جانب کیا اور واپس آ گئے۔ (اور عمرو نے اس موقع کو غنیمت جان کر کے وہاں سے فرار اختیار کیا) یہ بات لوگوں میں مشہور ہو گئی اور حضرت علی علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفیت کا چرچا ہو گیا۔[۳]

تاریخ میں آیا ہے کہ جب امیر شام تخت پر بیٹھا، ایک دن عمرو عاص سے کہا، میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں مجھے ہنسی آ جاتی ہے! عمرو نے سوال کیا، کیوں؟ کہا کہ مجھے یاد آتا ہے کہ صفین میں علی نے تجھ پر حملہ کیا تو، تو نے اپنی شرم گاہ ظاہر کر کے نجات حاصل کی، اور یہ نشانِ ننگ و عار اپنے اُوپر لے لیا۔ عمرو نے کہا، میں جب تجھے دیکھتا ہوں تو اس سے زیادہ ہنستا ہوں،

---

[۱] قِرم، نرجنس اور آقا و بزرگوار کے لیے آیا ہے اور مذکورہ خطبے میں اس معنیٰ میں، کیونکہ عمرو بن عاص علیؑ جیسے بزرگوار کے سامنے ہے اور جانتا تھا کہ اگر اپنے پچھواڑے کو نمایاں کرے گا تو امیر المومنینؑ رُوگرداں ہو جائیں گے۔

[۲] سبّۃ، سبّ کے مادّے سے ہے، بدگوئی اور گالیاں دینے کے معنیٰ میں ہے اور ہر ناپسندیدہ چیز کے لیے آتا ہے جس کا ذکر نہ کیا جائے اور یہاں شرم گاہ کی جانب اشارہ ہے۔

[۳] کتاب صفین، نصر بن مزاحم، ص ۴۲۲ (طبق نقل از الغدیر، جلد ۲، ص ۱۵۸)

https://downloadshiabooks.com/

کیونکہ اُس دن کی یاد آتی ہے جب علی نے تجھے مقابلے کے لیے دعوت دی کہ تن بہ تن جنگ کریں تو اچانک تیری سانس سینے میں رُک گئی، تیری زبان خشک ہوگئی، آبِ دہن نے گلے کو پکڑ لیا، اور تیرا سارا جسم کانپنے لگا اور دوسری باتیں بھی ہیں جو میں زباں پر نہیں لانا چاہتا ہوں۔ امیر شام نے کہا، درست ہے لیکن یہ بات مکمل نہیں ہے (اور ماجرا اس سے زیادہ ہے) اور اس کے بعد عمرو بن عاص سے کہا، آؤ مذاق چھوڑ دو، کوئی کام کی بات کریں۔

"إِنَّ الْجُبْنَ وَ الْفِرَارَ مِنْ عَلِيٍّ لَا عَارَ عَلَى أَحَدٍ فِيهِمَا"[1]

"دستِ علیؑ سے فرار اور ڈرنا کسی شخص کے لیے بھی کوئی عیب نہیں ہے۔"

اس کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام اس بحث کے تسلسل میں عمرو بن عاص کی جھوٹی نسبت کے جواب کو پیش کرتے ہیں اور اس کی اور صفات و حالتِ ایمان و حالتِ اعمال کے بیان کے ساتھ خطبے کو ختم کرتے ہیں؛ فرماتے ہیں:

"أَمَا وَ اللهِ إِنِّي لَيَمْنَعُنِي مِنَ اللَّعِبِ ذِكْرُ الْمَوْتِ"

"آگاہ ہو جاؤ، خدا کی قسم! موت کی یاد مجھے کھیل اور مذاق کرنے سے روکتی ہے۔"

میں ہمیشہ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہوں کیونکہ یہ ایک ایسا قانون ہے جو سب خلائق کے لیے ہے اور کوئی دن اس کے لیے معین نہیں ہے اور کسی کے لیے کوئی استثناء نہیں ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ موت لذّات اور سرگرمیوں کا اختتام ہے، میں کبھی اس کو فراموش نہیں کرتا، صبح و شام اس کو یاد کرتا ہوں، کیا ممکن ہے مجھ جیسا شخص، اس وصف کے ساتھ، کھیل اور مزاح میں مشغول ہو اور ہوا و ہوس میں غرق ہو جائے؟ یہ ناممکن ہے۔

"وَ إِنَّهُ لَيَمْنَعُهُ مِنْ قَوْلِ الْحَقِّ نِسْيَانُ الْآخِرَةِ"

"لیکن موت و آخرت کی فراموشی نے اس کو حق بات کہنے سے روکا ہوا ہے۔"

اگر وہ جھوٹ بولتا ہے اور تہمت لگاتا ہے اور اہدافِ دنیاوی تک پہنچنے کے لیے اور اپنی خواہشات تک رسائی کے لیے، ہر کام کو اپنے لیے جائز شمار کرتا ہے، تو وہ اس لیے ہے کہ اُس نے موت و آخرت کو بھلا دیا ہے اور وہ انسان جو موت اور عدل الٰہی کو فراموش کرے، وہ ایک خطرناک وجود بن جاتا ہے، جو کسی کام سے دریغ نہیں کرتا حتیٰ کہ اپنی عزت و شرف کو بھی اپنے مفاد پر قربان کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اس بات پر واضح گواہ اور مکمل واضح دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] ابنِ ابی الحدید نے اس بات کو مشہور مورخ "واقدی" سے نقل کیا ہے، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۳۱۷

https://downloadshiabooks.com/

"إِنَّهُ لَمْ يُبَايِعْ مُعَاوِيَةَ حَتَّى شَرَطَ أَنْ يُؤْتِيَهُ أَتِيَّةً ① وَيَرْضَخَ لَهُ عَلَى تَرْكِ الدِّينِ رَضِيخَةً" ②

"وہ امیر شام کی بیعت کے لیے تیار نہ ہوا جب تک عطیہ اور بدلہ نہ لیا اور دوسرے لفظوں میں اپنا دین دینے کے بدلے میں قلیل رشوت حاصل کی۔"

امامؑ اس بیان میں ایک معروف داستان کی جانب اشارہ فرماتے ہیں جو لوگوں میں مشہور تھی اور اسی دلیل سے ایک تھوڑا اشارہ اس کی سند کی جانب کرتے ہیں اور اس مطلب کی شبیہ خطبہ ۲۶ میں آئی ہے اور اُس جگہ اس کی شرح بیان کی گئی اور بطور خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

"جب فتنۂ جمل امامؑ کی کامیابی اور مخالفین کی شکست پر ختم ہوا، امامؑ نے جریر بن عبداللہؓ کو امیر شام سے بیعت لینے کے لیے شام بھیجا، امیر شام جو امامؑ کی بیعت کا قائل نہ تھا، اس بارے میں مشورہ کرنے لگا اور ایک خط عمرو بن عاص کے لیے لکھا اور اس سے مدد چاہی اور اس کے اور امیر شام کے درمیان طولانی گفتگو ہوئی۔

اور عمرو نے اسے سمجھایا کہ جو افتخارات حضرت علی علیہ السلام کے پاس ہیں تُو ان سے عاری ہے، آخر میں کہا، اگر میں تیری بیعت کروں اور تمام خطرات کو قبول کروں تو مجھے بدلے میں کیا دو گے؟، امیر شام نے کہا جو تم چاہو، کہو۔ عمرو بولا، کامیابی کے بعد حکومت مصر میرے حوالے کرنا۔ امیر شام نے غور کر کے کہا، میں نہیں چاہتا کہ تیرے لیے لوگ یہ کہیں کہ "اغراضِ دنیاوی کی خاطر میری بیعت کی۔" عمرو نے کہا" ان باتوں کو چھوڑ دو؛ تم خود دنیا پرستوں کے رئیس ہو؛ مطلب وہ ہے جو میں نے کہا، حکومتِ مصر چاہتا ہوں۔" بالآخر امیر شام مان گیا، اور اس کے ساتھ قرارداد باندھ لی۔ ③ لیکن ہوا یہ کہ دنیا نے اس کے ساتھ وفا نہ کی اور حکومت مصر پر چند سال سوار رہا اور جس طرح اوپر ذکر کیا گیا، اپنی زندگی کے آخری عمر میں اپنے کیے پر بہت پشیمان تھا اور خود کو کوستا تھا! لیکن اس ہولناک بھنور سے نجات کی کوئی راہ نہ تھی۔ ④

---

① اتیۃ، عطیہ اور بخشش کے معنیٰ میں ہے۔

② رضیخۃ، مادّہ رضخ سے ہے جو کہ کم چیز بخشنے کے معنیٰ میں ہے، اور رضیخۃ کم عطیہ کے معنیٰ میں ہے۔ مذکورہ خطبے میں اس جانب اشارہ ہے کہ عمرو عاص نے اپنے دین کو دنیا کے مقابلے میں بیچ دیا جو کم قیمت والی متاع ہے، خصوصاً یہ کہ کم مدت کے لیے اس مقام سے فائدہ حاصل کیا۔

③ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۲، صفحہ ۶۱ (خلاصے کے ساتھ)

④ عمرو کی موت کی تاریخ کے بارے میں مورّخین میں اختلاف ہے لیکن علّامہ امینی کے بقول الغدیر میں اور ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ، جلد ۶، ص ۳۲۱ پر صحیح قول یہ ہے کہ ۴۳ ہجری میں اس کی سیاہ زندگی کا باب بند ہو گیا، اور اگر اس کی حکومت ۳۹ھ میں شروع ہوئی تھی تو پانچ سال سے زیادہ نہ چل سکی۔

https://downloadshiabooks.com/

نکات

ا۔عمرو عاص کون تھا؟

ہم سب اس شخص کے نام سے آشنا ہیں اور ہر ایک کچھ نہ کچھ اس کی مکاریوں اور اس کے تخریبی منصوبوں کے بارے میں جانتا ہے جو اس نے تاریخ اسلام میں انجام دیے اور ان میں سے مشہور ترین داستان وہ ہے، جو سب کے ذہنوں میں ہے، یعنی جنگ صفین میں قرآن پاک کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کرنا۔ جب امیر شام کا لشکر شکست سے دوچار ہونے کو تھا، اس نے ایک عجیب دھوکے سے لشکر کو شکست سے نجات دی۔ اس نے حکم دیا کہ قرآن کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کریں اور بولیں کہ ہم قرآن کے پیرو ہیں اور قرآن کو حاکم قرار دیتے ہیں اور جنگ سے دست بردار ہیں۔ اس فریب نے امیرالمومنینؑ کے سادہ لوح گروہ پر اتنا اثر کیا کہ مولاؑ کو جنگ سے سختی سے منع کیا اور حکمیت کی بات ماننے پر مجبور کیا۔ بہرحال وہ تقریباً چونتیس سال بعثت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے متولد ہوا، اس کا باپ عاص بن وائل اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ قرآن مجید نے اس کی مذمّت کی ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"[1]

"تیرا دشمن نسل بریدہ اور بے اولا د رہے گا۔"

عمرو بن عاص یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرزند نہیں ہے جو اُن کی یادگار ہو، اُن کی وفات کے بعد سب ختم ہو جائے گا، اس لیے مذکورہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نازل ہوئی۔

اس کی ماں سب مورّخین کی تصریح کے مطابق مکے کی بدنام ترین عورت تھی۔ اس طرح کہ جب عمرو متولد ہوا تو اس کے حق پدری کے لیے پانچ شخص مدعی تھے لیکن اس کی ماں نے ترجیح دی کہ اسے عاص کا بیٹا شمار کیا جائے کیونکہ اس کی شباہت عاص سے زیادہ ہے اور عاص دوسروں کے مقابلے میں اس کی زیادہ مالی معاونت کرتا تھا اور اس لیے بعض مورّخین نے اسے نامشروع بیٹے کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور یہاں تک کہ مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ نے اس کی مذمت میں ایک قصیدہ لکھا جس کے اشعار اس مطلب کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

---

[1] سورۂ مبارکہ کوثر، آیت ۳

https://downloadshiabooks.com/

جس وقت مسلمین مکہ کے ایک گروہ نے مشرکینِ قریش کے مظالم کی وجہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی، عمرو عاص کو بت پرستوں کی جانب سے عمار نامی شخص کے ہمراہ حبشہ کی طرف جانے کی ذمّے داری سونپی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ اگر ہو سکے تو مہاجروں کے سردار جعفر کو قتل کر دے یا حبش کی حکومت کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائے۔ وہ حبشہ میں ظاہری طور پر مسلمان ہو گیا کہ شاید اس طرح اسلام پر کاری ضرب لگا سکے۔

بعض مؤرّخین کہتے ہیں کہ عمرو عاص کا حبشہ کی طرف سفر جنگ خندق کے موقع پر تھا؛ اس نے کچھ اپنے دوستوں سے کہا تھا، میری رائے یہ ہے کہ حبشہ کی طرف جانا ہمارے حق میں بہتر ہوگا؛ اگر ہماری قوم کامیاب ہوئی تو واپس آ جائیں گے اور اگر محمد کامیاب ہوا تو حبشہ ہی میں رہیں گے، اس لیے کہ محمد کی حکومت میں رہنے سے بہتر ہے کہ نجاشی کی حکومت میں رہیں۔

جب وہ حبشہ وارد ہوا اس وقت جعفر بن ابوطالبؑ اور مسلمانوں کا گروہ حبشہ میں تھا، عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی نجاشی کے لیے تحفے لائے تھے، جو اُسے پسند آئے، تو انھوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے تقاضا کیا کہ جعفرؓ کے قتل کی اجازت دے دیں، نجاشی جو باطن میں مسلمان ہو گیا تھا، بہت طیش میں آیا اور انھیں خبردار کیا۔ عمرو کو اس بات کی توقع نہ تھی، فوراً کہنے لگا، میں نہیں جانتا تھا کہ محمد کا اتنا مقام ہے، میں ابھی اسی وقت مسلمان ہوتا ہوں اور وہ ظاہراً مسلمان ہو گیا۔

اور جب وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مدینے واپس پلٹا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی حوصلہ افزائی کی خاطر اسے ایک چھوٹے لشکر کا سپہ سالار بنا کر ذات السلاسل بھیجا، اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عمّان (شام میں) کا گورنر معین کیا؛ وہ پیغمبرؐ کی اختتام عمر تک وہیں تھا اور خلیفۂ ثانی کے زمانے میں فلسطین اور اردن کے علاقے اس کے زیرِ نگیں آ گئے۔ اس کے بعد خلیفۂ ثانی نے شام کے تمام علاقے امیر شام کے اختیار میں دے دیے اور عمرو بن عاص کو مصر جانے کا حکم دیا، عمرو بن عاص مصر چلا گیا اور اسے فتح کیا۔ عمرو خلیفۂ ثالث کے دور میں چار سال مصر کا گورنر رہا، اس کے بعد خلیفۂ ثالث نے اسے معزول کر دیا اور دوسرے شخص کو وہاں بھیجا اور یہاں سے عمرو اور خلیفۂ ثالث کے درمیاں اختلافات رونما ہوئے، اور عمرو اپنے اہل وعیال کے ہمراہ فلسطین منتقل ہو گیا، اور جب امیر شام نے شام میں بغاوت کی تو عمرو بن عاص کو دعوت دی کہ اس کے ساتھ مل جائے، اس نے اس شرط کے ساتھ دعوت قبول کی کہ اگر غالب آ گیا تو مصر کی حکومت اسے دے گا، اور اس نے ایسا ہی کیا، اور عمرو بن عاص آخرِ عمر تک حکومت مصر کے اعلیٰ عہدے پر جاگزیں رہا، لیکن امیر شام کی کامیابی کے بعد چند سال زندہ رہا اور بالآخر بروز عید الفطر ۴۳ ہجری جو مسلمانوں کی خوشی کا دن تھا، ۹۰ سال کی عمر میں آنکھیں بند کر لیں۔

وہ بہت چالاک شخص تھا اور لوگوں کو متاثر کر سکتا تھا لیکن فکری توانائی کو شیطنت میں صرف کیا کرتا تھا، جیسا کہ پہلے نقل ہوا کہ وہ ہنگامِ مرگ کے ساتھ اظہارِ پشیمانی کر رہا تھا کہ کیوں امیر شام کی دنیا کی خاطر اپنا دین بیچ دیا۔

https://downloadshiabooks.com/

بعض کہتے ہیں کہ وہ زمانہ جاہلیت میں شجاعت میں مشہور تھا، اگرچہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں اتنا مرعوب ہوا کہ اپنی جان کی نجات کے لیے اپنی شرم گاہ کا سہارا لینا پڑا؛ اپنے کپڑے اتار پھینکے اور شرم گاہ کو ظاہر کر دیا اس لیے کہ جانتا تھا حضرت علیؑ بزرگوار ہیں اور ایسی حالت میں اس کے قتل سے چشم پوشی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ ①

مرحوم علاّمہ امینیؒ عمرو بن عاص کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہرگز اسلام و ایمان کو قبول نہ کیا تھا بلکہ جب وہ جعفر ابن ابی طالبؑ اور ان کے دوستوں کو قتل کرنے کے لیے حبشہ گیا اور ایک جانب سے جب یہ خبر اس کے کانوں میں پڑی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجاز میں پیش رفت کر چکے ہیں اور دوسری جانب حبشہ میں مسلمانوں کی نسبت نجاشی کی حمایت کا مشاہدہ کیا، تو ظاہراً اسلام لے آیا اور جب حجاز واپس پلٹا تو منافقانہ انداز میں مسلمانوں کے درمیان زندگی گزاری، اس امید کے ساتھ کہ کوئی مقام حاصل ہو جائے۔

امیر المومنینؑ کی بات اس کے بارے میں کاملاً صادق آتی ہے، فرماتے ہیں:

"وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، مَا أَسْلَمُوْا وَلٰكِنِ اسْتَسْلَمُوْا، وَ أَسَرُّوا الْكُفْرَ، فَلَمَّا وَجَدُوْا أَعْوَانًا، رَجَعُوْا إِلٰى عَدَاوَتِهِمْ مِنَّا" ②

"خدا کی قسم! وہ ہرگز مسلمان نہ ہوئے تھے، بلکہ اظہارِ اسلام کیا اور کفر کو باطن میں چھپا رکھا اور جب اپنے یار پیدا کر لیے تو اندرونی کفر کو ظاہر کر دیا اور ہمارے خاندانِ پیغمبرؐ کے ساتھ دشمنی پر واپس پلٹ آئے۔"

وہ اپنے مقصد تک رسائی کے لیے یعنی حضرت علیؑ کے ساتھ دشمنی کے اظہار کے لیے کسی چیز سے دریغ نہ کرتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک دن حضرت عائشہ سے کہا، کاش تم جنگ جمل والے دن قتل ہو جاتیں!! حضرت عائشہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا، "وَلِمَ لَا أَبَا لَكَ" کیوں؟ اے بے پدر! عمرو نے کہا، تم مر کر جنت میں چلی جاتیں اور ہم (خلیفہ ثالث کے پیراہن کے مسئلے کے بعد) علی ابن ابی طالب کے خلاف تمہاری موت کو سب سے بڑا وسیلہ قرار دے دیتے۔ ③

اگر ہم چاہیں تو عمرو بن عاص کے جرائم اور مکر و فریب سے پُر زندگی کی تمام پہلوؤں کی شرح و بسط کے ساتھ تحریر کریں، تو گفتگو طولانی ہو جائے گی؟ اس لیے ایک تاریخی نکتے کو بیان کرتے ہوئے بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ابن ابی الحدید، اس بارے میں کہتا ہے: "عمرو بن عاص ان لوگوں میں سے تھا کہ مکے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتا تھا اور ناسزا کہتا تھا اور ان کی راہ میں پتھر بچھاتا تھا تاکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچے، کیوں کہ

① الغدیر جلد ۲، صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۲۸۲

② الغدیر، جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

③ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۳۲۲

https://downloadshiabooks.com/

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیرے میں طوافِ کعبہ کے لیے گھر سے باہر نکلتے تھے اور عمرو بن عاص ان لوگوں میں سے ایک تھا کہ جب زینب بنتِ رسول اللہؐ بقصدِ ہجرت مدینے سے مکہ کے لیے نکلیں تو ان کے پیچھے لگ گیا اور اُنہیں اتنا ڈرایا دھمکایا کہ اُن کا جنین ساقط ہو گیا، جب یہ بات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ بہت ناراض ہوئے اور اس گروہ کے تمام افراد پر لعن ونفرین کی۔ [1]

۲۔اسلام کی نظر میں مزاح

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کے مصائب ومشکلات سے روحِ انسانی زنگ آلود ہو جاتی ہے اور اگر تفریح، اور پُر لطف باتوں کے ذریعے اسے صیقل نہ کیا جائے تو انسان کی آئندہ کی سرگرمیاں مشکلات سے دوچار ہو جاتی ہیں۔اسی لیے عقل، منطق اور فطرت یہ تقاضا ہے کہ انسان کبھی کبھار اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر مزاح اور لطائف سے لطف اندوز ہو۔اور اگر یہ تفریح اعتدال کی حد میں ہو تو قابل مذمت نہیں ہے، بلکہ مناسب اور کبھی لازم وواجب ہو جاتا ہے اور حُسنِ خُلق، کشادہ رُوئی اور اخلاقِ حسنہ میں شمار ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرینؑ اور بزرگانِ دین، بلکہ تمام عقلا کی سیرت سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں مزاح کو حدِّ اعتدال تک روا رکھتے تھے۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ مزاح حد اعتدال سے خارج ہو جائے، گناہ اور مومن کی غیبت شمار ہو جائے یا انتقام جوئی اور ذلیل کرنے کے لیے یا کنائے کے طور پر مزاح کیا جائے تو پھر یہ قابل مذمت صفات میں سے شمار ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی مآخذ میں مزاح کو کبھی فضیلت کے عنوان سے اور کبھی ایک بُری صفت کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔اس بحث کی تکمیل کے لیے ہم روایات میں دیکھتے ہیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ روایات کو پیش کرتے ہیں:

۱۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک صحابی نے پوچھا، کبھی کبھی لوگ آپس میں ہنسی مزاح کرتے ہیں، کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ مَا لَمْ يَكُنْ" فَظَنَنْتُ أَنَّهُ عَنَى الْفُحْشَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ كَانَ يَأْتِيْهِ الْأَعْرَابِيُّ فَيُهْدِيْ لَهُ الْهَدِيَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ مَكَانَهُ أَعْطِنَا ثَمَنَ هَدِيَّتِنَا فَيَضْحَكُ رَسُوْلُ اللهِ وَكَانَ إِذَا اغْتَمَّ يَقُوْلُ مَا فَعَلَ الْأَعْرَابِيُّ

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۲۸۲

https://downloadshiabooks.com/

لَيْتَهُ أَتَانَا.»①

"اس میں کوئی اشکال نہیں ہے جب تک کہ (راوی کہتا ہے، میں سمجھا کہ امامؑ کی مراد ناسزا کہنا ہے) پھر امامؑ نے فرمایا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کبھی کبھی ایک اعرابی آتا تھا اور کچھ ہدیہ بھی دے کر جاتا تھا اور ہدیہ دیتے وقت کہتا تھا، ہدیے کی قیمت ادا کیجیے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے تھے، اور جب کبھی غمگین ہوتے تو فرماتے تھے، وہ اعرابی کہاں ہے؟ کاش! وہ ہمارے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے آجاتا۔"

۲۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے دوسری حدیث میں فرمایا:

«أَلْمُؤْمِنُ دَعِبٌ لَعِبٌ، وَ الْمُنَافِقُ قَطِبٌ غَضِبٌ.»②

"مومن شوخ اور مزاح پسند ہوتا ہے اور منافق ترش رو اور غصیلہ ہوتا ہے۔"

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَ فِيهِ دُعَابَةٌ; قُلْتُ: وَمَا الدُّعَابَةُ؟ قَالَ: الْمِزَاحُ"③

"ہر مومن میں دُعابہ موجود ہے، راوی نے پوچھا: دُعابہ کیا ہے؟ فرمایا: مزاح ہے۔" یعنی مومن بھی مزاح سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

۴۔ روایات میں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مزاح فرمایا کرتے تھے، ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ "ایک مرتبہ انصار کے قبیلے سے ایک بوڑھی عورت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور آنحضرتؐ سے تقاضا کیا کہ اس کے لیے دعا کریں کہ وہ اہل بہشت میں سے ہوجائے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاحاً فرمایا، "بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی؟ اس پر بوڑھی عورت نے فریاد کی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا، اور اس آیت کی تلاوت کی:

«إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾»④

"ہم نے انہیں وہاں دوسری زندگی عطا کی ہے اور دوشیزہ قرار دیا ہے۔" (اس پر بوڑھی عورت خوش ہوگئی)⑤

لیکن اس کے باوجود دوسری روایات مزاح کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، جن کی تعداد بھی کم نہیں ہے، من جملہ ایک

① اصول کافی، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳
② تحف العقول، صفحہ ۴۱، باب مواعظ النبیؐ
③ اصول کافی، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳
④ سورۂ واقعہ، آیات ۳۵، ۳۶
⑤ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۶، ص ۳۳۰

https://downloadshiabooks.com/

حدیث حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں:

"اَلْمِزَاحُ یُوْرِثُ الضَّغَائِنَ" [۱]

"مزاح کینہ اور عداوت کا سبب ہے۔"

اور دوسری حدیث میں آپؑ نے فرمایا:

"لِکُلِّ شَیْءٍ بَذْرٌ وَبَذْرُ الْعَدَاوَةِ الْمِزَاحُ" [۲]

"ہر چیز کا بیج ہے اور دشمنی کا بیج مزاح ہے۔"

اور دوسری تعبیرات میں آیا ہے کہ مزاح عقل کو کم کرتا ہے اور انسان کے رعب و ہیبت کے لیے آفت ہے اور اس کا چھوٹا دشمن ہے۔ [۳]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَدَعَ الْمِزَاحَ وَالْکِذْبَ" [۴]

"اللہ کا نیک بندہ جب تک مزاح اور جھوٹ کو ترک نہ کرے اس کا ایمان خالص نہیں ہو سکتا۔"

یہ بات واضح ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں معمولی سا بھی تضاد نہیں ہے، کیونکہ پہلی قسم کی روایات آزار و اذیّت سے عاری مزاح سے متعلق ہیں اور دوسری قسم کی روایات طنز اور گناہ سے آلودہ مزاح سے متعلق ہیں۔ اس بات کی گواہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

"اِنِّیْ اَمْزَحُ وَلَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا" [۵]

"میں مزاح کرتا ہوں لیکن اس میں حق کے سوا کوئی چیز بیان نہیں کرتا۔"

اس پر دوسرا شاہد یہ ہے کہ بہت سی روایات میں کثرت مزاح کو ایک ناپسندیدہ کام کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ امیر المومنینؑ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

---

[۱] تحف العقول، صفحہ ۸۶

[۲] میزان الحکمۃ، جلد ۴، حدیث ۱۸۸۶۹

[۳] میزان الحکمۃ، جلد ۴، باب ذم المزاح

[۴] میزان الحکمۃ، جلد ۴، حدیث ۱۸۸۶۹

[۵] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۳۳۰

https://downloadshiabooks.com/

"كَثْرَةُ الْمِزَاحِ تُذْهِبُ الْبَهَاءَ وَتُوجِبُ الشَّحْنَاءَ"[۱]

"مزاح کی کثرت انسان کے وقار کو ختم کر دیتی ہے اور دشمنی وعداوت کا سبب بنتی ہے۔"

بعض روایات میں افراط فی مزاح "مزاح میں افراط" تعبیر ذکر ہوئی ہے۔

مذکورہ روایات جو اکثر حضرت امام علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہیں، ان سے بخوبی یہ واضح ہے کہ اگر امامؑ کبھی شوخی ومزاح فرماتے بھی تھے تو یہ ایک حد تک ہوتا تھا اور حضرتؑ کے فضائل میں شمار ہوتا ہے کہ مولاؑ ایک خوش رو، خوش مجلس اور غیر معمولی اخلاقی کشش کے مالک تھے۔ لیکن کینہ پرور دشمن اور بے منطق اچھی صفات کو بھی برائی سے تعبیر کرتا ہے اور اسے اپنی بُری پرپیگنڈوں کے لیے بہانہ بناتا ہے اور اس کے لیے مثال وہی ہے کہ جو اس خطبے میں بیان ہوا ہے۔

امامؑ نے اس خطبے میں درحقیقت زیادہ مزاح کی اپنی ذات سے نفی کی ہے، لیکن عاقلانہ اور ممدوح مزاح کی، جو روح کی پاکیزگی اور نشاطِ قلب اور مومنین کے دلوں میں خوشیوں کے داخل ہونے کا سبب ہوتا ہے، نفی نہیں فرمائی ہے۔

اس بات کو ایک لطیف حدیث سے اختتام پزیر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام مسکراتے ہوئے خوش نظر آرہے تھے۔ آپؑ کو دیکھ کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا، میں ایسا کیوں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا آپؑ عذاب الٰہی سے امن و امان میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، چونکہ میں تجھے ناراحت اور ناراض دیکھ رہا ہوں گویا رحمتِ خدا سے مایوس ہو گئے ہو؟ اس کے بعد کہا، آؤ! اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے اللہ کی طرف سے وحی کا انتظار کرتے ہیں۔ خداوند متعال نے ان پر یہ وحی بھیجی:

"أَحَبُّكُمَا إِلَيَّ الطَّلِقُ، الْبَسَّامُ، أَحْسَنُكُمَا ظَنًّا بِي"

"تم میں سے محبوب ترین وہ شخص ہے جو خوش رو اور مسکرانے والا ہو اور میری نسبت بہترین حُسنِ ظن رکھنے والا ہو۔"[۲]

---

[۱] غرر الحکم

[۲] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۳۳۳

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

پچاسی واں خطبہ

(وَفِيهَا صِفَاتُ ثَمَانٍ مِّنْ صِفَاتِ الْجَلَالِ) (۱)

اس خطبے میں جلالِ خداوندی کی صفات میں سے آٹھ صفات کا ذکر کیا گیا ہے (اس کے علاوہ موت کے مسئلے اور درجات اور مقاماتِ معنوی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے)۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

امامؑ اس خطبے میں تین اہم مسائل کی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

پہلا: یہ حصہ پروردگار کی صفاتِ جلال و جمال کا ہے جو مختصر و پُر معنیٰ تعبیرات سے عبارت ہے۔

دوسرا: زندگی کے مختلف حادثات سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی جانب لوگوں کی توجّہ مبذول کرانا، خصوصاً موت کی طرف جو تمام انسانوں کے انتظار میں ہے۔

تیسرا: اس میں اولیاء اللہ کے جنت میں مقامات و درجات اور نہ ختم ہونے والی نعمتوں کی جانب اشارہ ہے، جو جاودانی اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

اس خطبے میں سیّد رضیؒ کی تعبیرات سے، کہ جنہیں انہوں نے کلمۂ منہا کے ذریعے جدا جدا ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ اس سے کہیں زیادہ طولانی تھا اور سیّد رضیؒ نے ہمیشہ کی طرح خطبے سے چیدہ چیدہ چیزیں بیان کی ہیں۔

پہلا حصّہ

(۱) سند خطبہ، ابونعیم اصفہانی نے کتاب حلیۃ الاولیاء، میں جو نہج البلاغہ سے پہلے لکھی گئی تھی، اس خطبے کے کچھ حصوں کو نقل کیا ہے، اور سبط ابنِ جوزی نے جو سیّد رضیؒ کے بعد زندہ تھا، کتاب تذکرہ الخواص میں اور محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں خطبے کے کچھ حصوں کو ذکر کیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۲)

https://downloadshiabooks.com/

"وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ: اَلْاَوَّلُ لَا شَيْءَ قَبْلَهُ، وَ الْآخِرُ لَا غَايَةَ لَهُ، لَا تَقَعُ الْاَوْهَامُ لَهُ عَلٰى صِفَةٍ، وَلَا تُعْقَدُ الْقُلُوْبُ مِنْهُ عَلٰى كَيْفِيَّةٍ، وَلَا تَنَالُهُ التَّجْزِئَةُ وَالتَّبْعِيْضُ، وَلَا تُحِيْطُ بِهِ الْاَبْصَارُ وَ الْقُلُوْبُ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ایسا اوّل ہے جس سے پہلے کچھ نہیں ہے اور ایسا آخر ہے جس کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ خیالات اُس کی کسی صفت کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں اور دل اُس کی کوئی کیفیت طے نہیں کر سکتا ہے۔ اُس کی ذات کے نہ اجزا ہیں اور نہ ٹکڑے اور نہ وہ دل و نگاہ کے احاطے کے اندر آ سکتا ہے۔"

شرح وتفسیر

معرفتِ خدا کی راہ میں

عقائد کے علماء صفاتِ خدا کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: صفاتِ جمال وصفاتِ جلال۔

صفاتِ جمال: ان صفات کو کہتے ہیں جو اثباتی پہلو رکھتی ہیں جس طرح علم وقدرت اور طاقت۔

صفت جلال: وہ صفات ہیں جو نفی کا پہلو رکھتی ہیں جیسے شریک کا نہ ہونا، شبیہ کا نہ ہونا، اور چونکہ وہ آٹھ اوصاف جو اس خطبے کے پہلے حصے میں آئے ہیں، ان میں بعض اثباتی پہلو رکھتے ہیں اور بعض منفی پہلو والے ہیں، ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جو اس خطبے کے عنوان میں آٹھ صفات بعنوان جلال آئی ہیں وہ عقائد کے علماء کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہیں، بلکہ جلال یہاں لغوی معنیٰ میں ہے اور ان صفات کی عظمت کی جانب اشارہ ہے، چاہے منفی پہلو رکھتی ہوں یا اثباتی پہلو۔

بہر حال چوں کہ معرفتِ خداوند تعالیٰ اور اُس کی صفات جلال و جمال کی شناخت ہر خیر وخوبی کا سرچشمہ اور تمام اخلاقی فضائل واعمال صالحہ کی بنیاد ہے، امامؑ اکثر خطبوں کے آغاز میں پروردگار کی صفات کے ایک گوشے کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور دلوں کو اُس کی ذات پاک کی عظمت اور اُس کی صفات جمال وجلال کی عظمت کی جانب متوجّہ فرماتے ہیں، جس طرح اوپر ذکر کیا گیا، خطبے کے اس حصے میں آٹھ صفات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

پہلی صفت میں فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اُس کی ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؛ وہ اکیلا ہے، کوئی شریک نہیں رکھتا۔"

صحیح ہے کہ اس جملے میں خدا کے لیے تین اوصاف ذکر ہوئے، خدا کے علاوہ نفیِ معبود، اُس کی وحدانیت اور شریک نہ رکھنا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات ایک حقیقت کی جانب لوٹتی ہیں اور وہ اُس کی وحدانیت ہی ہے، اُس کی ذات و صفات وعبودیت میں اور یہ کہ صفات خداوند کی بنیاد، توحید ہے، اس لیے سب سے پہلے توحید کی بات کی اور جس طرح ہم آگے دیکھیں گے کہ باقی سات دوسری صفات اسی وصف توحید سے نکلتی ہیں۔

دوسری صفت میں فرماتے ہیں:

"اَلْاَوَّلُ لَا شَیْءَ قَبْلَهُ"

"وہی سب سے پہلے ہے، جس سے پہلے کوئی شے نہ تھی۔"

یہ اُس کے اکیلے اور بے مثل ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، کیونکہ وہ ایک بے پایاں وجود ہے اور ایسا وجودِ ازلی ہے جو ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد ہوگا، کیونکہ اگر کوئی چیز اُس سے پہلے موجود ہوتو اُس کی ازلیت باقی نہیں رہتی۔

تیسری صفت میں فرماتے ہیں:

"وَالْاٰخِرُ لَا غَايَةَ لَهُ"

"وہ ایسا آخری ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔"

جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا، یہ اُس کی ذات کے بے پایاں ہونے کا نتیجہ ہے اور دوسرے الفاظ میں اُس کی بے ہمسری۔

یہ واضح ہے کہ دوسرا اور تیسرا وصف اثباتی پہلو رکھتا ہے اور ازل میں اس کا اوّل ہونا اور ابد میں اُس کا آخر ہونا۔

چوتھی صفت میں فرماتے ہیں:

"لَا تَقَعُ الْاَوْهَامُ (۱) لَهُ عَلٰى صِفَةٍ"

"اذہان اُس کی صفات کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔"

ہم جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے اور محدود اُمور کے سوا کچھ درک نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر خدا کی بے انتہا ذات

---

(۱) اوھام جمع ہے وہم کی بروزن فہم، لغت میں قلبی خطورات کے معنی میں ہے اور روز مرہ استعمالات میں باطل یا مشکوک سوچ کے معنی میں ہے لیکن قرائن ظاہر کرتے ہیں کہ مذکورہ خطبے اور اس کی مانند میں فکر کی اونچی پرواز کے معنی میں ہے کہ وہ بھی ذات وصفات خدا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور دوسری تعبیر میں، عقل کی آخری حرکت، جس کو یہاں وہم کا عنوان دیا گیا ہے، اُس کی بھی اللہ کی ذات کی حقیقت تک پہنچ نہیں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اور اُس کی لامحدود صفات جو اُس کی عین ذات ہیں، وہ بھی ہمارے وہم میں نہیں سما سکتیں اور دوسرے لفظوں میں اگر ہم اُس کی صفات کی آگاہی رکھیں بھی تو وہ ایک علمِ اجمالی ہے، وگرنہ اُس کی ذات وصفات کے بارے میں تفصیلی علم مخلوقات کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جو کچھ اوپر بیان ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوہام یہاں پر افکار کے معنیٰ میں آیا ہے، مطلب یہ کہ جہاں پر افکار رسائی حاصل نہ کر سکیں اُس کو وہم سے تعبیر کرتے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی صفت میں ذاتِ پاک پروردگار سے کیفیت وکمیت کی نفی کی جانب اشارہ ہے، فرماتے ہیں:

"وَلَا تُعْقَلُ الْقُلُوْبُ مِنْهُ عَلٰى كَيْفِيَّةٍ، وَلَا تَنَالُهُ التَّجْزِئَةُ وَالتَّبْعِيْضُ"

"عقلیں اُس کی ذات کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتیں اور تجزیہ وتبعیض اُس کی ذات میں کوئی راہ نہیں رکھتے۔"

"کیفیت" اُس شکل وہیئت کو کہا جاتا ہے جو اشیا اپنے اندر پیدا کرتی ہیں، چاہے وہ ہیئت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو یا سننے سے تعلق رکھتی ہو یا چھونے سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ بالکل واضح ہے کہ کیفیت ایسے اُمور کے ساتھ مربوط ہے کہ جن کے اوصاف ذات کے علاوہ ہیں، لیکن ایسی ہستی جس کی صفت اُس کی عین ذات ہو اور اس کی ذات ہر قسم کی تقسیم سے خالی و پاک ہو، کیفیت اس میں راہ نہیں پا سکتی۔

دوسری تعبیر کے مطابق، کیفیتیں محدودیتوں سے جنم لیتی ہیں اور پروردگار کی ذات لامحدود ہے ہر قسم کی کیفیت سے خالی ہے۔ اسی طرح اجزاء کا دارا ہونا جسم کی خاصیت ہے، اسی دلیل سے کمیت کو جسم کے عوارض میں سے شمار کیا گیا ہے، اور چوں کہ خداوند تعالیٰ جسم نہیں رکھتا ہے اس لیے اجزا اور کمیت سے اُس کی ذات پاک ہے۔

دوسری تعبیر کے مطابق "کمیت" وہاں آتی ہے جہاں افزائش اور کمی کی گنجائش ہو، خداوند متعال کا وجود بے نہایت ہے، جس میں افزائش اور نقصان نہیں ہے اور نہ اُس کی ذات میں کمیت کی گنجائش ہے۔

جو کچھ اوپر ذکر ہوا، اس کے مطابق تجزیہ وتبعیض جو مترادف دو لفظ ہیں، جن کے ایک معنی ہیں، لیکن نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ تجزیہ اجزائے عقلیہ (جنس وفصل منطقی) کی جانب اشارہ ہے اور تبعیض ظاہراً خارجی اجزا کی طرف اشارہ ہے اور ہر حال میں اس کا مفہوم یہ ہے، خداوند تعالیٰ کی ذات پاک اجزاء سے مرکب نہیں ہے، نہ خارج میں اور نہ عقل میں، کیونکہ اگر اجزا رکھتی تو خدا اپنے وجود میں ان کا محتاج ہوتا جبکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز وغنی بالذات ہے اور وہ جو محتاج ہے وہ ممکن الوجود ہے نہ کہ واجب الوجود۔

ساتویں اور آٹھویں صفت میں فرماتے ہیں:

"وَلَا تُحِيْطُ بِهِ الْاَبْصَارُ وَالْقُلُوْبُ"

https://downloadshiabooks.com/

" آنکھیں اور فکریں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔" (آنکھیں اُس کو نہیں دیکھ سکتیں اور عقلیں اُس کی ذات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتیں)

یہ جو فرماتے ہیں: آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں، اس کی دلیل واضح ہے، کیونکہ انسان رنگ ونور کو دیکھتا ہے اور ان کے بالتبع اجسام کو، کیونکہ رنگ ونور اجسام کے خواص میں سے ہیں اور جسم مکان وزمان، اجزاء رکھتا ہے، ان کا نتیجہ محتاج ہونا اور ممکن الوجود ہونا ہے اور خداوند متعال اس چیز سے برتر و بلند ہے۔

اگر چہ بعض علمائے اہل سنّت کا اعتقاد ہے کہ خداوند تعالیٰ ان ظاہری آنکھوں سے بروز قیامت دیکھا جائے گا۔ یہ ان بعض روایات کی بنا پر ہے کہ جن کی سند مخدوش ہے یا دلالت مخدوش ہے اور یہ بات بالکل غلط اور شرک آلود عقیدہ ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا جسم ہے اور وہ زمان، مکان، جہت اور رنگ رکھتا ہے۔ ہم، اَئمہ اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والے معتقد ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے، اس دنیا میں بھی اور دوسرے جہاں میں بھی۔ اور عقلی دلائل، جن کے ایک حصّے کی جانب اوپر اشارہ ہو چکا، سے بھی یہ حقیقت ثابت ہے اور عقلی دلیل میں کسی قسم کا استثنا نہیں پایا جاتا۔ [1]

عقلوں کا اُس کی پاک ذات کا احاطہ نہ کر سکنا، اس وجہ سے ہے کہ اُس کی ذات لامحدود ہے اور عقلِ محدود، لامحدود کو درک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اسی دلیل کی بنا پر کہا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات پاک اور اُس کی صفات کی نسبت ہمارا علم، علمِ اجمالی ہے نہ کہ تفصیلی علم۔

واضح رہے کہ امامؑ نے خدا کے عقلی مشاہدے اور آنکھ کے ذریعے دیکھے نہ جانے کو عدم احاطہ سے تعبیر کیا ہے، جو کہ حقیقت میں مطلوب پر دلیل ہے، اس لیے کہ رویت یا مشاہدۂ عقلی کا لازمہ کسی چیز کا احاطہ (کسی چیز کو اس کے کلیات اور جزئیّات کے ساتھ جانچنا) کرنا ہے اور بے پایاں اور لامحدود وجود کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال پیش آتا ہے اور وہ یہ کہ خود امامؑ اپنے دوسرے کلمات میں فرماتے ہیں:

"لَا تُدْرِکُهُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِیَانِ، وَلٰکِنْ تُدْرِکُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ" [2]

" آنکھیں ہرگز ظاہراً اُس کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن عقلیں حقیقت ایمان کی طاقت سے اُس کو درک کر سکتی ہیں۔"

امامؑ کی یہ بات، اُن مطالب سے جو خطبے میں بیان ہوئے، تضاد نہیں رکھتی؟

---

[1] نفیِ رویتِ خداوند تعالیٰ کے بارے میں مزید تشریح کے لیے اس کتاب کی جلد اوّل، صفحہ ۱۰۵ اور اس کے بعد اور کتاب پیام قرآن جلد ۴، صفحہ ۲۳۲ تا ۲۵۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۹ ص ۱۷۔

https://downloadshiabooks.com/

ایک نکتے پر غور کرنے سے اِس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ خدا کی ذات کا عقلی طور پر احاطہ ممکن نہ ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس کی ذات کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں ہے اور دوسرے الفاظ میں گزشتہ مطالب میں خدا کی ذات کے متعلق علمِ تفصیلی کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن جو خطبہ ۱۷۹ میں آیا ہے کہ خداوند متعال کو دل کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے، یہ علمِ اجمالی کی جانب اشارہ ہے۔

امام جواد علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"أَوْهَامُ الْقُلُوْبِ أَدَقُّ مِنْ أَبْصَارِ الْعُيُوْنِ، أَنْتَ قَدْ تُدْرِكُ بِوَهْمِكَ السِّنْدَ وَ الْهِنْدَ وَ الْبُلْدَانَ الَّتِيْ لَمْ تَدْخُلْهَا وَ لَا تُدْرِكُهَا بِبَصَرِكَ، فَأَوْهَامُ الْقُلُوْبِ لَا تُدْرِكُهُ، فَكَيْفَ أَبْصَارُ الْعُيُوْنِ؟" [۱]

"انسانی سوچیں آنکھوں کی دید سے دقیق تر (وعمیق تر) ہیں کیونکہ انسان کبھی ان شہروں کو جن کو کبھی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ان میں وارد نہیں ہوا ہے، مثلاً سندھ و ہند، فکر کی قوت سے اپنے ذہن میں حاضر کر سکتا ہے، اس لحاظ سے جب فکریں اُس کی اصل ذاتِ پروردگار کے درک پر قادر نہیں ہیں، تو آنکھیں کس طرح اس کام کو کر سکیں گی؟"

بہر حال وہ توصیف جو امامؑ نے اس خطبے کے پہلے حصے میں مختصر جملوں سے خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق بیان کی ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت میں انسانی توانائی کے اوج کو ظاہر کرتی ہے، ایسی چیز جو اس سے بالاتر کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے اور ایسی توصیف امام معصومؑ اور ایک عالم انسان کی زبان کے سوا ہرگز نہیں سُنی گئی ہے۔ اس بات کو ابن ابی الحدید کے ان بیانات کے ساتھ اختتام پزیر کرتے ہیں جو اس بارے میں اس خطبے کے ذیل میں انھوں نے تحریر کیے ہیں:

تم جان لو کہ توحید وعدل ومباحث شریف الٰہی (عقائد کے معارف) اس بزرگوار (امام علیؑ) ہی کے کلام کے طفیل پہچانے گئے اور بزرگ صحابہ کے کلمات میں ان حقائق میں سے کسی کا بیان نہیں ہوا۔ اصولاً ایسے مفاہیم ان کی فکر میں خطور نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور بیان کرتے اور میری نظر میں یہ فضیلت حضرت علی کے بلند ترین فضائل میں سے ہے۔ [۲]

نکتہ

---

[۱] میزان الحکمۃ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۹۳ حدیث ۱۲۳۱۲

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۶، صفحہ ۳۴۶

https://downloadshiabooks.com/

ذاتِ خدا کی نسبت معرفتِ انسان کی کیفیت

یہ مسئلہ عقیدتی مسائل میں سے ایک دقیق و باریک ترین مسئلہ ہے اور ایک ایسی جگہ ہے جہاں قلم اور قدم کانپنے لگتے ہیں اور بعض لوگ افراط کی راہ اور بعض لوگ تفریط کی راہ پر چلے گئے۔ بعض نے تو اللہ کی معرفت سے اتنے فاصلے بڑھا لیے ہیں کہ گویا تعطیل معرفت کے قائل ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پروردگار کی ذاتِ پاک اور اُس کی صفات سے متعلق کوئی مثبت چیز نہیں جانتے اور فقط چند ایک منفی امور پر بھروسا کرتے ہیں، ہمارا کہنا ہے کہ خدا معدوم نہیں ہے؛ عاجز و جاہل نہیں ہے، اور مثبت امور کی بابت ہمارے سامنے مکمل تاریکی ہے، اس گروہ کو تعطیل کا حامی شمار کیا جاتا ہے۔

دوسرا گروہ بالکل ان کے مقابل قرار دیا گیا ہے اور وہ خدا کو جسمیت کی حد تک نیچے لے آئے اور اس کے لیے بدن و اعضا کے قائل ہیں اور انہیں تشبیہ کے حامی یا مشبّھہ کہا جاتا ہے۔

تعطیل اور تشبیہ، جو کہ خطا اور گمراہی پر ہیں اور قرآن اور تعلیمات اسلامی سے بے گانہ ہیں، کے درمیاں ایک تیسرا راستہ موجود ہے اور وہ خدا کی ذات وصفات کی اجمالی معرفت ہے، بغیر اس کے کہ اُس کی ذات وصفات کی حقیقت تک پہنچیں۔

اس سے واضح تر تعبیر سے کہ جب ہم اس عالم ہستی پر نگاہ ڈالتے ہیں اور عظیم قدرت اور علم وحکمت کے عظیم آثار کو ہر جگہ ملاحظہ کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا بخوبی ادراک ہوجاتا ہے کہ یہ پیچیدہ اور عجیب نظام، یہ ظرافت و لطافت اور محکم قوانین ایک ایسے مبداء سے وجود پاتے ہیں جو بے انتہا علم وقدرت کا مالک ہے اور یہیں سے ہم ایک اجمالی معرفت کی صورت میں اُس کی ذاتِ پاک کا ادراک کرتے ہیں۔

دوسری جانب سے جب ہم اُس کی ذات میں فکر کرتے ہیں کہ اُس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ نور ہے؟ یا مافوقِ نور ہے؟ بسیط وخالص ہستی ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ جسم وجسمانیت سے بالاتر اور خیال، گمان، قیاس اور وہم سے برتر ہے اور جو کچھ ہم نے دیکھا، پڑھا اور لکھا ہے، اُس کی ذات اس سے بلند تر ہے وہ بے انتہا علم وقدرت والا ہے، لیکن اس کی قدرت وعلم کی کیفیت ومقدار کیا ہے، یہ ہمارے لیے واضح نہیں ہے۔

ہم اُس (خدا) کو اپنی فکر میں جگہ دینے اور اُس کی حقیقت تک رسائی کی جتنی بھی کوشش کرلیں حاصل کریں، وہ ہماری فکر میں نہیں سما سکتا اور ایک عرب شاعر کے بقول "ہم جب بھی اُس کی ذات کی حقیقت سے ایک بالشت قریب ہوتے ہیں تو ایک میل تک پیچھے چلے جاتے ہیں،" اس کے علاوہ کچھ ہو بھی تو نہیں سکتا کیونکہ ہم چھوٹے اور محدود ہیں اور وہ بڑا ہے اور لامحدود ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق

"فَهٰذِهِ الشَّمْسُ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ فَإِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَمْلَأَ عَيْنَيْكَ مِنْهَا فَهُوَ كَمَا تَقُوْلُ"[۱]

"یہ سورج مخلوقاتِ خدا میں سے ایک ہے (تُو اس کی جانب آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا) جب تُو سورج کو آنکھ بھر کر دیکھ پائے، تو وہی ہے جو تُو کہتا ہے۔" (اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ پھر تُو سورج کو پیدا کرنے والے کو بھی دیکھ سکے گا)

حقیقت میں امامؑ کا مقصود یہ ہے کہ ہم اپنی قدرتِ دید وفکر کو اُس ذاتِ پاک لامحدود کے مقابلے میں مشخص و معین کریں۔ اس لیے لازم ہے کہ خداوند کی درگاہ میں سر جھکا کر دست بدعا ہوں اور وہی جملے جو امامؑ اُس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، ہم بھی عرض کریں:

"إِلٰهِي تَاهَتْ أَوْهَامُ الْمُتَوَهِّمِيْنَ، وَ قَصُرَ طَرْفُ الطَّارِفِيْنَ، وَ تَلَاشَتْ أَوْصَافُ الْوَاصِفِيْنَ، وَاضْمَحَلَّتْ أَقَاوِيْلُ الْمُبْطِلِيْنَ عَنِ الدَّرْكِ لِعَجِيْبِ شَأْنِكَ، أَوِ الْوُقُوْعِ بِالْبُلُوْغِ إِلٰى عُلُوِّكَ، فَأَنْتَ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ لَا يَتَنَاهٰى وَلَمْ تَقَعْ عَلَيْكَ عُيُوْنٌ بِإِشَارَةٍ وَلَا عِبَارَةٍ، هَيْهَاتَ! ثُمَّ هَيْهَاتَ"[۲]

"اے ہمارے معبود، سوچنے والوں کی دُور پرواز سوچیں حیران ہوگئیں اور دیکھنے والوں کی نگاہیں کوتاہ ہوگئیں، توصیف کرنے والوں کی توصیفات متلاشی ہوگئیں اور بے ہودہ گوئی کرنے والوں کی باتیں کمزور ہوگئیں، اس سے کہ تیری ذات پاک کی تعجب میں ڈالنے والی چیزوں کو درک کریں یا تیرے مقامِ اعلیٰ کو سمجھ سکیں، تو غیر متناہی موقعیت قرار رکھتا ہے، ہرگز آنکھیں تجھے نہیں دیکھ سکتیں یا تیری ذاتِ پاک کی جانب اشارہ کریں یا توصیف کریں، بیشک وہ اس سے بہت دور ہیں، بہت دور ہیں۔ لیکن ہرگز یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ ہم اجمالی شناخت ومعرفت سے محروم ہوں، کیونکہ اُس کی ذات وصفات کے آثار سارے جہاں اور ہمارے اندرونی وبیرونی وجود کو پُر کیے ہوئے ہیں۔"

دوسرا حصّہ

"وَ مِنْهَا: فَاتَّعِظُوْا عِبَادَ اللهِ بِالْعِبَرِ النَّوَافِعِ، وَاعْتَبِرُوْا بِالْآيِ السَّوَاطِعِ، وَ ازْدَجِرُوْا بِالنُّذُرِ الْبَوَالِغِ، وَانْتَفِعُوْا بِالذِّكْرِ وَالْمَوَاعِظِ، فَكَأَنْ قَدْ عَلِقَتْكُمْ مَخَالِبُ الْمَنِيَّةِ، وَانْقَطَعَتْ مِنْكُمْ عَلَائِقُ الْأُمْنِيَّةِ، وَ دَهِمَتْكُمْ مُفْظِعَاتُ الْأُمُوْرِ، وَالسِّيَاقَةُ إِلَى الْوِرْدِ الْمَوْرُوْدِ، فَ «كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَ

[۱] اصول کافی، جلد ۱، صفحہ ۹۳

[۲] توحید صدوق، صفحہ ٦٦

https://downloadshiabooks.com/

شَهِيْدٌ": سَائِقٌ يَسُوْقُهَا إِلٰى مَحْشَرِهَا: وَشَاهِدٌ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا"

"بندگانِ خدا! مفید عبرتوں سے نصیحت حاصل کرو اور واضح نشانیوں سے عبرت لو۔ بلیغ ڈرانے والی چیزوں سے اثر قبول کرو اور ذکر و موعظت سے فائدہ حاصل کرو۔ یہ سمجھو کہ گویا موت اپنے پنجے تمہارے اندر گاڑ چکی ہے اور امیدوں کے رشتے تم سے منقطع ہو چکے ہیں اور دہشت ناک حالات نے تم پر حملہ کر دیا ہے اور آخری منزل کی طرف لے جانے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یاد رکھو کہ ہر نفس کے ساتھ ایک ہنکانے والا ہے اور ایک گواہ رہتا ہے۔ ہنکانے والا قیامت کی طرف کھینچ کر لے جا رہا ہے اور گواہی دینے والا اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔"

شرح و تفسیر

عبرتوں سے نصیحت حاصل کریں

امامؑ اپنے بیان کے تسلسل میں مخاطبین کو ساتھ لے کر اپنے ساتھ ماضی کی تاریخ اور حیاتِ بشر کے عبرت آمیز حوادث کی جانب لے جا کر ان کی سرنوشت کو آئینہ تاریخ میں دکھاتے ہیں۔

پہلے جملے میں فرماتے ہیں:

"فَاتَّعِظُوْا عِبَادَ اللّٰهِ بِالْعِبَرِ النَّوَافِعِ"

"اے بندگانِ خدا! فائدہ منداور عبرت آمیز دروس سے نصیحت حاصل کرو۔"

تاریخ کے طاقتوروں، بڑے بادشاہوں کا دبدبہ، گزشتہ دولت مندوں کی ثروتِ عظیم اور پُرناز و نعمت زندگی کو اپنے ذہنوں میں تصور کیجیے کہ کس طرح دفترِ ایام کی ہوا چلی اور لیل و نہار کی ورق گردانی نے ان کی زندگی کے دنوں کو ختم کر دیا، اس طرح کہ ان کے مجلّل محلات ویرانوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کے قدرت مند جسموں کی جگہ سوائے بوسیدہ ہڈیوں کے کچھ باقی نہیں رہا، تمام تر چلے گئے اور فراموش ہو گئے۔

دوسرے جملے میں فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"وَاعْتَبِرُوْا بِالْآيِ السَّوَاطِعِ"[1]

"روشن الٰہی آیات (تکوین وتشریع میں) سے عبرت حاصل کرو۔" (وہ آیات جو اُس کی وسیع مخلوقات میں ہیں اور ایسی آیات جو انبیاؑ کی کتب آسمانی میں موجود ہیں)

تیسرے جملے میں فرماتے ہیں:

"وَازْدَجِرُوْا بِالنُّذُرِ الْبَوَالِغِ"

"خداوند متعال کی ڈرانے والی باتوں کو قبول کرو۔"

ایسی ڈرانے والی باتیں اور دلوں کو ہلا دینے والی تعبیرات جو قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوئی ہیں، کبھی مسلسل عذابوں کی، جو گزشتہ سرکش وظالم اقوام پر نازل ہوئے، شرح کرتی ہیں۔ اور کبھی آخرت کی دردناک سزاؤں کی بات کرتی ہیں اور کبھی انسانوں کو اپنی زندگی میں تفکر کرنے اور سوچنے پر مجبور کر کے گناہوں اور معاصی سے ڈراتی ہیں۔

چوتھے جملے میں فرماتے ہیں:

"وَانْتَفِعُوْا بِالذِّكْرِ وَالْمَوَاعِظِ"

"تذکرات اور مواعظ سے فائدہ حاصل کرو۔" (یہ تمھارے فائدے کے لیے ہیں)

ان چار متنبّہ کرنے والے جملوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے میں امامؑ گزشتہ وحال کے عبرت آموز تاریخی حادثات کی جانب سب کو متوجّہ کراتے ہیں کہ ان سے اچھی اور قیمتی نصیحتوں کو قبول کرلو، دوسرے انتباہ میں فرماتے ہیں کہ اس عالمِ ہستی میں پروردگار کی نشانیاں یا قرآن مجید کی آیتیں بیدار کرنے والی ہیں اور تیسرے انتباہ میں اولیاء اللہ کی انذار پر مبنی باتوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں، اور چوتھے جملے میں مردانِ الٰہی کے مواعظ اور نصیحتوں کی جانب اشارہ ہے۔ یہ تنبیہ غافل افراد کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اس کے بعد اس بات کی طرف توجّہ دلاتے ہیں کہ موت کے دردناک اور جان دینے لیوالمحات اور ایسے حالات جو دیکھنے والے کو ہلا کے رکھ دیتے ہیں اور سوچنے پر مجبور کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

[1] سواطع، جمع ہے ساطعۃ کی، پھیلے ہوئے نور کے معنیٰ میں ہے، یہ لفظ معنوی اُمور کے مورد میں ہے، مثلاً قرآن مجید کی درخشندہ آیات یا دنیائے اسلام کی برجستہ شخصیات کے بارے میں بھی استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"فَكَأَنْ قَدْ عَلِقَتْكُمْ[1] مَخَالِبُ[2] الْمَنِيَّةِ، وَانْقَطَعَتْ مِنْكُمْ عَلَائِقُ الْأُمْنِيَّةِ، وَ دَهِمَتْكُمْ[3] مُفْظِعَاتُ[4] الْأُمُوْرِ، و السِّيَاقَةُ إِلَى الْوِرْدِ الْمَوْرُوْدِ، فَ "كُلُّ نَفْس مَعَهَا سَائِقٌ و شَهِيْدٌ"، سَائِقٌ يَسُوْقُهَا إِلَى مَحْشَرِهَا، وَشَاهِدٌ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا"

"گویا میں دیکھ رہا ہوں موت کے پنجے تمھارے جسموں میں گاڑے جاچکے ہیں اور تمھاری آرزوئیں ختم ہوچکی ہیں اور موت و برزخ کی سختیاں تمہاری جانب بڑھ رہی ہیں، اور تم قیامت کی جانب چل پڑے ہو اور تم میں سے ہر ایک محشر کے میدان میں وارد ہوا ہے جبکہ اس کے ساتھ سائق و شاہد ہے ایک ایسا فرشتہ جو اسے محشر کی جانب لے جارہا ہے اور ایک مشاہدہ اس کے اعمال کی گواہی دے رہا ہے۔"

اس لیے کہ موت سب انسانوں کے انتظار میں ہے اور اس کے لیے کوئی تاریخ و زمان معین نہیں اور کسی بھی لحظے میں ممکن ہے انسان پر آجائے۔ اس لیے امامؑ نے اس کو ایک انجام پذیر امر کی صورت میں ظاہر کیا ہے اور فرماتے ہیں، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ موت کے پنجوں میں جکڑے ہوئے ہو؛ موت کے سکرات نے تم کو اپنی وحشت ناک امواج میں لے لیا ہے اور تمھاری آرزوئیں خواب وخیال و سراب کے مثل تمہارے مقابل کھڑی ہیں، اور یہ آرزوئیں بطور کُلّی قطع ہوگئی ہیں اور اس دنیا سے دوسری دنیا کی جانب انتقال قریب ہو چکا ہے اور اس کے بعد محشر میں پیشی، وہ بھی دو مامورینِ الٰہی کے ساتھ ساتھ طے شدہ ہے۔

خطبہ ۲۰۴ میں بالکل انہی تعبیرات کی طرح آیا ہے۔ ان مثالوں میں امام علیہ السلام موت کو ایسے درندہ حیوان سے تشبیہ دیتے ہیں جو انسان کے جسم و گلے کو اپنے پنجے میں جکڑ لیتا ہے اور اسے اپنا لقمہ بناتا ہے، جبکہ انسان اپنے دفاع کی قدرت بھی

---

[1] علقتکم، علق کے مادّے سے ہے، جو کہ فلق کے وزن پر، کسی چیز سے شدید محبت اور تعلق کے معنیٰ میں ہے اور یہ لفظ جب حیوان اپنے شکار کے گلے کو اپنے دانتوں سے دبا کر اس کا خون چوستا ہے یا اپنے پنجوں سے اس کو چیرتا پھاڑتا ہے، اس مورد میں استعمال ہوتا ہے اور مذکورہ بالا جملے میں موت کو ایسے درندہ حیوان سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[2] مخالب، جمع ہے مخلب کی، جو کہ محور کے وزن پر ہے، حیوان کے پنجوں کے معنیٰ میں ہے اور خلب کے مادّے سے، کھال کو پھاڑنے کے معنیٰ میں ہے۔

[3] دھمتکم، مادّۂ دھم (بروزن فھم) سے پہنانے کے معنیٰ میں ہے، یہ لفظ اس جگہ استعمال ہوتا ہے کہ کوئی چیز دوسری پر غلبہ پالے اور اس پر تسلط جمالے اور بالائی عبارت میں یہی منظور ہے۔ یہ لفظ رات کی تاریکی وسیاہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کرلیتی ہے اور گاڑھے سبز رنگ پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور مدھامتان سورۂ رحمٰن آیت ۶۴ میں دو سرسبز باغوں کے لیے ہے جن کے گل و گھاس و بوٹے بہت سرسبز و سیراب ہوں اور گاڑھے رنگ میں تبدیل ہوگئے ہوں۔

[4] مفظعات، فظع کے مادّے سے، ڈرانے اور بڑا شمار کرنے کے معنیٰ میں ہے اور مفظعات الامور ایسے ڈراؤنے حوادث کو کہتے ہیں جو انسان کو خوف زدہ کردیں۔

https://downloadshiabooks.com/

نہیں رکھتا، بالکل درست ہے کہ موت کی طاقت کے مقابلے میں انسان کمزور وناتواں ہے۔

"وَالسِّيَاقَةُ إِلَى الْوِرْدِ الْمَوْرُودِ" اس جملے کی طرف سورۂ ھود کی آیت بھی اشارہ کررہی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ [1]

"قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں لے جا کر جھونک دے گا اور یہ لوگ کس قدر بُرے گھاٹ اتارے گئے۔"

وِرْد ایسے راستے کو کہتے ہیں جو بڑی نہر۔جس کا ساحل پانی سے فاصلے پر ہو۔کے ساتھ نشیب میں بنا ہوا ہو، تاکہ وہ لوگ آسانی سے اس کے پانی تک دسترس حاصل کریں اور ایسی جگہ کو فارسی میں آبشخور (گھاٹ) اور عربی میں وِرد کہتے ہیں اور مورود ایسی جگہ ہے جہاں پر پیاسے اپنی پیاس بجھانے آتے ہیں اور درحقیقت یہ اشارہ ہے اس جانب کہ بہشتی نہروں کے خالص پانی سے محروم گناہکار جہنم کے گھاٹ پر آئیں گے، جس میں جلانے والی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

"كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ" کا جملہ بھی سورۂ قٓ کی آیت سے لیا گیا ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ [2]

اس بارے میں کہ سائق اور شہید کس جانب اشارہ ہے، مفسرین قرآن اور شارحین نہج البلاغہ کے کلمات میں مختلف تفسیریں موجود ہیں۔ بعض کی رائے میں سائق نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے اور شہید کو گناہ لکھنے والا فرشتہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سائق اللہ کا ایک فرشتہ ہے اور شہید، انسانی بدن کے اعضا یا اس کا وہ نامۂ اعمال ہے جو اس کی گردن میں آویزاں کیا جائے گا۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ سائق اور شہید ایک ہی فرشتے کے دو نام ہیں جو دو کام انجام دیتا ہے؛ انسان کو میدانِ حشر کی جانب ہانکے گا اور اس کے اعمال پر گواہ بھی ہوگا اور نیز کہا گیا ہے کہ سائق وہ فرمان الٰہی ہے، جو انسان کو محشر کی جانب سزا و جزا کے لیے لے جائے گا اور شاہد، پیغمبر، علما یا عقلِ انسان اور اس کے اعضا ہیں۔

لیکن یہ تفسیریں مناسب نہیں لگتی ہیں اور ظاہراً یہ اشارہ ہے دو فرشتوں کی جانب کہ جن میں سے ایک کا کام انسانوں کو میدانِ حشر میں لے آنا اور دوسرا فرشتہ ان کے اعمال پر گواہ ہوگا۔

تیسرا حصّہ

---

[1] سورۂ ھود، آیت ۹۸۔

[2] "اور ہر شخص (ہمارے سامنے) حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہنکانے والا ہوگا اور ایک (اعمال کا) گواہ۔" سورۂ ق، آیت ۲۱

https://downloadshiabooks.com/

خطبے کے کچھ حصے میں بہشت کی توصیف کرتے ہیں:

"دَرَجَاتٌ مُتَفَاضِلَاتٌ، وَ مَنَازِلُ مُتَفَاوِتَاتٌ، لَایَنْقَطِعُ نَعِیْمُهَا، وَ لَایَظْعَنُ مُقِیْمُهَا، وَ لَایَهْرَمُ خَالِدُهَا، وَلَایَیْاَسُ سَاکِنُهَا"

"اس بہشت کے مختلف درجات ہیں جہاں ایک دوسرے سے برتر منازل ہیں جوایک دوسرے سے مختلف ہیں، نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ ٹوٹے گا، نہ اس میں ٹھہرنے والوں کو وہاں سے کوچ کرنا پڑے گا اور نہ اس میں ہمیشہ کے رہنے والوں کو بوڑھا ہونا ہے اور نہ اس میں بسنے والوں کو فقر و ناداری کا سابقہ پڑنا ہے۔"

شرح وتفسیر

بہشتی درجات

خطبے کے آخری حصے میں حضرت امام علی علیہ السلام گزشتہ حصوں میں مذکورہ انتباہ کے بعد بہشت کی روح پرور نعمتوں اور اللہ کی جانب سے بہشتیوں پر ہونے والی دیرپا عنایات سے متعلق سخن آرائی فرمارہے ہیں تاکہ انذار اور بشارت کا ایک حسین امتزاج ہو اور خوف ورجاء کی کیفیت انسان میں عود کرے اور ان کے نتیجے میں اللہ کی جانب بازگشت اور تکامل کی طرف بڑھنے کے اسباب ہر پہلو سے مکمل ہوں۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

"دَرَجَاتٌ مُتَفَاضِلَاتٌ، وَمَنَازِلُ مُتَفَاوِتَاتٌ"

"اس بہشت کے مختلف درجات ہیں جہاں ایک دوسرے سے برتر منازل ہیں جوایک دوسرے سے مختلف ہیں۔"

امامؑ بات کو اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ ہر انسان کا جو مقام و مرتبہ ہے، اُسے وہ کافی نہ سمجھے بلکہ مسلسل کامیابی اور ترقی کے لیے ہمت کے ساتھ کوشش کرتا رہے۔ اپنے علم و عمل میں اضافہ کرے اور خودسازی و تہذیبِ زندگی کی طرف قدم بڑھاتا رہے۔ ظاہر ہے جس قدر انسان ایمان، عمل اور اخلاق میں کامل ہوگا، اسی حساب سے معنوی اور مادّی وسائل اللہ کی طرف سے زیادہ ہوں گے۔

قرآن مجید میں بھی ان درجات (کمال کی طرف لے جانے والی سیڑھیوں) کی طرف کئی بار اشارہ کیا گیا ہے:

https://downloadshiabooks.com/

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ (۱)

"ہر ایک کے لیے اُس کے اعمال کے حساب سے درجات ہیں۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ (۲)

"ہم جس کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔"

قرآن کی دوسری آیتوں میں ان درجات کو تفصیل سے بیان کیا ہے گیا، مثلاً:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ (۳)

"جو آگے بڑھ جانے والے ہیں وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے۔ یہی لوگ خدا کے مقرب ہیں آرام و آسائش کے باغوں میں۔"

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ (۴)

"دائیں ہاتھ والے اصحاب، اوران دائیں ہاتھ والے اصحاب کے کیا کہنے۔"

سورۂ واقعہ کے آخر میں بھی ان دو نمایاں گروہوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ (۵)

"اگر وہ مرنے والا خدا کے مقربین میں سے ہے تو اس کے لیے آرام و آسائش ہے، خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم پر دائیں ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔"

قرآن مجید نے دیگر آیات میں عمل صالح انجام دینے والے مؤمنین کے ایک گروہ کو "جناتِ عدن" کچھ گروہوں کے لیے "جناتِ ماویٰ" اور کچھ گروہوں کے لیے "جنات فردوس" اور کچھ کے لیے "جناتِ نعیم" شمار کیا ہے، ہوسکتا ہے ان میں

(۱) سورۂ انعام، آیت ۱۳۲

(۲) سورۂ انعام، آیت ۸۳

(۳) سورۂ واقعہ، آیات ۱۰ تا ۱۲۔

(۴) سورۂ واقعہ، آیت ۲۷۔

(۵) سورۂ واقعہ، آیات ۸۸ تا ۹۱۔

https://downloadshiabooks.com/

سے ہر ایک سے اہل بہشت کے لیے کئی مقامات کی طرف اشارہ ہے۔ (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَلْجَنَّةُ مِئَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ الْفِرْدَوْسُ أَعْلاهَا دَرَجَةً، مِنْهَا تَفْجُرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةِ فَإِذَا سَأَلْتُمُوا اللهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ" (۲)

"بہشت میں ایک سو درجے ہیں، ایک کے درمیان زمین وآسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے سب سے اونچا درجہ فردوس ہے اس بہشت میں چار نہریں بہتی ہیں۔ پس اللہ سے کسی چیز کی حاجت ہو تو فردوس کو طلب کرو۔"

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:

"إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَرَوْنَ أَهْلَ عِلِّيِّينَ كَمَا يُرَى النَّجْمُ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ" (۳)

"اہل بہشت علیّین والوں کو آسمان کے ستاروں کی طرح دیکھتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ اگر صالح مؤمنین کے ایمان اور عمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے تو بہشت میں ان کے مقامات میں بھی تفریق ہوگی۔ اوپر کی حدیث میں "سو" سے مراد تکثیری ہے یعنی تعداد کے اعتبار سے سو سے بھی زیادہ مقامات ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل درجات ایک سو ہوں اور اُن میں سے ہر ایک کے مزید درجے ہوں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى (۷۵) (۴)

"اور جو شخص اس کے سامنے ایمان دار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اچھے اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو ایسے ہی لوگ ہین جن کے لیے بڑے بڑے بلند رُتبے ہیں۔" (اشارہ ہے کہ درجات میں بھی فرق ہوگا)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ خداوند عالم نے آیات قرآنی کے برابر بہشت کے درجات مقرر کیے ہیں، جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اسے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھو اور بلندیاں حاصل کرو۔ (۵)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام بہشت اور اس کے درجات کے متعلق فرماتے ہیں، جن میں سے ہر ایک درجہ توجّہ کا

(۱) مزید معلومات کے لیے پیام قرآن میں "بہشتیوں کے مقامات" کے عنوان سے ج ۶، ص ۳۴۵ پر رجوع کریں۔
(۲) بحار الانوار، ج ۸، ص ۸۹
(۳) منہاج البراعۃ، ج ۴، ص ۱۱۹
(۴) سورۂ طٰہٰ، آیت ۷۵
(۵) بحار الانوار، ج ۸، ص ۱۳۳

https://downloadshiabooks.com/

طالب ہے۔

پہلا درجہ:

"لَا يَنْقَطِعُ نَعِيمُهَا"

"بہشت کی نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور ختم نہیں ہوں گی۔"

دنیاوی نعمتوں کی طرح نہ کم اور نہ زیادہ ہوتی ہیں، نہ خراب ہوں گی اور نہ نیست و نابود ہوں گی، جیسا کہ سورۂ رعد میں آیا ہے۔

"أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ط"[۱]

"اور اُس کا سایہ بھی (لازوال) ہے۔"

دوسرا درجہ:

"وَلَا يَظْعَنُ[۲] مُقِيمُهَا"

"نہ اس میں ٹھہرنے والوں کو وہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔" یعنی ان کی نعمتیں بھی جاودانی ہیں اور ان کے رہنے کی جگہ بھی۔

تیسرا درجہ:

"وَلَا يَهْرَمُ خَالِدُهَا"

"زمانے کے گزرنے کے ساتھ بہشت کے رہنے والے بوڑھے نہیں ہوں گے۔"

چوتھا درجہ:

"وَلَا يَبْأَسُ[۳] سَاكِنُهَا"

"اور نہ اس میں بسنے والوں کو فقر و ناداری کا سابقہ پڑنا ہے۔" حالات کی سختیاں پیش نہیں آئیں گی۔ اور وہ لوگ ایسی جگہ میں ہوں گے کہ سختیوں میں گرفتار نہیں ہوں گے۔

مختصر یہ کہ جنت ایسی جگہ ہے جو نور و برکت سے پُر ہے اور ہر قسم کی مشکلات و تکالیف سے خالی ہے۔

---

[۱] سورۂ رعد، آیت ۳۵۔

[۲] یظعنُ، ظعن کے مادّے سے ہے، بروزن طعن یعنی کُوچ کرنا۔

[۳] یَبْأَسُ، بأس کے مادّے سے ہے، جو فقر و فاقہ اور احتیاج کے معنیٰ میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

چھیاسی واں خطبہ

ومن خطبة له علیه السّلام [۱]

وفیھا بیان صفات الحقّ جلّ جلاله ثمّ عظة النّاس بالتّقوی و المشورة

جس میں صفاتِ خالق جلّ جلالہ کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر لوگوں کو تقویٰ کی نصیحت کی گئی ہے۔ [۲]

خطبہ، ایک نگاہ میں

یہ خطبہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ: نہج البلاغہ کے خطبوں میں اوصافِ خداوندی کا تذکرہ ہم دیکھ چکے ہیں، جن کی طرف توجّہ دینا انسان کی باطنی تربیت کے لیے بہت موثر ہے اور گناہوں سے باز رکھتا ہے اور نیکیوں کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

دوسرا حصہ: اس میں لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اس جلدی گزرنے والی دنیا سے آخرت کے لیے اپنا زادِ راہ تلاش کریں اور اپنی غرضِ خلقت کو فراموش نہ کریں۔

تیسرا حصہ: اس میں قرآن کی اہمیت کا بیان ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے اس میں اپنے بندوں پر حجت تمام کی ہے اور ہر زمانے کے لیے اس میں فرامین موجود ہیں۔

چوتھا حصہ: اس حصّے میں لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اپنی عمر کے باقی حصے کو گزشتہ خطاؤں کے ازالے میں صرف کریں اور شیطانی وسوسوں سے دُور رہیں۔

---

[۱] سندِ خطبہ: یہ خطبہ عام طور پر نہج البلاغہ سے پہلے لکھی گئی کتابوں میں مختلف انداز میں نقل ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہر مؤلف نے اپنے نقطۂ نظر کے اعتبار سے اسے درج کیا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں: اخبار الطوال (ابوحنیفہ دینوری)، تحف العقول حرّانی، محلین برقی، مجالس شیخ مفید، مشکٰوۃ الانوار (طبرسی)، غرر الحکم (آمدی)۔ (مصادر نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۲۷)

[۲] صبحی صالحی کی نہج البلاغہ کے نسخے میں یہ خطبہ، لوگوں کو تقویٰ اور مشورے کی نصیحت کے عنوان کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

پانچواں حصّہ: چند اوصافِ رذیلہ (بُرے اوصاف) کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لوگ ان سے بچیں اور کچھ اوصاف ذکر کر کے بہترین انسان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ان پانچوں اوصاف کے مجموعے سے غافل، بیمار دل اور مغرور قسم کے افراد کے لیے ایک شفا بخش نسخہ تیار ہو جاتا ہے۔

حصّہ اوّل

قَدْ عَلِمَ السَّرَائِرَ، وَ خَبَرَ الضَّمَائِرَ، لَهُ الْإِحَاطَةُ بِكُلِّ شَيْءٍ، وَالْغَلَبَةُ لِكُلِّ شَيْءٍ، وَ الْقُوَّةُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

"بیشک وہ پوشیدہ اَسرار کا عالم اور دلوں کے رازوں سے باخبر ہے۔ اسے ہر شے پر احاطہ حاصل ہے اور وہ ہر شے پر غالب ہے۔ اور طاقت رکھنے والا ہے۔"

شرح و تفسیر

اللہ تمہارے باطن سے آگاہ ہے

حضرت امیر المومنینؑ اس خطبے کے آغاز میں اللہ کے پانچ اوصاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جن کی طرف توجّہ دینے سے حق کو سمجھنے اور خودسازی میں مکمل مدد ملتی ہے۔

سب سے پہلے آپؑ نے فرمایا:

"قَدْ عَلِمَ السَّرَائِرَ"

"خداوند عالم ہر شخص کے رازوں سے واقف ہے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"وَ خَبَرَ الضَّمَائِرَ"

اور اُس ہر انسان کے باطن کو جانچا ہے اور اس سے باخبر ہے۔

"لَهُ الْإِحَاطَةُ بِكُلِّ شَيْءٍ"

https://downloadshiabooks.com/

"وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

"وَالْغَلَبَةُ لِكُلِّ شَیْءٍ"

"وہ ہر چیز پر غالب ہے۔"

"وَالْقُوَّةُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ"

"وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

نہج البلاغہ کے مفسرین کے ایک گروہ نے جملہ اوّل و دوّم کی ایک معنی سے تفسیر کی ہے اور اسے مترادف جملے قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، دونوں یہی معنی دیتے ہیں کہ خداوند عالم ہر شخص کے راز سے واقف ہے، جب کہ بعض کہتے ہیں، "خَبَرَ" (باء پر زبر) آزمانے کے معنی میں ہے اور "خَبِرَ" (باء کے نیچے زیر) آگاہ ہونے کے معنی میں ہے۔ "خَبَرَ" (باء پر زبر) نہج البلاغہ میں دوسرے مقام پر آزمانے کے معنی میں آیا ہے۔

"اِنَّمَا مَثَلُ مَنْ خَبَرَ الدُّنْيَا ..." [1]

"اس شخص کی مثال جس نے دنیا کو آزمایا ہے۔۔۔۔"

توجّہ رہے کہ حقیقت میں ہر جملہ ایک نئے معنی کو بیان کرتا ہے۔ اُن لوگوں کی رائے، جنہوں نے اسے آزمانے کے معنیٰ میں لیا ہے، زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ ہر چند جتنی آزمائشیں ہیں وہ سب آگاہی کا سبب ہیں۔ کبھی کسی چیز کی آزمائش اُس چیز سے باخبر ہونے کے لیے کنایہ ہوتی ہے۔

بہر حال ہدف اور مقصد یہ ہے کہ ہمیں متوجّہ رہنا چاہیے کہ خداوند عالم ہمارے رازوں سے واقف ہے، یہاں تک کہ ہمیں ہم سے بہتر جانتا ہے۔ ہماری بُری نیتیں، ریاکاری، شرک اور بُرے اغراض سے بخوبی واقف ہے۔ ہمارا ظاہر اور باطن اُس کے لیے یکساں ہے۔

"لَهُ الْاِحَاطَةُ بِكُلِّ شَیْءٍ" کا جملہ، خاص کے ذکر کے بعد عام کو ذکر کرنے کے مواقع میں سے ہے؛ اس لیے کہ گزشتہ جملوں میں انسانوں کے باطنی حالات پر اللہ تعالیٰ کے مکمل علمی احاطہ سے متعلق بات ہوئی ہے اور اس مذکورہ جملے میں تمام اشیائے عالم سے خدا کی آگاہی سے متعلق بات ہوئی ہے۔ جیسا کہ چوتھے اور پانچویں دونوں جملوں میں خداوندِ عالم کی قدرتِ مطلقہ سے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ چوتھے جملے میں ہر شے پر اُس کا غلبہ اور قھّاریت مدِّ نظر ہے؛ جب کہ پانچواں جملہ میں ہر چیز اور ہر کام کے انجام پر اُس کی قدرت کو بیان کر رہا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ ۳۱۔

https://downloadshiabooks.com/

بعض کی رائے یہ ہے کہ ان دو جملوں کے درمیان فرق اس طرح ہے کہ ہر کام پر قدرت یعنی اس کام کو وجود میں لانے پر قدرت رکھنا ہے اور غلبہ سے مراد، چیزوں کے وجود میں آنے کے بعد اُن پر خدا کا مکمل تسلّط اور کنٹرول ہے، ایسا نہیں ہے کہ کوئی شے وجود میں آنے کے بعد اُس کے قدرت اور حکمرانی سے نکل جائے۔

بہرحال یہ پانچ صفات خداوند عالم کے علم وقدرتِ مطلقہ پر ایک شرح کی حیثیت رکھتی ہیں کہ جس پر توجہ دینے سے گناہوں سے بچنے کا ایک مستحکم عامل اور اطاعتِ پروردگار پر قدرت حاصل ہونے کے محرکات پیدا ہو سکتے ہیں۔

دوسرا حصّہ

فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُ مِنْكُمْ فِيْ أَيَّامِ مَهَلِهِ، قَبْلَ إِرْهَاقِ أَجَلِهِ، وَفِيْ فَرَاغِهِ قَبْلَ أَوَانِ شُغُلِهِ، وَفِيْ مُتَنَفَّسِهِ قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ بِكَظَمِهِ، وَلْيُمَهِّدْ لِنَفْسِهِ وَقَدَمِهِ، وَلْيَتَزَوَّدْ مِنْ دَارِ ظَعْنِهِ لِدَارِ إِقَامَتِهِ. فَاللهَ اللهَ أَيُّهَا النَّاسُ، فِيْمَا اسْتَحْفَظَكُمْ [احفظكم] مِنْ كِتَابِهِ، وَاسْتَوْدَعَكُمْ مِنْ حُقُوقِهِ، فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثاً وَلَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى، وَلَمْ يَدَعْكُمْ فِيْ جَهَالَةٍ وَلَا عَمًى، قَدْ سَمّٰى آثَارَكُمْ، وَعَلِمَ أَعْمَالَكُمْ، وَكَتَبَ آجَالَكُمْ.

"تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ مہلت کے دنوں میں عمل کرے قبل اس کے کہ موت حائل ہو جائے اور فرصت کے دنوں میں کام کرے قبل اس کے کہ مشغول ہو جائے۔ ابھی جب کہ سانس لینے کا موقع ہے قبل اس کے کہ گلا گھونٹ دیا جائے، اپنے نفس اور اپنی منزل کے لیے سامان مہیا کر لے اور اِس کوچ کے گھر سے اُس قیام کے گھر کے لیے زادِ راہ فراہم کر لو۔"

لوگو! اللہ کو یاد رکھو اور اُس سے ڈرتے رہو اور اس کتاب کے بارے میں جس کا تم کو محافظ بنایا گیا ہے اور ان حقوق کے بارے میں جن کا تم کو امانت دار قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اُس نے تم کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے اور نہ مہمل چھوڑ دیا ہے اور نہ کسی جہالت اور تاریکی میں رکھا ہے۔ تمہارے لیے آثار کو بیان کر دیا ہے۔ اعمال کو بتا دیا ہے اور مدّتِ حیات کو لکھ دیا ہے۔"

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

زادِراہ تیار کرلیں

حضرت امیر المومنینؑ نے اس خطبے کے آغاز میں خداوند عالم کے علم وقدرت اور کائنات مخلوق کے رازوں سے آگاہی سے متعلق متوجّہ کیا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک مقدمہ ہے اُس دوسری تنبیہ کے لیے جو اس خطبے کے دوسرے حصے میں آئے گی۔ وہ تنبیہ اور خبردار کرنے کا عمل جو تمام انبیاؑ اور اولیاء اللہ لوگوں کے لیے انجام دیتے رہے ہیں، فرماتے ہیں:

"فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُ مِنْكُمْ فِي أَيَّامِ مَهَلِهِ[1] قَبْلَ إِرْهَاقِ[2] أَجَلِهِ، وَ فِي فَرَاغِهِ قَبْلَ أَوَانِ شُغُلِهِ، وَفِي مُتَنَفَّسِهِ[3] قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ بِكَظَمِهِ"[4]

"وہ لوگ جو عمل کرنے والے ہیں، اپنی فرصت کے دنوں میں عمل کریں قبل اس کے کہ موت گلا گھونٹ دے (فرصت کے دن ختم ہوں) مصروف ہونے سے پہلے فرصت کے دنوں کو تلاش کرو۔ قبل اس کے کہ گلا گھونٹ دیا جائے (اور سانس لینے کی سکت ختم ہوجائے) کوشش کرو۔"

اس کے بعد اس عمل اور تلاش کے ہدف اور سمت کے تعیّن کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"وَلْيُمَهِّدْ لِنَفْسِهِ وَ قَدَمِهِ، وَلْيَتَزَوَّدْ مِنْ دَارِ ظَعْنِهِ لِدَارِ إِقَامَتِهِ"

"اپنے اور آئندہ کے لیے زادِراہ تلاش کرو اور اس گزرگاہ سے منزلِ اقامت کے لیے سامان مہیا کرو۔"

درحقیقت جملۂ اوّل میں تلاش وعمل سے متعلق گفتگو ہے اور آخر کے جملے اس عمل کی سمت کو متعین کرتے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "أَيَّامِ مَهَلِهِ" کی تعبیر (جن ایام میں انسان کے پاس مہلت ہے) ایک مبہم اور سربستہ تعبیر ہے، جس کی تفسیر بعد میں آنے والے تین جملے کررہے ہیں۔ پہلے جملے "قَبْلَ إِرْهَاقِ أَجَلِهِ" میں اصل زندگی اور عمر کی نعمت کی

---

[1] مھل، بروزن اجل، مہلت دینے کے معنی میں ہے۔

[2] ارھاق، رھق کے مادّے سے، بروزن شفق، کسی چیز کو چھپانے کے معنیٰ میں ہے۔ چوں کہ جب موت آجاتی ہے تو تمام وجود انسان کو چھپا دیتی ہے، اسی لیے مذکورہ بالا جملے میں اجل کے سلسلے میں ارھاق کا لفظ استعمال کیا گیا۔

[3] متنفس۔ تنفس کے مادّے سے ہے۔ سانس لینے کے معنی ہیں۔ لفظ متنفس آرام کے دنوں میں سانس لینے کے معنی میں ہے۔

[4] کاظم، بروزن قلم، سانس لینے کی جگہ، بروزن ھضم، یعنی سانس کو روک لینا، کنایہ ہے جب انسان کو غصہ آتا ہے تو غصے کو قابو میں نہیں رکھتا۔

https://downloadshiabooks.com/

طرف اشارہ ہے۔

دوسرے جملے "وَفِيْ فَرَاغِهٖ..." میں کام کاج اور اہل وعیال کے مسائل کے مقابلے میں فراغت اور فارغ البالی کی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسرے جملے "وَفِيْ مُتَنَفَّسِهٖ....." میں سلامتی کی نعمت اور تنگی، مشکلات اور دشواریوں سے محفوظ ہونے کی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔

اور "وَلْيُمَهِّدْ" کا جملہ آخرت کے گھر کو تیار کرنے کی جانب اشارہ ہے، جب کہ جملۂ "وَلْيَتَزَوَّدْ" توشہ اور زادِ راہ چننے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ اس دنیا میں انسان سب سے پہلے گھر اور وسائل زندگی مہیّا کرتا ہے (سفر کے وقت سواری تیار کرتا ہے) اور پھر خرچہ وخوراک تیار کرتا ہے۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے حضرت امام علی علیہ السلام تمام لوگوں کو ایک تیسری تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَاللّٰهَ اللّٰهَ أَيُّهَا النَّاسُ، فِيمَا اسْتَحْفَظَكُمْ مِنْ كِتَابِهٖ، وَاسْتَوْدَعَكُمْ مِنْ حُقُوقِهٖ"

"اے لوگو! اللہ نے جن چیزوں کی حفاظت تم سے چاہی ہے اور جو حقوق تمہارے ذمّے مقرّر کیے ہیں، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔"

معلوم ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے احکام کی حفاظت کے پابند ہیں اور حقوق سے مراد بندوں کو بتائے گئے احکام اور حلال وحرام کے دستورات ہیں کہ کسی بھی قیمت پر اس کتاب اور حقوق کی حفاظت کی ذمّے داریوں سے کوتاہی نہ کریں۔ [1]

اس کے بعد آپؑ نے اس اہم تنبیہ کی دلیل کو بیان فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثًا، وَلَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى [2] وَلَمْ يَدَعْكُمْ فِي جَهَالَةٍ وَلَا عَمًى، قَدْ سَمّٰى آثَارَكُمْ، وَعَلِمَ أَعْمَالَكُمْ، وَكَتَبَ آجَالَكُمْ"

"خدا نے تمہیں بے کار پیدا نہیں کیا اور نہ تمہیں بے قید و بند کھلی جہالت اور گمراہی میں چھوڑ دیا۔ تمہاری ذمّے داریوں کو معین کیا ہے۔ تمہارے اعمال سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور تمہاری عمر مقرر کی جا چکی ہے۔"

درحقیقت ان چھ مختصر جملوں میں ہر ایک سے کے اندر سبق آموز معنی ومفہوم پوشیدہ ہے۔ جس کی گواہی آیات

[1] کتابہ اور حقوقہ کی ضمیریں اللہ کی طرف لوٹتی ہیں۔ بعض نے حقوقہ کی ضمیر کو کتاب کی طرف پلٹایا ہے، جو کہ سیاقِ کلام کے مناسب نہیں ہے۔

[2] سُدٰی، بروزن ثنا بے کار، بیہودہ اور بے مقصد کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

قرآنی دیتی ہیں۔

سب سے پہلے خلقت انسانی کے با مقصد ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس کے بعد دوسرے مرحلے میں انسانی زندگی کے لیے پروگرام اور دستور العمل کے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔

تیسرے مرحلے میں پیشواؤں کے وجود اور انسانوں کے لیے علم وآگہی کے اسباب کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں۔

چوتھے مرحلے میں انسانوں کی ذمّے داریوں سے متعلق بحث ہے۔

پانچویں مرحلے میں انسانی اعمال کے بارے میں خداوند عالم کے علم پر گفتگو ہے۔

چھٹے مرحلے میں انسان کی عمر کے محدود ہونے اور اختتام پذیر ہونے سے متعلق گفتگو ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر انسان ان معاملات پر توجّہ دے اور پورے وجود کے ساتھ ان پر یقین رکھے تو کتاب خدا، احکامِ الٰہی اور امانتوں کی جس حد تک ممکن ہو پاس داری کرے گا۔

بہرحال اہم بات یہ ہے کہ انسان اپنی غرضِ خلقت کو جان لے اور خدا کے عطا کردہ مواقع سے فائدہ اٹھائے اور خدا کو ہمہ وقت اپنے اعمال پر حاضر و ناظر جانے اور یہ بات نہ بھولے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی محدود اور اختتام پذیر ہے۔ یقیناً ان حقائق پر توجّہ دینے سے انسان کے اخلاق اور رفتار پر مثبت اثر مرتّب ہوگا۔

قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾ [۱]

"کیا تم لوگ گمان کرتے ہو کہ تمہیں بے کار پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹائے جاؤ گے؟"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا [۲]

"تمہاری طرف پروردگار کی جانب سے روشن دلیل پہنچ چکی ہے (اس کی روشنی میں حق کو) دیکھو یہ تمہارا اپنا فائدہ ہے اگر کوئی اس سے چشم پوشی کرے تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔"

سورۂ محمدؐ کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[۱] سورۂ مومنون، آیت ۱۱۵

[۲] سورۂ انعام، آیت ۱۰۴

https://downloadshiabooks.com/

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ [1]

"خدا تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ مزید ارشاد ہوتا ہے۔"

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ [2]

"جب ان کے اوپر موت آئے گی تو نہ ایک لمحے کے لیے جلدی ہوگی اور نہ ایک لمحے کے لیے دیر۔"

تیسرا حصّہ

"وَأَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَعَمَّرَ فِيكُمْ نَبِيَّهُ أَزْمَانًا، حَتّٰى أَكْمَلَ لَهُ وَلَكُمْ - فِيمَا أَنْزَلَ مِنْ كِتَابِهِ - دِينَهُ الَّذِي رَضِيَ لِنَفْسِهِ؛ وَأَنْهٰى إِلَيْكُمْ - عَلٰى لِسَانِهِ - مَحَابَّهُ مِنَ الْأَعْمَالِ وَمَكَارِهَهُ، وَنَوَاهِيَهُ وَأَوَامِرَهُ، وَأَلْقٰى إِلَيْكُمُ الْمَعْذِرَةَ، وَاتَّخَذَ عَلَيْكُمُ الْحُجَّةَ، وَقَدَّمَ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ، وَأَنْذَرَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ"

"اُس نے وہ کتاب نازل کردی ہے جس میں ہر شے کا بیان پایا جاتا ہے اور ایک مدت تک اپنے پیغمبرؐ کو تمہارے درمیان رکھ چکا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے لیے اپنے اس دین کو کامل کردیا ہے جسے اُس نے پسندیدہ قرار دیا ہے اور تمہارے لیے پیغمبرؐ کی زبان سے ان تمام اعمال کو پہنچا دیا ہے جن کو وہ دوست رکھتا ہے یا جن سے نفرت کرتا ہے۔ اپنے اوامر ونواہی کو بتا دیا ہے اور دلائل تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں اور حجت تمام کردی ہے اور ڈرانے دھمکانے کا انتظام کردیا ہے اور عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہوشیار کردیا ہے۔"

شرح وتفسیر

تمام چیزوں کو بیان کرنے والی

اس خطبے کے گزشتہ حصے میں بندوں پر اتمامِ حجت کے مسئلے کی طرف اشارہ ہو چکا، یہاں اس سے تھوڑی زیادہ

---

[1] سورۂ محمدؐ، آیت ۳۰

[2] سورۂ اعراف، آیت ۳۴

https://downloadshiabooks.com/

تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے امام عالی مقامؑ فرماتے ہیں:

"وَ أَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ وَ عَمَّرَ فِيكُمْ نَبِيَّهُ أَزْمَاناً، حَتَّى أَكْمَلَ لَهُ وَ لَكُمْ - فِيمَا أَنْزَلَ مِنْ كِتَابِهِ - دِينَهُ الَّذِي رَضِيَ لِنَفْسِهِ"

خداوند عالم نے تم پر کتاب نازل فرمائی جو تمام چیزوں کو بیان کرنے والی ہے (وہ تمام امور جو انسانوں کی نجات اور سعادت سے مربوط ہیں، اُن کا بیان ہے) اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے درمیان اس قدر عمر دی کہ تمھارے لیے اور اس کے لیے اُس آئین کی تکمیل کردے جو اُس کا پسندیدہ بھی ہے اور جسے اپنی کتاب میں بھی نازل کیا ہے۔

جی ہاں! اللہ نے ایسی جامع آسمانی کتاب نازل کردی کہ جس میں تمام الٰہی معارف اور مادّی زندگی کا دستور ملتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں اللہ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ [1]

"ہم نے تمہارے اوپر کتاب نازل کردی تاکہ وہ ہر چیز کو بیان کرے، جس میں تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت رحمت اور بشارت ہے۔"

اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اتنی فرصت دی کہ تمام ضروری باتیں لوگوں کو بتائیں اور خدا کے دین اور آئین کو مکمل کر دیں۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ [2]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر نعمتیں تمام کردیں اور تمہارے دین اسلام سے راضی ہوگیا۔"

پھر آپؑ نے مزید وضاحت کے لیے ایک خاص مورد کو بیان فرمایا:

"وَ أَنْهَى [3] إِلَيْكُمْ عَلَى لِسَانِهِ مَحَابَّهُ [4] مِنَ الْأَعْمَالِ وَ مَكَارِهَهُ، وَ نَوَاهِيَهُ وَ أَوَامِرَهُ، وَ أَلْقَى إِلَيْكُمُ الْمَعْذِرَةَ، وَ اتَّخَذَ عَلَيْكُمُ الْحُجَّةَ، وَ قَدَّمَ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ، وَ أَنْذَرَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ"

"اللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے پسندیدہ اور ناپسندیدہ افعال کی تفصیل اور اپنے اوامر و نواہی تم تک

---

[1] سورۂ نحل، آیت ۸۹

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۳

[3] أنھی، مادّہ اِنہاء سے اعلام اور پہنچانے کے معنی میں آیا ہے۔ اور مزکورہ بالا جملے میں بھی یہی مفہوم مراد ہے اور امامؑ فرمارہے ہیں: خداوند عالم نے زبانِ پیغمبرؐ سے جو تمہارے لیے لازم ہے پہنچادیا۔

[4] محابّۃ محبّ کی جمع ہے جو کہ اسم مکان یا مصدر میمی ہے اور اس مقام پر محبتِ الٰہی کے مواقع مراد ہے اس کے مقابلے میں لفظ مکارہ استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

پہنچا دیے۔ اُس نے اپنے دلائل تمہارے سامنے رکھ دیے اور تم پر اپنی حجت تمام کردی پہلے سے ڈرایا دھمکایا اور (آنے والے) سخت عذاب سے ڈرایا۔"

حضرت امیر المومنینؑ نے ان تعبیرات کے ذریعے یہ بتلا رہے ہیں کہ قرآن اور سنّت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ تعلیمات جو ان دو منابع (قرآن وسنّتِ رسولؐ) سے حاصل ہوتی ہیں، کی موجودگی میں کسی کے لیے عذر یا بہانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھے اطلاع نہیں تھی یا نہیں جانتا ہوں یا کافی حدتک اتمامِ حجّت نہیں ہوئی۔ درحقیقت اس کا حقیقی اور روشن مصداق کلامِ خدا ہی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے:

"قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" (۱)

"کہو کہ خداوند عالم کے پاس کافی حدتک حجت ہے۔"

نکتہ

جو چاہو وہ قرآن میں ہے

"وَأَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" کا جملہ سورۂ نحل کی آیت ۸۹ سے لیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی اہم حقیقت کا حامل ہے، جو سب کے لیے قابلِ غور وفکر ہے۔ یہ تو طے ہے کہ اس جملے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ قرآن معارف الٰہی کا ایک بڑا انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں مختلف علوم جیسے ریاضیات، جغرافیہ، کیمسٹری، فزکس کے جزوی مسائل سے لے کر علوم و فنون اور مختلف فلسفی مکاتب کا بیان ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب اُن تمام چیزوں، کہ جن کی خاطر قرآن نازل ہوا ہے اور جو اس کتاب آسمانی کے نزول کا اصل ہدف ہے۔ انسان سازی اور تمام اُمور میں بشر کی سعادت مندی۔ جیسے دینی معارف، مبدأ و معاد سے مربوط حقائق، خدا کے حضور انسانوں کی ذمّے داریاں، انسانوں کی ایک دوسرے کی نسبت ذمّے داریاں، اخلاقی مسائل، اِجتماعی مسائل، اقتصادی ضرورتوں اور دوسری تمام چیزوں، کی حامل ہے۔ اس کتاب میں کبھی جزوی چیزوں اور باریکیوں کو بیان کیا ہے جیسے مالی معاملات اور قرض کے لین دین سے متعلق امور کہ جن کے اٹھارہ احکام، قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں بیان ہوئے۔ کبھی کلّی اور ہمہ گیر اصولوں اور عام قواعد کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۱) سورۂ انعام، آیت ۱۴۹

https://downloadshiabooks.com/

یہ تعبیراتِ قرآنی جن سے خطبہ بالا اور معصومینؑ کی روایات کو سند ملی مسلمان انہیں سُنے اوران میں سے جس ہدایت کو چاہے قرآن میں تلاش کرے۔

سوال: قرآن مجید -اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ- کے ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے معصوم جانشینوں کی کیوں ضرورت پڑی؟

جواب واضح ہے، وہ یہ کہ بہت ساری آیات تشریح وتفسیر طلب ہیں اور اُن کی شان نزول اور استثنائی موارد کے بیان کی ضرورت ہے یا وہ متشابہ آیات ہیں کہ آیات محکمات کی روشنی میں معصومینؑ کے وسیلے سے ان کی تفسیر کی جائے۔

مثال کے طور پر قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر ہے اور صرف آٹھ قسم کے مستحقین کا بیان ہے لیکن وہ اجناس جن پر زکوٰۃ کا حکم آیا ہے، نصاب کی مقدار، سال پورا ہونے کی شرائط، مستحقین کی شرائط، زکوٰۃ کا مال اکٹھا کرنے کا طریقۂ کار اور اس کا مصرف، یہ سب تفسیر ووضاحت کے محتاج ہیں جو معصوم پیشواہی کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کے بارے میں احکام کا استنباط کرنے کے لیے ان اصولوں اور بنیادوں کی ضرورت ہے جنہیں کتاب خدا میں تلاش کیا جاسکتا ہے اور ہر قسم کے اشتباہ سے بچنے کے لیے معصومؑ کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے کُلّی اور عمومی طور پر تمام لوگوں کو علوم ودانش کی طرف دعوت دی ہے اور ضروری مسائل میں اہل اطلاع (اہل علم) کی طرف رجوع کرنے کو لازمی قرار دیا ہے۔

چوتھا حصّہ

فَاسْتَدْرِكُوا بَقِيَّةَ أَيَّامِكُمْ، وَاصْبِرُوا لَهَا أَنْفُسَكُمْ، فَإِنَّهَا قَلِيلٌ فِي كَثِيرِ الْأَيَّامِ الَّتِي تَكُونُ مِنْكُمْ فِيهَا الْغَفْلَةُ، وَالتَّشَاغُلُ عَنِ الْمَوْعِظَةِ؛ وَلَا تُرَخِّصُوا لِأَنْفُسِكُمْ، فَتَذْهَبَ بِكُمُ الرُّخَصُ مَذَاهِبَ الظَّلَمَةِ، وَلَا تُدَاهِنُوا فَيَهْجُمَ بِكُمُ الْإِدْهَانُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ.

"لہٰذا اب جتنے دن باقی رہ گئے ہیں انہیں میں تدارک کرلو اور اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرلو کہ یہ دن ایام غفلت کے مقابلے میں بہت تھوڑے ہیں، جب تم نے موعظہ سننے کا بھی موقع نہیں نکالا۔خبردار! اپنے نفس کو آزاد مت چھوڑو ورنہ یہ آزادی تم کو ظالموں کے راستے پر لے جائے گی اور اس کے ساتھ نرمی نہ برتو ورنہ یہ تمہیں مصیبتوں میں جھونک دے گی۔"

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

فرصت کو غنیمت جانو

اس خطبے کے گزشتہ حصے میں امام عالی مقامؑ نے اتمام حجّت کے سلسلے میں جو تنبیہات بیان کی تھیں، اس حصے میں امامؑ اُن کے مفید اور اہم نتیجے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"فَاسْتَدْرِكُوا بَقِيَّةَ أَيَّامِكُمْ، وَاصْبِرُوا لَهَا أَنْفُسَكُمْ"

"تم اپنی زندگی کے باقی حصے کو غنیمت جانو اور اپنے نفسوں کو صبر سے آشنا کردو (عوامل گناہ اور اطاعت کی راہ میں مشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت پیدا کرو)

پھر آپؑ نے استدلال کے طور پر فرمایا:

"فَإِنَّهَا قَلِيلٌ فِي كَثِيرِ الْأَيَّامِ الَّتِي تَكُونُ مِنْكُمْ فِيهَا الْغَفْلَةُ، وَالتَّشَاغُلُ عَنِ الْمَوْعِظَةِ"

باقی ماندہ عمر بہت کم ہے اُن ایام کے مقابلے میں جو تم نے غفلتوں میں بتا دیے اور جن میں تم نے وعظ ونصیحت سے بے رُخی برتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر اپنی عمر کے بیدار اور ہوش مندی کے دنوں کا محاسبہ کرے تو ان کی تعداد، غفلت، لاپروائی اور دنیاوی خواہشات میں صرف کیے گئے دنوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اب جب ایسا ہے تو انسان کو چاہیے کہ اپنی باقی ماندہ عمر کو غفلت اور بے خبری کے خطرات سے چھٹکارا دے اور وہ اس شرط پر کہ صبر واستقامت کے ہتھیار سے استفادہ کرے۔ کیونکہ ہوشیاری کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے اور اطاعت کرنے اور معصیت سے پرہیز کرنے کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے۔ اس دلیل کی بنا پر اسلامی روایات میں ایمان کے لیے صبر کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی جسم میں سر کی اہمیت ہے۔[1]

فعل مضارع کے صیغے کے ہمراہ "تَكُونُ مِنْكُمْ فِيهَا الْغَفْلَةُ" کی تعبیر سے اشارہ ہے اس بات کی جانب کہ نہ صرف ماضی میں کوتاہی ہوئی ہے بلکہ مستقبل میں بھی اس کے سرزد ہونے کا امکان ہے۔ گزشتہ عمر تو سو گزر گئی، کوشش کرو کہ اپنے مستقبل کو بچائے رکھو اور ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کرو۔

[1] امام علیؑ فرماتے ہیں: وَعَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ فَإِنَّ الصَّبْرَ مِنَ الْإِيمَانِ كَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ (نہج البلاغہ، کلمات قصار ۸۲)

https://downloadshiabooks.com/

پھر آپؑ نے شیطان کے نفوذ کے دو خطرناک راستوں کی طرف اشارہ فرمایا:

"وَلَا تُرَخِّصُوْا لِاَنْفُسِكُمْ، فَتَذْهَبَ بِكُمُ الرُّخَصُ مَذَاهِبَ الظَّلَمَةِ"

"اپنے نفسوں کو مباح چیزوں میں بھی ڈھیل نہ دو ورنہ یہ ڈھیل تمہیں ظالموں کی راہ پر ڈال دے گی۔"

تجربات سے بھی یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ جو لوگ حد سے بڑھ کر مباحات سے استفادہ کرتے ہیں آخرکار وہ محرّمات کے دھانے پر جا گرتے ہیں اور معصیت کی طرف چلے جاتے ہیں۔ کئی حدیثوں میں اس قسم کی خوبصورت تشبیہات ہیں کہ محرمات الٰہی کو غرق کرنے والی اور ممنوعہ جگہ سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے لیے حدود معین ہیں۔

پھر امامؑ انسان کے نفس کو بھیڑ سے تشبیہ دیتے ہیں، جو چراگاہ کی آخری حدود میں چلا جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد حدود کی دوسری جانب کی سرسبز و شاداب گھاس اُس کا دل لبھاتی ہے اور اُسے اپنی جانب کھینچتی ہے۔ انسان کی مثال بھی ایسی ہے کہ جب وہ آزادی کی آخری حد کو چھوتا ہے تو اس کا سرکش نفس اُسے دھوکا دیتا ہے جب وہ ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو گناہوں میں غرق پاتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، فَمَنْ يَرْتَعْ حَوْلَهَا يُوشَكُ أَنْ يَدْخُلَهَا"

گناہ اللہ کی منع کی ممنوعہ جگہ ہے اُس کے نزدیک جانے پر اس بات کا دھڑکا ہوتا ہے کہ کہیں اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ [۱] (جس طرح اگر بھیڑ بکری کو چراگاہ میں ممنوعہ جگہ کے قریب لے جایا جائے تو اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں کسی خطرے سے دوچار نہ ہوجائے یا کسی دوسرے کی چراگاہ میں نہ جا گھسے)۔

بعض گناہوں سے متعلق قرآن مجید میں ایک لطیف تعبیر آئی ہے، اللہ فرماتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی مت جاؤ جیسے:

"وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ" [۲]

"یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ۔"

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى [۳]

"زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔"

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۱۱۸، حدیث ۲۲، باب از ابواب صفات قاضی۔

[۲] سورۂ انعام، آیت ۱۵۲۔

[۳] سورۂ اسراء، آیت ۳۲۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ"[۱]

"بُرے کاموں کے نزدیک نہ جاؤ خواہ ظاہر میں ہوں یا باطن میں۔"

یہ سب نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان کے لیے گناہوں سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ گناہوں کے قریب نہ جائے اور ہر وہ چیز جس کے لیے مباح کا حکم دیا گیا ہے آخر حد تک اُسے انجام نہ دے۔

دوسرے نکتے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: سہل انگاری سے کام نہ لو ورنہ یہ نرم روی (اپنے اور دوسروں کے لیے) لا پروائی تمہیں معصیت کی طرف لے جائے گی۔

"وَلَا تُدَاهِنُوا[۲] فَيَهْجُمَ بِكُمُ الْإِدْهَانُ إِلَى الْمَعْصِيَةِ"

اس مقام پر مداہنہ، سے مراد انسان کا گناہ گاروں سے نرم روی ولا پروائی برتنا ہے اور ظاہری طور پر نیک بننا نفاق کی علامت ہوتی ہے۔ اس قسم کی نرم روی و ظاہر سازی کا انجام مختلف قسم کے گناہوں میں آلودہ ہونا ہے یا یہ کہ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے نیک ظاہر کرنا ہے۔

اس منافقت کا ایک واضح مصداق یہ ہے کہ گناہ کے انجام دینے کے لیے شرعی جواز تلاش کرنا ظاہری حل نکالنا اور دھوکا دینا۔ جی ہاں! انسان اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے اور گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی دوسروں کو بھی فریب دیتا ہے اور اس طرح وہ گناہوں میں آلودہ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کو (اپنے آپ اور دوسروں کو دھوکا دینا) مداھنة کہتے ہیں۔ امام عالی مقامؑ نے ان چند جملوں میں اِن سخت اور تکلیف دہ مقامات کی دقت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اپنے سچے پیروکاروں کو شیطان کے نفوذ کے طریقے سے آشنا فرمایا۔

نکتہ

شیطانی نفوذ کے راستے

---

[۱] سورۂ انعام آیت ۱۵۱۔

[۲] تُدَاهِنُوا، مادّۂ مداھنة سے ہے اصل میں دُھْن کے مادّے سے ہے جو تیل کے معنی میں ہے۔ نرمی اور منافقانہ جھکاؤ اور نرمی برتنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ احکام الٰہی سے صرف نظر کرنا بھی نرمی اور جھکاؤ ہے۔ اور چوں کہ تیل سے چمڑے کو نرم کرنے کا کام لیا جاتا ہے اس لیے لفظ ادھان نرمی برتنے اور سنجیدہ رویہ نہ اپنانے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے، خواہ دوسروں سے متعلق ہو یا اپنے نفس سے متعلق ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

خطبے کے اس حصے میں حضرت امیرالمومنینؑ نے ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور انسانوں کے دلوں میں شیطان کے نفوذ کے طریقوں کی نشاندہی فرمائی ہے اور اُن میں سے دو موضوعات کی طرف توجّہ دلاتے ہیں:

پہلا: مباحات اور آزادی سے حدّ سے بڑھ کر استفادہ کرنا، کیونکہ مباحات اور آزادیوں سے حدّ سے زیادہ استفادہ کرنا بڑے گناہوں کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ امیرالمومنینؑ اس مقام پر خبردار کررہے ہیں کہ ایسے مواقع پر آگے نہ بڑھو، ایسا نہ ہو کہ کہیں ظالموں کی راہ پر چل پڑو۔ جیسا کہ آج کل مُلکوں کی سرحدوں کے تعیّن میں عام طور پر حفاظتی باڑھ تعمیر کی جاتی ہے اور لوگوں کے لیے اس سرحد سے چند کلومیٹر آگے جانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس سرحد کے اصلی نقطے کو عبور کرنے سے ممکن ہے لوگوں میں اس سرحد کی حدود سے گزر جانے کا وسوسہ پیدا ہو۔ مزید برآں جب انسان گناہوں کی حدوں کو چھو جاتا ہے تو ممکن ہے اُس کے نزدیک یہ ایک سادہ سی بات ہو۔ اُس کی خواہشات اُسے ایک لمحے کے لیے بھی غافل کردیں اور گناہوں می جانب کھینچ لیں۔ مزید یہ کہ گناہ گاروں سے واسطہ رکھنا اور ان کے لیے نرم گوشہ رکھنا یا جواز کو تلاش کرنا اور جھوٹ بولنے والوں کا گناہ کے انجام دینے کے راستے تلاش کرنا بھی انسان کے اندر شیطان کے نفوذ کے طریقوں میں سے ہے۔ جب انسان گناہ کی وادی میں پہنچتا ہے تو ممکن ہے وہ گناہ کو چھوٹا سمجھے اور خواہشات نفسانی تھوڑی دیر کے لیے اس پر غالب آجائیں اور گناہ میں مبتلا ہوجائے۔

دوسرا: گناہ کرنے والوں کے ساتھ راہ و رسم اور لین دین رکھنا اور ان کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھنا اور گناہ انجام دینے کے لیے شرعی حیلے تراشنا اور جھوٹ کا سہارا لینا شیطان کے نفوذ کرنے کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔ گناہ کرنے والا دوسروں کے سامنے گناہ کو چھوٹا بنا کر پیش کرتا ہے اور شرعی حیلوں کے ذریعے گناہ کی شدت اور بڑائی کو ختم کردیتا ہے، انسانوں اور گناہوں کے درمیان موجود حجاب کو ہٹا دیتا ہے اور پھر انسان گناہوں کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"مَنْ دَاهَنَ نَفْسَهُ هَجَمَتْ بِهِ عَلَى الْمَعَاصِي الْمُحَرَّمَةِ" [1]

"جو شخص اپنے نفس کی اطاعت کرے گا وہ اُسے گناہوں کے درمیاں بے بس چھوڑ دے گا۔"

پانچواں حصّہ

"عِبَادَ اللهِ، إِنَّ أَنْصَحَ النَّاسِ لِنَفْسِهِ أَطْوَعُهُمْ لِرَبِّهِ، وَ إِنَّ أَغَشَّهُمْ لِنَفْسِهِ أَعْصَاهُمْ

---

[1] غرر الحکم، حکمت ۹۰۲۲

https://downloadshiabooks.com/

لِرَبِّهِ، وَالْمَغْبُونُ مَنْ غَبَنَ نَفْسَهُ، وَالْمَغْبُوطُ مَنْ سَلِمَ لَهُ دِينُهُ، وَالسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ. وَالشَّقِيُّ مَنِ انْخَدَعَ لِهَوَاهُ وَغُرُورِهِ"

"اے اللہ کے بندو! لوگوں میں وہی سب سے زیادہ اپنے نفس کا خیرخواہ ہے جو اپنے اللہ کا زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے اور وہی سب سے زیادہ اپنے نفس کا فریب خوردہ ہے، جس نے اپنے نفس کو فریب دے کر نقصان پہنچایا۔ قابل رشک وغبطہ وہ ہے جس کا دین محفوظ رہا اور نیک بخت وہ ہے جس نے دوسروں سے پند ونصیحت حاصل کی اور بد بخت وہ ہے جو ہوا وہوس کے چکر میں پڑ گیا۔"

شرح وتفسیر

سعادت مند کون ہے؟

حضرت امام علی علیہ السلام نے اس خطبے کو جاری رکھتے ہوئے شیطان کے نفوذ کے طریقوں سے متعلق تنبیہات سے مربوط چھ مختصر اور جامع جملوں میں دستور العمل بیان فرمایا اور اُس کی تکمیل فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے فرماتے ہیں:

"عِبَادَ اللهِ! إِنَّ أَنْصَحَ النَّاسِ لِنَفْسِهِ أَطْوَعُهُمْ لِرَبِّهِ"

"اے اللہ کے بندو! وہی سب سے زیادہ اپنے نفس کا خیرخواہ ہے جو اپنے اللہ کا زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے۔"

اس گفتگو کا مقصد یہ ہے انسان اپنے آپ کو فریب نہ دے اور اپنے آپ سے جھوٹ نہ بولے۔ اپنی کمزوریوں کو اپنی طاقت نہ سمجھے، اپنی بُرائیوں پر پردہ نہ ڈالے، بلکہ مخلصانہ طور پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ایسا شخص یقیناً اطاعتِ پروردگار کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ (۱)

دوسرے جملے میں اس کے برعکس اشارہ ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) توجہ رہے کہ اَنْصَحُ جو مادّہ نُصح سے ہے، اخلاص کے معنی میں آیا ہے یہی وجہ ہے کہ خالص اور مخلصانہ خیرخواہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، نصیحت بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَإِنَّ أَغَشَّهُمْ [1] لِنَفْسِهِ أَعْصَاهُمْ لِرَبِّهِ"

"وہی اپنے نفس کو فریب دینے والا ہے جو اپنے اللہ کا زیادہ نافرمان ہے۔"

ظاہر ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو دھوکا دے، اپنے عیوب کو چھپائے رکھے، اُس کی نظر میں گناہ مباح ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ اسے ایک واجب کی طرح سمجھنے لگتا ہے اور اس طرح اُس کے لیے ہر قسم کے گناہ کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

تیسرے جملے میں فرماتے ہیں:

"وَالْمَغْبُوْنُ مَنْ غَبَنَ نَفْسَهُ"

"اصل فریب خوردہ وہ ہے جس نے خود کو فریب دیا ہو۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی کوئی دوسرا شخص انسان کو فریب دیتا ہے اور اُسے مالی نقصان پہنچاتا ہے اور اُس کے سرمائے کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو فریب دیتا ہے اور اپنے پاس موجود سرمائے کو ضائع کر دیتا ہے، وہ سرمایہ جس سے وہ اپنی سعادت دنیوی و اُخروی حاصل کر سکتا تھا۔

چوتھے جملے میں فرماتے ہیں:

"وَالْمَغْبُوْطُ مَنْ سَلِمَ لَهُ دِيْنُهُ"

ایسا شخص قابل رشک ہے جس کا دین محفوظ رہا۔

ہم جانتے ہیں کہ "غبطہ" سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک ایسی اہم نعمت کی، جو دوسروں کو نصیب ہے، تمنا کرے کہ وہ اُسے بھی مل جائے۔ اس بنا پر "مغبوط" وہ صاحب نعمت ہے جس پر لوگ رشک کریں۔ اگر انسان اپنی زندگی کے نشیب و فراز اور زمانے کی کشمکش میں اپنے دین و ایمان کی حفاظت کر سکتا ہے تو یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اس کے شامل حال ہے اور ایسا انسان رشک کیے جانے کا حق دار ہے۔ اَدب (نحو) کے قاعدے "مبتدا پر خبر کا مقدم ہونا حصر کا فائدہ دیتا ہے" کے مطابق جملۂ بالا کی تعبیر سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ صرف وہی شخص قابلِ رشک ہے جو زندگی کے طوفانوں میں اپنے دین و ایمان محفوظ رکھ پائے، نہ وہ افراد جو دنیا کے وقتی مناصب، عہدوں، فنا ہونے والے اموال اور مادّی وسائل پر دسترسی رکھتے ہوں۔

پانچویں جملے میں فرماتے ہیں:

---

[1] اغش، یہ غِشّ کے مادّے سے ہے، اس کے معنیٰ کمزوری، ناتوانی اور کمی کے ہیں۔ اسی مناسبت سے ناخالص اشیاء پر مغشوش کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر اسی مناسبت سے خیانت اور ہر قسم کی کمی اور ملاوٹ کو غِشّ کہا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"وَ السَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ"

"سعادت مند وہ ہے جس نے دوسروں سے نصیحت حاصل کی۔"

بے شک زندگی کے تلخ حوادث اور دردناک تجربے انسان کے لیے ہوشیاری کا ذریعہ ہیں۔لیکن کیا ہی اچھا ہوگا کہ انسان بجائے اس کے کہ خود تجربہ کرے اور تلخ نتائج کا سامنا کرے، دوسروں کے اعمال جو اس کے اعمال کے مشابہ ہیں، اُن سے عبرت اور تجربہ حاصل کرے۔ایسے لوگ اس شخص کی طرح ہیں جس کا گھر بڑے باغ کے پڑوس میں ہو اور باغ کی دیکھ بھال کوئی کر رہا ہو لیکن اس کی اچھی ہوا کا مزہ وہ لے رہا ہو۔افراد کے حالات غالباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں اور دوسری تعبیر کے مطابق "تاریخ خود کو دوہراتی ہے"۔ ہر شخص اپنی زندگی کا عکس دوسروں کی زندگی کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے۔لہٰذا کوئی بھی ایسا انسان نہیں جسے مذکورہ بالا جملہ شامل نہ ہو اور جو دوسروں کی زندگی سے عبرت نہ لے۔

نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے "وَ السَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ" کے جملے کو عرب کی مشہور ضرب المثل میں سے قرار دیا ہے۔[1] جب کہ ابن ابی الحدید نے اس کو نبویؐ مثالوں میں سے قرار دیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جاری ہوئی ہیں۔[2]

بالآخر چھٹے جملے میں گزشتہ جملے کے مقابل اور متضاد مطلب کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وَ الشَّقِيُّ مَنِ انْخَدَعَ لِهَوَاهُ وَ غُرُوْرِهِ"

"بدبخت وہ ہے جو اپنے ہوا و ہوس اور دھوکے کے چکر میں گرفتار ہو گیا ہو۔"

ظاہر ہے جو کوئی بھی دوسروں کو دھوکا دے قابل مذمّت ہے۔مگر اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے دھوکا دے تو وہ شدید سرزنش اور ملامت کا مستحق قرار پاتا ہے، کیونکہ اُس نے اپنے ہاتھ سے سعادت مندی کے سرمایہ کو آگ لگا دی ہے۔

نکتہ

سعادت کا سرچشمہ تمہارے اندر ہی ہے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن میثم، ج ۲، ص ۲۸۵۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۶ ص ۲۵۶۔مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں، تاریخ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، جنگ تبوک کے حوادث کے باب میں آنحضرتؐ کے خطبوں میں سے کسی خطبے کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔(جلد ۲۱ ص ۲۱۱)

https://downloadshiabooks.com/

خطبے کے اس حصے میں ایک اہم پیغام ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں:

انسان کی خوش بختی اور بدبختی کے عوامل بیرونی اور خارجی وسائل کی نسبت زیادہ تر اندورنی اور داخلی عوامل ہوتے ہیں، اور اس کی روح وجان سے ابھرتے ہیں۔ یہ خود انسان ہی ہے جو اپنے آپ کو فریب دیتا ہے یا اپنے آپ کو دوسروں کے لیے باعثِ رشک بنالیتا ہے۔ انسان خود ہی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو سعادت مند بناتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو بالآخر ہوا و ہوس کی پیروی، کبر، غرور اور اپنی بدبختی کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

یہ گفتگو ایک فرد پر بھی اور ایک معاشرے پر بھی صادق آتی ہے۔ اکثر لوگ، بالخصوص، ہمارے زمانے میں اپنی بدبختی کے اسباب کو اپنے معاشرے کے باہر تلاش کرتے ہیں اور اکثر خود کو فریب دیتے ہیں اور اپنے لیے چارہ جوئی کا راستہ بند کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ مشکلات کے اسباب کو اپنی ذات، اجتماعی روابط، ہوا و ہوس، اختلاف، نفاق، حسد اور ہوا پرستی میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر اس خطبے میں صرف یہی پیغام ہو تو یہ انسان کی سعادت مندی کے لیے کافی ہے۔

چھٹا حصّہ

"وَاعْلَمُوْا أَنَّ "یَسِیْرَ الرِّیَاءِ شِرْكٌ" وَ مُجَالَسَةَ أَهْلِ الْهَوٰى مَنْسَاةٌ لِلْإِیْمَانِ، وَ مَحْضَرَةٌ لِلشَّیْطَانِ. جَانِبُوا الْكَذِبَ فَإِنَّهُ مُجَانِبٌ لِلْإِیْمَانِ. الصَّادِقُ عَلٰى شَفَا مَنْجَاةٍ وَ كَرَامَةٍ، وَ الْكَاذِبُ عَلٰى شَرَفِ مَهْوَاةٍ وَ مَهَانَةٍ. وَ لَا تَحَاسَدُوْا، فَإِنَّ الْحَسَدَ یَأْكُلُ الْإِیْمَانَ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، وَ لَا تَبَاغَضُوْا فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ" وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْأَمَلَ یُسْهِی الْعَقْلَ، وَ یُنْسِی الذِّكْرَ، فَأَكْذِبُوا الْأَمَلَ، فَإِنَّهُ غُرُوْرٌ، وَ صَاحِبُهُ مَغْرُوْرٌ"

"یاد رکھو کہ ریاکاری کا مختصر سا شائبہ بھی ایک طرح کا شرک ہے اور خواہش پرستوں کی صحبت بھی ایمان سے غافل بنانے والی ہے اور شیطان کو ہمیشہ سامنے لانے والی ہے۔ جھوٹ سے پرہیز کرو کہ وہ ایمان سے کنارہ کش کر دیتا ہے۔ سچ بولنے والا ہمیشہ نجات اور کرامت کے کنارے پر رہتا ہے اور جھوٹ بولنے والا ہمیشہ تباہی اور ذلت کے دہانے پر رہتا ہے۔ خبردار ایک دوسرے سے حسد نہ کرنا کہ "حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے"۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھنا کہ بغض ایمان کا صفایا کر دیتا ہے اور یاد رکھو کہ خواہش عقل کو بھلا دیتی ہے اور ذکر خدا سے غافل بنا دیتی ہے۔ خواہشات کو جھٹلاؤ کہ یہ صرف دھوکا ہیں اور ان کا ساتھ دینے والا ایک فریب خوردہ انسان ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

https://downloadshiabooks.com/

شرح و تفسیر

خطرناک عادتیں

اس خطبے میں جو کہ خطبہ ۸۶ کا آخری حصّہ ہے، حضرت امیر المومنینؑ نے چھے بُری صفات سے خبردار کر رہے ہیں (ریا کاری، ہوا پرستوں سے میل جول، جھوٹ، حسد، عداوت و دشمنی اور لمبی اُمیدیں) ان صفات میں سے ہر ایک کے نقصانات کے بارے میں جامع اشارہ فرمایا ہے۔

پہلی بری صفت کے متعلق فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوا أَنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ"

جان لو! تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، کیونکہ ریا کار شخص ایک الٰہی عمل کو لوگوں کی رضا حاصل کرنے، اپنے آپ کو نیکو کار ظاہر کرنے اور ان کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لیے انجام دیتا ہے۔ عزّت کو خدا سے، جو کہ "تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" (۱) کا مصداق ہے، حاصل کرنے کے بجائے کمزور اور ضعیف لوگوں سے طلب کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کا شرک اور دوگانہ پرستی ہے کہ جو "توحیدِ افعالی" کے ساتھ تضاد رکھتا ہے۔

اسی بنا پر اسلامی روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ریا کار شخص کو اس طرح پکارا جائے گا:

"يَا كَافِرُ! يَا فَاجِرُ! يَا غَادِرُ! يَا خَاسِرُ! حَبِطَ عَمَلُكَ وَبَطَلَ أَجْرُكَ، فَلَا خَلَاصَ لَكَ الْيَوْمَ، فَالْتَمِسْ أَجْرَكَ مِمَّنْ كُنْتَ تَعْمَلُ لَهُ" (۲)

اے کافر! اے فاجر! اے بہانہ باز! اے نقصان اُٹھانے والے! تیرا عمل نابود ہو گیا، آج تیرے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں؛ اپنے عمل کی جزا اُسی سے طلب کر، جس کے لیے تو نے انجام دیا ہے۔ مزید یہ کہ ریا کار شخص اپنے دوغلے پن کی وجہ سے منافقین کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ یہی نفاق اس کے عمل کے بے روح و بے اثر ہونے کا سبب بنتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے، آپؐ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۲۶

(۲) وسائل الشیعہ، ج ۱، باب ۱۱، مقدمات عبادات، حدیث ۱۶

https://downloadshiabooks.com/

"سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَخْبُثُ فِيهِ سَرَائِرُهُمْ، وَ تَحْسُنُ فِيهِ عَلَانِيَتُهُمْ، طَمَعًا فِي الدُّنْيَا، لَا يُرِيدُونَ بِهِ مَا عِنْدَ رَبِّهِمْ، يَكُونُ دِينُهُمْ رِيَاءً، لَا يُخَالِطُهُمْ خَوْفٌ، يَعُمُّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ، فَيَدْعُونَهُ دُعَاءَ الْغَرِيقِ، فَلَا يَسْتَجِيبُ لَهُمْ" (۱)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُن کے دل بُرائی سے آلودہ ہوں گے اور اُن کا ظاہر اچھا ہوگا۔ کاموں کو دنیا پرستی کے لیے انجام دیں گے اور الٰہی صلے کو طلب نہیں کریں گے۔ اُن کا دین ریا کاری ہے اور ان کے وجود میں خوفِ الٰہی نہیں ہوگا۔ خدا کا عذاب ان تک پہنچ جائے گا اور (خدا کے در پر جائیں گے اور) ڈوبنے والے کی مانند اللہ سے دُعا مانگیں گے، مگر ان کی دُعا اللہ قبول نہیں کرے گا۔

قیامت کے دن لوگوں کے اندرونی راز فاش ہوں گے، رسوا ترین لوگ ریا کار ہوں گے۔

فردا کہ پیش گاہ حقیقت شود پدید شرمندہ رہروی کہ عمل بر مجاز کرد!

کل روزِ حشر جب حقیقتوں کو دیکھا جائے گا تو سب سے شرمندہ وہ شخص ہوگا جو مجاز کو حقیقت سمجھ کر اس پر عمل کرتا رہا!

دوسری بُری صفت کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَ مُجَالَسَةَ أَهْلِ الْهَوَى مَنْسَاةٌ (۲) لِلْإِيمَانِ، وَ مَحْضَرَةٌ (۳) لِلشَّيْطَانِ"

"جان لو! ہوا پرستوں سے تعلق انسان سے ایمان کو دور کر دیتا ہے اور شیطان اس کے ہاں حاضر ہو جاتا ہے"، کیونکہ ہوا پرستی کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے اور پورے وجود انسانی کو گھیر لیتی ہے اور اُس کی فکر پر قابض ہو جاتی ہے۔ ایمان کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑتی، ظاہر ہے ایسی بیٹھک ہی شیطان کا جلوہ گاہ ہوا کرتی ہے۔

یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں آیا ہے:

"اَلْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ وَ قَرِينِهِ"

"انسان اپنے دوست اور ساتھی کے دین پر ہوتا ہے۔" (۴)

اور ایک مشہور ضرب المثل ہے:

(۱) وسائل الشیعہ، ج۱، باب ۱۱، حدیث ۴

(۲) منساۃ، نسا، کے مادّے ہے بروزن نصب، چھوڑ دینے اور ترک کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

(۳) محضرۃ، اسمِ مکان، یہ حضور کے مادّے سے ہے، اس کے معنیٰ ہیں ایک ایسی جگہ جہاں کوئی فرد یا کوئی چیز موجود ہو۔

(۴) شرح نہج البلاغہ، خوئی، جلد ۶، ص ۱۳۶۔

https://downloadshiabooks.com/

"قُلْ لِيْ مَنْ تُعَاشِرُ، أَقُلْ لَكَ مَنْ أَنْتَ"۔[۱]

"مجھے بتاؤ کس کے ساتھ تم کس کے ساتھ رہتے ہوتا کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ تم کون ہو۔"

تو اوّل بگو با کیاں زیستی پس آنگہ بگویم کہ تو کیستی؟

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ کن لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہو، پھر تب میں بتاؤں گا کہ تم کون ہو۔"

تیسری بری صفت کے متعلق فرماتے ہیں:

"جَانِبُوا الْكَذِبَ فَإِنَّهُ مُجَانِبٌ لِلْإِيمَانِ"

"جھوٹ سے دور رہو اس لیے کہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے۔"

جَانِبُوا کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کتنا خطرناک ہے کہ انسان کو اُس سے دور رہنا چاہیے اُس کے قریب نہ جائے۔ شیطان کے وسوسے سے دور رہنا چاہیے اُس کے قریب نہ جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان کے وسوسے اُسے موت کے دہانے تک پہنچا دیں۔

مُجَانِبٌ لِلْإِيمَانِ کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ نہ صرف یہ کہ ایمان کے ساتھ ہم پہلو نہیں رہ سکتا بلکہ اس سے کہیں فاصلے پر ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنے والا عام طور پر فوائد حاصل کرنے، ضرر کو خود دور کرنے یا ہوا و ہوس کی خاطر جھوٹ بولتا ہے، حالانکہ مؤمن انسان جانتا ہے کہ تمام چیزیں خدا کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ ہوا پرستی ایک قسم کی بت پرستی ہے۔

اس گفتگو پر شاہد اور گواہ وہ جملے ہیں، جنہیں امام عالی مقامؑ نے اُوپر کے جملے کی تاکید کے طور پر ارشاد فرمایا:

"اَلصَّادِقُ عَلٰى شَفَا[۲] مَنْجَاةٍ وَ كَرَامَةٍ، وَالْكَاذِبُ عَلٰى شَرَفِ مَهْوَاةٍ[۳] وَ مَهَانَةٍ"

"سچ بولنے والا نجات اور بزرگی کی بلندیوں پر ہے اور جھوٹ بولنے والا ذلّت و پستی کے کنارے پر ہے۔"

بہ صدق کوش کہ خورشید زاید از نفست کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست[۴]

---

[۱] فی ظلال نہج البلاغہ، ج۱ص ۴۲۷۔

[۲] شفا، کسی چیز کے کنارے کے معنیٰ میں ہے۔ دراصل کنویں، خندق اور اس طرح کی چیزوں کے کنارے کو کہتے ہیں۔ ہونٹ پر لفظ شَفَہ کا اطلاق بھی ممکن ہے اسی مناسبت کی وجہ سے ہو۔

[۳] مھواۃ، ھویٰ کے مادّے سے ہے کسی چیز کی طرف جھکاؤ کے معنیٰ میں ہے۔ لفظ مھواۃ اسم مکان ہے، جو کنارے اور دو پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ، جو کہ انسان کو نیچے گرنے کی طرف متمایل کر دیتا ہے، کے معنی میں آیا ہے۔

[۴] شعر "حافظ" کا ہے اور صبح نخست سے مراد صبح کاذب ہے۔ تھوڑی روشنی کے بعد تاریکی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ لیکن صبح صادق سورج کے طلوع کرنے سے پہلے ہوتی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

چوتھی بری صفت کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَلَا تَحَاسَدُوا، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْإِيمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ"

"حسد نہ کرو، حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔" کیونکہ حسد کرنے والا درحقیقت نظامِ خلقت کا دشمن ہوتا ہے اور خدا کی اپنے بندوں پر کی جانے والی عنایات اور بخشش کا مخالف ہوتا ہے۔ حسد اور ایمانِ کامل ساتھ نہیں رہ سکتے۔ مزید یہ کہ اسے دوسروں کے ہاتھوں سے نعمتوں کے چھن جانے پر خوش نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اگر وہ خدا پر سچا ایمان رکھتا ہے تو ان نعمتوں کو جو دوسروں کو ملی ہیں اپنے خدا سے ان کی طرح یا ان سے زیادہ کا طلب گار ہونا چاہیے۔

پانچویں مرحلے میں عداوت و دشمنی سے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَلَا تَبَاغَضُوا فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ"[۱]

"دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کینہ مت رکھو کہ اس کی وجہ سے خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے۔"

تَبَاغَضُوا کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عداوت و دشمنی عام طور پر دوطرفہ ہوتی ہے دشمنی کا جواب دشمنی ہوتا ہے۔

حالقہ، جو کہ حلق (تراشنا) کے مادّے سے ہے، (باوجود اس کے کہ اس کا متعلق حذف ہے) کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنی ہر قسم کے خیر و سعادت کا قلع قمع کرتی ہے، کیونکہ خیر و سعادت کی بنیاد معاشرے کے افراد کا باہمی تعاون اور مل کر کام کرنا ہے، جو کہ دوستی اور محبت کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔

چھٹے اور آخری مرحلے میں لمبی آرزوؤں کے خطروں سے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ اعْلَمُوا أَنَّ الْأَمَلَ يُسْهِي الْعَقْلَ، وَ يُنْسِي الذِّكْرَ، فَأَكْذِبُوا الْأَمَلَ فَإِنَّهُ غُرُورٌ، وَ صَاحِبُهُ مَغْرُورٌ"

"جان لو! لمبی آرزوئیں عقل کو حقیقت سے غافل کر دیتی ہے اور اللہ کی یاد کو بھلا دیتی ہے۔ اس بنا پر آرزوؤں پر بھروسا نہ کرو جو کہ دھوکا دیتی ہیں اور آرزوئیں رکھنے والا دھوکے میں رہتا ہے۔"

حقیقت میں لمبی آرزوئیں، جو کہ انسان کو ایسے خیالات اور وہم میں غرق کر دیتی ہیں، جن کا محور مادّی امور ہوتے ہیں، سعادت مندی کی راہ میں ایک خطرناک رکاوٹ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ نے اپنی مبارک کلمات میں

[۱] حالقة، حلق کے مادّے سے ہے، جو کہ اصل میں سر یا کے بال تراشنے کے معنیٰ میں ہے۔ حالقة کا اطلاق قحط اور مشقت والے سال پر ہوتا ہے، جو خیر و برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ موت کو بھی، جو کہ سب کچھ ختم کر دیتی ہے، حالقہ کہا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اِن لمبی اُمیدوں اور ہوا پرستی کو انسان کی خوش بختی کی راہ میں ایک خطرناک رکاوٹ قرار دیا ہے۔ تاریخ اور روزانہ کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جو لوگ اکثر بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہی لوگ ہیں، جو مادّی لمبی آرزوؤں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

نکتہ

واضح اور روشن نصیحتیں

خطبے کے اس مختصر اور جامع نکتے پر دقت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے کہنے کے لائق تمام گفتگو اس خطبے میں بیان فرمائی ہے؛ توحید و خدا پرستی، کتابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قرآن مجید) اور قرآن مجید میں مذکور اہم نکات کی جانب توجہ سے لے کر دہلا دینے والی انسان ساز تنبیہوں تک اور پھر وہ اہم اخلاقی مسائل جو انسان کی مادّی اور معنوی سعادت کی ضامن ہیں، جیسے شرک، جھوٹ، کینہ، عداوت اور لمبی آرزوؤں کو ترک کرنا، کی جانب اشارہ فرمایا؛ ہر موقع پر مختصر اور جامع پیرائے میں دلیل اور منطقی برہان کے ذکر کے ذریعے اپنے کلام کو گہرائی بخشی۔ اگر انسان ہر روز اپنے روزمرّہ کے امور کے آغاز پر ایک مرتبہ اس خطبے پر نظر ڈالے، ذرا غور و فکر کرے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا محکم ارادہ باندھ لے تو وہ یقیناً نجات پانے والوں میں سے ہوگا

https://downloadshiabooks.com/

ستّاسی واں خطبہ

ومن خطبة له علیه السّلام ⓵

و ھی فی بیان صفات المتّقین و صفات الفسّاق و التّنبیه الی مکان العترة الطّیبة و الظّنّ الخاطیٔ لبعض النّاس

اس خطبے میں امامؑ متقین اور فاسقین کی صفات، لوگوں کے درمیان اہل بیتؑ کے مقام و منزلت اور بعض لوگوں کو درپیش بدگمانیوں کے بارے میں گفتگو فرما رہے ہیں۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

اس خطبے کے پانچ حصے ہیں، جن میں سے چار حصے ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں، مگر پانچواں حصہ جدا مفہوم رکھتا ہے۔ اس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مرحوم سیّد رضیؒ نے خطبے کے آخری حصوں کو حذف کر دیا ہے۔

بہر حال وہ پانچ حصے اس تفصیل کے ساتھ ہیں۔

اس خطبے کے آغاز میں حضرت امام علی علیہ السلام حقیقی علماء کی صفات بیان کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پروردگار عالم کی مدد سے اپنے اندر تقویٰ کی روح کو زندہ کر پائے ہیں؛ ہوا پرستی کو اپنے آپ سے دور کر دیا اور خودسازی کے زیرِ سایہ ہدایت کے دروازوں کی کنجی کو حاصل کر لیا ہے۔

دوسرے حصے میں مذکورہ گروہ کے مقابل ایسے نام نہاد عالموں کا تعارف کرا رہے ہیں، جو دوسروں سے جہالت

⓵ سند خطبہ: پڑھنے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ نہج البلاغہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی نقل ہوا ہے۔ اس خطبے کے آخر میں ابن ابی الحدید کی گفتگو ہے ان کا کہنا ہے: یہ خطبہ بہت طویل تھا؛ سیّد رضیؒ نے بہت سارے حصوں کو حذف کیا ہے (پھر ابن ابی الحدید بعض حصوں کو نقل کرتے ہیں)۔ زمخشری نے کتاب ''ربیع الابرار'' کے باب ''عزّ و شرف'' میں اس خطبے کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان کیا ہے؛ اس کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس خطبے کو نہج البلاغہ کے علاوہ کسی دوسرے ماخذ سے لیا ہے۔ (مصادر نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۳۳)

https://downloadshiabooks.com/

آمیز باتوں کو لیتے ہیں اور اُن میں غلط چیزوں کا اضافہ کر کے لوگوں کو گمراہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

تیسرے حصے میں گزشتہ حصوں کی تکمیل کرتے ہوئے لوگوں کو خبردار کرتے ہیں کہ اہل بیتؑ جو علم و آگاہی کا خالص سرچشمہ ہیں، ان کے ہوتے ہوئے جاہل اور بے خبر لوگوں کے پیچھے کیوں جاتے ہیں؟

چوتھے حصے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض کلمات اور اہل بیتؑ اور اپنے تعارف کے سلسلے میں بعض حسّاس نکات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور حدیث ثقلین کو، جو کہ تمام مسلمانوں کے درمیان مشہور و معروف حدیث ہے، اپنی گفتگو کے گواہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

بالآخر پانچویں حصے میں بعض لوگوں کے بے بنیاد توہمات و خیالات، کہ بنی اُمیہ ہمیشہ کے لیے برسرِ اقتدار رہے گی، کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ان کی مختصر حکومت کے زوال کی قطعی اور یقینی خبر دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر اشارہ ہو چکا ہے کہ یہ حصہ مذکورہ چار حصوں سے مطالب کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ درمیان میں کچھ مطالب تھے، جنہیں سیّد رضیؒ نے ذکر نہیں کیا ہے۔

پہلا حصّہ

"عِبَادَ اللهِ! إِنَّ مِنْ أَحَبِّ عِبَادِاللهِ إِلَيْهِ عَبْدًا أَعَانَهُ اللهُ عَلَى نَفْسِهِ، فَاسْتَشْعَرَ الْحُزْنَ، وَ تَجَلْبَبَ الْخَوْفَ، فَزَهَرَ مِصْبَاحُ الْهُدٰى فِيْ قَلْبِهِ، وَ أَعَدَّ الْقِرٰى لِيَوْمِهِ النَّازِلِ بِهِ، فَقَرَّبَ عَلٰى نَفْسِهِ الْبَعِيْدَ، وَهَوَّنَ الشَّدِيْدَ. نَظَرَ فَأَبْصَرَ، وَذَكَرَ فَاسْتَكْثَرَ، وَارْتَوٰى مِنْ عَذْبٍ فُرَاتٍ سُهِّلَتْ لَهُ مَوَارِدُهُ"

"اللہ کے بندو! اللہ کی نگاہ میں سب سے محبوب بندہ وہ ہے جس کی اللہ نے اس کے نفس کے خلاف مدد کی ہے اور اس نے اندر حزن اور باہر خوف کا لباس پہن لیا ہے۔ اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہے اور اس نے آنے والے دن کی مہمانی کا انتظام کر لیا ہے۔ اپنے نفس کے لیے آنے والی بعید موت کو قریب کر لیا ہے اور سخت مرحلے کو آسان کر لیا ہے۔ دیکھا ہے تو بصیرت پیدا کی ہے اور اللہ کو یاد کیا ہے تو عمل میں کثرت پیدا کی ہے۔ ہدایت کے اس صاف و شفاف اور میٹھے چشمے سے سیراب ہو گیا ہے جس پر پہنچنے کو آسان بنا دیا گیا ہے۔"

"فَشَرِبَ نَهَلًا، وَ سَلَكَ سَبِيْلًا جَدَدًا. قَدْ خَلَعَ سَرَابِيْلَ الشَّهَوَاتِ، وَ تَخَلّٰى مِنَ الْهُمُوْمِ، إِلَّا هَمًّا وَاحِدًا انْفَرَدَ بِهِ، فَخَرَجَ مِنْ صِفَةِ الْعَمٰى، وَ مُشَارَكَةِ أَهْلِ الْهَوٰى، وَ صَارَ مِنْ مَفَاتِيْحِ أَبْوَابِ الْهُدٰى، وَ مَغَالِيْقِ أَبْوَابِ الرَّدٰى. قَدْ أَبْصَرَ طَرِيْقَهُ، وَ سَلَكَ سَبِيْلَهُ، وَ عَرَفَ مَنَارَهُ، وَ قَطَعَ غِمَارَهُ،

https://downloadshiabooks.com/

وَاسْتَمْسَكَ مِنَ الْعُرَى بِأَوْثَقِهَا، وَمِنَ الْحِبَالِ بِأَمْتَنِهَا، فَهُوَ مِنَ الْيَقِينِ عَلَى مِثْلِ ضَوْءِ الشَّمْسِ"

"اس چشمے سے اس نے جی بھر کر پانی پی لیا ہے اور سیدھے راستے پر چل پڑا ہے۔ خواہشات کے لباس کو اتار پھینکا ہے اور تمام افکار سے آزاد ہو گیا ہے صرف ایک فکر آخرت باقی رہ گئی ہے، اس کی وجہ سے گمراہی سے نکل آیا ہے، صرف آخرت کی فکر میں رہتا ہے۔ (اب اس کا ہم و غم صرف اور صرف پروردگار کا قرب حاصل کرنا ہے)

ان لوگوں کے تقویٰ و پرہیز گاری اور ان کے خلوص نے انہیں ہوا پرستوں کے اندھے کنویں سے نکال کر انہیں آزادی دلائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے گمراہی کے دروازوں کو بند کر دیا ہے اور ہدایت کے دروازوں کو اپنے اوپر کھول دیا ہے۔ انہوں نے اپنے لیے ہدایت کا راستہ بصیرت کے ذریعے ڈھونڈ نکالا ہے اور اس پر گامزن ہو گئے ہیں اور شہوتوں کے سمندر میں غرق کرنے والی خواہشات کی تیز لہروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور مطمئن کرنے والی اہم ترین ہدایات کو نجات کے حصول کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یقین کے اتنے بلند مقام پر پہنچا ہے کہ وہ تمام حقائق کو آفتاب کی روشنی کی طرح دیکھتا ہے۔"

شرح و تفسیر

اللہ کے پسندیدہ بندے

جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے، حضرت امیر المومنینؑ نے اس خطبے کے آغاز میں اولیاء اللہ، پرہیز گاروں اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کی، بہترین انداز میں توصیف کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں:
"اصحاب حقیقت و طریقت نے علم و دانش کو امام عالی مقامؑ کے اس خطبے سے لیا ہے، جس میں ایک عارفِ کامل کے حال کو اس خطبے میں ارشاد فرمایا ہے۔ (۱)

بعض لوگ معتقد ہیں کہ حقیقت میں امام عالی مقامؑ نے خطبے کے اس حصے میں اپنا تعارف کرایا ہے؛ کیونکہ اس قسم کی اعلیٰ صفات آپؑ جیسوں کے علاوہ کسی میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یوں کہنا بہتر ہے کہ امام علیؑ نے عارفانِ کامل اور راہِ حق پر چلنے والوں کا حال اور اُن کی کُلّی صفات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اُن کے حقیقی مصداق بعد از رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ اور

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۳۶۵۔

https://downloadshiabooks.com/

آپ کی شریکِ حیات (دختر رسولؐ) اور آپؑ کی اولاد میں سے معصومین ہیں۔

خطبے کے اس حصے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک انسانِ کامل کے حال کی وضاحت کرنے میں کوئی ایک اہم نکتہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ چالیس صفات کو مختصر پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔

پہلے آپؑ نے اس راستے پر چلنے والوں کے بارے میں فرمایا:

"عِبَادَاللهِ! إِنَّ مِنْ أَحَبِّ عِبَادِاللهِ إِلَيْهِ عَبْدًا أَعَانَهُ اللهُ عَلَى نَفْسِهِ"

"اے، اللہ کے بندو! اللہ کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ ہے، جس کی اللہ نے (خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کرنے کے سلسلے) میں مدد فرمائی ہو۔"

یہ جملہ، جو اس اہم کلام کے آغاز میں ذکر ہوا ہے، اس دقیق نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ سوائے اللہ کی مدد کے کسی کے لیے اس راستے پر چلنا ممکن نہیں۔ کیونکہ خطرات اس قدر زیادہ ہیں کہ انسان اپنی محدود توانائی کے بل بوتے پر سلامتی سے اس راستے کو عبور نہیں کر سکتا، سوائے اس کے کہ وہ اللہ پر توکّل کرے، خود کو اُس کے سپرد کر دے اور اُس کے لطف وقدرت کے بے کراں سمندر سے مدد لے۔

جیسا کہ قرآن مجید صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا" [1]

"اگر اللہ کا فضل وکرم تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم میں کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا۔"

ظاہر ہے کہ ہدایتیں، حمایتیں اور الٰہی اعانت ایسے ہی نصیب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے بندے کو سراپا تسلیم ہونا چاہیے اور عشقِ الٰہی سے سرشار دل کے ساتھ خدا کے در پر آنا چاہیے۔

اس کے بعد امام عالی مقامؑ نے اس الٰہی اعانت کے نتیجے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَاسْتَشْعَرَ الْحُزْنَ، وَ تَجَلْبَبَ الْخَوْفَ"

اُس شخص نے حزن واندوہ کو اپنا شعار (زیریں لباس) بنایا اور خوفِ خدا کو بیرونی اور ظاہری لباس قرار دیا ہے

اِسْتَشْعَرَ، شعار کے مادّے سے ہے جس کے معنی زیریں لباس کے ہیں۔ حزن واندوہ کو زیریں لباس قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ باایمان افراد اپنی گزشتہ عمر میں اطاعت معبود میں کی جانے والی کوتاہیوں پر اندرونی طور پر نادم وشرمسار

---

[1] سورۂ نور، آیت ۲۱۔

https://downloadshiabooks.com/

ہیں۔ وہ اس فکر و اندوہ میں رہتے ہیں کہ ایسا عمل انجام دیں جس سے گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ ادا کریں۔

تجلبب، جلباب کے مادّے سے ہے جس کے معنی چادر یا ظاہری لباس کے ہیں۔ خوف و ہراس کو ظاہری لباس کے قائم مقام قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے مخلص اور مؤمن افراد ہمیشہ ہوشیار رہتے ہیں؛ انہیں اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں اُن سے کوئی لغزش سرزد نہ ہو جائے یا کہیں کوئی ایسا عمل اُن سے سرزد نہ ہو جائے جس کے باعث مخلصوں اور سعادت مندوں کی فہرست سے اُن کا نام خارج ہو جائے۔

اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ اُن کا غم و اندوہ اپنے محبوب کے فراق اور وصال کے نہ ہونے کے ڈر کے باعث ہو۔

پھر حضرت امام علی علیہ السلام اس انسان ساز حزن واندوہ کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَزَهَرَ مِصْبَاحُ الْهُدٰى فِيْ قَلْبِهِ، وَأَعَدَّ الْقِرٰى [۱] لِيَوْمِهِ النَّازِلِ بِهِ"

اس غم، حزن کے نتیجے میں اُس نے ہدایت کے چراغ کو اپنے دل میں روشن کر دیا ہے اور اپنے پیش آنے والے دن (موت اور حشر) کے لیے اپنی میزبانی کا سامان مہیّا کر دیا ہے۔

چراغِ ہدایت کے روشن ہونے سے مراد ان کے دل کو معارف الٰہیہ کے نور سے منور کرنا ہے جو کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ [۲] "اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے" کے مطابق ایسا میٹھا پھل ہے جسے اس درخت سے چُنتے ہیں۔

قِرٰی، سے مراد یہاں مہمان نوازی کی چیزیں ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موت اور حساب کا دن، جو کہ ہولناک ترین دن ہے، اُن کے لیے اس قدر پُرلطف دن ہوتا ہے، جیسے ایک معزّز مہمان کسی سخی میزبان کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ گویا ان کا مقام شہداء کے مقام کی طرح ہے، وہ خدا کے مہمان ہیں اور اُس کے ہاں سے رزق کھاتے ہیں۔

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ [۳]

پھر آپؑ نے اللہ کے اس محبوب بندے کی دوسری صفات کی طرف اشارہ فرمایا:

"فَقَرَّبَ عَلٰى نَفْسِهِ الْبَعِيْدَ، وَهَوَّنَ الشَّدِيْدَ"

"اُس نے دور کو اپنے لیے نزدیک اور کٹھنائی کو آسان کر دیا ہے۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمر کے آخری حصے میں یہ لوگ قیامت کے دن کو نزدیک سے دیکھتے ہیں؛ یہی وجہ

---

[۱] قِرٰی، مصدر و اسم مصدر ہے جو ایسی چیز کے معنیٰ میں ہے جو کسی مہمان کی خاطر مدارات کے لیے تیار کرتے ہیں، اس لیے مقراۃ اس بڑے برتن کو کہتے ہیں، جس میں مہمان کے طعام کو رکھا جاتا ہے۔

[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲

[۳] سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۹

https://downloadshiabooks.com/

ہے کہ اطاعت اور ترکِ گناہ کی سختیوں کو برداشت کرنا اُن کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے امام عالی مقامؑ نے مزید پانچ نکات کی طرف اشارہ فرمایا، جن میں سے ہر ایک نکتہ ان مخلص اور عارف بندگان خدا کے اوصاف پر مشتمل ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"نَظَرَ فَأَبْصَرَ، وَ ذَكَرَ فَاسْتَكْثَرَ، وَارْتَوٰى (۱) مِنْ عَذْبٍ فُرَاتٍ (۲) سُهِّلَتْ لَهُ مَوَارِدُهُ، فَشَرِبَ نَهَلًا (۳) وَ سَلَكَ سَبِيلًا جَدَدًا" (۴)

اُس نے (حق بین آنکھوں سے) دیکھا تو بصیرت حاصل کر لی (کائنات کی حقیقت اور اللہ کی عظمت کو ہر جگہ دیکھا)؛ ہمیشہ اللہ کی یاد میں رہا اس لیے تو عمل کرنے پر کمر باندھ لی؛ وہ سرچشمۂ ہدایت کا شیریں اور خوشگوار پانی پی کر سیراب ہو گیا، جس کے گھاٹ تک وہ (اللہ کی رہنمائی سے) باآسانی پہنچ گیا؛ پھر اُس نے غٹاغٹ پی لیا اور ہموار اور سیدھے راستے پر گامزن ہوا۔

اِن مختصر اور جامع جملوں میں اس کائنات اور اس میں زندگی کے مسائل کے بارے میں غور و فکر کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے، جو اللہ کی معرفت اور مکمل بصیرت کا سبب ہے اور دوسری طرف سے اشارہ ہے مسلسل یادِ خدا میں رہنے کی طرف اشارہ ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۵)

"یاد رکھو ذکرِ الٰہی سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔"

اس کے بعد امامؑ وحی اور معصومینؑ کے بابرکت کلمات کے سرچشمے سے سیراب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو کہ لطف خداوندی سے بندوں کے اختیار میں دیا گیا ہے اور اولیاء اللہ بلا خوف و تردید اس شرابِ طہور سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور اس پانی (شراب طہور) سے آخر کار سیدھے راستے پر گامزن ہوتے ہیں اور قرب الٰہی اور اپنے محبوب کی معرفت کی سمت آگے بڑھتے ہیں۔ حقائق کے مکتب میں عشق کے ادیب کے سامنے زانوے تلمّذ تہہ کر کے درس حاصل کر لیتے ہیں تاکہ

---

(۱) اِرتَوٰی، رَیّ کے مادّے سے ہے، جو کہ طیّ، کے وزن پر ہے جس کے معنی سیراب ہونے کے ہیں۔

(۲) فرات، خوشگوار یعنی میٹھا پانی کے معنی میں ہے۔

(۳) نَہَل، پہلی مرتبہ پینے کو کہتے ہیں کیونکہ عرب معمولاً اپنے اونٹوں کو پانی پلاتے اور جب سیر ہو جاتے تو اپنے مقام پر واپس لے جاتے تھے۔ دوسری بار جب لے آتے ہیں تو اسے عَلَل کہتے ہیں، پھر اونٹ کو واپس لے جاتے ہیں۔ لفظ نَہل غٹاغٹ پینے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے، جو کہ پہلی بار پینا ہے۔

(۴) جدد، جدّ کے مادّے سے ہے، جو کہ ہموار اور محکم زمین پر چلنے کے معنیٰ میں ہے۔ جَدَد اور جادّۃ اُس ہموار اور مظبوط راستے کو کہتے ہیں جس پر چلتے وقت قدم نہیں دھنستے۔ جدید لباس اُس نئے لباس کو کہتے ہیں جسے ابھی کاٹ تراش کر تیّار کیا گیا ہو۔ اور چوں کہ عظیم موجودات دوسرے موجودات سے الگ اور ممتاز ہیں اس لیے یہ لفظ عظمت کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ دادا اور نانا کو اسی وجہ سے جدّ کہا جاتا ہے۔

(۵) سورۂ رعد، آیت ۲۸

https://downloadshiabooks.com/

کیمیائے سعادت کو پالیں اور سونا بن جائیں۔

بقول شاعر:

وجہ خدا اگر شودت منظر نظر زین پس شکی نماندکہ صاحب نظر شوی!
گر نور عشق حق بہ دل و جانت اوفتد باللہ کز آفتاب فلک خوبتر شوی!

"اگر نورِ خدا نظر کے سامنے ہو تو پھر کوئی شک باقی نہیں رہ سکتا، کیونکہ انسان صاحبِ نظر ہو جاتا ہے، اگر حق کا نورِ عشق رگِ جاں میں پیوست ہو جائے تو خدا کی قسم آفتاب کے نور سے زیادہ روشن ہو گا۔"

پھر امیر المومنینؑ نے دوسرے چھے اوصاف میں بندگانِ مخلص کی خودسازی سے متعلق لائحۂ عمل اور اس کے درخشاں نتائج کو مشروحاً بیان فرماتے ہیں:

"قَدْ خَلَعَ سَرَابِيلَ الشَّهَوَاتِ، وَ تَخَلّٰى مِنَ الْهُمُوْمِ اِلَّا هَمًّا وَاحِدًا انْفَرَدَ بِهٖ، فَخَرَجَ مِنْ صِفَةِ الْعَمٰى، وَ مُشَارَكَةِ أَهْلِ الْهَوٰى، وَ صَارَ مِنْ مَفَاتِيْحِ اَبْوَابِ الْهُدٰى، وَ مَغَالِيْقِ اَبْوَابِ الرَّدٰى"

"اِس مخلص بندے نے شہوتوں کا لباس اپنے تن سے اُتار پھینکا ہے اور دنیا کے سارے اندیشوں (سوائے ایک اندوہ کے) سے بے فکر ہو کر صرف ایک ہی دھن میں مصروف ہے (اُس کا سارا ہم و غم صرف محبوب کا وصال اور قربِ پروردگار ہے) اِس زہد و اخلاص نے اُسے نابینائی سے نجات بخشی ہے اور ہوا پرستوں کے زمرے سے خارج کر دیا ہے۔ اس بنا پر یہ زھد و اخلاص، ہدایت کے دروازے کھولنے اور ضلالت کے تالے توڑنے کا باعث بن گیا"

جی ہاں! شہوات، لہو و لعب سے نجات اور اُس واحد نقطے کی طرف توجّہ کرنا، جو اس کائنات کا مبدا اور آغاز ہے، انسان کو بابصیرت بنانے کا سبب ہے۔ پھر انسان نہ صرف حق کے راستے پر چلنے والا ہو جاتا ہے، بلکہ دوسرے افراد کا راہنما بن جاتا ہے۔ اللہ کا لطف ہدایت کے دروازے کی کنجی اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے اور جہنم کے دروازوں کے تالے اُس کے سپرد کر دیتا ہے؛ ان میں سے پہلے والے کو کھول دیتا ہے اور دوسروے کو بند کر دیتا ہے۔

آپؑ سلسلۂ سخن کو جاری رکھتے ہوئے مزید چھے اوصاف (جو گزشتہ اوصاف کی تکمیل کرتے ہیں) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قَدْ أَبْصَرَ طَرِيْقَهٗ، وَ سَلَكَ سَبِيْلَهٗ، وَ عَرَفَ مَنَارَهٗ، وَ قَطَعَ غِمَارَهٗ، [1] وَ اسْتَمْسَكَ مِنَ الْعُرٰى

[1] غمار، غَمْر کے مادّے سے ہے، جو کہ امر کے وزن پر ہے اور چھپانے کے معنی میں ہے۔ اور چوں کہ بہت سارا پانی بہت سی زمینوں کو چُھپا دیتا ہے اس لیے اس کو غمر کہتے ہیں جس کی جمع غمار ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

بِأَوْثَقِهَا، وَمِنَ الْحِبَالِ بِأَمْتَنِهَا، فَهُوَ مِنَ الْيَقِينِ عَلَى مِثْلِ ضَوْءِ الشَّمْسِ[1]

"اس بندۂ خالص نے ہدایت کے راستے کو دیکھ لیا اور اس پر گامزن ہے اور اس راستے کی نشانیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ شہوات کی تلاطم خیز موجوں سے گزر گیا ہے۔ مضبوط وسیلوں اور محکم سہاروں کو تھام لیا ہے اور یقین کی وجہ سے ایسے اجالوں میں ہے کہ جو سورج کی چمک دمک کی مانند ہیں۔"

درحقیقت گزشتہ صفات میں عملی پہلوؤں کو مدِّ نظر رکھا گیا تھا اور اِس مقام پر علمی وعقیدتی پہلو مدِّ نظر ہے۔ نابینائی کی صفت سے خارج ہونا، ہوا پرستی کے پردوں کو ہٹانا، علامتوں اور نشانیوں کو پہچان کر شہوات کے متلاطم سمندر کو عبور کرنا اور ہدایت کے مضبوط ترین منبع، قرآن مجید اور معصومینؑ کے کلمات سے تمسک کرنا، باعث بنتا ہے کہ یہ بندۂ خالص حق الیقین کے مقام پر فائز ہو جائے؛ اُس کی چشمِ حقیقت کھل جائے، اور اپنے دل کی آنکھ سے عالمِ غیب کو اس طرح دیکھے جس طرح سورج کو دیکھتا ہے۔ یہ ایک بالاترین افتخار اور عطا ہے کہ جو کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے اور ایک ایسی بہترین جزا ہے جو حق کے راستے کے سالکوں کو دی جاتی ہے۔

گزشتہ حصے میں ہموار اور محکم راستوں پر گامزن ہونے "سَلَكَ سَبِيلًا جَدَدًا" اور حقائق کا مشاہدہ کرنے "نَظَرَ فَأَبْصَرَ" سے متعلق بیان ذکر ہوا۔ اس حصے میں ایک دوسری تعبیر کے ساتھ ان دونوں کو تکرار کیا گیا ہے اور امامؑ نے فرمایا، "قَدْ أَبْصَرَ طَرِيقَهُ وَ سَلَكَ سَبِيلَهُ" لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، سابقہ حصے میں عملی پہلو سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں پر روشنی ڈالتا ہے اور اس حصے میں علمی پہلوؤں یعنی راستے کی پہچان اور روشن اور مطمئن راستے پر قدم بڑھانا دونوں حصّوں میں لازمی ہے۔

نکتہ

بہترین الٰہی بخشش

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے اس حصے میں ایسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا، جو تمام خوش بختیوں کی اصل ہے اور انسان کو تمام خوبیوں کی طرف متحرک کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسان کے لیے شدید مشکلات کو برداشت کرنا آسان

---

[1] عُریٰ، عروۃ کی جمع ہے جس کے معنی تھام لینا ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

کرتا ہے اور اُسے نا قابلِ شکست وجود میں تبدیل کر دیتا ہے۔ایک جگہ "فَظَهَرَ مِصْبَاحُ الْهُدٰى فِيْ قَلْبِهٖ"، "ہدایت کا چراغ اُس کے قلب میں روشن ہو گیا" کی تعبیر کے ساتھ اور دوسری جگہ "فَهُوَ مِنَ الْيَقِيْنِ عَلٰى مِثْلِ ضَوْءِ الشَّمْسِ"، "اس کا ایمان آفتاب کے نور کی مانند ہے۔" کی تعبیر کے ساتھ اُس چیز کی جانب اشارہ فرمایا اور وہ یقین کے مقام پر پہنچنا ہے، جس کے مراتب ہیں، جن کی جانب قرآنِ مجید میں "علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین" کے عنوانات کے تحت اشارہ کیا گیا ہے۔آخری مرحلہ، حق الیقین شھودِ کامل کا مرحلہ ہے کہ جس میں انسان عالمِ غیب کا، آفتاب کی مانند، مشاہدہ کر سکتا ہے اور "لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا" "اگر پردوں کو ہٹا بھی دیا جائے تو میرے یقین میں ذرّہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا"، کے مرحلے تک پہنچ جائے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔

أَلَا إِنَّ النَّاسَ لَمْ يُعْطَوْا فِي الدُّنْيَا شَيْئًا خَيْرًا مِنَ الْيَقِيْنِ وَالْعَافِيَةِ، فَاسْئَلُوْهُمَا اللّٰهَ

"آگاہ رہو! انسان کو یقین و سلامتی سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی ہے، پس تم لوگ ان دونوں کو اللہ سے طلب کرو (تمام سعادتیں انہی میں پوشیدہ ہیں)"[۱]

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

مَا أَعْظَمَ سَعَادَةَ مَنْ بُوْشِرَ قَلْبُهٗ بِبَرْدِ الْيَقِيْنِ

"کتنی عظیم ہے اُس شخص کی سعادت، جس کے دل میں یقین کی ٹھنڈک ہو۔"[۲]

ظاہر ہے کہ اِن ارفع و اعلیٰ مقامات کو حاصل کرنے کے لیے انسان نشیب و فراز سے بھرے ہوئے لمبے راستے کو طے کرنا چاہیے اور اس کے لیے لازم ہے کہ تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو اور خود سازی میں مشغول رہے؛ اولیاء اللہ کا دامن تھامے رہے اور اللہ کے روبرو ان سے شفاعت کا طلب گار رہو اور زبانِ حال یا زبانِ قال سے دُعائے شعبانیہ کے ان جملوں کو دہرائے:

"اِلٰهِيْ هَبْ لِيْ كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ إِلَيْكَ، وَ اَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ، حَتّٰى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ، فَتَصِلَ إِلٰى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ، وَ تَصِيْرَ أَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ"

"خداوندا! مجھے اپنی بارگاہ سے کمال انقطاع کو بخش دے اور ہماری بصیرت کو تو اپنے دیدار کی خاطر روشن کر، تا کہ

---

[۱] کنز العمال، ج ۳ ص ۸ ۴۳ حدیث ۷ ۴۳۳

[۲] بحار الانوار، ج ۴۰ ص ۱۵۳

https://downloadshiabooks.com/

ہمارے دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کردیں اور تیری پاک عظمت تک پہنچ سکیں اور ہماری روحیں عزّت اور قدسیت کے مقام سے وابستہ ہوجائے۔"

یقین سے متعلق بہت ساری باتیں ہیں۔اس بحث کو امیر المومنینؑ کی ایک دوسری حدیث (جو یقین حاصل کرنے کے راستے بتاتی ہے) سے اختتام پزیر کرتے ہیں:

"أَيْنَ الْمُوقِنُونَ؟ اَلَّذِينَ خَلَعُوا سَرَابِيلَ الْهَوٰى، وَ قَطَعُوا عَنْهُمْ عَلَائِقَ الدُّنْيَا"

"کہاں ہیں اربابِ یقین؟ جنہوں نے ہوا پرستی کے لباس کو اُتارا اور دنیا پرستی کے تعلقات کو توڑا ہے۔"[۱]

دوسرا حصّہ

قَدْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلّٰهِ- سُبْحَانَهُ- فِي أَرْفَعِ الْأُمُورِ، مِنْ إِصْدَارِ كُلِّ وَارِدٍ عَلَيْهِ، وَ تَصْيِيرِ كُلِّ فَرْعٍ إِلَى أَصْلِهِ، مِصْبَاحُ ظُلُمَاتٍ، كَشَّافُ عَشَوَاتٍ، مِفْتَاحُ مُبْهَمَاتٍ، دَفَّاعُ مُعْضِلَاتٍ، دَلِيلُ فَلَوَاتٍ، يَقُولُ فَيُفْهِمُ، وَ يَسْكُتُ فَيَسْلَمُ، قَدْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ فَاسْتَخْلَصَهُ، فَهُوَ مِنْ مَعَادِنِ دِينِهِ، وَ أَوْتَادِ أَرْضِهِ. قَدْ أَلْزَمَ نَفْسَهُ الْعَدْلَ، فَكَانَ أَوَّلَ عَدْلِهِ نَفْيُ الْهَوٰى عَنْ نَفْسِهِ، يَصِفُ الْحَقَّ وَ يَعْمَلُ بِهِ، لَا يَدَعُ لِلْخَيْرِ غَايَةً إِلَّا أَمَّهَا، وَ لَا مَظِنَّةً إِلَّا قَصَدَهَا، قَدْ أَمْكَنَ الْكِتَابَ مِنْ زِمَامِهِ، فَهُوَ قَائِدُهُ وَ إِمَامُهُ، يَحُلُّ حَيْثُ حَلَّ ثَقَلُهُ، وَ يَنْزِلُ حَيْثُ كَانَ مَنْزِلُهُ.

"اپنے نفس کو بلند ترین امور کی خاطر راہِ خدا میں آمادہ کرلیا ہے کہ ہر آنے والے مسئلے کو حل کردے گا اور فرع کو ان کی اصل کی طرف پلٹا دے گا۔وہ تاریکیوں کا چراغ ہے اور اندھیروں کا روشن کرنے والا۔مبہمات کی کلید ہے تو مشکلات کا دفع کرنے والا اور پھر صحراؤں میں رہنمائی کرنے والا۔وہ بولتا ہے تو بات کو سمجھا لیتا ہے اور چپ رہتا ہے تو سلامتی کا بندوبست کرلیتا ہے۔اس نے اللہ سے اخلاص برتا ہے تو اللہ نے اسے اپنا بندۂ مخلص بنالیا ہے۔اب وہ دین خدا کا معدن ہے اور اس کی زمین کے ارکان میں سے ہے۔اس نے اپنے نفس کے لیے عدل کو لازم قرار دے لیا ہے اور اس کے عدل کی پہلی منزل یہ ہے کہ خواہشات کو اپنے نفس سے دور کردیا ہے اور اب حق ہی کو بیان کرتا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہے۔نیکی کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے جس کا قصد نہ کرتا ہو اور کوئی ایسا احتمال نہیں ہے جس کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔اپنے امور کی زمام کتاب خدا کے حوالے کردی ہے اور وہی اس کی قائد اور پیشوا ہے، جہاں اس کا سامان اترتا ہے وہیں وارد ہوجاتا ہے اور جہاں اس کی منزل ہوتی ہے وہیں

---

[۱] غرر الحکم، حدیث ۳۹۱

https://downloadshiabooks.com/

پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔

شرح وتفسیر

خدا کے مخلص بندوں کی خصوصیات

حضرت امیرالمومنینؑ خطبے کے اس حصے میں ایک اہم نکتہ کو بیان فرماتے ہیں جو گزشتہ حصے کی تکمیل کرتا ہے۔اور وہ یہ کہ خداوند تعالیٰ کے مخلص بندے (جو سابق بحث کا موضوع تھا) آگاہی، خودسازی، تہذیبِ نفس، علم وعمل وتقویٰ کے اونچے مقامات پر فائز ہونے کے بعد خدا کی مخلوق کی ہدایت کے لیے کمر ہمت باندھ لیتے ہیں۔اس طرح وہ لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بنتے ہیں اور انہیں ظلمت وگمراہی، جہل اور وہم سے نجات دلاتے ہیں۔درحقیقت ایسا انسان "سیرإلی الحقّ" و "في الحقّ" کے مرحلے کو مکمل کرنے کے بعد "سیر الی الخلق" کے مرحلے میں وارد ہوتا ہے اور اس طرح وہ انبیاءعلیہم السلام کی طرح لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔آپؑ فرماتے ہیں:

"قَدْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلّٰهِ-سُبْحَانَهُ-فِي أَرْفَعِ الْأُمُوْرِ"

"اس نے اپنے آپ کو اللہ کے احکام کی بجاآوری کے لیے (پیغام وذمّے داریوں کو ادا کرنے کے لیے) وقف کر دیا ہے" (درحقیقت وظیفۂ الٰہی کی انجام دہی کا عزم کرلیا ہے)۔

پھر امام عالی مقامؑ نے مختصر اور جامع جملوں میں ان ذمّے داریوں کے حسّاس نکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی:

"مِنْ إِصْدَارِ كُلِّ وَارِدٍ عَلَيْهِ.وَتَصْيِيْرِ كُلِّ فَرْعٍ إِلٰى أَصْلِهِ"

"ہر مشکل کو جو اس کے سامنے آئے مناسب طور پر حل کرتا ہے اور ہر فرع کے متعلق اس کے اصل وماخذ کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

اس بات سے اس نکتے کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ دین اور اس کے احکام کے معانی اور معارف رکھنے کے حوالے سے یہ بندہ اس قدر مضبوط ہے کہ ہر سوال کا جواب دینے اور ہر مشکل کے حل کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے۔

اس ضمن میں اس نکتے کی جانب بھی توجّہ دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں کوئی بھی سوال بغیر جواب کے نہیں ہوتا اور معارفِ الٰہیہ اور فروعی احکام کی ہر مشکل کا حل موجود ہے۔یہ وہی چیز ہے جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے

https://downloadshiabooks.com/

تاریخی خطبے میں ارشاد فرمایا ہے:

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ! وَ اللهِ مَا مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ، وَ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ، إِلَّا وَ قَدْ أَمَرْتُکُمْ بِهِ، وَ مَا مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ، وَ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ، إِلَّا وَ قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ"

"اے لوگو! خدا کی قسم! ہر وہ چیز جو تمہیں بہشت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے، میں نے اس کا حکم دیا اور ہر وہ چیز جو تمہیں دوزخ سے نزدیک اور بہشت سے دور کردے تمہیں اس سے منع کیا۔"[1] یہ وہی چیز ہے جسے فقہِ اہلِ بیتؑ میں "کوئی مسئلہ حکم سے خالی نہیں ہے" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

"تَصْیِیرِ کُلِّ فَرْعٍ إِلَی أَصْلِهِ" کے جملے سے اسی تعریف کی طرف اشارہ ہے جو بزرگان دین نے اجتہاد و استنباط کے لیے ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اجتہاد کی حقیقت "رَدُّ الْفُرُوعِ إِلَی الْأُصُولِ" ہے، یعنی کتاب، سنّت اور عقل سے حاصل کیے گئے قواعد وکُلّی اُصولوں کے ذریعے ہر فرع کا جواب دیا جائے۔ مجتہد وہ ہے جو اس بات کو اچھی طرح جانتا ہو کہ ہر فرع کی اصل کیا ہے اور وہ کس کی طرف لوٹتی ہے۔ اس جملے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجتہاد کا باب ہر زمانے میں کھلا ہے۔ جبکہ علم وعمل کے لحاظ سے مجتہد کی شرائط گزشتہ بحث میں آپؑ نے بیان فرمائی ہیں۔ آپؑ مزید فرماتے ہیں:

مِصْبَاحُ ظُلُمَاتٍ، کَشَّافُ عَشَوَاتٍ[2] مِفْتَاحُ مُبْهَمَاتٍ، دَفَّاعُ مُعْضِلَاتٍ، دَلِیلُ فَلَوَاتٍ[3]

"وہ تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والا، نابینائی کو ختم کرنے والا، مشتبہ باتوں کو حل کرنے والا، اُلجھے ہوئے مسئلوں کو حل کرنے والا، مشکلات کو دور کرنے والا اور زندگی کے صحرا میں بھٹک جانے والوں کو راہ دکھانے والا ہے۔"

حضرت امیر المومنینؑ مذکورہ پانچ اوصاف کے ذریعے بتلاتے ہیں کہ آگاہ و باتقویٰ شخص کس طرح جہالت کی تاریکی کے پردوں کو چیرتا ہے اور کس طرح سے معرفت کے اندھوں کی آنکھوں کو کھولتا ہے؛ گتھیوں کو سلجھاتا ہے اور لوگوں کی مشکلات کو حل کرتا ہے اور زندگی کے صحرا میں لوگوں کو حیرت، گمراہی، لٹیروں اور درندوں سے بچا کر راہِ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس عالم ربّانی کی دوسری پانچ خصوصیات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

---

[1] اصول کافی، ج ۲ ص ۷۴ حدیث ۲۔

[2] عشوات، عشوة کی جمع ہے۔ ایسا کام جسے انسان نادانی کی وجہ سے انجام دے۔ ایسے کام کا نتیجہ پشیمانی ہے۔ کشّاف عشوات یعنی جہالت کے پردوں کو ہٹانا اور گمراہوں کو نجات دلانا۔

[3] فلوات۔ فلات کی جمع ہے ایسا وسیع اور پھیلا ہوا صحرا جہاں جانے والا اپنا راستہ بھول جاتا ہے یا بھوک اور پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ دلیل فلوات یعنی وہ فرد جو ایسے بیابانوں سے واقف ہو اور بھٹکے ہوؤں کی نجات کا سبب بنے۔

https://downloadshiabooks.com/

"یَقُولُ فَیُفْهِمُ، وَیَسْکُتُ فَیَسْلَمُ"

وہ بولتا ہے تو حق کو اپنے مخاطبین پر پوری طرح واضح کر دیتا ہے اور کبھی چپ ہو جاتا ہے۔ اس وقت چپ رہنا ہی سلامتی کا ذریعہ ہے۔

جی ہاں! اس کی گفتگو ایک اہم ہدف کی خاطر ہوتی ہے اور اس کی خاموشی بھی ایک ہدف کی خاطر ہوتی ہے؛ جہاں ضروری ہوتا ہے وہاں بولتا ہے اور اہم مطالب کو سمجھاتا ہے اور جہاں گفتگو سے گناہ و معصیت میں آلودہ ہونے کا خطرہ ہو وہاں سکوت کو ترجیح دیتا ہے۔ دونوں خدا کے لیے اور دونوں طریقے رضائے الٰہی کے لیے ہیں۔

کچھ افراد سے ہم واقف ہیں کہ وہ اپنی گفتگو اور تحریروں کو پیچیدہ اور مغلق پیرائے میں پیش کرتے ہیں، شاید ان کا مقصد اپنے علمی مقام کو ظاہر کرنا ہوتا ہو۔ جب کہ قاری یا سامع کو مبہم مفاہیم کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، لیکن امامؑ کے فرمان کے مطابق، مخلص علماء ان خیالات و ریا کاریوں کا شکار نہیں ہوتے ہیں؛ وہ اپنی گفتگو کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب آسانی سے سمجھ سکتا ہے؛ ان کی خاموشی بھی ذمّے داری سے گلوخلاصی و عافیت طلبی کے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ بھی معصیت و ہوا پرستی کے چنگل سے رہائی اور خدا کی نافرمانی سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔

پھر اس عارفِ الٰہی کے مقامِ اخلاص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ فَاسْتَخْلَصَهُ

"اُس نے خود کو اللہ کے لیے خالص کر لیا تو اللہ نے اُس کے خلوص کو قبول کیا۔" (اور اُسے خالص تر بنا دیا)

یہ تعبیر ممکن ہے ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہو اور وہ یہ کہ انسان کی روحی اور اخلاقی کھوٹ دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک قسم تو قابلِ مشاہدہ ہوتا ہے، جسے خودسازی اور جہادِ اکبر کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے؛ لیکن دوسری قسم با آسانی دکھائی نہیں دیتی۔ جو لوگ پہلے مرحلے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، اللہ اُن کی مدد کرتا ہے اور اُن کے وجود کی اِس دوسری قسم والی کھوٹ کو ختم کر دیتا ہے۔

اسلامی روایات میں آیا ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ أَخْفٰى مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ، عَلٰى صَفَاةٍ سَوْدَاءَ، فِیْ لَیْلَةٍ ظَلْمَاءَ

"شرک تاریک رات میں، پتھر پر چیونٹی کی آہٹ سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔"[۱]

واضح ہے کہ دل کی گہرائیوں کا اس قسم کے شرک سے پاک ہونا سوائے امدادِ الٰہی کے ممکن نہیں ہے۔

پھر آپؑ ان تین اوصاف کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے مزید دو اوصاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

[۱] بحار الانوار، ج ۶۹ ص ۹۳

https://downloadshiabooks.com/

"فَهُوَ مِنْ مَعَادِنِ دِيْنِهٖ، وَ اَوْتَادِ اَرْضِهٖ"

"وہ دینِ خدا کا معدن اور اُس کی زمین میں گڑی ہوئی میخوں میں سے ہے۔"

جی ہاں! جس کسی کا وجود ہر لحاظ سے خالص ہو اور تعلیم و تربیت سے سروکار رکھتا ہو، وہ ختم نہ ہونے والی کان کی مانند ہے، جس سے ہمیشہ جواہرات اور قیمتی دھات نکالے جاتے ہیں اور شرک و گناہ اور شیاطین کے وسوسوں کے بالمقابل پہاڑ کی مانند ڈٹ جاتا ہے؛ وہ پہاڑ کہ جسے قرآن مجید نے "زمین کی میخ" گردانا ہے؛ کیونکہ پہاڑ ایک طرف طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور جو لوگ ان کی پناہ میں ہوتے ہیں، انہیں امان دیتے ہیں اور دوسری طرف زمین سے اُٹھنے والے زلزلے کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔ اور سطح زمین کو (سوائے چند موارد کے) دائمی لرزش سے محفوظ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید خداوند تعالیٰ کی جہانِ خلقت میں موجود توحیدی نکات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾

"کیا ہم نے زمین کو آرام گاہ اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں قرار نہیں دیا۔"[1]

یقیناً اگر پہاڑ نہ ہوتے اور اس کی جڑوں نے زمین کے اطراف کو زرہ کے باہم جڑے ہوئے حلقوں کی طرح باہم گھیرا نہ ہوتا، تو زمین اِنسانوں کے لیے گہوارہ اور آرام گاہ نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ ریت کا طوفان انسانی زیست کے ماحول کو متاثر کر دیتا اور مزید یہ کہ پہاڑوں پر موجود برف اور اس کے اندرونی چشموں کے ذریعے خشک زمینوں کی آبیاری کا جو سلسلہ ہے، وہ ختم ہو جاتا۔ اس عالمِ ربّانی اور مخلص بندے کو زمین کی میخوں سے تشبیہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وجود کی برکات اسلامی معاشرے میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اسلامی معاشرے کو دباؤ، بھونچال اور طوفانوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

پھر امام عالی مقامؑ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے، اس عالمِ ربّانی کی مزید چار نمایاں اوصاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"قَدْ اَلْزَمَ نَفْسَهُ الْعَدْلَ، فَكَانَ اَوَّلَ عَدْلِهٖ نَفْيُ الْهَوٰى عَنْ نَفْسِهٖ"

"اُس نے عدل کو اپنے لیے لازم کیا ہے؛ اس کے عدل کا پہلا قدم نفسانی خواہشوں کو خود دور کرنا ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ عدالت اخلاقی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے تمام اوصاف اعتدال کی حد میں ہوں۔ منجملہ حدّ سے بڑھے ہوئے تعلقات، جو اُسے ہوا پرستی کی طرف لے جاتے ہیں؛ اسی طرح گوشہ نشینی اور سُستی، جو اُسے دنیا سے بے گانہ

---

[1] سورۂ نباء، آیات ۶، ۷

https://downloadshiabooks.com/

کر دیتے ہیں، اُس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ حلال کو پسند کرتا ہو، حرام کی نفی کرتا ہو اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہے۔

أَوَّلَ عَدْلِهِ کی تعبیر سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ عدالت کو اپنی ذات سے شروع کرتا ہے۔ (جسمانی روحانی اور تمام زاویوں سے) اگر ایسا نہ کرے تو دوسروں کو عدل کے راستے پر لانے کے سلسلے میں اس کی گفتگو مؤثر نہیں ہوگی۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے امام عالی مقامؑ فرماتے ہیں:

"يَصِفُ الْحَقَّ وَيَعْمَلُ بِهِ"

"وہ ایسا ہے کہ حق بولتا ہے اور حق پر عمل کرتا ہے۔"

اگر حق کا طرف دار ہے تو وہ صرف زبان و بیان کی حدّ تک نہیں بلکہ رفتار و عمل میں بھی حق کا طرف دار ہے، کیونکہ اعتقاد کے ساتھ نکلنے والی بات کا پرتو انسان کے رفتار و کردار میں دکھائی دیتا ہے۔ اگر دکھائی نہ دے یہ بات کرنے والے کی ایمان کی کمزوری کی علامت ہوگی۔

تیسرا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَا يَدَعُ لِلْخَيْرِ غَايَةً إِلَّا أَمَّهَا، وَلَا مَظِنَّةً إِلَّا قَصَدَهَا"

کوئی نیکی کی حد ایسی نہیں جس کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں نیکی کا امکان ہو اور اس نے قصد نہ کیا ہو (جب تک مقصد تک نہ پہنچے اس کی تلاش جاری رکھتا ہے)

وہ ہر خیر و نیکی کا طلب گار ہوتا ہے۔ یہاں تک کسی جگہ نیکی گمان ہو تو اُس کے حصول کے لیے نکل پڑتا ہے۔ وہ نیکیوں کا دلدادہ عاشق ہے۔ قیمتی کھو دینے والے شخص کی مانند ہر جگہ (نیکیوں) کی تلاش میں رہتا ہے۔ ہر ایک سے اس کا پتا پوچھتا ہے اور ہر محفل میں اس کی جستجو میں رہتا ہے۔

چوتھی صفت میں فرماتے ہیں:

"قَدْ أَمْكَنَ الْكِتَابَ مِنْ زِمَامِهِ، فَهُوَ قَائِدُهُ وَإِمَامُهُ، يَحُلُّ حَيْثُ حَلَّ ثَقَلُهُ [1] وَيَنْزِلُ حَيْثُ كَانَ مَنْزِلُهُ"

[1] ثَقَل، اَجَل کے وزن پر، مختلف معانی کا حامل ہے؛ کبھی مسافر کے سامان کے معنیٰ میں آیا ہے اور کبھی قیمتی چیز کے معنیٰ میں آیا ہے۔ حلّ پڑاؤ ڈالنے اور سامان اتارنے کے معنیٰ میں ہے۔ جملۂ بالا کنایہ ہے کہ مومن و مخلص قرآن کے سایے میں زندگی بسر کرتا ہے، جس طرح کوئی شخص سفر کے دوران اپنے قافلہ سالار کے پیچھے چلتا ہے؛ سالار جہاں سامان اُتارے یا پڑاؤ ڈالے وہ بھی ویسا ہی کرتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"اس نے اپنی باگ ڈور قرآن کے ہاتھ میں دے دی ہے وہی اس کا رہبر اور وہی اس کا پیشوا ہے۔ جہاں اس کا بارِگراں اُترتا ہے وہیں اس کا سامان اُترتا ہے اور جہاں اس کی منزل ہوتی ہے وہیں یہ اپنا پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔"

یہ مخلص اور آگاہ بندہ کہ جو اس خطبے کی مذکورہ گفتگو کے مطابق، زندگی کے بیاباں میں بھٹکے ہوؤں کی ہدایت کا خود کو ذمّے دار سمجھتا ہے، اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کرتا ہے، ہوا پرستی کی جڑوں کو اپنے اندر سے اکھاڑ پھینکتا ہے، ہمیشہ حق بات کہتا ہے اور حق پر عمل کرتا ہے، ہمیشہ نیکیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ جہاں نیکی تک اُس کی دسترسی ہوا سے لے لیتا ہے اور اپنی آغوش میں دبوچ لیتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر چیز میں قرآن اُس کا رہنما و پیشوا ہے؛ اُس نے اپنی باگ ڈور قرآن کے ہاتھ میں دے دی اور اُس کی حرکات وسکنات کو قرآن کے ہم آہنگ ہیں۔

نکات

۱۔ اِجتہاد کے دروازے کا کھلا رہنا

مکتب اہل بیتؑ کے پیروکار معتقد ہیں کہ اجتہاد اور قرآن، سنّت، اجماع اور عقلی دلائل سے احکامِ الٰہی کے استنباط کے دروازے اُمت کے دانشمندوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں اور یہ چیز اسلامی فقہ میں وسعت اور جدّت کا سبب ہے۔ جب کہ ملّت اسلامیہ کے ایک گروہ نے اجتہاد کے دروازے کو خود پر بند کر دیا اور اسے اپنے فقہی اِماموں (چار ائمہ) میں منحصر کر دیا، جبکہ امت اسلامی میں ان سے زیادہ باصلاحیت اور زیادہ روشن فکر افراد تعداد میں نہ کم تھے اور نہ ہیں۔ درحقیقت اجتہاد کو ان چار افراد میں منحصر کرنے پر اِن کے پاس کوئی قانع کنندہ دلیل نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مذکورہ خطبے میں مسلمانوں کے لیے نمونہ کے طور پر ایک آگاہ اور مخلص کا تعارف پیش کیا اور اس کے اوصاف کو بیان فرمایا۔ امامؑ "دین میں اجتہاد" کو اُس کے نمایاں اوصاف میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ ہر سوال کا جواب دینے اور دین کے ہر فرع کو اس کے اصل اور قاعدے کی جانب لوٹانے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے۔ اس سبب کی بنا پر وہ تاریکی کا چراغ، جہالت کو دور کرنے والا، اُلجھنوں کو سُلجھانے والا ہو سکتا ہے۔ امامؑ نے اس خطبے میں جا بہ جا ایک آگاہ مجتہد اور باتقویٰ فقیہ کی صفات کو بیان کیا اور بتایا کہ جب تک فقیہ کا خدا کے ساتھ مخلصانہ رابطہ نہ ہو وہ اس مقصد کو حاصل نہیں کر پائے گا۔

https://downloadshiabooks.com/

اجتہاد کی اہمیت اور علماء کے لیے اس کے دروازوں کا کھلے رہنے، اور فقہائے اہلِ سنّت میں سے ایک گروہ کی جانب سے اجتہاد کے دروازوں کو بند کرنے کے سبب اُمّتِ اسلامیہ کو دامن گیر ہونے والے نقصانات سے متعلق پہلی جلد میں اٹھارویں خطبے کے ذیل میں تفصیلی بحث ہوئی ہے۔

۲۔ قرآن زندگی کا مکمل دستورالعمل

حضرت امام عالی مقامؑ نے نہج البلاغہ میں کئی بار قرآن کی اہمیت سے متعلق بہت سے مطالب بیان فرمائے اور ہر موقع پر اُن کی نظر کسی ایک پہلو پر ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ بالا خطبے کے اس حصے میں، جو مخلص انسان اور باتقویٰ پیشوا سے متعلق گفتگو فرمارہے ہیں، اُس کی ایک اور صفت کا ذکر کررہے ہیں کہ وہ اللہ کے کلام کے سامنے بلاقیدِ شرط اس طرح سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے کہ گویا قرآن کو اپنا رہبر و پیشوا قرار دیا ہے، اُس کے پیچھے چلتا ہے اور جس جگہ کو قرآن اپنی منزل قرار دے وہ بھی اُسے اپنی منزل گاہ بنالیتا ہے۔

دوسری عبارت میں فقیہہ کامل قرآن کو اپنی پوری زندگی کا دستورالعمل کی نظر سے دیکھتا ہے، نہ کہ اپنے عقائد و افکار کی توجیہ کے لیے وسیلہ ہونے کی نظر سے۔ جبکہ اس کے برعکس وہ لوگ جو قرآن کی پیروی کا بظاہر دم بھرتے ہیں، لیکن ہمیشہ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ ایسی آیات کو ڈھونڈ نکالیں جو اُن کے مفادات کے موافق ہو اور آیت، نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ [۱] کے مطابق جو (آیت) اُن کی خواہش کے مطابق نہ ہو اُسے بھلا دیتے ہیں اور اگر قرآن کا ظاہر اُن کی خواہش کے مطابق نہ ہو اُس کے باطن (اُن کی اپنی نظر میں) کی طرف رخ کرتے ہیں اگر قرآن کا باطن اُن کی خواہشات کے موافق نہ ہو تو اُس کے ظاہر کی طرف رخ کر لیتے ہیں؛ یہ گمراہ ہیں، یہ قرآن پر ہدایت، رہنما کی حیثیت سے ایمان نہیں لائے ہیں؛ یہ حقیقت میں خدا پر ایمان نہیں لائے ہیں، بلکہ یہ بت پرست ہیں یعنی اپنی ندسانی خواہشات اور غلط افکار کو پوجتے ہیں۔ تفسیر بالرّائے، جس سے اسلامی روایات میں شدّت کے ساتھ منع کیا گیا ہے، بھی بت پرستی اور شرکِ خفی (پوشیدہ شرک) ہے۔ یہ لوگ کہاں اور مخلص عالم کہاں؟ وہ عالم کہ جس نے خود کو قرآن کے سپرد کردیا ہے اور جو قرآن کا عاشق اور دلدادہ ہے۔

تیسرا حصّہ

"وَ آخَرُ قَدْ تَسَمّٰى عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهٖ، فَاقْتَبَسَ جَهَائِلَ مِنْ جُهَّالٍ، وَ أَضَالِيْلَ مِنْ ضُلَّالٍ، وَ

[۱] سورۂ نساء، آیت ۱۵۰

نَصَبَ لِلنَّاسِ أَشْرَاكًا مِنْ حَبَائِلِ غُرُورٍ، وَ قَوْلِ زُورٍ; قَدْ حَمَلَ الْكِتَابَ عَلَى آرَائِهِ; وَ عَطَفَ الْحَقَّ عَلَى أَهْوَائِهِ، يُؤْمِنُ النَّاسَ مِنَ الْعَظَائِمِ، وَ يُهَوِّنُ كَبِيرَ الْجَرَائِمِ، يَقُولُ: أَقِفُ عِنْدَ الشُّبُهَاتِ، وَ فِيهَا وَقَعَ; وَ يَقُولُ: أَعْتَزِلُ الْبِدَعَ، وَ بَيْنَهَا اضْطَجَعَ. فَالصُّورَةُ صُورَةُ إِنْسَانٍ، وَالْقَلْبُ قَلْبُ حَيَوَانٍ. لَا يَعْرِفُ بَابَ الْهُدَىٰ فَيَتَّبِعَهُ، وَلَا بَابَ الْعَمَىٰ فَيَصُدَّ عَنْهُ، وَ ذٰلِكَ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ!

"اس کے برخلاف ایک شخص وہ بھی ہے جس نے اپنا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ علم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جاہلوں سے جہالت کو حاصل کیا ہے اور گمراہوں سے گمراہی کو۔ لوگوں کے واسطے دھوکے کے پھندے اور مکروفریب کے جال بچھا دیے ہیں۔ کتاب کی تاویل اپنی رائے کے مطابق کی ہے اور حق کو اپنے خواہشات کی طرف موڑ دیا ہے۔ لوگوں کو بڑے بڑے جرائم کی طرف سے بے خوف بناتا ہے اور ان کے لیے گناہانِ کبیرہ کو بھی آسان بنا دیتا ہے۔ کہتا یہی ہے کہ میں شبہات کے مواقع پر توقف کرتا ہوں لیکن واقعاً انہیں میں گر پڑتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں بدعتوں سے الگ رہتا ہوں حالانکہ انہیں کے درمیان اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اس کی صورت انسانوں جیسی ہے لیکن دل جانوروں جیسا ہے۔ نہ ہدایت کے دروازوں کو پہچانتا ہے کہ ان کا اتباع کرے اور نہ گمراہی کے راستے کو جانتا ہے کہ اس سے الگ رہے۔ یہ درحقیقت ایک چلتی پھرتی میّت ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

شرح وتفسیر

مخلص علماء اور عالم نما

گزشتہ حصّوں میں مخلص علماء سے متعلق گفتگو تھی کہ جو دوسروں کے لیے ہدایت کا چراغ، گتھیوں کو سلجھانے والے اور معاشرے کے کمزور افراد کی پناہ گاہ ہیں۔ امام عالی مقامؑ نے اُن کی صفات کو بہترین انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس حصے میں عالم نما گمراہ افرد سے متعلق گفتگو کی ہے کہ انہوں نے خلقِ خدا کے راستے میں جال بچھائے ہیں، جھوٹی باتوں اور حیلے بہانوں کے ذریعے لوگوں کے معنوی احساسات سے اپنے فائدے کے حصول میں مشغول ہیں۔ امامؑ نے اس حصے میں ایسے لوگوں کی دس سے زیادہ صفات بیان کی ہیں اور ان کا قابلِ داد انداز میں ان کا تعارف کرایا ہے۔

پہلی صفت میں آپؑ فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

"وَآخَرُ قَدْ تَسَمّٰى عَالِمًا وَلَيْسَ بِهِ"

"دوسرا خود کو عالم کہتا ہے جب کہ وہ عالم نہیں ہے۔"

فعلِ معلوم کی صورت میں قَدْ تَسَمّٰى کی تعبیر یہ بتلاتی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ اُسے عالم نہیں سمجھتے ہیں اور خدا کے نزدیک بھی وہ عالم نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے وہم وگمان میں اپنے آپ کو عالم سمجھ بیٹھا ہے اور جھوٹے دعوؤں کے ذریعے جاہلوں کی ایک ٹولی کو اپنے ہمراہ لیے پھرتا ہے۔

دوسری صفت میں فرماتے ہیں:

"فَاقْتَبَسَ جَهَائِلَ مِنْ جُهَّالٍ، وَأَضَالِيلَ مِنْ ضُلَّالٍ"

"اُس نے جاہلوں اور نادانوں سے جہالت اور نادانی سیکھی ہے اور گمراہ لوگوں سے گمراہ کرنے والے مطالب سیکھے ہیں۔"

"اِقْتَبَسَ" جو کہ سیکھنے کے معنیٰ میں ہے، اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ عالم نما شخص گمراہ کرنے کے رموز، بھید اور فن کو اس کے ماہروں سے سیکھتے ہیں اور اپنی تلاش اور کوشش کو علم اور دانش کے سلسلے میں صرف کریں، اِس گمراہ کن مقصد میں صرف کردیتے ہیں۔ اور یہ سب سے بڑی بدبختی ہے۔

جہائل اور اضالیل کے درمیان فرق کی وجہ شاید یہ ہو کہ جہائل، جہالۃ کی جمع ہے جس کے معنی جہلِ مرکب کے ہیں، یعنی فرد، جاہل ہونے کے باوجود اپنی جہالت سے آگاہ نہیں ہے، لیکن اضالیل (اضلولة کی جمع) ان گمراہ کرنے والے امور کے معنیٰ میں ہے کہ فرد جانتے بوجھتے ان کے پیچھے چل پڑتا ہے۔

تیسری صفت:

"وَنَصَبَ لِلنَّاسِ أَشْرَاكًا[1] مِنْ حَبَائِلِ غُرُوْرٍ، وَقَوْلِ زُوْرٍ"

"وہ مکروہ فریب اور غلط باتوں کے بُنے ہوئے جال لوگوں کے راستوں میں بچھاتا ہے۔" (تاکہ شکار کو اپنے جال میں پھنسالے)

کیا خوبصورت تعبیر ہے! جی ہاں وہ اُس شکاری کی مانند جو دانہ ڈال کر پرندوں اور غافل حیوانات کو قید کرلیتا ہے اور انہیں فروخت کرتا ہے یا ان کو اپنی غذا بنالیتا ہے، سادہ لوح لوگوں پر اس طرح کی بلا ومصیبت نازل کرتا ہے اور اپنے مادّی منافع کے تنور کو اس طریقے سے گرم کرتا ہے۔

لوگوں کو دین کے نام دھوکا دینے کے مصادیق تاریخ میں اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں؛ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام

[1] اشراک، جمع ہے شَرَک کی جو کہ نمک کے وزن پر ہے، شکار کے جال کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"عبداللہ بن زُبیر" کے متعلق فرماتے ہیں:

"يَنْصِبُ حِبَالَةَ الدِّيْنِ لِاصْطِيَادِ الدُّنْيَا"

"اُس نے دینا کو پانے کے لیے خدا کے دین کو وسیلہ بنایا۔"(۱)

امامؑ نے یہ جملہ اُس وقت ارشاد فرمایا جب عبداللہ ابن زبیر کی حقیقت دوسروں ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ حَمَلَ الْكِتَابَ عَلَى آرَائِهِ، وَعَطَفَ الْحَقَّ عَلَى أَهْوَائِهِ

"یہ (گمراہ عالم) قرآن کو اپنی رائے پر اور حق کو اپنی خواہشوں پر ڈھالتا ہے۔"

یہ شخص مخلص عالم کے برعکس ہے کہ جس کے اوصاف اس خطبہ کے گزشتہ حصوں میں بیان ہوئے کہ اس کا پورا وجود قرآن کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے؛ اس نے خود کو قرآن کے سپرد کر دیا ہے، وہ قرآن کے سائے میں زندگی گزارتا ہے۔ اس کی مرضی قرآن کی مرضی ہے اور اس کا ارادہ قرآن کی آیات کے تابع ہے۔ حقیقت میں مخلص عالم کی عالم نما (جو کہ فریب کار ہے) سے پہچان کی اس سے بہتر کوئی علامت نہیں۔ جو قرآن کو اپنا پیشوا قرار دیتا ہے وہ مخلص عالم کی صف میں ہے اور جو خود کو قرآن کا پیشوا قرار دیتا ہے اور تفسیر بالرّائے اور باطل توجیہات کے ذریعے قرآن کو اپنی خواہشات پر منطبق کرتا ہے، وہ ایک خطرناک اور چھوکے باز عالم نما شخص ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک معروف حدیث ہے:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"جو کوئی قرآن کی اپنی مرضی سے تفسیر کرے اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"(۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند عالم سے اِس طرح نقل کیا ہے:

مَا آمَنَ بِي مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ كَلَامِي

"جس کسی نے قرآن کی اپنی مرضی سے تفسیر کی، وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا ہے۔"(۳)

اس کی دلیل واضح ہے؛ جو اللہ پر عقیدہ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ حق وہی ہے جسے خدا نے بیان کیا ہے اور اگر وہ اس

---

(۱) الکنی والالقاب، جلد ۱، ص ۲۹۴

(۲) عوالی اللئالی، جلد ۴ ص ۱۰۴۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۸۹ ص ۱۰۷ حدیث ۱۔

https://downloadshiabooks.com/

کے مخالف کلام کو حق جانے تو وہ خطا اور اشتباہ کر رہا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہے۔

مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ

جو کوئی قرآن کی کسی ایک آیت کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کرے، وہ کافر ہے۔ (۱)

پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُؤَمِّنُ النَّاسَ مِنَ الْعَظَائِمِ، وَيُهَوِّنُ كَبِيرَ الْجَرَائِمِ

"وہ بڑے گناہوں کا خوف لوگوں کے دلوں سے نکال دیتا ہے اور کبیرہ گناہوں کی اہمیت کو کم کر دیتا ہے۔"

وہ اس طریقے سے گناہ گار اور آزاد خیال لوگوں (کبھی معاشرے میں افراد کی بڑی تعداد انہی جیسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے) کو گرویدہ بنالیتا ہے اور ان کی حمایت اور آراء کے مطابق عمل کرتا ہے۔

دوسری الفاظ میں، ہر معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بظاہر دیندار رہنا چاہتے ہیں، لیکن اندرونی طور پر ایسے فرد کی تلاش میں رہتے ہیں جو گناہوں کو اُن کی نظروں چھوٹا دکھائے؛ یہ لوگ دینداری کے مسئلے میں فقط چند رسومات پر قناعت کرتے ہیں؛ یہی وہ موقع ہے جہاں عالم نما شخص کو جب ان افراد کی حقیقت کا پتا چلتا ہے تو اِن سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

چھٹی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَقُوْلُ: أَقِفُ عِنْدَ الشُّبُهَاتِ، وَفِيهَا وَقَعَ

یہ (عالم نما) دعویٰ کرتا ہے کہ میں شبہات سے اجتناب کرتا ہوں حالانکہ وہ خود انہی میں پڑا ہوا ہے۔ یہ ریاکار شخص لوگوں کے سامنے تقویٰ و پاکبازی کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نہ فقط حرام چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں، بلکہ اسی طرح شبہات سے بھی پرہیز کرتا ہوں، حالانکہ اُس کی زندگی انہی شبہات اور ان سے بھی بڑھ کر حرام کاموں سے بھری پڑی ہے۔

کبھی اس جملے کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ عالم نما شخص کا شبہات کی تاریکیوں گرفتار ہونا اُس کی جہالت اور نادانی کے بموجب ہے۔ بڑے دعوے کرنے والے جاہل افراد غالباً جہلِ مرکّب میں مبتلا ہوتے ہیں؛ وہ اپنی گمراہی کو ہدایت اور گناہوں کی آلودگی کو تقویٰ و پاکیزگی سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مکار جاہل میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ جملے کی تفسیر میں اِن دونوں صفات کو جمع کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، کیونکہ لفظ کو ایک سے زیادہ معنیٰ میں استعمال کرنے میں اشکال نہیں ہے۔

---

(۱) تفسیر برہان، جلد ۱ ص ۱۹۔

https://downloadshiabooks.com/

شبہات ان اُمور کو کہتے ہیں جن کی دقیق طور پر پہچان نہ ہو پائے؛ حرام ہے یا حلال؟ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں ہے:

حَلَالٌ بَيِّنٌ، وَحَرَامٌ بَيِّنٌ، وَشُبُهَاتٌ بَيْنَ ذٰلِكَ

"بعض ایسے اُمور ہیں جن کا حلال ہونا معلوم ہے اور بعض کا حرام ہونا معلوم ہے۔" اور شبہات ان دونوں کے درمیان ہیں۔ (حقیقت میں شبہات گناہوں کی سرحد ہے) [1]

اس بنا پر جو لوگ گناہوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، انہیں اِس سرحد کے قریب نہیں جانا چاہیے، بصورت دیگر جانتے بوجھتے یا غفلت میں گناہوں کی وادی میں گر پڑیں گے، اس لیے مذکورہ حدیث بقیہ حصے میں ہم پڑھتے ہیں:

"فَمَنْ تَرَكَ الشُّبُهَاتِ نَجَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ، وَمَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ ارْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ، وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ"

"جو شبہات کو چھوڑ دے گا وہ محرمات سے نجات پائے گا اور جس نے شبہات کو لیا وہ حرام کاموں کا مرتکب ہوگا اور نادانستہ طور پر ہلاک ہو جائے گا۔"

ساتویں صفت میں فرماتے ہیں:

وَيَقُولُ: أَعْتَزِلُ الْبِدَعَ، وَبَيْنَهَا اضْطَجَعَ [2]

"وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بدعتوں سے پرہیز کرتا ہوں حالانکہ وہ انہی میں لیٹا ہوا ہے۔"

یہ دعویٰ بھی ممکن ہے کہ فریب کی خاطر ہو یا جہل مرکب کی وجہ سے ہو۔ اصولی طور پر ان گمراہ اور دھوکے باز عالم نما کا طریقۂ کار یہی ہوتا ہے کہ وہ بدعتوں کا سہارا لیتے ہیں اور سنّتوں کو ترک کرتے ہیں تاکہ اپنی نفسانی اور شیطانی خواہشات دین کے لبادے میں عوام کے سامنے پیش کریں اور یہ کام بدعتوں کو رائج کیے بغیر میسّر نہیں ہوتا ہے۔

بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیز کو، جو دین کا جزو نہیں ہے، دین میں داخل کر دینا یا ایسی چیز جو دین کے مسلّمات میں سے ہو، اُسے دین سے خارج کر دیا جائے۔ حرام بدعت کا مطلب مسائل زندگی (خواہ وہ علمی ہوں یا صنعتی یا اجتماعی آداب سے متعلق ہوں) میں جدّت کی نفی ہرگز نہیں۔ بدعت یہ ہے کہ جو چیز دین میں داخل نہیں ہے اُسے دینی تعلیمات کے طور پر متعارف کرایا جائے یا اس کا برعکس۔ بدعت کی حقیقت کا ادراک نہ رکھنے کے باعث جاہلوں کا ایک بڑا گروہ اس مسئلے میں افراط وتفریط کا شکار ہو گیا ہے۔

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۶۸

[2] اِضطَجَعَ۔ ضجع کے مادّے سے ہے (بروزن زجر) کروٹ سے سونے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

آٹھویں،نویں اور دسویں صفت:

جو کہ حقیقت میں گزشتہ صفات کا خلاصہ ہے(اس لیے فاءِ تفریع کے ساتھ ذکر کیا ہے) آپؑ فرماتے ہیں:

"فَالصُّوْرَةُ صُوْرَةُ إِنْسَانٍ، وَ الْقَلْبُ قَلْبُ حَيَوَانٍ، لَايَعْرِفُ بَابَ الْهُدٰى فَيَتَّبِعَهُ، وَ لَا بَابَ الْعَمٰى فَيَصُدَّ عَنْهُ، وَذٰلِكَ مَيِّتُ الْاَحْيَاءِ!

"صورت تو اُس کی انسانوں کی سی ہے اور دل حیوانوں کا سا۔ نہ اُسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ اس کی پیروی کرے۔ اور نہ گمراہی کا دروازہ پہچانتا ہے کہ اس سے اپنا رُخ موڑ سکے (اور دوسروں کو اُس سے روکے)۔حقیقت میں زندوں میں (چلتی پھرتی) لاش ہے۔"

عالم نما،گمراہ لوگوں کے بارے میں اس سے زیادہ شفاف تعبیر نہیں ہوسکتی ہے۔ جی ہاں! واقعاً اُنہوں نے انسانوں، بلکہ کامل پاک دامن اور آگاہ انسانوں کا روپ دھار لیا ہے، حالانکہ اُن کا پورا وجود جہلِ مرکب میں غوطہ زن ہے۔ اگر کسی دن ہدایت کی فکر لاحق ہو جائے تو گناہ اور جہالت کے سبب اُنہیں ہدایت کا راستہ سُجھائی نہیں دیتا کہ اُس پر گامزن ہوں اور نہ گمراہی کے راستوں کی اُنہیں پہچان ہے کہ ان کی جانب قدم اٹھانے سے باز آجائیں۔

جی ہاں! زندوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے، حالانکہ اُن میں اِنسانی زندگی کے آثار مردہ ہو گئے ہیں، نہ زندگی کی تازگی باقی رہی، نہ پھول پتّے، نہ شاخ اور نہ سایہ۔حقیقت میں وہ اس آیۂ شریف کا مصداق ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

"بے شک نہ تو تم مُردوں کو (اپنی بات) سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو (خاص کر) جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔"①

یا دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

"اور گویا ہم نے (خود) بہتیرے جنات اور آدمیوں کو جہنم کے واسطے پیدا کیا اور ان کے دل تو ہیں (مگر قصداً) ان سے سمجھتے ہی نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر قصداً) ان سے دیکھتے ہی نہیں اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام

① سورۂ نمل، آیت ۸۰

https://downloadshiabooks.com/

ہی نہیں لیتے (خلاصہ) یہ لوگ گویا جانور ہیں بلکہ ان سے بھی کہیں گے گزرے ہوئے یہی لوگ (امورِ حق سے) بالکل بے خبر ہیں۔"[۱]

نکات

ا۔ گمراہ دانشمند

عالمِ گمراہ کے وجود کا خطرہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ رُوئے زمین پر المناک سانحات جاہلوں کی وجہ سے رونما نہیں ہوتے، بلکہ ان واقعات کا سرا گمراہ عالموں سے جا ملتا ہے، جو دین اور خدا سے مکمل طور پر بے گانہ ہیں یا دین کو اپنے دنیاوی مقاصد کی خاطر کھلواڑ بنالیا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے خطبے کے مذکورہ حصے میں اس گروہ کی دقیق انداز میں توصیف فرمائی ہے: ان کا باطنی سرمایہ ایک مٹھی جہالتیں، اشتباہات اور توہمات ہیں اور ان کا ظاہر سرمایہ تفسیر بالرائے اور اپنے خواہشات کے مطابق حقائق کی توجیہ کرنا ہے، ان کا لائحۂ عمل ریاکاری، بدعتوں کا سہارا لینا، ہوا پرستوں کو گناہ کے مواقع فراہم کرنا اور گناہ گاروں کو گناہ کی طرف دعوت دینا ہے۔ ظاہری صورت میں انسان، مگر سیرت میں مکمل حیوان نظر آتے ہیں۔

توجّہ رہے کہ اس گروہ کے خطرات سے بچنے کے لیے آیاتِ قرآن و روایات اسلامی میں بہت کچھ تنبیہات کی گئی ہیں۔ لوگوں کو ان کے جال میں پھنسنے سے روکا گیا ہے۔ ایک حدیث جسے امیر المومنینؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقل کیا ہے:

"وَإِنَّ أَهْلَ النَّارِ لَيَتَأَذَّوْنَ مِنْ رِيحِ الْعَالِمِ التَّارِكِ لِعِلْمِهِ"

"اہلِ دوزخ اپنے علم پر عمل نہ کرنے والے عالم کی بدبو سے تکلیف محسوس کریں گے۔ خود یہ عالمِ بے عمل بھی شرمندگی محسوس کرے گا۔ اسی حدیث کے ذیل میں ہے:

"وَإِنَّ أَشَدَّ أَهْلِ النَّارِ نَدَامَةً وَ حَسْرَةً، رَجُلٌ دَعَا عَبْدًا إِلَى اللهِ، فَاسْتَجَابَ لَهُ، وَ قَبِلَ مِنْهُ، فَأَطَاعَ اللهَ، فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ، وَ أَدْخَلَ الدَّاعِيَ النَّارَ بِتَرْكِ عِلْمِهِ، وَ اتِّبَاعِهِ الْهَوَى، وَ طُولِ الْأَمَلِ"

"دوزخ میں سب سے زیادہ پشیمان ہونے والے وہ افراد ہوں گے جو کسی بندے کو خدا کی طرف دعوت دیں، وہ

---

[۱] سورۂ اعراف، آیت ۱۷۹

https://downloadshiabooks.com/

قبول کرے اور اس پر عمل کرے اور بہشت میں داخل ہو جائے، مگر دعوت دینے والا خود اپنے علم پر عمل نہ کرنے، خواہشات کی پیروی کرنے اور لمبی امیدیں باندھنے کے سبب جہنم میں داخل ہو جائے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی:

"لَا تَجْعَلْ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ عَالِمًا مَفْتُونًا بِالدُّنْيَا، فَيَصُدَّكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي; فَإِنَّ أُولَئِكَ قُطَّاعُ طَرِيقِ عِبَادِيَ الْمُرِيدِينَ إِلَيَّ. إِنَّ أَدْنَى مَا أَنَا صَانِعٌ بِهِمْ، أَنْ أَنْزَعَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِي مِنْ قُلُوبِهِمْ!"

"میرے اور اپنے درمیان دنیا پرست عالم کو قرار نہ دے کہ جو تجھے میری محبت کے راستے سے روک دے، وہ میرے بندوں کا راہزن ہے، وہ بندہ کہ جو میرا مرید ہے۔ کم سے کم جو کام میں اُس کے لیے کرنے والا ہوں وہ یہ ہے کہ مناجات کی لذّت کو اُس کے دل سے سلب کر دوں گا۔"[۱]

ان عالم نماؤں کی نشانیاں احادیث اسلامی میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک اہم ترین علامت یہ ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں پڑھتے ہیں:

"لَا يَكُونُ الْمَرْءُ عَالِمًا حَتّٰى يَكُونَ بِعِلْمِهِ عَامِلًا"

"انسان اُس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے علم پر عمل نہ کرے۔"[۲]

ایسے عالم کی واضح نشانیاں بدعتوں کو فروغ دینا، اپنی غلطیوں کی توجیہ کرنا، دنیا سے عشق، کھوکھلے اور غرور آمیز دعوے کرنا ہیں

۲۔ تفسیر بالرّائے، شیطان کا ایک بڑا جال

خدا پرستی، حق جوئی اور حق کی طلب کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ تفسیر بالرائے ہے۔ یہ ایسا کام ہے کہ جو تمام آیات اور مستند و معتبر روایات کی اہمیت ختم کر دیتا ہے اور انھیں گمراہوں کی ہوس اور شوم مقاصد کی توجیہ کے لیے بازیچہ بنا دیتا ہے۔

دوسری عبارت کے مطابق تفسیر بالرّائے کرنے والا آیات الٰہی اور روایاتِ معصومینؑ کو موم بنا دیتا ہے، جسے جس شکل میں ڈھالنا چاہے ڈھال لیتا ہے اور ان سے بدعتوں اور انحرافات کی توجیہات کے لیے استفادہ کرتا ہے۔

تفسیر بالرّائے کی ایک مختصر جملے میں یوں تعریف کر سکتے ہیں، کلمات اور جملوں کو اُن کے حقیقی معنی کے بجائے اپنی

[۱] علل الشرائع، ص ۳۹۴

[۲] منہاج البراعۃ، ج ۶، ص ۱۸۵

https://downloadshiabooks.com/

پسند کے معنی میں استعمال کرنا۔

یہ بات واضح ہے کہ آیات و روایات تفسیر بالرّائے کے منحوس سائے میں نہ صرف ہدایت گری سے دور بلکہ گمراہ کن توجیہات کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔اسی وجہ کی بنا پر روایات اسلامی میں تفسیر بالرّائے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ جس کے نمونے گزشتہ ابحاث میں دیکھے جاسکتے ہیں۔اور ہم یہ بھی ملاحظہ کیا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے عالم نما شخص کی ایک خاصیت اسی تفسیر بالرّائے کو قرار دیا ہے۔معروف حدیث "مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ" [1] کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے، کفر کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے۔اور ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں۔

مَنْ فَسَّرَ الْقُرآنَ بِرَأْيِهِ إِنْ أَصَابَ لَمْ يُوجَرْ، وَإِنْ أَخْطَأَ خَرَّ أَبْعَدَ مِنَ السَّمَاءِ

"جو کوئی اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے اگر حقیقت تک پہنچے تو اس کا صلہ نہ ملے گا اور اگر خطا کرے تو آسمان سے بھی زیادہ بلندی سے زمین پر گرے گا۔" [2]

تفسیر بالرّائے کے خطرات زیادہ ہیں،اس کی فہرست اس طرح ہے:

۱۔آیات و روایات کے سمجھنے میں حرج واقع ہوتا ہے۔

۲۔لوگوں کی ہدایت اور اُن کے غلط افکار کی اصلاح کے وسیلے اور معیار کا، ان افکار کو پختہ کرنے کے وسیلے میں تبدیل ہوجانا۔

۳۔اختلافات و نفاق کا پیدا ہونا،عقیدتی و دینی مسائل گروہ بندی کا وجود میں آنا۔

۴۔قرآن و سنّت کا پیشوائی و رہبری کے رتبے سے نیچے آنا اور پیروکار کی حیثیت پانا۔

۵۔آسمانی قوانین کو اپنے گناہوں سے آلودہ خواہشات سے مطابقت دینا۔

۶۔وحی کے کلمات کے لامحدود اور جاودانی مفاہیم کا محدود اور انسان کی دسترس سے دور افکار میں تبدیل ہونا۔

۷۔گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ بہانے فراہم کرنا۔

آیات و روایات کی عقلی تفسیر کا ظاہراً تفسیر بالرائے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقلی تفسیر سے مراد، قرآن اور روایات کے معانی سمجھنے کے لیے قطعی اور یقین پر مبنی عقلی قرائن سے استفادہ

---

[1] تفسیر برہان، ج ا ص ۱۹

[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۸ ص ۱۴۹ ابواب صفات قاضی ۱۳ واں باب حدیث ۶۶

https://downloadshiabooks.com/

کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے "یَدُ اللہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ" (۱) تو قطعی اور یقینی، عقلی قرائن کہتے ہیں کہ یہاں یدٗ کنایہ ہے قدرت کے لیے؛ نہ کہ ہاتھ کے معنیٰ میں ہے، جو کہ گوشت، پوست اور ہڈیوں کا مجموعہ ہے۔

تفسیر بالرّائے یہ ہے کہ قرائن ظنیہ یا وہمیہ یا خیالیہ حتیٰ کہ بغیر قرینے کی آیات و روایات کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کرے اور اپنی دلی خواہش پر انہیں منطبق کرے۔

بہر حال یہ کام یا تو جہالت و نادانی سے یا ہوا و ہوس سے انجام پاتا ہے۔ اس سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ جو گمراہی کی توجیہ کے لیے تفسیر بالرائے کو ضروری امر سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ تفسیر بالرائے کے معنیٰ میں بھی تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوئے ہیں اور تفسیر بالرائے کی اپنی مرضی سے تفسیر کی ہے یعنی اس جملے کے ساتھ کہ ہر کوئی اپنے نظریے اور فیصلے کی بنیاد پر کتاب و سنّت کے مفاہیم کا معنیٰ کرتا ہے، کتاب و سنّت کی دلخواہ تفسیر کے لیے راہ ہموار کرنا چاہا۔

حالانکہ اگر نظریہ اور مفروضے پیش کرنے کا مقصد غیر مسلّم ظن و گمان اور اندازے لگانے ہیں تو یہ وحی کی اصلیت کے خاتمے اور مسائلِ الٰہی کے بیان میں حرج کا سبب ہیں۔ یہ عمل قرآن کے نور مبین ہونے اور ائمہ معصومینؑ کے کشتیِ نجات ہونے کو خطرے سے دوچار کر دے گا۔

اگر نظریہ اور مفروضے پیش کرنے کا مقصد مسلّم علمی و عقلی اصول ہیں تو انہیں کوئی تفسیر بالرائے نہیں کہہ سکتا۔ یہ تفسیر بہ عقل ہے، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موقع پرستوں نے مسئلہ تفسیر بالرائے کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کی ہے، تاکہ وحی کے منابع و ماخذ کو اپنی مرضی کی توجیہات کے لیے استعمال کریں۔

۳۔ بدعتیں انحرافات کا سرچشمہ ہیں

حضرت امیر المومنینؑ نے اس خطبے میں گمراہ عالم نما فرد کی صفات بیان کرتے ہوئے بدعتیں ایجاد کرنے کو ان کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں بدعتوں سے دور رہوں حالانکہ وہ بدعتوں کی لروہوں میں غوطہ ور ہے۔

ہم جانتے ہیں "بدعت" یہ ہے کہ جو چیز دین میں نہیں اُسے انسان دین کا جزو بتلائے یا یہ کہ جو دین کا جزو ہے اُسے دین سے خارج کرے۔ لیکن روزمرہ کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی مسائل میں جو جدّتیں ہوتی ہیں، وہ ہرگز بدعت نہیں ہے۔ دوسری عبارت کے مطابق، بدعت کبھی دین میں ہوتی ہے اور کبھی غیرِ دین میں؛ وہ جو حرام، ممنوع اور خطرناک ہے وہ دین میں بدعت ہے۔ اور زندگی کے مختلف مسائل میں کی جانے والی جدّتیں قابلِ قدر اور پسندیدہ ہیں، بغیر اس کے کہ اس سے دین پر

(۱) سورۂ فتح، آیت ۱۰

https://downloadshiabooks.com/

زک نہ پہنچے۔ مثلاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً حج تمتع انجام دیا، یعنی عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام سے نکلے پھر تھوڑا سا فاصلہ دینے کے بعد حج کا احرام باندھ لیا اور نیز ازدواجِ موقت (متعہ) کو جائز قرار دیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں حج تمتع کو پسند نہیں کرتا ہوں اور حج وعمرہ ساتھ انجام دیا جائے یا عقد ازدواجِ موقت کے بارے میں کہہ دے کہ میری طبیعت اس کی طرف نہیں ہوتی، تو ایسے شخص نے دین میں بدعت ایجاد کی ہے۔

روایات میں بدعت کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں پڑھتے ہیں:

"أَهْلُ الْبِدَعِ شَرُّ الْخَلْقِ وَ الْخَلِيقَةِ"

"بدعت ایجاد کرنے والے خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔"[۱]

ایک دوسری حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہم پڑھتے ہیں:

مَنْ تَبَسَّمَ فِي وَجْهِ مُبْتَدِعٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ دِينِهِ

"جو کوئی بدعت کی ایجاد پر مسکرائے اس نے اپنے دین کو نابود کر دیا ہے۔"[۲]

یہ مذمّت اور سرزنش اُن خطرات کی خاطر ہے، جو بدعت کے باعث دین کی اصالت کو لاحق ہوتی ہیں۔ اور اگر خدا کے دین میں بدعت کا دروازہ کھل جائے اور لوگ غلط افکار کی وجہ سے دینِ خدا میں مختلف طریقوں سے تبدیلی کریں تو کچھ مدت کے بعد خدا کے دین میں سے کچھ باقی نہیں بچے گا اور ہوا پرستوں اور موقع پرستوں کے لیے تغیرات کا راستہ کھل جائے گا اور آئین حق کبھی اِس ہاتھ میں کبھی اُس ہاتھ میں بازیچہ بن کر رہ جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث، جو آپؑ نے اس سوال "کسی انسان کے کافر ہونے کے لیے کم ترین چیز کیا ہے؟" کے جواب میں فرمایا:

أَنْ يَبْتَدِعَ شَيْئًا فَيَتَوَلَّى عَلَيْهِ وَ يَبْرَءَ مِمَّنْ خَالَفَهُ

"یہ ہے کہ دینِ خدا میں بدعت پیدا کرے۔ بدعت کے موافقین سے دوستی رکھے اور اس کے مخالفین سے بیزاری کرے۔"[۳]

اگر باطل ادیان کی تاریخ اور آسمانی ادیان کے مختلف دھڑوں کا دقت سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر دھڑے بدعت کی پیداوار ہیں۔

---

[۱] کنز العمال، حدیث ۱۰۹۵، ج ۱ ص ۲۱۸

[۲] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۲۱۷، حدیث ۴

[۳] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۲۱۷ حدیث ۴

https://downloadshiabooks.com/

چوتھا حصّہ

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ؟ وَ أَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ! وَ الْأَعْلَامُ قَائِمَةٌ، وَ الْآيَاتُ وَاضِحَةٌ، وَالْمَنَارُ مَنْصُوبَةٌ. فَأَيْنَ يُتَاهُ بِكُمْ! وَ كَيْفَ تَعْمَهُونَ، وَ بَيْنَكُمْ عِتْرَةُ نَبِيِّكُمْ! وَهُمْ أَزِمَّةُ الْحَقِّ، وَ أَعْلَامُ الدِّينِ، وَ أَلْسِنَةُ الصِّدْقِ! فَأَنْزِلُوهُمْ بِأَحْسَنِ مَنَازِلِ الْقُرْآنِ، وَرِدُوهُمْ وُرُودَ الْهِيمِ الْعِطَاشِ.

”تو آخر تم لوگ کہاں جا رہے ہو اور تمہیں کس سمت موڑا جا رہا ہے؟ جب کہ نشانات قائم ہیں۔ اور آیات واضح ہیں۔ منارے نصب کیے جا چکے ہیں اور تمہیں بھٹکایا جا رہا ہے اور تم بھٹکے جا رہے ہو۔ دیکھو تمہارے درمیان تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت موجود ہے۔ یہ سب حق کے زمام دار، دین کے پرچم اور صداقت کے ترجمان ہیں۔ انہیں قرآن کریم کی بہترین منزل پر جگہ دو اور ان کے پاس اس طرح وارد ہو جس طرح پیاسے اونٹ چشمے پر وارد ہوتے ہیں۔“

شرح وتفسیر

عترت کی موجودگی میں گمراہی کیوں؟

حضرت امیر المومنینؑ نے اس خطبے کے گزشتہ حصے میں مخلص و باخبر عالم اور منحرف و عالم نما فرد کے بارے میں چند صفات بیان فرمائیں۔ خطبے کے اس حصے میں گروہِ اوّل کو گروہِ دوّم پر ترجیح دینے اور گروہ اوّل کی برتری سے متعلق اسلامی معاشرے میں اہل بیتؑ کے مقام و منزلت بیان فرمائی ہے لیکن سب سے پہلے اس مسئلے کو کلّی طور پر بیان فرمایا، امامؑ فرماتے ہیں:

”فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ؟ وَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ![1] وَالْأَعْلَامُ قَائِمَةٌ، وَالْآيَاتُ وَاضِحَةٌ، وَالْمَنَارُ مَنْصُوبَةٌ“

”کہاں جا رہے ہو؟ کس طرف مڑے جا رہے ہو، حالانکہ حق کے پرچم بلند ہیں، اس کی علامتیں آشکار ہیں اور حق کے مینار نصب کر دیے گئے ہیں۔“

یہ نہ کہیے کہ ہم جس زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اس میں ہر گروہ کسی سمت ہمیں دعوت دے رہا ہے اور ہم ایسے معاشرے میں ہیں کہ حق و باطل کی جانب دعوت دینے والے آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہیں؛ ان دونوں میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔

---

[1] تؤفکون افک (بروزن فکر) کے مادّے سے ہے انحراف اور منتشر ہونے کے معنی میں ہے، اسی وجہ سے جھوٹ اور تہمت کو افک کہتے ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

نہیں! ایسا نہیں؛ تمام چیزیں روشن ہیں اور تمام معیار واضح ہیں اور کوئی عذر قابلِ قبول اور سننے لائق نہیں۔

انتہائی کٹھن راستوں سے گزرنے والوں کی رہنمائی کے لیے شاہراہوں پر مختلف جگہوں میں لگائے گئے نشانات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اور کبھی پیچ وخم میں علامتیں رکھی جاتی ہیں اور کبھی بلند مقامات پر صحیح راستوں پر چراغ روشن کردیے جاتے ہیں (بالخصوص رات کے وقت)۔ اِن تین دلائل میں سے کوئی ایک بھی راستے کو تلاش کرنے کے لیے کافی ہے۔ اب اگر وہ تینوں ایک ساتھ ہی ہوں تو کامل مطلوب کی انتہاء اور ہدایت کی اوج ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ ”خدا نے تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے۔

پھر اس کلّی کو اُس کے واضح اور روشن مصداق پر منطبق کر کے دکھلایا اور عام سے خاص کا ارادہ کی، تاکہ کل نہ کہیں کہ اس قواعد وکلّیات کو بیان کرنے سے ہماری کوئی مشکل حل نہیں ہوتی۔ پھر فرماتے ہیں:

فَأَيْنَ يُتَاهُ[1] بِكُمْ! وَ كَيْفَ تَعْمَهُوْنَ[2]

”تمہیں کس گمراہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور تم کیسے حیران وسرگرداں ہو، حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے۔“

زندگی کے بیابانوں میں وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں، جن کے پاس حق کی نشانیاں نہیں ہوتیں اور وہی لوگ حیران و پریشان ہیں کہ جن کے پاس معرفت کا معیار اور واضح دلائل نہیں، کیونکہ حجت ودلیل اور حق وباطل کی پہچان کا معیار اِن کے اختیار میں نہیں۔ لیکن تم لوگوں کو ائمہ وعترتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہرگز اس قسم کے اعمال میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔

پھر آپؑ مزید فرماتے ہیں:

وَهُمْ أَزِمَّةُ الْحَقِّ، وَأَعْلَامُ الدِّيْنِ، وَأَلْسِنَةُ الصِّدْقِ

”وہ حق کے زمام دار، دین کی نشانیاں اور سچائی کی زبانیں ہیں۔“

وہ لوگ جنہوں نے ان کے سامنے سرِتسلیم خم کرلیا وہ حق کے راستے پر گامزن رہے اور جو لوگ ان کے ساتھ میں رہتے ہیں، ان کی زبان کی سچائی سے مستفید ہوتے ہیں اور جو لوگ اُنہیں دور سے دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ اس شخص کی مانند، جو دور سے ہدایت کے پرچم کو تک رہا ہو، ہدایت رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ہر کوئی معرفت اور قبولیت کے اندازے کے مطابق

---

[1] یتاہ، تَیہ (بروزن شَیٔ) کے مادّے سے ہے۔ اس کے معنی راستے سے بھٹک جانے اور حیرت وسرگردانی کے ہیں۔

[2] تعمهُون، عَمہ کے مادّے سے، حیرت وسرگردانی کے معنیٰ میں ہے۔ بعض نے کہا کہ عَمیٰ، لغتِ عرب میں، ظاہری آنکھوں سے نابینا ہونے کے معنیٰ میں ہے اور عمہ باطنی اندھے پن کو کہا جاتا ہے۔ (البتہ مجاز کے طور پر دصیرت کے فقدان کو بھی عمی کہا جاتا ہے)

https://downloadshiabooks.com/

اپنا حصّہ پاتا ہے۔

"ھُمْ أَزِمَّةُ الْحَقِّ" کے جملے کا تحت اللفظی مفہوم یہ ہے کہ یہ عترت خود حق کی باگ ڈور ہیں اور اسے حق کی زمام داری کے لیے کنایہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ حق ان کے تابع ہے۔

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ، وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ يَدُوْرُ مَعَهُ حَيْثُمَا دَارَ"

"علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے؛ جس طرف علی کا رُخ ہو حق اُسی طرف پلٹتا ہے۔"[۱]

"السنة الصّدق" کی تعبیر سے اس معنیٰ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان بزرگوار کا وجود وہ زبان ہے جو فرمان الٰہی اور ترجمانِ وحی کو بیان کرنے والی ہے۔ جس طرح زبان کسی بات کو اپنی مرضی سے نہیں کہتی بلکہ وہ انسان کے دل و روح کی ترجمان ہے۔

جملۂ بالا کی تفسیر میں یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ ان بزرگواروں کی زبان صرف سچائی اور حقیقت بیان کرنے کے موقع پر جنبش کرتی ہے، خواہ ان اُمور میں جنہیں وہ خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں یا اُن کلمات میں جو ان کے وجود سے پھوٹتے ہیں، تمام کا تمام صدق و سچائی پر مبنی ہے۔

البتہ یہ دو تفسیریں آپس میں تضاد نہیں رکھتی ہیں اور ہم معنیٰ ہیں۔

اس خطبے کے اس حصّے کے آخری جملے میں فرماتے ہیں:

"فَأَنْزِلُوْهُمْ بِأَحْسَنِ مَنَازِلِ الْقُرْآنِ، وَرِدُوْهُمْ وُرُوْدَ الْهِيْمِ[۲] الْعِطَاشِ"

"جو قرآن کی بہتر سے بہتر منزل سمجھ سکو وہیں انہیں بھی جگہ دو، اپنی روح اور جسم میں، اور پیاسوں کی طرح ان کے سرچشمۂ ہدایت پر اُترو۔"

قرآن کبھی انسان کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور کبھی اس کے عمل میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس کی روح اور جسم کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوتا ہے اور انسان کے تمام وجود کو روشن کرتا ہے۔ ان تینوں میں سے بہترین مقام وہی آخری مقامِ روح و جان ہے۔ مذکورہ جملے میں ارشاد ہے: "اہلِ بیتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنی روح و جان کی گہرائیوں میں جگہ دو، جیسا کہ قرآن کے لیے بہترین جگہ تمہارے جسم و روح ہیں۔"

---

[۱] علامہ امینی نے اس حدیث کو مختلف اسناد کے ساتھ اہل سنّت کے مآخذ سے نقل کیا ہے۔ الغدیر، ج ۳، ص ۱۸۶

[۲] الھیم ھیم کی جمع ہے، دراصل سُست (پیاسے اونٹ) کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

یہ جملہ حقیقت میں "حدیثِ ثقلین" پر تاکید کر رہا ہے کہ جس میں اہل بیت علیہم السلام کو قرآن کے ساتھ قرار دیا ہے اور تمام مسلمانوں کو ان دونوں کی پیروی کی دعوت دی گئی ہے۔ اور تا روزِ قیامت ان دونوں کے ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے پر بھی تاکید کر رہا ہے۔

اس جملے کی ایک اور تفسیر بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں قرآن کے حکم کے مطابق کی بہترین مقام دو اور وہ مقام مخلوقِ خدا کی امامت و پیشوائی ہے، جیسا کہ آیاتِ قرآنی میں ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ... [۱] يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ [۲] قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط [۳]

اور اِن جیسی دوسری آیتیں نازل ہوئی ہیں، البتہ تفسیر اوّل مناسب تر ہے۔

"الهيم العِطاش" (پیاسا اونٹ) کی تعبیر سے اس نکتے کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ اُن بزرگواروں (عترت) کا وجود آبِ حیات کے چشمے کی مانند ہے اور تم لوگ، ان کے شدید نیازمند اور محتاج ہو۔ سو تمہیں بلا تردد اور مصمم ارادے، مشتاقانہ اور عاشقانہ انداز میں ان کی جانب آنا چاہیے، تاکہ ان کے وجود کے فیض بخش چشمے سے بہرہ مند ہوں۔ ظاہر ہے جب ان کے بارے میں قرآن کے بتائے ہوئے مقام کے ہم قائل ہوئے ہیں تو ہمیں اسی طرح ان کے علوم سے سیراب ہونا چاہیے۔

نکتہ

اہل بیتؑ کا اعلیٰ وارفع مقام

آپ جو کچھ خطبے کے اس حصّے میں پڑھ چکے ہیں، وہ اس حقیقت کو ایک عالی شان اسلوب میں واضح کر رہی ہے کہ جب تک اہل بیتؑ لوگوں کے درمیان موجود ہیں اور لوگ اُن کے فرامین کی پیروی کریں گے، اُنہیں کسی خطرے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ وہ حق کے علمبردار، ہدایت کے چراغ، دین کے پرچم اور وحی و قرآن کے ترجمان ہیں۔ اگر شیعہ و سنّی ماٰخذ میں وارد

[۱] سورۂ مائدہ، آیت ۵۵

[۲] سورۂ مائدہ، آیت ۶۷۔

[۳] سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

https://downloadshiabooks.com/

شدہ روایات میں ان کی محبت کی تاکید کی گئی ہے تو یہ اس لیے ہے کہ ان سے محبت ان کی پیروی پر ابھارے گی اور ان کی پیروی ہدایت کا باعث ہے۔ فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اور زمخشری نے کتابِ کشاف میں اس نورانی حدیث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

"مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ، مَاتَ شَهِيْدًا"

"أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ، مَاتَ مَغْفُوْرًا لَهُ"

"أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ، مَاتَ تَائِبًا"

"أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ، مَاتَ مُؤْمِنًا مُسْتَكْمِلَ الْإِيْمَانِ"

"أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ، بَشَّرَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ"

"أَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ آلِ مُحَمَّدٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَكْتُوْبًا بَيْنَ عَيْنَيْهِ: آيِسٌ مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ"

"جو محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی محبت میں مرجائے، وہ شہید ہے۔"

"آگاہ رہو! جو کوئی بھی آلِ محمدؑ کی محبت میں مرجائے، اُسے بخش دیا گیا ہے۔"

"آگاہ رہو! جو کوئی آلِ محمد علیہم السلام کی محبت میں مرجائے، اُس کی توبہ قبول کر لی گئی ہے۔"

"آگاہ رہو! جو کوئی آلِ محمد علیہم السلام کی محبت میں مرجائے، وہ ایمانِ کامل کے ساتھ مرا ہے۔"

"آگاہ رہو! جو کوئی آلِ محمدؑ کی محبت میں مرجائے، موت کا فرشتہ اُسے جنّت کی بشارت دے گا۔"

"اور آگاہ رہو! جو کوئی آلِ محمدؑ کی عداوت میں مرجائے، تو وہ قیامت کے دن محشر میں اِس حال میں آئے گا کہ اُس کی پیشانی پر تحریر ہوگا، "اللہ کی رحمت سے مایوس"۔"[۱]

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"أَنَا أَوَّلُ وَافِدٍ عَلَى الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ كِتَابُهُ، وَأَهْلُ بَيْتِيْ، ثُمَّ أُمَّتِيْ، ثُمَّ أَسْأَلُهُمْ: مَا فَعَلْتُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَبِأَهْلِ بَيْتِيْ؟"

"میں پہلا وہ فرد ہوں جو قیامت کے دن خداوندتعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا۔ اسی طرح خدا کی کتاب اور میرے اہل بیتؑ حاضر ہوں گے۔ پھر میری اُمت حاضر ہوگی، اس کے بعد ان سے سوال کروں گا کہ تم نے قرآن و اہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

[۱] تفسیر فخر رازی، ج ۲۷، ص ۱۶۵، سورہ شوریٰ کی آیت ۲۳ کے ذیل میں۔

https://downloadshiabooks.com/

اس بارے میں شیعہ وسنی کتابوں میں بہت ساری احادیث وارد ہیں۔ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ صرف نمونے کے طور پر ہے۔ [۱]

پانچواں حصّہ

"أَيُّهَا النَّاسُ! خُذُوهَا عَنْ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّهُ يَمُوتُ مَنْ مَاتَ مِنَّا وَلَيْسَ بِمَيِّتٍ، وَيَبْلَى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَلَيْسَ بِبَالٍ» فَلَا تَقُولُوا بِمَا لَا تَعْرِفُونَ، فَإِنَّ أَكْثَرَ الْحَقِّ فِيمَا تُنْكِرُونَ، وَاعْذِرُوا مَنْ لَا حُجَّةَ لَكُمْ عَلَيْهِ - وَهُوَ أَنَا - أَلَمْ أَعْمَلْ فِيكُمْ بِالثَّقَلِ الْأَكْبَرِ! وَ أَتْرُكْ فِيكُمُ الثَّقَلَ الْأَصْغَرَ! قَدْ رَكَزْتُ فِيكُمْ رَايَةَ الْإِيمَانِ، وَ وَقَفْتُكُمْ عَلَى حُدُودِ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ، وَ أَلْبَسْتُكُمُ الْعَافِيَةَ مِنْ عَدْلِي، وَ فَرَشْتُكُمُ الْمَعْرُوفَ مِنْ قَوْلِي وَ فِعْلِي، وَ أَرَيْتُكُمْ كَرَائِمَ الْأَخْلَاقِ مِنْ نَفْسِي، فَلَا تَسْتَعْمِلُوا الرَّأْيَ فِيمَا لَا يُدْرِكُ قَعْرَهُ الْبَصَرُ، وَلَا تَتَغَلْغَلُ إِلَيْهِ الْفِكَرُ."

"لوگو! اس حقیقت کو آنحضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لو کہ "ہمارا مرنے والا میت نہیں ہوتا ہے اور ہم میں سے کوئی گردشِ زمانہ سے بوسیدہ نہیں ہوتا ہے!" خبردار وہ نہ کہو جو تم نہیں جانتے ہو۔ اس لیے کہ بسا اوقات حق اسی میں ہوتا ہے جسے تم نہیں پہچانتے ہو اور جس کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اس کے عذر کو قبول کرلو اور وہ میں ہوں۔ کیا میں نے ثقل اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا ہے اور کیا ثقل اصغر (اہلبیتؑ) کو تمہارے درمیان نہیں رکھا ہے۔ میں نے تمہارے درمیان ایمان کے پرچم کو نصب کر دیا ہے اور تمہیں حلال وحرام کی حدود سے آگاہ کر دیا ہے۔ اپنے عدل کی بنا پر تمہیں لباسِ عافیت پہنایا ہے۔ اور اپنے قول وفعل کی نیکیوں کو تمہارے لیے فرض کر دیا ہے اور تمہیں اپنے بلند ترین اخلاق کا منظر دکھلا دیا ہے۔ لہٰذا خبردار! جس بات کی گہرائی تک نگاہیں نہیں پہنچ سکتی ہیں اور جہاں تک فکر کی رسائی نہیں ہے، اُس میں اپنی رائے کو استعمال نہ کرنا۔"

شرح وتفسیر

ہدایت کے پرچم

[۱] اصول کافی، ج ۲، ص ۶۰۰، حدیث ۴۔

https://downloadshiabooks.com/

خطبے کے اس حصے میں امام عالی مقامؑ گزشتہ حصے میں جو کچھ اہل بیتؑ کے مقام کے بارے میں آیا، کی تاکید کے عنوان سے فرماتے ہیں:

"أَيُّهَا النَّاسُ! خُذُوهَا عَنْ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ: إِنَّهُ يَمُوتُ مَنْ مَاتَ مِنَّا وَلَيْسَ بِمَيِّتٍ، وَيَبْلَى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَلَيْسَ بِبَالٍ"

اے لوگو! اس حقیقت کو حضرت خاتم الانبیاءؐ سے لو کہ اُنہوں نے فرمایا ہے جو کوئی ہم میں سے مرجائے وہ حقیقت میں مردہ نہیں اور جو بوسیدہ ہوگئے ہیں، حقیقت میں وہ بوسیدہ نہیں ہوئے۔

یہاں پر "خذوھا" کی ضمیر کے مرجع سے متعلق نہج البلاغہ مفسرین کے درمیان بحث ہے۔ لیکن ظاہراً یہ ضمیر حقیقت کی طرف یا سخنِ حق کی طرف پلٹتی ہے جو کلام میں موجود قرائن سے معلوم ہوتا ہے؛ ہر چند کہ گزشتہ عبارات میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔ جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اہل بیتؑ کے بارے میں حق بات کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیں۔

یہ جو امامؑ نے فرمایا کہ ہمارے فوت شدگان کو مردہ نہیں ہیں اور یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں بوسیدگی کے آثار نمایاں نہیں ہوتے ہیں، کبھی اس کی حقیقی اور ظاہری معنیٰ میں تفسیر کی گئی ہے کہ واقعی اولیاء اللہ کا جسد قبروں میں تروتازہ رہتا ہے اور وہ ایک خاصیات سے بہرہ مند ہیں، اس طرح کہ وہ بولنے والوں کی باتوں کو سنتے ہیں، ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور شہیدانِ راہِ خدا کی زندگی کی طرح زندگی گزارتے ہیں کہ قرآن میں ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

"اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں اپنے پروردگار کے ہاں سے (وہ طرح طرح کی) روزی پاتے۔"[1]

اس بنا پر یَمُوتُ کا جملہ ظاہری موت کے معنی میں ہے اور "لَيْسَ بِمَيِّتٍ" کا جملہ واقعی موت کی نفی ہے۔ اسی طرح "يَبْلَى وَلَيْسَ بِبَالٍ" کے جملے بھی ہیں۔

بعض لوگوں نے بھی کہا ہے کہ یہاں حیات (زندگی) اور بوسیدہ نہ ہونے سے مجازی معنیٰ مراد ہیں، یعنی ان بزرگواروں (عترتؑ) کی تعلیمات اور آثار رہتی دنیا تک باقی ہیں، گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں، جس طرح نہج البلاغہ کے آخر میں کمیلؒ کی ایک روایت میں علمائے حق کے بارے میں فرماتے ہیں:

"أَعْيَانُهُمْ مَفْقُودَةٌ، وَأَمْثَالُهُمْ فِي الْقُلُوبِ مَوْجُودَةٌ"

---

[1] سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۶۹

https://downloadshiabooks.com/

"اُن کے اجسام ہمارے درمیان سے چلے گئے، لیکن ان کا وجود معنوی لوگوں کے دلوں میں باقی ہے۔"[۱]

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ "حیات" سے مراد یہاں پر حیاتِ برزخی ہے (موت سے قیامت تک کا زمانہ) کہ جس میں رُوحیں جسمِ مثالی کے قالب میں عالمِ برزخ میں موجود ہیں۔ لیکن اس بات کے پیشِ نظر کہ یہ مسئلہ صرف امام اور اولیاء اللہ سے مخصوص نہیں ہے اس لیے یہ احتمال قرینِ عقل نہیں ہے۔

ان احتمالات میں سے پہلا احتمال درست اور صحیح معلوم ہوتا ہے، البتہ اس قسم کی زندگی شہداء کی زندگی سے بالاتر ہے، کیونکہ "تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَ تَرُدُّ سَلَامِیْ"[۲] کے مطابق وہ ہماری باتیں سنتے ہیں اور ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُن کا اس جہاں سے رابطہ برقرار ہے۔

پھر امام عالی مقامؑ مذکورہ مطلب کی تاکید کی خاطر فرماتے ہیں:

"فَلَا تَقُوْلُوْا بِمَا لَا تَعْرِفُوْنَ، فَإِنَّ أَكْثَرَ الْحَقِّ فِيْمَا تُنْكِرُوْنَ۔"

"جس چیز کے بارے میں نہیں جانتے ہو اس کے متعلّق کچھ نہ کہو، کیونکہ بہت سارے حقائق اُن امور میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں، جن کا تم انکار کرتے ہو۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی معلومات محدود ہیں اور کائنات کی حقیقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس بنا پر عقل کہتی ہے، جو انسان نہیں جانتا ہے اس کا انکار نہ کرے، مثلاً اولیاء اللہ کے زندہ ہونے کے بارے میں آگاہی نہیں رکھتا ہو تو اس کے انکار میں کچھ نہ بولے، کیونکہ صرف یہی ایک موضوع نہیں ہے کہ جس سے بہت سارے لوگ بے خبر ہیں، بلکہ ہزاروں لاکھوں ایسے حقائق دنیا میں موجود ہیں، جن کا ہمیں ادراک نہیں۔

بعض دانش مندوں کے مطابق، اس کائنات میں رونما ہونے والے حقائق ایک ضخیم کتاب کی مانند ہیں، کہ اگر اوّلین سے آخرین تک کے علوم کو اکٹھا کرلیں تو بھی اس کتاب کا ایک صفحہ تشکیل نہیں پائے گا۔

امامؑ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہیں جو کہ ناگوار اور دلخراش ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

"وَاعْذِرُوْا مَنْ لَا حُجَّةَ لَكُمْ عَلَيْهِ - وَهُوَ أَنَا"

"جس کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل نہ ہو اس کے عذر کو قبول کرلو اور وہ میں ہوں۔"

---

[۱] نہج البلاغہ، کلمات قصار، شمارہ ۱۴۷

[۲] بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۲۹۵

https://downloadshiabooks.com/

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں سے متعلّق میرے ذمّے جو ذمّے داریاں تھیں، وہ میں نے انجام دے دیں؛ اس میں ذرّہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی اور میں نے اپنی تمام ذمہ داریاں نبھائیں؛ اس لیے کسی اعتراض اور تنقید کی گنجائش نہیں ہے کوئی اعتراض مجھ پر نہیں۔ جو کوئی میرے خلاف کچھ بولے تو وہ غلطی پر ہے یا کسی غرض کی خاطر ایسا کر رہا ہے۔

امامؑ کا مقصد یہ نہیں کہ تم لوگ میرے سامنے خیر خواہی کا اظہار نہ کیا جائے اور اگر مشاورت میں کوئی اہم بات تمہارے ذہن میں خطور کرے تو اُسے بیان نہ کرو، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے لیے اعتراض کا محل و موقع نہیں رہا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

لَكَ أَنْ تُشِيرَ عَلَيَّ، وَأَرَى، فَإِنْ عَصَيْتُكَ فَأَطِعْنِي

"تم مجھے اپنا نقطۂ نظر بیان کر سکتے ہو، میں اس بارے میں سوچوں گا، مگر جب تمہارے نقطۂ نظر کے خلاف قدم اُٹھاؤں تو تم میری اطاعت کرنا۔"[۱]

پھر آپؑ اُمّت کے لیے اپنی خدمات کو بیان کرتے ہیں اور سات جملوں کے ضمن میں اس حقیقت کو مکمل طور سے واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی موقع پر امّت کے حق میں کوتاہی نہیں کی۔

سب سے پہلے آپؑ فرماتے ہیں:

"أَلَمْ أَعْمَلْ فِيكُمْ بِالثَّقَلِ الْأَكْبَرِ"

"کیا میں نے تمہارے درمیان ثقلِ اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا؟ (اور اس کے احکامات کو من وعن نافذ نہیں کیا؟)"

حضرت امیر المومنینؑ کی پوری زندگی، بالخصوص آپ کے دورِ حکومت میں ہر جگہ آپؑ کا نصب العین قرآن تھا، اور تمام کاموں میں اسی کو مدنظر رکھتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمان، "عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ، وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ"[۲] کے مطابق وہ قرآن کے ساتھ تھے اور قرآن اُن کے ساتھ تھا۔

دوسرے جملے میں امامؑ فرماتے ہیں:

"وَأَتْرُكْ فِيكُمُ الثَّقَلَ الْأَصْغَرَ"

"کیا میں نے تمھارے درمیان ثقلِ اصغر (عترتِ رسولؐ) کو نہیں چھوڑا؟ (اور ان کی نگہبانی نہیں کی؟)

اس بات پر گواہ وہ واقعات ہیں جو کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی زندگی میں پیش آئے؛ جب اولادِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] نہج البلاغہ، کلمات قصار، جملہ ۳۲۱۔

[۲] ینابیع المودّۃ (احقاق الحق میں نقل کی گئی روایت کے مطابق جلد ۹، ص ۳۵۴)

https://downloadshiabooks.com/

اور ثقلِ اصغر کی باقیات اصغر، امام حسنؑ اور امام حسینؑ جب کسی خطرے میں پڑ جاتے تو امامؑ ان کی حفاظت کے لیے بھر پور کوشش کرتے تھے، مثلاً جنگ صفین میں جب دیکھا کہ امام حسنؑ تیزی سے میدان جنگ کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا:

أَمْلِكُوا عَنِّي هٰذَا الْغُلَامَ لَا يَهُدَّنِي، فَإِنَّنِي أَنْفَسُ بِهٰذَيْنِ - يَعْنِي الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - عَلَى الْمَوْتِ لِئَلَّا يَنْقَطِعَ بِهِمَا نَسْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ

اس جوان کو روکو اور اس کا خیال رکھو، ایسا نہ ہو کہ اس کی موت مجھے مار ڈالے۔ میں ان کی زندگی کے بارے میں بہت فکرمند ہوں۔ جس چیز سے ان کی زندگیوں کو خطرہ ہو میں اُس سے پرہیز کرتا ہوں کہ مبادا اِن کی موت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل منقطع ہو جائے۔ [1]

تیسرے جملے میں فرماتے ہیں:

قَدْ رَكَزْتُ فِيكُمْ رَايَةَ الْإِيمَانِ

"میں نے ایمان کے پرچم کو تمہارے درمیان گاڑ دیا ہے اور اس کی بنیادیں مستحکم کر دی ہیں۔"

مبدأ، معاد اور نبوتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلائل کے سلسلے میں امیر المؤمنینؑ کے کلام من جملہ نہج البلاغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی بنیادوں کی پختگی کے لیے کسی بھی موقع کو فروگزاشت نہیں کرتے تھے اور معارفِ اسلامی کی تمام گتھیوں کو سلجھاتے تھے۔

چوتھے جملے میں فرماتے ہیں:

"وَ وَقَفْتُكُمْ عَلَى حُدُودِ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ"

"میں نے تمھارے لیے حرام و حلال سے آگاہ کر دیا (اور ان کی حدود بھی مشخص کر دیں)۔"

امامؑ نے اس کام پر اتنا مصر تھے کہ نہ صرف مسجد میں اور دوسرے اجتماعات میں بھی حلال و حرام کا بیان کرتے تھے، بلکہ روزانہ بازارِ مسلمین میں حرام و حلال کی اہمیت تاجروں اور دکانداروں سے بیان فرماتے، تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتا ہے کہ کسی حکمران نے اس طرح حلال و حرام کو اہمیت دی ہو۔

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام جب بازار میں تشریف لاتے، تو بلند آواز میں فرماتے تھے، اے بازار والو! تقوائے الٰہی کو اپناؤ اور خرید و فروخت کے وقت قسمیں مت کھاؤ، اس سے تمہارے کاروبار سے برکت چلی جائے گی، تاجر لوگ فاجر ہوتے ہیں، مگر یہ کہ وہ اپنا حق لینے کے ساتھ دوسروں کا حق بھی ادا کریں، تم پر سلامتی ہو!۔ کچھ دنوں

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۷

https://downloadshiabooks.com/

کے بعد آپؑ دوبارہ بازار میں تشریف لاتے اور اسی بات کو تکرار فرماتے۔ (۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؑ جب بازار میں قصابوں کے بازار سے گزرتے تو فرماتے تھے، اے قصابو! جو گوشت میں ہوا بھر کر دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بعض قصاب کھال اور گوشت کے درمیان ہوا بھر دیتے تھے تاکہ گوشت دیکھنے میں موٹا لگے۔ (۲)

اس تعبیر سے واضح ہوتا ہے کہ امامؑ کس باریک بینی سے احکامِ الٰہی کو بیان کرتے تھے۔

ایک اور حدیث جو ہم بحارالانوار میں پڑھتے ہیں: حضرت امیرالمومنینؑ ہر روز صبح کو کوفے کے بازاروں میں گشت کرتے تھے اور تازیانہ آپؑ کی کمر پر ہوتا تھا (تاکہ خلاف ورزی کرنے والوں سے حساب لیا جائے) اور ہر بازار کے سامنے کھڑے ہوجاتے اور آواز دیتے، اے تاجرو! ہر چیز سے پہلے خدا سے اچھائی کے طلب گار رہو اور برکت کو نرم روی میں تلاش کرو، خریداروں سے نزدیک ہوجاؤ، حلم و بردباری کو اپنی زینت بناؤ، جھوٹ اور قسموں سے دور رہو اور ظلم سے پرہیز کرو، مظلوم کا حق ادا کرو، سود کے پیچھے نہ جاؤ، ناپ تول کا حق ادا کرو (کم فروشی نہ کرو) لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ کرو۔ (۳)

پانچویں جملے میں فرماتے ہیں:

وَ أَلْبَسْتُكُمُ الْعَافِيَةَ مِنْ عَدْلِي

"اور میں نے اپنے عدل سے تمہیں عافیت کے جامے پہنائے۔"

معاشرے کے امن وسلامتی میں اجتماعی عدالت کی تاثیر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ امیرالمؤمنینؑ کا عدل۔ اُنھوں نے اپنی حکومت کے آغاز ہی سے اجتماعی عدالت کے نفاذ کی ضرورت پر زور دیا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر آپؑ نے صراحت کے ساتھ فرمایا، میں اُن تمام اموال کو، جسے بیت المال سے لٹیروں نے لوٹ لیا ہے، واپس لوٹا دوں گا، خواہ وہ عورتوں کا مہر ہی کیوں نہ قرار دیے گئے ہوں یا اُن سے کنیزیں خریدی گئی ہوں، کیونکہ عدالت تمام انسانی معاشرے کے لیے سکون اور خوشحالی ہے۔ (۴)

چھٹے جملے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) الغارات، سیرۃ علیؑ فی نفسہ

(۲) الغارات، سیرۃ علیؑ فی نفسہ

(۳) بحارالانوار، جلد ۴۱، ص ۱۰۴، حدیث ۵

(۴) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵

https://downloadshiabooks.com/

فَرَشْتُكُمُ الْمَعْرُوفَ مِنْ قَوْلِي وَفِعْلِي

"اور اپنے قول و فعل سے حُسنِ سلوک کی بساط تمھارے لیے بچھادی۔"

معاشرے میں نیک کام کبھی وصیتوں، نصیحتوں اور نفع بخش باتوں کے ذریعے رائج ہوتے ہیں، تو کبھی عملی نمونوں کے ذریعے۔ حضرت علی علیہ السلام ان دونوں میدانوں میں کامل نمونہ تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کی عملی سیرت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جانب دعوت سے متعلق ان کے کلمات سے نہج البلاغہ اور تاریخ کی کتابیں پُر ہیں۔

بالآخر ساتویں جملے میں فرماتے ہیں:

وَأَرَيْتُكُمْ كَرَائِمَ الْأَخْلَاقِ مِنْ نَفْسِي

"اور اپنی جانب سے اخلاقی فضائل کو تمہارے لیے پیش کردیا۔"

حضرت امیر المومنینؑ کی عدالت، ایثار، زہد، مظلوموں، یتیموں اور دردمندوں کی حمایت، شجاعت وشہامت، ظالم و ستمگروں سے مقابلے سے متعلق اخلاقی فضائل اُن کی زندگی کی تاریخ میں جابجا نظروں سے گزرتے ہیں۔ دوست و دشمن، یہاں تک کہ امیر شام اور عمرو عاص جیسے سخت ترین دشمن بھی آپؑ کے اخلاقی فضائل کے معترف تھے۔

یہ سات جملے حقیقت میں اُمّتِ اسلامی اور انسانی معاشرے کے لیے آپؑ کی بے مثال خدمات کی فہرست ہے، ان خدمات کا بیان اور مخاطبین میں سے کسی کی طرف سے انکار نہ کرنا، آپؑ کی خدمات کے اعتراف پر واضح دلیل ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اخلاق کریمہ اخلاقِ حسنہ سے افضل و برتر چیز ہے، مثال کے طور پر حُسنِ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اچھے کام کے جواب میں اچھا کام یا اس سے بھی بہتر کام انجام دینا چاہیے، جبکہ اخلاق کریمہ کہتی ہے کہ بدی کا جواب نیکی سے دینا چاہیے، بالکل اُسی طرح کا برتاؤ، جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم کی ضربت لگنے کے بعد اُس کے ساتھ کیا۔

اس گفتگو کے اختتام پر آپؑ فرماتے ہیں:

فَلَا تَسْتَعْمِلُوا الرَّأْيَ فِيمَا لَا يُدْرِكُ قَعْرَهُ الْبَصَرُ، وَلَا تَتَغَلْغَلُ إِلَيْهِ الْفِكَرُ

"اب جب کہ ایسا ہے تو جس چیز کی گہرائیوں تک تم نہیں پہنچ سکتے اور تمہاری فکر اُس میں جولانی سے عاجز ہے، تو اُس میں اپنی رائے کو استعمال نہ کرو۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مقامات، جو میں نے ثقلِ اصغر (عترتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے بیان کیے، اُن پیچیدہ مسائل میں سے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تعلّق رکھتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ اپنی ناقص افکار اور وہم وخیال کے بل بوتے پر تنقید کرنے بیٹھو۔ یہ وہ مقامات ہیں جن سے خداوند حکیم آگاہ ہے اور انہیں اپنی حکمت کے مطابق

https://downloadshiabooks.com/

مقرر کیا ہے اور یہ اسلامی معاشرے کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔

یہ جملہ درحقیقت تاکید ہے اُس جملے کے لیے، جو ان صفات کے بیان سے پہلے گزرا، جس میں آپؑ نے فرمایا:

"جس چیز کے متعلق تم نہیں جانتے اور جو تمہاری فکر کی دسترس سے باہر ہو، اُس کے بارے میں لب کشائی نہ کرو، کیونکہ بہت سے حقائق ایسے امور میں ہیں جن کا تم انکار کرتے ہو۔"

چھٹا حصّہ

و منها: حَتّٰى يَظُنَّ الظَّانُّ أَنَّ الدُّنْيَا مَعْقُوْلَةٌ عَلٰى بَنِيْ أُمَيَّةَ: تَمْنَحُهُمْ دَرَّهَا، وَ تُوْرِدُهُمْ صَفْوَهَا، وَ لَا يُرْفَعُ عَنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَوْطُهَا وَ لَا سَيْفُهَا، وَ كَذَبَ الظَّانُّ لِذٰلِكَ، بَلْ هِيَ مَجَّةٌ مِنْ لَذِيْذِ الْعَيْشِ يَتَطَعَّمُوْنَهَا بُرْهَةً، ثُمَّ يَلْفِظُوْنَهَا جُمْلَةً!!

حضرت امام علی علیہ السلام اس خطبے کے ایک اور حصے میں فرماتے ہیں:

یہاں تک کہ گمان کرنے والے یہ گمان کرنے لگیں گے کہ بس اب دنیا بنی امیّہ ہی کے دامن سے بندھی رہے گی اور اُنہیں ہی اپنے سارے فائدے بخشتی رہے گی اور اُنہیں ہی اپنے صاف چشمے سے سیراب ہونے کے لیے اتارتی رہے گی اور اِس امّت کی گردن پر ان کی تلوار اور پشت پر ان کا تازیانہ ہمیشہ رہے گا۔ جو یہ خیال کرے گا، غلط خیال کرے گا۔ بلکہ یہ تو زندگی کے مزوں میں سے شہد کے چند قطرے ہیں، جنہیں کچھ دیر چوسیں گے اور پھر سارے کا سارا تھوک دیں گے۔ (۱)

شرح و تفسیر

بنی اُمیہ کی مختصر مدّتِ حکومت

یہ مذکورہ خطبے کا آخری حصّہ ہے۔ بعض کی رائے کے مطابق یہ حصّہ مستقل اور جدا مطالب پر مشتمل ہے، جن کا گزشتہ مطالب کے ساتھ کسی قسم کا ربط نہیں۔ درحقیقت اِس حصّے اور گزشتہ حصے کے درمیان بہت سے مطالب تھے، جنہیں سیّد رضیؒ نے نقل نہیں کیا؛ اسی لیے اس حصے اور گزشتہ حصوں کے مابین کوئی واضح ربط نظر نہیں آتا، لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ ان

(۱) وضاحت خطبے کے آخر میں۔

https://downloadshiabooks.com/

دونوں حصوں کے درمیان کوئی معقول ربط موجود ہو، یعنی جو کچھ حذف کیا گیا ہے وہ شاید تھوڑا سا ہی تھا (جس کا خاطر خواہ اثر نہیں پڑے گا)۔

گویا حضرت علی علیہ السلام گزشتہ بحث کے آخری جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس میں انہوں نے فرمایا: جو چیز تم نہیں جانتے ہو اور جسے نہیں دیکھ پاتے اس کے بارے میں گمان اور تخمینہ کاری سے کام نہ لو۔

من جملہ اُن میں سے یہ کہ یہ گمان نہ کرو کہ بنی امیہ کی حکومت ہمیشہ اسی طرح باقی رہے گی، ایسا نہیں ہے بلکہ چند دن کے بعد ان کی حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا۔

مرحوم سیّد رضیؒ اس حصے کو شروع کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں، اس خطبے کا دوسرا حصّہ اس طرح ہے:

"حَتّٰی یَظُنَّ الظَّانُّ أَنَّ الدُّنْیَا مَعْقُوْلَةٌ[1] عَلٰی بَنِیْ أُمَیَّةَ; تَمْنَحُهُمْ دَرَّهَا[2] وَ تُوْرِدُهُمْ صَفْوَهَا، وَلَا یُرْفَعُ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَوْطُهَا وَلَا سَیْفُهَا"

"یہاں تک کہ گمان کرنے والے یہ گمان کرنے لگیں گے کہ بس اب دنیا بنی امیّہ ہی کے دامن سے بندھی رہے گی اور اُنہیں ہی اپنے سارے فائدے بخشتی رہے گی اور اُنہیں ہی اپنے صاف چشمے سے سیراب ہونے کے لیے اتارتی رہے گی اور اِس امّت کی گردن پر ان کی تلوار اور پشت پر ان کا تازیانہ ہمیشہ رہے گا۔"

مَعْقُوْلَةٌ عَلٰی بَنِیْ أُمَیَّةَ

اس جملے کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کی اُونٹنی کو نکیل ڈال کر اُس کی مہار بنو امیہ کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ یہ جملہ، اپنا سب کچھ دوسروں کے سپرد کر دینے کے لیے ایک لطیف کنایہ ہے۔

تَمْنَحُهُمْ دَرَّهَا

اس کا تحت اللفظ ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کی اونٹنی نے اپنا تمام دودھ بنی امیہ کو عطا کر دیا ہے۔ یہ جملہ گزشتہ جملے کا تکملہ ہے۔ عربوں کا معمول تھا کہ وہ اپنی زندگی کے بہت سے مسائل کو اونٹ سے تشبیہ دیتے تھے، جو کہ ان کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا تھا اور اس قسم کی تشبیہات اُن کے لیے قابلِ فہم اور دلنشین ہوا کرتی تھیں۔

بہر کیف کم ظرف اور ظاہر بین لوگ عام طور پر جب وہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں برسرِ اقتدار آنے والا شخص اپنے مخالفین

---

[1] **معقولہ**، عقال کے مادّے سے ہے، جس کا معنی وہ رسی ہے جس سے اونٹ کو بٹھانے کے بعد باندھ دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھ پائے اور بیٹھا رہے۔ **معقولہ** اونٹنی، ایسے حیوان ہی کو کہا جاتا ہے، پھر دیرپا کاموں کے لیے کنائے کے طور پر استعمال۔

[2] **درّ**، دراصل دودھ کا پستان سے گرنے کے معنیٰ میں ہے، پھر یہ لفظ بارش اور اُس جیسی سیّال چیزوں کے گرنے پر اس کا اطلاق ہونے لگا، اور کنائے کے طور پر مختلف مادّی عطایا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

کو مختصر وقت میں پچھاڑ دیتا ہے اور دنیا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے، تو گمان کرتے ہیں کہ ان کی حکومت دیر پا یا جاودانی ہے؛ جبکہ آئندہ کے حالات کے بارے میں خدا کے علاوہ کوئی علم نہیں رکھتا، مستقبل بالخصوص سیاسی مسائل کے سلسلے میں گمان قابلِ اعتبار نہیں ہے؛ لیکن اللہ کے اولیاء کہ جن کے علم کا سرچشمہ علمِ پروردگار ہے، لوگوں کو مستقبل کے بارے میں آگاہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جو خبر امامؑ خطبے کے اس حصّے میں دے رہے ہیں، وہ بھی اسی قبیل میں سے ہے، چنانچہ سلسلۂ کلام کو جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ كَذَبَ الظَّانُّ لِذٰلِكَ

"جو لوگ اس طرح کا گمان رکھتے ہیں، وہ جھوٹ بولتے ہیں (اور غلطی پر ہیں)۔"

بَلْ هِيَ مَجَّةٌ [1] مِنْ لَذِيذِ الْعَيْشِ يَتَطَعَّمُونَهَا بُرْهَةً، ثُمَّ يَلْفِظُونَهَا جُمْلَةً!

"بلکہ یہ تو زندگی کے مزوں میں سے شہد کے چند قطرے ہیں، جنہیں کچھ دیر چوسیں گے اور پھر (اسے نگلنے سے پہلے) سارے کا سارا تھوک دیں گے۔"

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تدریجاً حکومت کو اپنے اختیار میں لیتے ہیں اور فوراً اُس سے محروم بھی ہو جاتے ہیں۔

بنی اُمیہ کی حکومت اسّی (۸۰) سال سے زیادہ نہ چل سکی، بالفاظ دیگر اُن کے لیے لذّت ترین ایام مولیٰ علی علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد کے ایام تھے، جن میں انہوں نے حکومت کے مزے لیے۔ اس کے بعد یزید کی مختصر لیکن ظالم حکومت تھی، جس میں قیامِ امام حسین علیہ السلام اور اُن کی شہادت کے نتیجے میں دامن گیر ہونے والی عجیب رسوائی کے واقعات رونما ہوئے۔ پھر مسلمانوں کا مدینے میں قیام کر کے یزید کی چار سال سے مختصر حکومت کا درہم برہم کر دیا اور پھر تیزی سے اُن کے درمیان اقتدار میں تبدیلی ہوتی رہی، یہاں تک ان میں سے بعضوں کی حکومت صرف چھے مہینے! بلکہ معاویہ بن یزید کی حکومت چالیس دن تک چل پائی۔ سب سے دراز مدّت حکومت عبدالملک کی حکومت تھی، جو بیس سال سے کچھ زیادہ تھی، شاید وجہ یہ تھی کہ اُس نے حجاج کے مشوروں پر کان نہیں دھرے اور بنی ہاشم کا خون بہانے سے دست بردار ہو گیا تھا۔

بہر حال جیسا کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے پیش گوئی فرمائی تھی: ان کی حکومت مختصر تھی اور اس کا ایک بڑا حصہ مختلف قسم کی مشکلات اور بدبختیوں سے پُر تھا۔

هِيَ مَجَّةٌ کی تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ (بنی امیہ) لذّت بخش مادّی زندگی سے بہرہ مند ہوں

---

[1] مجّۃ مج کے مادّے سے ہے بروزن حج، منہ سے لعاب دہن کو باہر نکالنے کو کہتے ہیں، انگور اور اس جیسی چیزوں کے رس کو مجاج بروزن عقاب بھی کہتے ہیں، شہد کو بھی مجاج النحل کہتے ہیں۔ یہاں وقتی کامیابی سے کچھ وقت بعد محروم ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

گے، لیکن اس شخص کی مانند جو لذیذ غذا کو منہ میں ڈال کر اس کے مزے کو چکھتا ہے مگر اُسے نگلنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا، جلد ہی اس لذت بخش حکومت کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ ان کی اسّی (۸۰) سالہ مختصر حکومت [بجز چند برسوں کے] مختلف قسم کی ناخوشگواریوں بے چینی، انارکی اور خطرات سے بھری ہوئی تھی۔

نکتہ

بنی اُمیہ کی حکومت کی ناکامی

یہ بات صحیح ہے کہ بنی اُمیہ نے اسّی (۸۰) سال تک اسلامی ممالک پر حکومت کی اور آل ابوسفیان اور آل مروان کے چودہ افراد نے یکے بعد دیگرے زمامِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔ [1]

ان میں سے بعض کی حکومت صرف ایک سال یا چند مہینے اور بعض نے صرف ۷۰ دن حکومت کی، سب سے لمبی مدت کی حکومت ہشام ابن عبدالملک کی تھی، جو بیس سال سے زیادہ تھی۔، اس طرح ہر کسی نے کم سے کم چھے سال تک حکومت کی۔ لیکن ان کی حکومت غالباً ناخوشگواری، تضادات اور ناکامیوں سے اٹی ہوئی تھیں، جس پر اُن کی کوتاہ مدت حکوت گواہ ہے۔

وہ طولانی حوادث، جو اس مدّت میں رونما ہوئے اور جنہوں نے اُن کے ذہن میں شہد کو زہر سے بدل دیا تھا، درج ذیل ہیں:

الف: بنی امیّہ کے خلاف خوارج کا قیام

بنی امیہ کی حکومت کو خوارج کی طرف سے طوفانوں، شورشوں اور تحریکوں کا سامنا تھا:

[1] اُن چودہ افراد کے نام: (۱) معاویہ، ۴۰ تا ۶۱ ہجری قمری (۲) یزید بن معاویہ، ۶۱ تا ۶۴ ہجری قمری (۳) معاویہ بن یزید، ۴۰ روز یا ۶۴ ہجری قمری کے دو ماہ (۴) مروان بن حکم، ۶۵ ہجری قمری کے ۹ ماہ (۵) عبدالملک بن مروان، ۶۵ تا ۸۶ ہجری قمری (۶) ولید بن عبدالملک، ۸۶ تا ۹۶ ہجری قمری (۷) سلیمان بن عبدالملک، ۹۶ تا ۹۹ ہجری قمری (۸) عمر بن عبدالملک، ۹۹ تا ۱۰۱ ہجری قمری (۹) یزید بن عبدالملک، ۱۰۱ تا ۱۰۵ ہجری قمری (۱۰) ہشام بن عبدالملک، ۱۰۵ تا ۱۲۵ ہجری قمری (۱۱) ولید بن یزید بن عبدالملک ۱۲۵ تا ۱۲۶ ہجری قمری (۱۲) یزید بن ولید بن عبدالملک، ۱۲۶ ہجری قمری کے ۲ مہینے اور ۱۰ دن (۱۳) ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، ۱۲۶ ہجری قمری کے ۷۰ دن (۱۴) مروان بن محمد مشہور بہ مروان حمار ۱۲۶ تا ۱۳۶ ہجری قمری۔ یہ سب سیرۂ پیشوایان سے لیا گیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

۱۔حضرت امام حسین علیہ السلام کی کوفے سے حجاز کی طرف حرکت کرنے اور امیر شام کی کوفہ آمد کے فوراً بعد پانچ سو خوارجیوں نے فروہ بن نوفل کی سرکردگی میں کوفے میں داخل ہونے کے بعد اُس کے خلاف قیام کیا۔ (۱)

۲۔"عروۃ بن حدیر" المعروف بہ "عروۃ بن ادیہ"، جو کہ خوارج میں سے تھا، اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر امیر شام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور زیاد نے اُسے قتل کیا۔

۳۔نجدہ بن عویم حنفی، خوارج کے سرداروں میں سے تیسرا سردار تھا، جس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امیر شام کی حکومت کے خلاف قیام کیا اور یمامہ، یمن، طائف، عمان، بحرین اور تیم اور عامر کی وادی پر قبضہ جمالیا۔

۴۔مستورد بن سعد تمیمی جو کہ اس گروہ کا چوتھا آدمی تھا، اُس نے مغیرہ بن شعبہ پر، جو کہ کوفہ میں امیر شام کا گورنر تھا، حملہ کر دیا اور مغیرہ نے معقل ابن قیس کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا، وہ دونوں ایک دوسرے پر تلواروں کے پے در پے وار کے نتیجے میں ہلاک ہوئے۔ (۲)

۵۔پانچواں فرد حوثرۂ اسدی تھا، جس نے قحط والے سال میں خوارج کے گروہ کے ساتھ مل کر امیر شام کے خلاف بغاوت کی؛ امیر شام نے دفاع کے لیے کوفے سے سپاہی اُس کی جانب روانہ کیے۔ حوثرہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا، "اے دشمنانِ خدا! تم نے کل امیر شام کی حکومت گرانے کے لیے اُس کے ساتھ جنگ کی اور آج اس کی حکومت کی بنیادوں کو استحکام بخشنے کے لیے!" حوثرہ اس لڑائی میں مارا گیا اور اُس کی افرادی قوت تتر بتر ہو گئی۔

۶۔قریب بن مرۂ ازدی اور زحّاف، جو کہ طائی بصرہ کے مجتہدین اور عبادت گزاروں میں سے تھے، انہوں نے امیر شام کے زمانے میں زیاد کے خلاف خروج کیا تھا۔ (۳)

۷۔نافع بن ازرق حنفی، اور نجدہ بن عامر، خوارج کے دوسرے دو افراد تھے کہ جنھوں نے قیام کر کے بصرہ پر حملہ کر دیا اس گھمسان کی لڑائی میں بصرہ کا امیر "عبیس" اور نافع دونوں قتل کر دیے گئے۔ یہ جنگ، جنگِ دولاب کے نام سے معروف و مشہور ہے اور خوارج کی مشہور جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔

۸۔عبید اللہ بن بشیر بن ماحوز یربوعی نے نافع کے قتل کے بعد خوارج کے امور کی ذمّہ داری سنبھال لی اور اس راستے میں لڑتا رہا۔ (۴)

---

(۱) البدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۲۴

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن الحدید ج ۴، ص ۱۳۲، ۱۳۴

(۳) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳۵

(۴) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۴۴

https://downloadshiabooks.com/

۹۔ زبیر بن علی سلیطی کی بصرہ آمد ہوئی بصرہ آیا اور بصرہ اور اہواز کے لوگ رغبت اور ڈر کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ اس سے ملحق ہو گئے اور مرکزی حکومت کے خلاف قیام کیا۔ (۱)

۱۰۔ قطری بن فجاءہ مازنی، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو امیر شام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے؛ جب زبیر بن علی قتل کر دیے گئے، اُس وقت خوارج نے عبیدہ بن ہلال کو اپنا سردار بنانا چاہا (تاکہ جنگ کو جاری رکھیں) لیکن اس نے کہا کہ قطری بن فجاءہ مجھ سے بہتر ہے، لہٰذا اُس کی بیعت کر لی۔ (۲)

۱۱۔ عبد ربہ صغیر، وہ شخص ہے جس کی قطری کے زمانے میں لوگوں کی بڑی تعداد نے بیعت کی تھی اور یہ شخص "مہلب" کے ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا۔ (۳)

۱۲۔ شبیب بن یزید شیبانی، جس کا قیام سرزمین موصل اور جزیرہ میں تھا، حجاج اس سے لڑنے کی ٹھانی اور اُس نے حجاج کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا۔ (۴)

ب: بنو امیّہ کے خلاف دیگر گروہوں کا قیام

۱۔ حجر بن عدیؓ کا کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے خلاف قیام۔ مغیرہ بن شعبہ نے اپنی تقریر میں حضرت امام علیؑ کے شان میں بدکلامی کی اور خلیفۂ ثالث اور اس کے طرف داروں کی تعریف کی، حجرؓ نے اس عمل پر احتجاج کیا اور بالآخر، شہرِ شام کے نزدیک "مرج عذراء" کے مقام پر امیر شام کے ذریعے سے (امان دیئے جانے کے بعد) شہید کر دیے گئے۔ (۵)

۲۔ ابا عبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے محرّم ۶۱ ہجری میں یزید کے مدمقابل قیام کیا اور تمام اصحاب و انصار کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا۔ (۶)

۳۔ عبداللہ بن زبیر نے مکے میں قیام کیا، لوگوں کو اپنی بیعت کی لیے دعوت دی اور یزید کے گورنر کو مکّہ سے نکال دیا۔ (۷)

۴۔ عبداللہ بن حنظلہ کی قیادت میں مدینہ کے لوگوں کا قیام، جو کہ واقعہ حرّہ کے نام سے مشہور ہے؛ یہ قیام ۶۳ ہجری میں

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۴۴

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۶۷

(۳) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۶۷

(۴) البدایۃ والنھایۃ، ج ۹، ص ۱۷

(۵) البدایۃ والنھایۃ، جلد ۸، ص ۵۴

(۶) تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۲۴۵

(۷) تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۲۴۷

https://downloadshiabooks.com/

ذی الحجہ میں کی مہینے میں عمل میں آیا؛ مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں یزید کے سپاہی مدینے میں داخل ہو گئے اور لوگوں کا قتل عام کیا۔ (۱)

۵۔ توابین کا قیام، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کچھ گروہوں نے آپ کا ساتھ نہ دینے پر پشیمان ہو کر توبہ کی اور یہ عزم کیا کہ اپنی کوتاہی کا ازالہ کریں؛ یہ تقریباً ستر ہزار آدمی تھے اور ۶۵ ہجری میں "عین الوردہ" کے مقام پر سلیمان بن صرد کی قیادت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے کے لیے قیام کیا۔ (۲)

۶۔ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کا قیام، اُس نے اسلیمان بن صرد کے بعد، ابراہیم بن مالک بن حارث لشکر کی کمان دے کر عبید اللہ ابن زیادہ کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجا، ابراہیم اس مقصد میں کامیاب ہو گیا، اُس نے عبید اللہ بن زیاد اور بنی امیہ کے طرفداروں میں سے ان کے معزز افراد کو قتل کیا۔ اس کے بعد مختار نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو یکے بعد دیگرے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ (۳)

۷۔ مصعب بن زبیر کا قیام، انہوں نے عراق کے کچھ لوگوں کے ساتھ لے کر قیام کیا اور عبید اللہ ابن زیاد سے جنگ شروع کی، لیکن انھوں نے وفا نہیں کی اور وہ شکست کھا گئے۔ (۴)

۸۔ عبد الرحمٰن بن محمد اشعث کا سیستان میں قیام؛ پہلے وہ حجاج کی جانب سے سیستان کے فرماں روا تھا، لیکن وہ حجاج کے غیض وغضب کا شکار ہوا، حجاج نے اُسے دھمکی دی، اُس نے بھی حجاج کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک گروہ کے ساتھ بیعت کر کے حجاج کے خلاف قیام کیا، اہواز میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور گھمسان کا رَن پڑا۔ یہ واقعہ ۸۳ ہجری قمری میں پیش آیا۔ (۵)

۹۔ آلِ مہلب نے ۱۰۲ ہجری میں یزید بن عبد الملک کے خلاف قیام کیا، تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد نے یزید بن مہلب کی بیعت کی۔ یزید بن عبد الملک نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو اس سے جنگ کے لیے روانہ کیا، ان میں سخت لڑائی ہوئی اور پہلی مرحلے اس میں لڑائی کا انجام شامیوں کی شکست کی صورت میں سامنے آیا۔ (۶)

۱۰۔ سلیمان بن کثیر خزاعی نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ۱۱۱ ہجری میں خراسان میں قیام کیا، لوگوں کو بنی ہاشم کی

---

(۱) تتمۃ المنتھی، ص ۵۸

(۲) البدایہ والنھایہ، ج ۸، ص ۲۷۶

(۳) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۵۹

(۴) البدایہ والنھایہ، ج ۸، ص ۳۴۷

(۵) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۷۷

(۶) البدایہ والنھایہ، ج ۹، ص ۲۴۶۔ تتمۃ المنتھی، ص ۱۱۶

https://downloadshiabooks.com/

بیعت کرنے کی دعوت دی، بہت سے لوگوں نے اس کا مثبت جواب دیا۔ (۱)

۱۱۔ زید بن علی بن الحسینؑ کا ہشام بن عبد الملک کے خلاف قیام، کہ انھوں نے ۱۲۱ ہجری میں صفر کے اوائل میں شہادت پائی۔ سب پہلے عراق کے اشراف اور قاریوں نے ان کی بیعت کی، لیکن عراق کے تحصیلدار یوسف بن عمر ثقفی سے لڑائی کے دوران اہل عراق فرار ہو گئے۔ زید نہایت استقامت کے بعد بہت سے زخم کھا کر شہید ہو گئے، ان کے جسدِ خاکی کو دفن کرنے کے بعد باہر نکال کر سر کو تن سے جدا کر دیا گیا، جسم کو سولی پہ لٹکا دیا گیا، اور اس کے بعد نذر آتش کر دیا گیا۔ (۲)

۱۲۔ یحییٰ بن زید کا قیام: انھوں نے ستر آدمیوں کے ساتھ نصر بن سیار کے دس ہزار نفوس پر مشتمل سپاہ کے مدمقابل قیام کیا، اُنھیں شکست دی، ان کے سپہ سالار کو قتل کیا، اس کے بعد نصر بن سیّار نے مزید سپاہیوں کو اُس کے مقابلے کے لیے بھیجا، اس جنگ میں وہ اور اُن کے تمام ساتھی شہید ہو گئے۔ (۳)

۱۳۔ ضحاک بن قیس خروری بھی قیام کرنے والوں میں سے ہیں اور عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز کے ساتھ اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور واسط موصل، نصیبین اور حران پر قابض ہو گیا۔ ضحاک ۱۲۷ ہجری میں قتل ہوا اور اس کی سپاہی منتشر ہو گئے۔ (۴)

۱۴۔ ابو حمزہ، مختار بن عوف حروری ازدی قیام کرنے والوں میں سے ہے؛ اُس نے مدینے پر قبضہ کیا اور شام پر قابض ہونے کی غرض سے چل پڑا، راستے میں مروان حمار کی فوج کا آمنا سامنا گتھم گتھا ہوئے، شکست کھانی پڑی اور واپس مدینہ چلے گئے۔ (۵)

۱۵۔ ۱۲۹ ہجری میں ابراہیم بن محمد امام اور ابو مسلم خراسانی نے قیام کیا۔ (۶)

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۱۹

(۲) تتمۃ المنتھی، ص ۱۲۴۔۱۲۷

(۳) البدایہ والنھایہ، ج ۱۰، ص ۷

(۴) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۳۸۔

(۵) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۳۹۔

(۶) البدایہ والنھایہ، ج ۱۰، ص ۳۲۔

https://downloadshiabooks.com/

اٹھاسی واں خطبہ

ومن خطبۃ لہ علیہ السّلام
وفیھا بیان للاسباب الّتی تھلک النّاس [۱]
(جس میں لوگوں کی ہلاکت کے اسباب بیان کیے گئے ہیں)

خطبہ، ایک نگاہ میں

یہ خطبہ حقیقت میں دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں امام عالی مقامؑ اس حقیقت کو بیان فرماتے ہیں کہ الٰہی عذاب ناگہانی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ظالموں، ستمگروں اور بگڑی ہوئی فسادی قوموں کو مدتوں مہلت دیتا ہے، اور ان کی جزا وسزا میں عجلت سے کام نہیں لیتا، اس لیے کہ شاید وہ ہوش میں آئیں، توبہ کریں اور حق کی طرف واپس پلٹیں، دوسری عبارت میں الٰہی جزا وسزا میں ہرگز انتقام کا پہلو نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا ہدف تعلیم وتربیت اور عبرت ہے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حق کو سننے اور سمجھنے اور دلوں کی بیداری کا سبب بننے والے سبق آموز وعبرت آموز نکات کو سمجھنے والے کم ہیں۔ دوسرے حصے میں منحرف اقوام کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دینی اختلافات کے حل کے لیے وحیکے سرچشمے، آسمانی کتابوں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں سے الہام حاصل کرنے کے بجائے اپنی ناقص آراء اور بے بنیاد خیالات اور وہم وگمان پر اکتفا کرتے ہیں اور وہم وگمان اور ظلمتوں کی وادی کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، اور اپنی ہلاکت کی طرف تیزی سے رواں دواں ہیں۔

پہلا حصّہ

[۱] خطبے کی سند، نہج البلاغہ کے علاوہ یہ خطبہ مرحوم کلینی نے روضہ کافی اور شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں سخنِ امام علیؑ کے ضمن میں کچھ فرق کے ساتھ بیان کیا ہے، کتاب نھایہ میں ابن اثیر نے بھی اس کے پیچیدہ الفاظ کو جلد ۱ ص ۴۶ میں مادّہ ازل میں نقل کیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

اَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَقْصِمْ [يفصم] جَبَّارِيْ دَهْرٍ قَطُّ إِلَّا بَعْدَ تَمْهِيلٍ وَ رَخَاءٍ، وَلَمْ يَجْبُرْ عَظْمَ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ إِلَّا بَعْدَ أَزْلٍ وَ بَلَاءٍ؛ وَ فِيْ دُوْنِ مَا اسْتَقْبَلْتُمْ مِنْ عَتْبٍ وَ مَا اسْتَدْبَرْتُمْ مِنْ خَطْبٍ مُعْتَبَرٌ! وَ مَا كُلُّ ذِيْ قَلْبٍ بِلَبِيْبٍ، وَلَا كُلُّ ذِيْ سَمْعٍ بِسَمِيْعٍ، وَلَا كُلُّ نَاظِرٍ بِبَصِيْرٍ.

امابعد! پروردگار نے کسی دور کے ظالموں کی کمر اس وقت تک نہیں توڑی ہے جب تک انہیں مہلت اور ڈھیل نہیں دے دی ہے اور کسی قوم کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس وقت تک جوڑا نہیں ہے جب تک اسے مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ اپنے لیے جن مصیبتوں کا تم نے سامنا کیا ہے اور جن حادثات سے تم گزر چکے ہو انہیں میں سامانِ عبرت موجود ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر دل والا عقل مند نہیں ہوتا ہے اور ہر کان والا سمیع یا ہر آنکھ والا بصیر نہیں ہوتا ہے۔

شرح وتفسیر

سننے والے اور دیکھنے والے کہاں ہیں؟

حضرت امیر المومنینؑ نے اس حصے میں دو اہم نکتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پہلا یہ کہ خداوند عالم نے ظالموں اور ستمگروں کو بیدار اور خبردار رہنے کا موقع عطا فرمایا ہے، دوسرا یہ کہ کامیابیاں سوائے تحمل اور برداشت کے ممکن نہیں ہیں؛ فرماتے ہیں:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَقْصِمْ [1] جَبَّارِيْ دَهْرٍ قَطُّ إِلَّا بَعْدَ تَمْهِيلٍ وَ رَخَاءٍ

”حمد وثنائے الٰہی کے بعد خداوند عالم دنیا کے ستمگروں کی کمر نہیں توڑتا، مگر یہ کہ ان کو مہلت دیتا ہے اور بہت ساری نعمتوں سے نوازتا ہے (تاکہ غور وفکر کریں، نعمت الٰہی کا شکر ادا کریں لیکن وہ شکریہ کے بجائے مغرور ہوئے اور اپنے مظالم میں اضافہ کیا۔)

جی ہاں! خداوند عالم حکیم اور حلیم ہے، غفور اور رحیم ہے اور اپنی ان صفاتِ حسنہ کی بنا پر عذاب وسزائے اور عمل کی پاداش دینے میں عجلت نہیں کرتا، بلکہ ان گمراہوں اور بدکاروں کو کافی مواقع دیتا ہے، تاکہ وہ ہدایت کے راستے پر واپس

---

[1] یقصم، قصم (غصب کے وزن پر) کے مادّے سے ہے، دراصل شدّت کے ساتھ توڑنے کے معنی میں ہے، یہاں تک کہ کبھی ریزہ ریزہ کرنے کے معنی میں آیا ہے اور کنائے کے طور پر ہلاک کرنے اور نابود کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

آ جائیں اور غلط کاموں سے دستبردار ہو جائیں، یہاں تک کہ ان کی ترغیب کی خاطر نعمتوں کی فراوانی عطا کرتا ہے، جیسا کہ نوحؑ، موسیٰؑ، فرعون اور قوم بنی اسرائیل اور قوم سبا کی تاریخوں میں ہم پڑھتے ہیں۔

اس کے بعد آپؑ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَجْبُرْ ① عَظْمَ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ إِلَّا بَعْدَ أَزْلٍ ② وَبَلَاءٍ

"کسی امّت کی ہڈی کو نہیں جوڑا، جب تک اسے شدت و سختی اور آزمائش میں نہیں ڈالا۔" (تاکہ ان نعمتوں کی قدر پہچان لے، ان کا احترام کرے اور ان کی بخوبی نگہبانی کرے۔)

اس کے علاوہ جیسا کہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے امامؑ فرماتے ہیں:

وَفِي دُونِ مَا اسْتَقْبَلْتُمْ مِنْ عَتْبٍ ③ وَمَا اسْتَدْبَرْتُمْ مِنْ خَطْبٍ مُعْتَبَرٌ

"جن مشکلات کا سامنا کرتے ہو اور جن سختیوں سے تم گزرتے ہو، ان میں تمھارے لیے بہت سی عبرتیں ہیں۔" (یہ تمہاری کمزوریوں اور توانائیوں کو ظاہر کرتی ہیں اور مشکلات کے حل کے طریقے سکھاتی ہیں اور یہ تمھاری تمام زندگانی کے لیے تجربہ ہوگا۔

گویا امامؑ اپنی اس گفتگو کے ذریعے چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو تسلّی دیں اور بنی امیہ کی کامیابی کے باعث ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور اپنے ساتھیوں کی بے چینی کا جواب دیں کہ جلدی نہ کریں! ان ظالموں کا ظلم باقی نہیں رہے گا، اللہ کی دی ہوئی مہلت تمام ہو جائے گی اور عذاب کے تازیانے ان کے جسم پر برسائے جائیں گے۔ اپنی مشکلات سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ یہ ایک سنّتِ الٰہی ہے کہ سختیوں کو برداشت کرنے کے بعد امّتوں کے نقصانات کا ازالہ ہوتا ہے؛ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جنگ احزاب میں نصرتِ الٰہی اُس وقت آئی، جب لشکرِ اسلام سخت مشکل میں تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ قرآن فرماتا ہے:

---

① یجبر، جبر کے مادّے سے ہے، کسی چیز کو ٹھیک کرنے کو کہتے ہیں، اس لیے ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کو جبر اور اس پر رکھی جانے والی چیز کو جبیرہ کہتے ہیں، کبھی ہر قسم کی زبردستی اور غلبہ یا ہر قسم کے جبران پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور چوں کہ بہت سے مواقع میں زبردستی اور غلبہ میں ظلم کی آمیزش ہوتی ہے اس لیے لفظ جبّار کبھی ظالم کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ لفظ خداوند تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو ازالہ کرنے والا اور اصلاح کرنے والا کے معنیٰ میں آتا ہے یا قاہر اور غالب کے معنیٰ میں آتا ہے اور خدا کے ناموں میں سے ایک نام "جابر العظم الکسیر"، یعنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والا، ہے۔

② ازل، تنگی اور شدت کے معنیٰ میں ہے، اس کا اصلی مادّہ، اَزْل، (فضل کے وزن پر) حبس کے معنیٰ میں ہے اور چوں کہ مشکلات انسان کو اپنے دائرے میں محبوس کر دیتی ہیں، اس وجہ سے انھیں ازل کہا جاتا ہے۔

③ عَتْب، (ختم کے وزن پر) خفگی کو کہتے ہیں اور اس وجہ سے کہ سرزنش کا سرچشمہ خفگی ہے، یہ لفظ سرزنش کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ خطبۂ بالا میں خفگی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ...هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

"(خوف سے) کلیجے منہ کو آ گئے تھے..... یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجوڑے گئے تھے۔"[۱]

قومِ بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن میں ہے کہ جب وہ دشمن کی طرف سے شدید دباؤ میں آ گئے تھے، تو حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے:

أُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا

"وہ لوگ کہنے لگے کہ (اے موسیٰؑ) تمہارے آنے کے قبل ہی سے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ہم کو تو برابر تکلیف ہی پہنچ رہی ہے۔" (دشمن کی اذیتیں کب ختم ہوئی ہیں؟)

حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

"عنقریب ہی تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تمہیں زمین میں (اس کا) جانشین بنائے گا۔ پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو۔"[۲]

اس بنا پر اُمّتِ اسلامیہ اور گزشتہ دیگر امتّوں میں بھی یہ الٰہی دستور جاری تھا اور امامؑ کے اصحاب بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

جی ہاں! یہ سب درس عبرت ہے، مگر اُن لوگوں کے لیے جو بصارت، سماعت اور دل رکھتے ہیں۔ لہٰذا امامؑ سلسلۂ کلام کو بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَا كُلُّ ذِيْ قَلْبٍ بِلَبِيْبٍ، وَلَا كُلُّ ذِيْ سَمْعٍ بِسَمِيْعٍ، وَلَا كُلُّ نَاظِرٍ بِبَصِيْرٍ

"لیکن ہر صاحبِ دل عاقل نہیں ہوتا اور نہ ہر کان رکھنے والا گوشِ شنوا رکھتا ہے اور نہ ہر آنکھ رکھنے والا چشمِ بینا رکھتا ہے۔"

انسانی تاریخ کے صفحات عبرتوں سے بھرے پڑے ہیں، ہماری مختصر تاریخ (اگر صحیح طور پر مشاہدہ کریں) بھی ان عبرتوں سے پُر ہے، بلکہ اس پوری کائنات کو عبرتوں نے گھیر رکھا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ دیکھنے والے، سننے والے، پڑھنے

---

[۱] سورۂ احزاب، آیات ۱۰، ۱۱

[۲] سورۂ اعراف، آیت ۱۲۹

https://downloadshiabooks.com/

والے اور عبرت لینے والے کم ہیں، اس بنا پر انھیں غلط راستوں پر گامزن ہیں اور اُسی بدبختی میں پھنسے رہیں گے۔

نکتہ

ظالموں کا مقدّر

وہ تمام لوگ جو پروردگارِ عالم اور اُس کی عدالت پر ایمان رکھتے ہیں، اس بات کے معتقد ہیں کہ اس عالمِ ہستی کی بنیاد عدل و انصاف پر استوار ہے، ظلم وستم کائنات کی سرشت کے خلاف ہے؛ لہٰذا جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس صفحۂ ہستی پر کچھ جابر و ظالم نمودار ہوتے ہیں اور مدتوں اپنی حکومت قائم کیے رہتے ہیں، تو ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پروردگار کے عدل اور اس جہانِ ہستی کی بنیاد کو مدّنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مواقع کیوں فراہم کیے؟

لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کے مختلف عوامل واسباب ہو سکتے ہیں:

پہلا: لوگ فاسد ہو جائیں اور ان کی دنیاوی پاداش اسی قسم کی حکومتیں ہوں، جیسا کہ مولائے کائناتؑ نے اپنی وصیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ شِرَارُكُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

"اگر ایسا کرو گے تو بُرے لوگ تمھارے اوپر مسلط ہوں گے، پھر جتنی بھی دعائیں مانگتے جاؤ قبول نہیں ہوں گی۔"(۱)

دوسرا: کبھی ظالم و ستمگر لوگ کچھ نیکی کے کام بجالاتے ہیں، جن کی بدولت کچھ مدت انھیں مہلت دی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں نقل ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حضور یہ عرض کیا، "فرعون کو چار سو سال تک مہلت دی، حالانکہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، پیغمبر اور تیری آیتوں کی تکذیب کرتا ہے"، جواب ملا کہ وہ خوش اخلاق تھا اور اُس تک عام آدمی آسانی سے پہنچ سکتا تھا، میں نے یہ چاہا کہ ان اچھی صفات کے بدلے اسے یہ مہلت دوں۔(۲)

تیسرا: وہ چیز ہے جس کے متعلق اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ خدا ظالم اور ستمگروں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، بلکہ انھیں اپنی اصلاح کرنے کی مہلت دیتا ہے کہ شاید بیدار ہو جائیں اور ہدایت کے راستے پر واپس آ جائیں، اور ظلم وستم سے باز آ جائیں۔

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۴۷

(۲) بحار الانوار، جلد ۱۳، ص ۱۲۹

https://downloadshiabooks.com/

چوتھا: چوتھا سبب بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ان میں سے بعض کسی طرح سے بھی ہدایت کے قابل نہیں ہیں؛ خداوند عالم انھیں مہلت دیتا ہے کہ وہ مزید گناہوں سے آلودہ ہوجائیں اور ان کے عذاب میں مزید اضافہ ہو، اُس شخص کی طرح جو درخت کے جتنا اوپر چڑھتا جائے گا اتنا ہی اس کے نیچے گرنے میں سخت تکلیف اور درد ہوگا، قرآن فرماتا ہے:

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۝۱۷۸

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جوان کو مہلت (وفارغ البالی) دے رکھی ہے۔ وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے مہلت (وفارغ البالی) صرف اس وجہ سے دی ہے تاکہ وہ اور خوب گناہ کرلیں اور (آخرتو) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ [1]

اس بنا پر جب ہم کسی ستم گر اور ظالم کو اُمّتِ مسلمہ پر تسلط جمائے دیکھتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ خداوند عالم کے عدل کو شک کی نگاہ سے دیکھیں، کیوں کہ اس میں طرح طرح کے عوامل ہیں، جن کے بارے میں اوپر کے حصے میں اشارہ ہو چکا ہے۔

دوسرا حصّہ

فَیَا عَجَبًا! وَ مَا لِیَ لَا أَعْجَبُ مِنْ خَطَإِ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلَى اخْتِلَافِ حُجَجِهَا فِي دِیْنِهَا! لَا یَقْتَصُّوْنَ أَثَرَ نَبِيٍّ، وَلَا یَقْتَدُوْنَ بِعَمَلِ وَصِيٍّ، وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِغَیْبٍ، وَلَا یَعِفُّوْنَ عَنْ عَیْبٍ، یَعْمَلُوْنَ فِي الشُّبُهَاتِ، وَ یَسِیْرُوْنَ فِي الشَّهَوَاتِ. الْمَعْرُوْفُ فِیْهِمْ مَا عَرَفُوْا، وَالْمُنْكَرُ عِنْدَهُمْ مَا أَنْكَرُوْا، مَفْزَعُهُمْ فِي الْمُعْضِلَاتِ إِلٰى أَنْفُسِهِمْ، وَ تَعْوِیْلُهُمْ فِي الْمُهِمَّاتِ [المبهمات] عَلٰى آرَائِهِمْ، كَأَنَّ كُلَّ امْرِئٍ مِنْهُمْ إِمَامُ نَفْسِهِ، قَدْ أَخَذَ مِنْهَا فِیْمَا یَرٰى بِعُرًى ثِقَاتٍ [وثیقات-وموثقات]، وَأَسْبَابٍ مُحْكَمَاتٍ.

”کس قدر حیرت انگیز بات ہے اور میں کس طرح تعجب نہ کروں کہ یہ تمام فرقے اپنے اپنے دین کے بارے میں مختلف دلائل رکھنے کے باوجود سب غلطی پر ہیں کہ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور نہ ان کے اعمال کی پیروی کرتے ہیں۔ نہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ عیب سے پرہیز کرتے ہیں۔ شبہات پر عمل کرتے ہیں اور خواہشات کے راستوں پر قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ ان کے نزدیک معروف وہی ہے جس کو یہ نیکی سمجھیں اور منکر وہی ہے جس کا یہ انکار کریں۔ مشکلات میں ان کی جائے پناہ خود ان کی ذات ہے اور مبہم مسائل میں ان کا اعتماد صرف اپنی رائے پر ہے۔ گویا کہ

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۷۸

https://downloadshiabooks.com/

ان میں کا ہر شخص اپنے نفس کا امام ہے۔اور اپنی ہر رائے کو مستحکم وسائل اور مضبوط دلائل کا نتیجہ سمجھتا ہے۔"

شرح وتفسیر

ہٹ دھرمی اختلاف کا سرچشمہ ہے

جیسا کہ ملاحظہ کیا گیا کہ اس خطبے کے گزشتہ حصے کے آخری جملوں میں انسانی زندگی میں عبرتوں سے متعلق گفتگو کی گئی تھی، اس حصّے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ان عبرتوں کے مقامات میں سے ایک اہم مقام کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور وہ ہے، قوموں کے درمیان، انبیاء واوصیاء کی تعلیمات چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے شدید اختلافات ہیں اور گمراہی کی تاریکیوں میں سرگرداں ہونا۔آپؑ فرماتے ہیں کہ مجھے حیرت ہے اور کیوں نہ حیرت ہو، ان گروہوں کی خطاؤں پر، جب کہ ان کے پاس اپنے مذہب پر مختلف دلائل بھی ہیں! نہ اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور نہ اُس کے وصی کے عمل کی پیروی کرتے ہیں، نہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نہ عیب سے اپنا دامن بچاتے ہیں۔

فَيَا عَجَبًا! وَمَا لِيَ لاَ أَعْجَبُ مِنْ خَطَإِ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلَى اخْتِلاَفِ حُجَجِهَا فِي دِينِهَا! لاَ يَقْتَصُّونَ أَثَرَ نَبِيٍّ، وَلاَ يَقْتَدُونَ بِعَمَلِ وَصِيٍّ، وَلاَ يُؤْمِنُونَ بِغَيْبٍ، وَلاَ يَعِفُّونَ [1] عَنْ عَيْبٍ

حضرت امیر المومنینؑ کے زمانے میں بھی اُمّتِ اسلامی میں دراڑیں پڑی تھیں۔مختلف مذاہب (خواہ اصول، خواہ فروع میں) پیدا ہو گئے تھے۔اسلامی مملکتوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے دیگر قسم کے مذاہب نے سر اُبھارنا شروع کر دیا تھا۔آپؑ ان اختلافات پر تنقید کرتے ہیں اور کچھ خطاؤں اور اشتباہات کو ان اختلافات کا سرچشمہ جانتے ہیں کہ اس خطبے میں ان خطاؤں کے دس نمونوں کی طرف اشارہ ہوا ہے؛ چار نمونے تو وہی ہیں، جو مذکورہ بالا عبارات میں ذکر ہوئے ہیں۔

پہلی خطا: وہ لوگ انبیاءؑ کے توسط سے بیان شدہ آسمانی وحی اور پیغام الٰہی کے تابع نہیں ہیں۔

دوسری خطا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کے اوصیاء کے عمل کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔

تیسری خطا: غیب پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

---

[1] یعفون، عفاف (ثواب کے وزن پر) کے مادّے سے ہے اور دراصل نامناسب کاموں سے بچنے کے معنیٰ میں ہے۔عفیف اُسے کہتے ہیں کہ جو اس قسم کے کاموں سے اجتناب کرے۔اگر چہ روزمرہ کی فارسی بول چال میں جنسی گناہوں سے پاک شخص کو عفیف کہتے ہیں۔(عرفِ فارسی کے مطابق)

https://downloadshiabooks.com/

غیب پر ایمان

اس سلسلے میں قرآن و نہج البلاغہ کے مفسرین کے مابین بحث ہے۔ بعض لوگ غیب سے خدا کی پاک ذات مراد لیتے ہیں، بعض اسے قیامت کی طرف اور بعض قرآن کے متشابہات کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔ لیکن بعض اس کے لیے ایک وسیع معنی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ غیب وہ تمام اُمور ہیں جو انسان کی حس کے دائرے سے باہر ہیں، اس بنا پر تمام گزشتہ معانی اس میں شامل ہیں۔ آخر والا معنی مناسب تر معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی خطا: وہ لوگ عیوب سے اجتناب نہیں کرتے ہیں، بالفاظِ دیگر عفاف کا ملکہ (ایسی استعداد، جو گناہوں سے باز رکھتی ہے) ان میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر گناہ سے با آسانی خود کو آلودہ کر لیتے ہیں اور یوں اُن کی ایمان کی عمارت بھی ویران ہو جاتی ہے اور اُن کے اعمال بھی فاسد ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایمان کا تزلزل عمل میں آلودگی کا سبب بنتا ہے، جس طرح ان کے عمل میں آلودگی ایمان کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہے۔

پانچویں اور **چھٹی** خطائیں:

يَعْمَلُونَ فِي الشُّبُهَاتِ، وَيَسِيرُونَ فِي الشَّهَوَاتِ

"وہ لوگ شبہات پر عمل کرتے ہیں اور خواہشات کے راستوں پر قدم آگے بڑھاتے ہیں۔"

فِي الشُّبُهَاتِ اس تعبیر سے ایک لطیف نکتے کی جانب اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے بُرے اعمال کو شبہات کے مجموعے میں چھپا دیتے ہیں تا کہ لوگ ان کے بُرے اعمال سے واقف نہ ہوں۔ وہ بہت کم حدیث و قرآن کے محکمات کی کی طرف رجوع کرتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس متشابہات کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ خارجی موضوعات میں واضح چیزوں سے پہلو تہی کرتے ہیں اور مشتبہ چیزوں کی جستجو کرتے ہیں، کیونکہ صرف یہی ایک راستہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بُرے اعمال کو شرعی کا لبادہ اوڑھا دیتے ہیں۔

"يَسِيرُونَ فِي الشَّهَوَاتِ"

اس جملے سے اس نکتے کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی کا راستہ شہوات کے درمیان سے ہوتا ہوا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ آگے چل کر وہ راستے ترک کر دیں گے۔ اور چوں کہ فعل مضارع (يَعْمَلُونَ، يَسِيرُونَ) میں استمرار و دوام کا معنیٰ پایا جاتا ہے، امام علیہ السلام کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا کام ہمیشہ شہوات اور شبہات سے سروکار رکھنا ہے۔

اس نکتے کا ذکر لازمی ہے۔ ممکن ہے یہ ان کے اعمال ان کے فاسد کی عکاسی کرتے ہوں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ

https://downloadshiabooks.com/

شہوات سے آلودہ ہونے کے لیے ایسے عقائد کا سہارا لیں، جو ان کے اعمال کی توجیہ کریں۔

ساتویں اور **آٹھویں** خطائیں:

پھر حضرت علی علیہ السلام نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے ان گمراہ و گمراہ اور کبھی عالم نما لوگوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ان کی ساتویں اور آٹھویں خطاؤں کو بیان کر رہے ہیں:

اَلْمَعْرُوْفُ فِيْهِمْ مَا عَرَفُوْا، وَالْمُنْكَرُ عِنْدَهُمْ مَا أَنْكَرُوْا

"نیکی ان کی نظر میں وہی ہے جسے وہ نیک سمجھیں اور جس بات کو وہ بُرا جانیں بس وہی بُری چیز ہے۔"

خدا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا رابطہ توڑنے کی بدولت، اُن کے پاس اچھائی کو برائی سے تمیز دینے کا معیار، نہ تو الٰہی وحی ہے اور نہ پیغمبر و معصومینؑ کی سنّت، بلکہ ان کا معیار اپنی نفسانی خواہش اور دلی آرزوئیں یا گروہی اہداف قومی تعصّبات اور وہ مسائل ہیں کہ جو ان کے مادّی منافع کی محافظ ہوں۔ اگر وہ واقعاً بھی اہلِ فکر و دانش ہوں بھی [چوں کہ وحی اور معصومینؑ کی رہنمائی کے بغیر انسانی فکر میں خطا کے امکانات ہیں] اس کے باوجود گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔

نویں اور **دسویں** خطائیں:

مَفْزَعُهُمْ فِي الْمُعْضِلَاتِ[1] إِلَى أَنْفُسِهِمْ، وَتَعْوِيْلُهُمْ فِي الْمُهِمَّاتِ عَلَى آرَائِهِمْ

"مشکلات میں ان کی جائے پناہ خود ان کی ذات ہے اور مبہم مسائل میں ان کا اعتماد صرف اپنی (ناقص) رائے پر ہے۔"

دراصل یہ بدبختیاں وہاں سے پیدا ہوئیں کہ جب انہوں نے شروع سے ہی وحی و سنّتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومینؑ کو چھوڑ دیا تھا؛ اس بنا پر وہ جس قدر آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی حق سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مشکلات کے حل کے لیے اپنی ناقص فکر، ناتواں عقل، کم علمی اور ان بے تحاشا اشتباہات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کا یہ دستور ان کے کاموں کو روز بروز الجھا دیتا ہے اور ان کی گمراہی میں شدّت پیدا کرتا ہے۔

ان خصوصیات کے نتیجے کے طور پر آخر میں فرماتے ہیں:

كَأَنَّ كُلَّ امْرِئٍ مِنْهُمْ إِمَامُ نَفْسِهِ، قَدْ أَخَذَ مِنْهَا فِيْمَا يَرَى بِعُرًى[2] ثِقَاتٍ وَ أَسْبَابٍ مُحْكَمَاتٍ۔

---

[1] معضلات، اعضال کے مادّے سے معضلہ کی جمع ہے اور دشوار و پیچیدہ کام کے معنیٰ میں ہے۔ یہ لفظ کبھی اسمِ فاعل کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کی صورت میں۔ دونوں صورتیں صحیح ہیں۔

[2] عُرَی، کا معنیٰ دستے کے ہیں۔ یہ لفظ معنوی امور، جو کہ نجات کا سبب ہیں، میں بھی استعمال ہوتا ہے

https://downloadshiabooks.com/

گویا کہ ان میں کا ہر شخص اپنے نفس کا امام ہے۔ اور اپنی ہر رائے کو مستحکم وسائل اور مضبوط دلائل کا نتیجہ سمجھتا ہے۔"
[حالاں کہ ان کے افکار مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔]

قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۴۱﴾ [۱]

"اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمام گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ (اتنا بھی) جانتے ہوں۔"

جی ہاں، یہ ان لوگوں کا انجام ہے جنھوں نے فکری وعقیدتی اختلافات میں اور حق کو باطل سے اور صراطِ مستقیم کو غلط راستے سے تشخیص دیتے وقت واضح الٰہی معیاروں کو چھوڑ دیا اور اپنی کوتاہ فکر اور باطل آراء کے دامن میں پناہ لے لی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اس طرح شرک و بت پرستی کے مرتکب ہوئے ہیں کہ خدا کے لیے جسم کے قائل ہوئے ہیں، اور اُس کے لیے ہاتھ پاؤں، سواری، گھنگرالے بالوں اور دیگر اعضاء و جوارح کے قائل ہیں، اور کبھی اس کے برعکس خدا کی صفات کے سلسلے میں "تعطیل" کے قائل ہوئے ہیں، اس معنیٰ میں کہ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ اُس کے بارے غور وفکر کریں اور اس کے متعلق گفتگو کریں؛ ہم اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ وہ بچکانہ تشبیہ اور یہ احمقانہ تعطیل ناقص آراء اور الٰہی پیشواؤں کی ہدایات کو ترک کر دینے کا نتیجہ ہیں۔ یا یہ لوگ خوارج جیسے بن جاتے ہیں، جو کہ بزعمِ خود خالصانہ عبادت میں غرق تھے اور نجات کے راستے پر گامزن تھے تلاش کرتے ہیں، جب کہ انسانی و اسلامی معاشرے کے لیے حکومت کی ضرورت جیسے واضح مسئلے کا انکار کرتے تھے۔

نکتہ

ہٹ دھرم گمراہ لوگ

ہم نے احادیث میں بارہا پڑھا ہے کہ ہوا پرستی انسان کو حق سے دور رکھتی ہے۔ اس کے متعلق مذکورہ خطبے کے آخری حصّے میں جامع طور پر گفتگو ہوئی ہے؛ وہ جو شہوات کی راہ پر گامزن ہیں، نہ معروف خدا کو معروف سمجھتے اور نہ منکر خدا کو منکر؛ دلیل عقلی کے تابع نہیں ہیں؛ جو چیز ان کے نفسانی میلان کے موافق ہو اُسے معروف سمجھتے ہیں، اور جو چیز مخالف ہو اسے منکر

[۱] سورۂ عنکبوت، آیت ۴۱

https://downloadshiabooks.com/

سمجھتے؛اس قسم کے لوگ جب پیچیدہ مسائل دوچار ہوں تو بجائے اس کے کہ قوی عقل سے کام لیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، آیاتِ الٰہی اور پیشواوؤں کی ہدایاتِ کا سہارا لیں اور اپنی مشکل کو اس طریقے سے حل کرلیں، گناہ آلود اور پست فکر کا سہارا لیتے ہیں۔تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگ ایک دوسرے کو قبول نہیں کرتے: ان میں کا ہرایک اپنے نفس کا پیشوا اور امام ہے اور ہر کوئی اپنا مرجع اور مقتدا۔

ظاہر ہے ایسی راہوں پر چلنے کا نتیجہ سوائے بے راہ روی میں سرگرداں ہونے اور کھائی میں گرنے کے کچھ نہیں پریشانی کے، راستہ بھٹکنے اور مصیبتوں میں پڑنے کے کچھ نہیں۔اور اس سے بھی بدتر یہ کہ اپنی گمراہی کے باوجود خود کو اہلِ ہدایت ونجات سمجھتے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتادیں جو لوگ اعمال کی حیثیت سے بہت گھاٹے میں ہیں۔(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی دنیاوی زندگی کی سعی وکوشش سب اکارت ہوگئی اور وہ اس خام خیال میں ہیں کہ وہ یقیناً اچھے کام کر رہے ہیں۔[1]

[1] سورۂ کہف، آیات ۱۰۳۔۱۰۴

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

نواسی واں خطبہ

ومن خطبة له علیه السّلام

في الرسول الأعظم صلّى الله علیه وآله وبلاغ الإمام عنه[۱]

(یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور امامؑ کے آنحضرتؐ کی جانب سے سونپی گئی رسالت کی تبلیغ کے بارے میں ہے۔)

خطبہ، ایک نگاہ میں

اس خطبے میں درحقیقت تین باہم مربوط مطالب سے متعلق گفتگو ہے:

پہلے مطلب میں امامؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب جاہلیت کی حالت، سے متعلق جامع تصویر کشی اور اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ وہ مادّی اور معنوی زندگی کے حوالے سے برے حالات سے گزر رہے تھے؛ زندگی نام کی کوئی چیز ان میں نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ خطبے کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرۃ العرب سے باہر کی دنیا بھی انتہائی ظلمت و تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

دوسرے حصے میں اپنے اصحاب اور ساتھیوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ جاہلیت کا دور ختم ہو گیا اور تاریخ کے صفحات میں فراموشی کے نظر ہو گیا ہے، امامؑ انھیں تاکید کرتے کہ ان لوگوں کی زندگی سے عبرت لیں اور دورِ جاہلیت کی طرف لوٹنے سے اجتناب کریں۔

تیسرے حصے میں امامؑ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں جاہلیت کے افکار کے

---

[۱] خطبے کی سند: یہ خطبہ اس کے بعض حصّوں کے ہمراہ سیّد رضیؒ سے پہلے کے بزرگوں کے کلمات میں آیا ہے؛ ان میں سے علی ابن ابراہیم، جو سیّد رضیؒ سے ایک صدی پہلے قید حیات میں تھے، کی تفسیر میں دکھائی دیتا ہے اور اسی طرح مرحوم کلینیؒ نے اصول کافی جلد ۱، ص ۶۰ میں اس خطبے کے کچھ حصّوں کو ذکر کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرحِ نہج البلاغہ میں اس خطبے کے بعض الفاظ سے متعلّق روایات کے اختلاف کو ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ سیّد رضیؒ سے پہلے کے علماء کے کلام میں بھی موجود تھا۔ (مصادرِ نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۱۳۸)

https://downloadshiabooks.com/

خلاف ایک نئی جنگ شروع کر دی ہے اور جو کچھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں بیان فرمایا، تمھارے لیے بیان کرتا ہوں اور ہر جگہ اور ہر چیز میں تم پر حجت تمام کرتا ہوں۔

آخر میں خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہوشیار رہو، افسوس ناک بلائیں اور حوادث پیش آنے والے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اپنے موجودہ حال پر مغرور ہو جاؤ اور مستقبل سے غافل ہو جاؤ۔ (۱)

پہلا حصّہ

أَرْسَلَهُ عَلَىٰ حِينِ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ، وَطُولِ هَجْعَةٍ مِنَ الْأُمَمِ، وَاعْتِزَامٍ مِنَ الْفِتَنِ، وَانْتِشَارٍ مِنَ الْأُمُورِ، وَتَلَظٍّ [تلظی] مِنَ الْحُرُوبِ، وَالدُّنْيَا كَاسِفَةُ النُّورِ، ظَاهِرَةُ الْغُرُورِ، عَلَىٰ حِينِ اصْفِرَارٍ مِنْ وَرَقِهَا، وَإِيَاسٍ مِنْ ثَمَرِهَا، وَاغْوِرَارٍ مِنْ مَائِهَا، قَدْ دَرَسَتْ مَنَارُ الْهُدَىٰ، وَظَهَرَتْ أَعْلَامُ الرَّدَىٰ، فَهِيَ مُتَجَهِّمَةٌ لِأَهْلِهَا، عَابِسَةٌ فِي وَجْهِ طَالِبِهَا، ثَمَرُهَا الْفِتْنَةُ، وَطَعَامُهَا الْجِيفَةُ، وَشِعَارُهَا الْخَوْفُ، وَدِثَارُهَا السَّيْفُ.

اللہ نے انہیں اُس دور میں بھیجا جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا اور امّتیں خواب غفلت میں پڑی ہوئی تھیں۔ فتنے سر اٹھائے ہوئے تھے اور جملہ امور میں ایک انتشار کی کیفیت تھی اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا کی روشنی کجلائی ہوئی تھی اور اس کا فریب واضح تھا۔ باغ زندگی کے پتّے زرد ہو گئے تھے اور ثمرات حیات سے مایوسی پیدا ہو چلی تھی۔ پانی بھی تہ نشین ہو چکا تھا اور ہدایت کے منارے بھی مٹ گئے تھے اور ہلاکت کے نشانات بھی نمایاں تھے۔ یہ دنیا اپنے اہل کو ترش رُوئی سے دیکھ رہی تھی اور اپنے طلب گاروں کے سامنے منہ بگاڑ کر پیش آ رہی تھی۔ اس کا ثمرہ فتنہ تھا اور اس کی غذا مردار۔ اس کا اندرونی لباس خوف تھا اور بیرونی لباس تلوار۔

شرح وتفسیر

ظہورِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب دنیا کا حال

---

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۸۷، از مفتی مولانا جعفر حسینؒ۔

https://downloadshiabooks.com/

اس خطبے کو بیان کرنے سے امامؑ کا آخری ہدف یہ ہے کہ لوگوں کو خوابِ غفلت اور غرور سے بیدار کیا جائے۔ آپؑ ان کا ہاتھ تھام کر دورِ جاہلیت میں لے جاتے ہیں اور گزشتہ تاریخ کو ان کی نظروں میں مجسّم کرتے ہیں کہ وہ دور کیسا تھا اور پیغمبرؐ کے قیام کے بعد کیسے سب کچھ دگرگوں ہو گیا۔

پھر انھیں خبردار کرتے ہیں کہ جاہلیت کے حالات دوبارہ لوٹ آنے والے ہیں، اور تاکید کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جاہلیت کے افکار و رفتار کو ختم کرنے کے لیے قیام کیا ہے تاکہ تم موقع ہاتھ سے نکلنے سے پیشتر بیدار ہو جاؤ اور پروردگار عالم کے صراطِ مستقیم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی طریقے کی طرف لوٹ جاؤ۔

امامؑ نے مختصر، واضح اور جامع تعبیرات پر مشتمل پندرہ جملوں (ایک نظریہ کے مطابق اٹھارہ) میں عصر جاہلیّت کی اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ کوئی اور اس طرح سے اُس دور کی خصوصیات کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔

پہلی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ عَلٰى حِيْنِ فَتْرَةٍ[1] مِنَ الرُّسُلِ

"خداوند متعال نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت بھیجا، جب دراز مدّت سے رسولوں کا سلسلہ رکا ہوا تھا۔"

بعض کے مطابق یہ مدت پانچ سو سال اور بعض کے مطابق چھے سو سال ہے کہ خداوند متعال نے اس مدّت میں کسی پیغمبر کو لوگوں کی طرف نہیں بھیجا تھا،[2] (اگرچہ انبیاؑ کے اوصیا لوگوں کے درمیان موجود تھے)۔ اسی وجہ سے مہلک نیند نے انہیں گھیرے رکھا تھا میں، جیسا کہ دوسری خصوصیت میں امامؑ فرماتے ہیں:

وَطُوْلِ هَجْعَةٍ[3] مِنَ الْأُمَمِ

"اُمّتیں غفلت کی نیند سو رہی تھیں۔"

یہ زمانی فاصلے ممکن ہے اس وجہ سے ہوں کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو آزمانا چاہتا ہے یا اس وجہ سے ہو کہ بندگانِ

---

[1] فترۃ اصل میں سکون و آرام کے معنیٰ میں اور کبھی ضعف اور سستی کے معنیٰ میں آیا ہے اور کبھی دو حرکتوں، دو حادثوں یا دو انقلابات کے درمیانی فاصلے کو بھی کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے انبیاء کے ظہور کے درمیانی فاصلے کو فترہ کہا جاتا ہے۔

[2] بعض نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا درمیانی فاصلہ ۶۶۱ سال اور ۱۹۵ دن بتایا ہے۔ (تفسیر ابوالفتوح رازی، ج ۴، ص ۱۵۴) بعض نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا سال ۵۷۰ میلادی ذکر کیا ہے، اس کے مطابق بعثت پیغمبر ۶۱۰ میلادی میں ہوئی تھی۔ (فروغِ ابدیت، جلد ۱، ص ۱۲۱)

[3] هجعة، هجوع کے مادّے سے، رات کی نیند کے معنیٰ میں ہے، اور چوں کہ رات کی نیند گہری ہوتی ہے اس لیے انبیاء کی ہدایت کے مقابل جاہلیّت کی قوموں کی حالت کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

خدا پیغمبروں کے وجود کی نعمت کی قدر جانیں، لیکن ہر حال میں فترۂ رسالت کا ایک اثر یہ ہے کہ اس دوران شیاطینِ جن و انس حرکت میں آجاتے ہیں، کیونکہ جب وہ میدان خالی دیکھتے ہیں اور اپنے مقابل کسی رکاوٹ کو بھی نہیں پاتے ہیں تو امتوں اور ملتوں پر اپنے سنگین حملوں میں اضافہ کرتے ہیں۔

تیسری خصوصیت میں فرماتے ہیں:

وَاعۡتِزَامٍ (۱) مِنَ الۡفِتَنِ

"ایک وقت تھا کہ فتنوں نے لوگوں کو اپنا نشانہ بنایا ہوا تھا۔"

اس مقام پر امامؑ نے فتنوں کو شر پسند انسانوں یا خطرناک حیوانات سے تشبیہ دی ہے کہ جو قصداً نہتے انسانوں پر حملہ کر دیتے تھے اور حقیقت میں فترتِ رُسل کے زمانے ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

چوتھی خصوصیت میں فرماتے ہیں:

وَانۡتِشَارٍ مِنَ الۡاُمُوۡرِ

"یہ ایسا زمانہ تھا، جس میں لوگ فتنوں میں گھرے ہوئے تھے۔"

مذکورہ جملے کی تفسیر میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انتشارِ اُمور سے مراد انسانی معاشرے کے معاملات کا بگڑ جانا ہے، دوسری عبارت میں، انسانی معاشرے میں ہرج مرج، بے نظمی، انتشار اور تشویش کا پھیل جانا ہے کہ جو فتنوں اور بلوؤں کے آثار میں سے ہیں۔

پانچویں خصوصیت میں فرماتے ہیں:

وَتَلَظٍّ (۲) مِنَ الۡحُرُوۡبِ

"جس وقت جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔"

امامؑ کا جنگ کو آگ سے تشبیہ دینا، کیا ہی دلچسپ تشبیہ ہے، ایسی آگ جو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور خاکستر کر دیتی ہے۔ اور امامؑ نے جنگ کے پھیلاؤ کو آگ کے بھڑکنے سے تشبیہ دی ہے۔ اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ اُس وقت پوری دنیا کا منظر (بالخصوص جزیرۃ العرب) میدان جنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ایران و روم کی جنگ اور دوسری

---

(۱) اعتزام، عزم کے مادّے سے، ارادہ کرنے کے معنیٰ میں ہے اور یہاں درحقیقت اس کا فاعل فتنہ ہے، اس لیے اس کا معنیٰ، فتنوں کا کسی کو ہدف بنانا اور اُن کا کسی طرف متوجّہ ہونا، ہوگا۔

(۲) تلظّ، لظی کے مادّے سے آگ کے شعلے کے معنیٰ میں ہے اور تلظی، آگ کے بڑھکنے کے معنی میں ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

جنگیں اور بالخصوص وہ بے مقصد جنگیں جو آئے روز عرب کے قبائل کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ متعصّب، جاہل اور نیم وحشی قبائل بے ہودہ بہانوں سے ایک دوسرے کی جان لینے پر اتر آتے تھے اور اس قدر قتل و غارت کرتے کہ تھک جاتے تھے۔

چھٹی اور ساتویں خصوصیتوں کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَالدُّنْيَا كَاسِفَةُ[1] النُّوْرِ، ظَاهِرَةُ الْغُرُوْرِ

"دنیا کی روشنی گہنائی ہوئی تھی اور اس کا فریب واضح تھا۔"

حقیقت میں عالم بشریت کا نور وحی الٰہی اور انبیاءؑ کا نور ہے۔ جب انبیاء کی آمد کا سلسلہ وقتی طور پر موقوف ہو جائے تو سب کچھ وحشتناک تاریکی میں ڈوب جاتا ہے اور مکر و فریب کا بازار سجنے لگتا ہے، خود ساختہ مذاہب رائج ہونے لگتے ہیں، مکار دنیا پرست افراد خیرخواہوں کی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور خلقِ خدا کو فریب دینے اور اُن سے مادّی فوائد بٹورنے میں مگن ہو جاتے ہیں۔

آٹھویں خصوصیت میں امامؑ جہانِ انسانیت کو ایک باغ سے تشبیہ دیتے ہیں:

عَلٰى حِيْنِ اصْفِرَارٍ مِنْ وَرَقِهَا وَإِيَاسٍ[2] مِنْ ثَمَرِهَا وَاغْوِرَارٍ[3] مِنْ مَائِهَا

"(ایسا باغ کہ زمانۂ جاہلیّت میں) جس کے تمام پتّے زردی مائل ہو گئے تھے اور باغبان اُس کے پھلوں سے ناامید ہو گیا تھا، پانی زمین کی تہہ میں بیٹھ گیا تھا (اور اس کے سوتے خشک ہو گئے تھے)۔"

کیونکہ انسانی معاشرے کے سرسبز باغ کی تزیین و آرائش اخلاق و فضیلت کے تازہ اور فرحت بخش پھولوں اور پتّوں سے ہوتی ہے؛ اس کے میوے عدالت، مروّت اور محبت ہیں، اس کے درختوں کو سرسبز و شاداب کرنے والا پانی ایمان و تقویٰ ہے؛ زمانۂ جاہلیت میں یہ تمام چیزیں ناپید تھیں، یہاں تک کہ مادّی اعتبار سے کاروبار، تجارت، گلہ بانی اور زراعت، جنگوں اور بدامنی کی وجہ سے مکمل طور پر ماند پڑ گئے تھے۔

شدید فقر و فاقے کا یہ عالم تھا کہ جاہلیت کے لوگ فقر کے خوف سے اپنے جگر گوشوں کو قتل کر دیتے تھے، جس سے قرآن منع کرتے ہوئے کہا:

---

[1] کاسفة. کسوف کے مادّے سے ہے، جس کا معنیٰ سورج کو گہن لگنا ہے۔ (کبھی چاند گرہن کو بھی بجائے خسوف کے بھی کسوف کہا جاتا ہے)۔ مذکورہ خطبے میں یہ لفظ، عصر جاہلیت میں نورِ ہدایت کے بجھ جانے، کے لیے کنایہ ہے۔

[2] ایاس. قیاس کے وزن پر، کسی چیز سے ناامید ہونے کو کہتے ہیں۔

[3] اغورار. غور کے مادّے سے، زمین میں تہہ نشین ہونے کے معنیٰ میں ہے اور غالباً پانی زمین میں تہہ نشین ہونے کے موقع پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ مذکورہ خطبے میں اصولِ ہدایت کے منقطع ہونے کی طرف کنایہ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ [1]

"اپنی اولاد کو فقر کے خوف سے قتل نہ کرو۔" ان کا یہ فعل بیٹیوں کو ننگ و عار سمجھ کر قتل کرنے کے علاوہ تھا۔

نویں اور دسویں خصوصیت کے بیان میں فرماتے ہیں:

قَدْ دَرَسَتْ [2] مَنَارُ الْهُدٰی، وَظَهَرَتْ أَعْلَامُ الرَّدٰی

"اُس زمانے میں ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے، ہلاکت و گمراہی کے پرچم ظاہر ہو گئے تھے۔"

منار دراصل نور کی جگہ کو کہتے ہیں، گزشتہ زمانوں میں بلند مینار ہوا کرتے تھے جن پر چراغ روشن کیے جاتے تھے تا کہ رات کو شہروں اور آبادیوں کی نشان دہی کریں اور دور اور نزدیک سے لوگ دیکھیں اور راستہ نہ بھٹک پائیں، جب اس قسم کی عمارت پرانی اور فرسودہ ہو جائے تو وہ عمارت ویران ہو جاتی ہے اور پھر کوئی چراغ ہدایت اس کے اوپر روشن نہیں رہ سکتا۔ یہ تعبیر ایک خوبصورت کنایہ ہے کتب آسمانی اور پیغمبروں کے دستور العمل کے لیے، جو کہ انسانی معاشرے کی راہوں پر نور افشانی کرتے ہیں، لیکن زمانۂ جاہلیت میں ہوا وہوس کے غلبے کی وجہ سے یہ سب بھلا دیے گئے تھے اور طبعی امر ہے کہ جب میدان خالی ہو جائے تو اس کی جگہ، گمراہی اور ضلالت فساد کے پرچم، لے لیتے ہیں، جو کہ وہی کفر، نفاق اور فساد کے سرکردہ افراد ہیں۔

گیارہویں خصوصیت میں فرماتے ہیں:

فَهِيَ مُتَجَهِّمَةٌ [3] لِأَهْلِهَا، عَابِسَةٌ [4] فِي وَجْهِ طَالِبِهَا

"دنیا اپنے اہل کو ترش رُوئی سے دیکھ رہی تھی اور اپنے طلب گاروں کے سامنے منہ بگاڑ کر پیش آ رہی تھی۔"

یہ تعبیر زندگی کی تلخی، لڑائی جھگڑوں، پریشانیوں اور معیشت کی تنگی کی طرف کنایہ ہے؛ کیونکہ سکون، آسائش اور راحت محبت، بھائی چارہ اور دوستی کی مرہونِ منت ہے، جو کہ زمانۂ جاہلیت میں ناپید تھی۔

بارہویں اور تیرہویں خصوصیت میں فرماتے ہیں:

---

[1] سورۂ اسراء، آیت ۳۱

[2] درست، دروس کے مادے سے، پرانا ہونے، فرسودہ ہونے اور آثار کے ختم ہونے کے معنیٰ میں ہے۔

[3] متجهمة، جهم (بروزن فہم) مادّے سے ہے، تلخی اور غصّے کے معنی میں ہے اور جو لوگ غصیلی نگاہوں سے دوسروں کی طرف دیکھتے ہیں، انہیں متجهّم کہا جاتا ہے۔

[4] عابسة عُبوس (جلوس کے وزن پر) کے مادّے سے، خفگی کی وجہ سے چہرے کا بگڑ جانا کے معنیٰ میں ہے اور جس کسی میں یہ وصف پایا جائے اسے عَبوس کہا جاتا ہے، مذکورہ خطبے میں زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے شدید بے چین ہونے کی طرف کنایہ ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

ثَمَرُهَا الْفِتْنَةُ، وَطَعَامُهَا الْجِيفَةُ[1]

”اُس زمانے میں دنیا کا پھل صرف فتنہ اور اس کا کھانا مردار تھا۔“

فطری بات ہے کہ اگر کسی ماحول میں اس طرح کے اصول کارفرما ہوں، تو اس کا پھل فتنہ اور غذا مردار فقط ہی ہو سکتے ہیں۔

جیفة (مردار) کی تعبیر عصرِ جاہلیت کی مادّی زندگی کی حالت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، کیونکہ مردار پلید، بدبودار اور نفرت انگیز ہوتا ہے؛ یقیناً ایسے تعفن زدہ ماحول میں زندگی گزارنا بھی نفرت انگیز تھی؛ ان کی کمائی کا ذریعہ لوٹ مار، چوری اور دوسرے طریقے تھے، جن سے عقل سلیم نفرت کرتی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں مردار کا گوشت بھی کھاتے تھے، جس سے قرآن مجید نے منع کرتے ہوئے کہا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ

”تم لوگوں پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔“[2]

مذکورہ عبارت میں ”ثمرة اور طعام“ کی تعبیریں کنائے کے طور پر استعمال ہوئی ہیں اور اس جانب اشارہ ہیں کہ عام طور پر انسانوں کی غذا میوہ جات اور گوشت ہیں؛ لیکن دور جاہلیت میں فتنہ، اور متعفّن اور نفرت انگیز افکار کے علاوہ لوگوں کو کچھ بھی نصیب نہ تھا، ان کی مادّی و معنوی زندگی کے فائدے صرف ننگ و عار، تعفّن اور فتنوں کا مرکّب تھے۔

عصر جاہلیت کی چودہویں اور پندرہویں خصوصیت کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَشِعَارُهَا الْخَوْفُ، وَدِثَارُهَا السَّيْفُ

وہ لوگ اندر سے پُرخوف اور وحشت زدہ تھے اور ان پر تلوار حکومت کرتی تھی۔

”شعار“ لباس زیریں کے معنی میں ہے اور ”دثار“ ظاہری لباس کے معنی میں ہے، اس اعتبار سے مذکورہ تعبیر ایک لطیف اور فصیح و بلیغ کنایہ ہے اُس دور کے حالات کے لیے، جس میں اندرونی اور بیرونی طور پر خوف اور تلوار کی حاکمیت کی وجہ سے سبھی ایک دوسرے سے خوف کھاتے تھے، ہر قبیلے کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ دوسرا قبیلہ اُس پر شبخون مارے گا اور اس کا مال و اسباب لوٹ لے گا، اس خوف اور وحشت کے زیرِ اثر اُن کی تلواریں ہمیشہ تلواریں بے چین رہتی تھیں۔ حقیقت میں دو جملوں میں اُس زمانے کی تمام بدبختیوں کا خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی فضا، جہاں سے نورِ ہدایت رخصت ہو چکا ہو اور گمراہی کے پرچم گاڑ دیے گئے ہوں اور انسان تعلیماتِ انبیاؑ سے دور رہیں تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ خوف،

---

[1] جیفہ، جوف کے مادّے سے ہے، مردار سے جب معمولاً ہوا آتی ہے تو بدبودار ہوتی ہے۔

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۳۔

https://downloadshiabooks.com/

بدامنی، اضطراب اور وحشت کے بادل سب پر چھا جائیں۔

عصرِ جاہلیت کی ان پندرہ خصوصیات کے ضمن میں امامؑ نے جو واضح نقشہ کشی کی ہے، یہ صرف عربستان کے جزیرے تک محدود نہیں، بلکہ دنیا کے بہت سے دوسرے حصّوں میں بھی یہی صورت حال تھے، تاہم عرب کے قبائل میں اس اس اعتبار سے شدّت پائی جاتی تھی۔

بولنے والا جس قدر بھی قدرت رکھتا ہو اور لکھنے والا جس قدر بھی توانائی رکھتا ہو، تب بھی اُس زمانے کے جرائم اور خرابیوں کے بارے میں اس سے زیادہ پیش نہیں کرسکتا اور حقیقت میں عصرِ جاہلیت سے متعلق اس قدر مختصر ترین اور جامع عبارت میں مذکورہ توصیف کسی معجزے سے کم نہیں۔ جیسا کہ نکات کی بحث میں آئے گا کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے زمانے، جس پر جاہلیتِ نو حاکم ہے، میں بھی یہ خصوصیات نظر آتی ہیں۔

غور کیجیے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اہم کام انجام دیا کہ ایسے ظلم و فساد اور ننگ و عار سے بھرے معاشرے کو اے ک ایسے نورانی معاشرے میں تبدیل کر دیا کہ جس پر امن، ایمان، اخوت اور برادری حاکم تھے، اس کے علاوہ ان کی ابتر مادّی زندگی کو آبرومند زندگی میں تبدیل کیا، اس نیم وحشی اور پسماندہ گروہ کی تقدیر اس طرح بدلی کہ دنیا کے شرق و غرب میں اسلام کا پرچم لہرایا، دنیا کے شہنشاہوں نے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا، دنیا کی سرکش و ظالم اقوام نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، انسانی معاشرے کا یہ قافلہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے سائے میں جوق در جوق علوم، صنعت و علمی میدانوں میں بڑی ترقّی کرتا چلا گیا۔ یقیناً یہ ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندۂ جاوید معجزہ ہے، کیونکہ مادّی حوالے سے اس قسم کے معاشرے کو اس طرح کا مقام دلانا عادی اسباب سے ممکن نہیں ہے۔

جیسے کہ ہم نے ذکر کیا ان خصوصیات کو بیان کرنے سے امامؑ کا ہدف یہ ہے کہ اپنے زمانے کے لوگوں کو خبردار کریں کہ ہوشیار رہیں، یہ مفاسد نئے لباس میں پھر تمھارے درمیان نمودار ہونے والے ہیں، جو کچھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر جاہلیت میں لوگوں کو نجات دلانے لیے انجام دیا، میں جو اُن کا جانشینِ برحق ہوں، میں بھی وہی کام انجام دے رہا ہوں۔

https://downloadshiabooks.com/

نکتہ

ہمارے دور کی جاہلیت

زمانۂ جاہلیت کے بارے میں حضرت امیرالمومنینؑ کی توصیف کو ہم نے اس خطبے میں ملاحظہ کیا کہ آپؑ نے کس قدر واضح پیرائے میں اُس زمانے کے حالات پر گفتگو فرمائی۔ ہم نے جلد اوّل میں دوسرے خطبے کے ذیل میں اور جلد دوّم میں چھبیسویں خطبے کے ذیل میں مختصر طور پر عصرِ جاہلیت کا نظارہ ترسیم کیا ہے۔

یقیناً جب تک انسان عرب کے جاہلوں کی زندگی سے مربوط جزئیات مثلاً جنگ و صلح، دوستی و دشمنی، اخلاقی اقدار، اُمورِ حکومت، مسائل اقتصادی بالخصوص عجیب و غریب خرافات میں دقت کے ساتھ غور نہ کرے، اُس وقت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قوم کی ہدایت کے لیے کی جانے والی کوششوں کی عظمت سے واقف نہیں ہوگا۔

ایک اہم نکتے کو ہم اس مقام پر یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بہت سارے جاہلیت کے اُصول ہمارے زمانے میں بھی جدید صورتوں میں انسانی معاشرے پر حاکم ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں انسان کی کوئی قیمت نہیں تھی، بے گناہوں کا خون آسانی سے بہایا جاتا تھا، اموال کو لوٹنا روز کا معمول تھا۔

ہمارے زمانے میں اہم ترین اصول یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت کمائی جائے، خواہ مہلک ہتھیاروں کی فروخت کے ذریعے ہی ہو۔ دنیا کے ضعیفوں کا مال و اسباب سرمایہ دارنہ نظام کے عفریت کے وسیلے سے بظاہر قانونی طور اور درحقیقت لوٹ مار کے ذریعے ہڑپ کیا جاتا ہے۔

اگر زمانۂ جاہلیت میں بے شمار بیٹیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، تو ہمارے زمانے میں [خود ساختہ قانون کی آڑ میں] کئی ملکوں میں سقط جنین انجام پاتا ہے، ہزاروں بیٹے بیٹیاں قبروں کے حوالے کیے جاتے ہیں، پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں کئی انسان خاک و خون میں غلطاں ہوگئے، اتنے تو پوری تاریخ انسانیت میں نہیں مارے گئے ہوں گے، وہ کام جو جاپان کے شہروں میں صرف دو ایٹم بم نے کیا، اُس میں مرنے والوں کی تعداد عصرِ جاہلیت کے مقتولین سے کئی زیادہ تھی۔

اگر زمانۂ جاہلیت میں بدکار عورتیں اپنے گھروں پر پرچم نصب کرتی تھیں اور ذوات الاعلام کے نام سے مشہور تھیں، تو آج بھی بدکار عورتیں مختلف جرائد کے ذریعے بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنی طرف دعوت دیتی ہیں۔

https://downloadshiabooks.com/

یہاں تک کہ شوہر دار عورتیں بھی اس کام میں ملوث ہیں اور بہت سی حکومتیں ایسی خواتین سے ٹیکس لیتی ہیں، اسی وجہ سے انھیں قانون کی حمایت بھی حاصل ہوتی ہے۔

نوجوان بیٹے اور بیٹیوں کی فروخت کا سلسلہ افسوسناک طریقے سے جاری ہے، بہت سے یورپی اور امریکی ممالک دنیا کی پسماندہ علاقوں سے بچوں کو خریدتے ہیں اور مغربی ملکوں میں بیچتے ہیں اور ان کی خبریں اخباروں اور رسالوں کے ذریعے نشر ہوتی ہیں۔

دنیا کی ثروت کا اہم حصہ ہولناک جنگی آلات کی تیاری پر صرف ہوتا ہے، جو اس دنیا میں بدامنی کا واضح ثبوت ہے۔

اخلاقی مسائل کو بھلا دیا گیا اور دنیا کے بہت سے ملکوں کو فتنہ وفساد نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور اگر اس سلسلے میں تمام اعداد وشمار اکٹھے کیے جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ جاہلیت قدیم سے جاہلیت جدید زیادہ وحشتناک، خطرناک اور گہری ہے اور سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ شاید ہمارے زمانے کی جاہلیت سے ہی متعلّق ہے اور اس کے بارے میں پیش گوئی کر رہی ہے، اس میں ازواج پیغمبرؐ سے خطاب ہوتا ہے

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ [1]

"اور اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔"

جاہلیتِ اولیٰ کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسری جاہلیت بھی درپیش ہے۔

دوسرا حصّہ

فَاعْتَبِرُوْا عِبَادَاللهِ! وَ اذْكُرُوْا تِيْكَ الَّتِيْ آبَاؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ بِهَا مُرْتَهَنُوْنَ، وَ عَلَيْهَا مُحَاسَبُوْنَ. وَلَعَمْرِيْ مَا تَقَادَمَتْ بِكُمْ وَ لَا بِهِمُ الْعُهُوْدُ، وَلَا خَلَتْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمُ الْأَحْقَابُ وَالْقُرُوْنُ وَمَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ مِنْ يَوْمَ كُنْتُمْ فِيْ أَصْلَابِهِمْ بِبَعِيْدٍ.

وَاللهِ مَا أَسْمَعَكُمُ الرَّسُوْلُ شَيْئًا إِلَّا وَ هَا أَنَا ذَا مُسْمِعُكُمُوْهُ وَ مَا أَسْمَاعُكُمُ الْيَوْمَ بِدُوْنِ أَسْمَاعِكُمْ بِالْأَمْسِ، وَ لَا شُقَّتْ لَهُمُ الْأَبْصَارُ، وَ لَا جُعِلَتْ لَهُمُ الْأَفْئِدَةُ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ، إِلَّا وَ قَدْ أُعْطِيْتُمْ مِثْلَهَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ. وَوَاللهِ مَا بُصِّرْتُمْ بَعْدَهُمْ شَيْئًا جَهِلُوْهُ، وَلَا أُصْفِيْتُمْ بِهِ وَ حُرِمُوْهُ، وَ لَقَدْ نَزَلَتْ بِكُمُ الْبَلِيَّةُ جَائِلًا خِطَامُهَا، رِخْوًا بِطَانُهَا، فَلَا يَغُرَّنَّكُمْ مَا أَصْبَحَ فِيْهِ أَهْلُ الْغُرُوْرِ، فَإِنَّمَا

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

https://downloadshiabooks.com/

هُوَ ظِلٌّ مَمْدُودٌ، إِلٰی أَجَلٍ مَعْدُودٍ.

"لہٰذا بندگانِ خدا! تم عبرت حاصل کرو اور ان حالات کو یاد کرو جن میں تمہارے باپ دادا اور بھائی گرفتار ہیں اور ان کا حساب دے رہے ہیں۔

میری جان کی قسم! ابھی ان کے اور تمہارے درمیان زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے اور نہ صدیوں کا فاصلہ ہوا ہے اور نہ آج کا دن کل کے دن سے زیادہ دور ہے جب تم انہی بزرگوں کے صلب میں تھے۔

خدا کی قسم! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں کوئی ایسی بات نہیں سنائی ہے جسے آج میں نہیں سنا رہا ہوں اور تمہارے کان بھی کل کے کان سے کم نہیں ہیں اور جس طرح کل انہوں نے لوگوں کی آنکھیں کھول دی تھیں اور دل بنا دیے تھے ویسے ہی آج تمہیں بھی وہ ساری چیزیں دی گئی ہیں اور خدا گواہ ہے کہ تمہیں کوئی ایسی چیز نہیں دکھلائی جارہی ہے جس سے تمہارے بزرگ ناواقف تھے اور نہ کوئی ایسی خاص بات بتائی جارہی ہے جس سے وہ محروم رہے ہوں۔ اور دیکھو تم پر ایک مصیبت نازل ہوگئی ہے اس اونٹنی کی مانند جس کی نکیل جھول رہی ہو اور جس کا تنگ ڈھیلا ہوگیا ہو، لہٰذا خبردار! تمہیں پچھلے فریب خوردہ لوگوں کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے کہ یہ عیشِ دنیا ایک پھیلا ہوا سایہ ہے جس کی مدت معین ہے اور پھر سمٹ جائے گا۔"

شرح وتفسیر

تم سب سے باز پرس ہوگی!

اس خطبے کے دوسرے حصے میں حضرت امام علی علیہ السلام اپنے زمانے کے لوگوں سے مخاطب ہیں، انھیں متنبہ کرتے ہیں کہ ممکن ہے زمانۂ جاہلیت کے حالات تمھارے زمانے میں پھر سے پلٹ آئیں اور اُس زمانے کی بدبختیاں اور آلودگیاں تمہیں دامن گیر ہو جائیں، ہوشیار رہو، تباہی کے دہانے پر پہنچ گئے ہو۔

آپؑ فرماتے ہیں:

فَاعْتَبِرُوا عِبَادَ اللهِ! وَ اذْكُرُوا تِيكَ الَّتِي آبَاؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ بِهَا مُرْتَهَنُونَ، وَ عَلَيْهَا مُحَاسَبُونَ

اے اللہ کے بندو! عبرت حاصل کرو، ان بداعمالیوں کو یاد کرو جن کے نتائج میں تمھارے بھائی اور باپ جکڑے

https://downloadshiabooks.com/

ہوئے ہیں۔

تیک اور تلک [اشارے کے الفاظ] کا ایک ہی مفہوم ہے، جو کہ ایک سربستہ اشارہ ہے اُن گناہوں اور پلیدگیوں کی جانب، جن میں زمانۂ جاہلیت کے لوگ مبتلا تھے، اور جن کا خداوند عالم احتساب کرے گا۔ چون کہ مشار الیہ گزشتہ حصّے میں واضح طور پر بیان ہوا ہے اس لیے اُسے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے یہ احتمال دیا ہے کہ اس اسم اشارہ سے مقصود دنیا اور دنیا کی زندگی ہے یا مقصود، وہ امانتِ الٰہی ہے جس کی جانب آیت اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ... [1] میں اشارہ ہوا ہے، لیکن خطبے کے صدر و ذیل کے لحاظ سے یہ احتمالات قرینِ عقل نہیں ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

اپنی جان کی قسم! تمھارے اور ان کے درمیان صدیوں اور زمانوں کا فاصلہ ہے۔ ابھی تم اس دن سے زیادہ دور نہیں ہوئے کہ جب ان کے صلبوں میں تھے، پھر اس دنیا میں آئے اور تھوڑی مدت نہ گزری تھی کہ دنیا سے چلے گئے۔

وَلَعَمۡرِیۡ مَا تَقَادَمَتۡ بِکُمۡ وَلَا بِهِمُ الۡعُهُوۡدُ، وَلَا خَلَتۡ فِیۡمَا بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَهُمُ الۡاَحۡقَابُ [2] وَالۡقُرُوۡنُ وَمَا أَنۡتُمُ الۡیَوۡمَ مِنۡ یَوۡمَ کُنۡتُمۡ فِیۡ أَصۡلَابِهِمۡ بِبَعِیۡدٍ.

مذکورہ تفسیر کے مطابق عھو دعہد کے معنی میں آیا ہے اور اُسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے:

قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾

"(اے رسول) کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا یا تم اللہ پر تہمت باندھ رہے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے؟"

لیکن نہج البلاغہ کے تمام شارحین نے اس مقام پر عھو د سے ادوار کے معنی لیے ہیں، اس صورت میں اس کا مفہوم اور بعد کے جملے "وَلَا خَلَتۡ فِیۡمَا بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَهُمُ الۡاَحۡقَابُ وَالۡقُرُوۡنُ کا مفہوم یکساں ہو جائے گا۔

اس کے بعد امامؑ، اس زمانے میں اپنی حیثیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو زمانۂ جاہلیت میں کے پُر آشوب حالات کے مقابلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

[1] سورۂ احزاب، آیت ۷۲

[2] احقاب، حقب (عُنُق کا ہم وزن) کی جمع ہے اور دراصل طولانی مدت کے معنی میں ہے، بعض نے اس دورانیے کی مدّت اَسّی سال معین کی ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

وَ اللهِ مَا أَسْمَعَكُمُ ① الرَّسُولُ شَيْئًا إِلَّا وَ هَا أَنَا ذَا مُسْمِعُكُمُوهُ، وَ مَا أَسْمَاعُكُمُ الْيَوْمَ بِدُونِ أَسْمَاعِكُمْ ② بِالْأَمْسِ، وَلَا شُقَّتْ لَهُمُ الْأَبْصَارُ، وَلَا جُعِلَتْ لَهُمُ الْأَفْئِدَةُ فِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ، إِلَّا وَ قَدْ أُعْطِيتُمْ مِثْلَهَا فِي هٰذَا الزَّمَانِ

خدا کی قسم! جو باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کانوں تک پہنچائی تھیں، آج میں تمھیں سنا رہا ہوں، اور جتنا انھیں سنایا گیا تھا، اس سے کچھ کم تمھیں نہیں سنا رہا ہوں۔ اور جس طرح ان کی آنکھیں کھولی گئی تھیں اور دل بنائے گئے تھے، ویسی ہی آنکھیں اور ویسے ہی دل اس وقت تمھیں دیے گئے ہیں (پس کیوں نہیں دیکھ رہے ہو اور کیوں نہیں سن رہے ہو؟)

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

وَاللهِ مَا بُصِّرْتُمْ بَعْدَهُمْ شَيْئًا جَهِلُوهُ، وَلَا أُصْفِيتُمْ بِهِ وَ حُرِمُوهُ

"اور خدا گواہ ہے کہ تمھیں کوئی ایسی چیز نہیں دکھلائی جا رہی ہے جس سے تمھارے بزرگ ناواقف تھے اور نہ کوئی ایسی خاص بات بتائی جا رہی ہے جس سے وہ محروم رہے ہوں" (خدا نے تم سے، عذاب سے رہائی کے لیے، کوئی خاص وعدہ نہیں کیا ہے)۔

اس بنا پر تم تمام چیزوں میں ان جیسے ہو، حالانکہ وہ حق کے پیروکار ہو گئے اور تم اس سے رُوگردانی کر رہے ہو۔

درحقیقت حضرت امام علی علیہ السلام ضمناً ایک تلخ حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ آپؑ کے زمانے میں گزشتہ خلفاء کی غلط تدبیروں اور جنگی فتوحات سے حاصل کردہ مالِ غنیمت کی کثرت میں غرق ہونے کی وجہ سے ایک نئی جاہلیت کا آغاز ہو گیا تھا، جس کا لوگ شکار ہو گئے تھے؛ بت مختلف شکلوں میں ظاہر ہو گئے تھے؛ ہر درہم، دینار مقام و منصب صنم بن گیا تھا۔

دورِ جاہلیت کی ہوا و ہوس، اندھا تعصب، قبائل کی تباہ کاریاں، رقابتیں اور اخلاقی برائیاں مسلمانوں پر گویا برص کی بیماری کی طرح ظاہر ہوئیں اور انھیں تکلیف دیتی تھیں۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ اس دور میں میری وہی ذمّے داری ہے، جو رسول اللہؐ کی ذمّے داری تھی۔

جو چیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں لوگوں سے فرمائی تھی، وہی میں تم لوگوں سے بیان کر رہا ہوں، کوئی کسر چھوڑی نہیں ہے۔

---

① واضح ہے کہ اس مقام پر "کُمْ" کی ضمیر مخاطب کے بجائے غائب کی ضمیر "هُمْ" ہونی چاہیے، اس لیے کہ یہ ضمیر زمانِ پیامبرؐ کے لوگوں کی جانب اشارہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کاتبین کی خطا ہے اور اسی لیے نہج البلاغہ کے اکثر شارحین نے بھی اس کے تسلیم کیا ہے۔

② گزشتہ فوٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

https://downloadshiabooks.com/

پھر آپؑ فرماتے ہیں، تمھاری آنکھیں، کان اور دل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کی نسبت کمزور نہیں، تم بھی وہی فہم وادراک، شعور، کان اور آنکھ رکھتے ہو (بلکہ ایک لحاظ سے تم فائدے میں ہو، کیونکہ اسلام کے ظہور ہونے کے بعد تمہارے لیے ماحول سازگار ہو گیا ہے، مگر ان سب کے باوجود تم اپنے بُرے اعمال سے دست بردار کیوں نہیں ہوتے ہو، کیوں گمراہی سے ہدایت کے راستے کی طرف نہیں پلٹتے اور کیوں کر خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے ہو؟

خطبے کے اختتام پر متنبہ کرتے ہیں:

وَلَقَدْ نَزَلَتْ بِكُمُ الْبَلِيَّةُ جَائِلًا (۱) خِطَامُهَا (۲) رِخْوًا بِطَانُهَا (۳)

یقیناً تم پر بلا ومصیبت نازل ہوئی ہے ایسی بلا کہ جس کی مہار (لگام) چھوڑ دی گئی ہے اور اس کا تنگ ڈھیلا ہو گیا ہے (جس کی وجہ سے وہ بے قابو ہو گئی ہے)۔

بہت سے شارحین نہج البلاغہ معتقد ہیں کہ بلیّۃ سے حکومت بنی اُمیہ کی طرف اشارہ ہے، جو کہ اُس زمانے میں مسلمانوں پر ایک مصیبت و بلا کی صورت میں نازل ہوئی تھی کہ جس نے لوگوں کی جان و مال اور ناموس کو اپنے مفاد کی بھینٹ چڑھایا اور نابود کر دیا۔

توجّہ رہے کہ امامؑ نے اس تباہ کنندہ، سرکش بلا کو ایک سرکش اونٹ سے تشبیہ دی ہے، جس کی مہار ڈھیلی پڑ گئی ہے یا مکمل طور پر ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے یا یہ کہ اس پر سوار شخص نے وحشت یا کسی اور وجہ سے مہار کو ڈھیلا چھوڑ دیا ہے ہے؛ اسی طرح وہ پٹکا، جسے اونٹ کی پیٹھ پر زین یا پالان کو مضبوطی سے رکھنے کی خاطر اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے گزار کر باندھا جاتا ہے، اس طرح ڈھیلا ہو جائے کہ وہ زین یا پالان کو سنبھال نہ پائے۔ اس بنا پر اُس پر سوار فرد خود سنبھل نہیں پائے گا، چہ جائے کہ وہ اُس سرکش اونٹ کو قابو کرے۔ یقیناً ایسا اونٹ جہاں جائے گا، وہاں موت اور بربادی کا سامان کرے گا۔

موت اور بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ یقیناً بنی اُمیہ کی مصیبت بھی ایسی ہی تھی، اس بدبخت حکومت کے لیے اس سے بہتر، فصیح اور مناسب تشبیہ بیان نہیں کی جا سکتی۔

---

(۱) جائل جولان کے مادّے سے ہے، دراصل کسی چیز کے اپنی جگہ سے کھسک جانے کے معنیٰ میں ہے؛ لہٰذا جب اونٹ کی مہار کو چھوڑ دیا جائے کہ وہ اونٹ ہر جگہ گھومے پھرے، تو اس موقع پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

(۲) خطام مہار کے معنی میں ہے جو کبھی چمڑے یا اُون سے یا خرمے کی چھال سے بنا جاتا ہے۔

(۳) بطان، بطن کے مادّے سے ہے، جس کے معنی شکم اور پیٹ کے ہیں۔ یہ لفظ اونٹ کے لیے استعمال لیا جاتا ہے۔ کے باندھنے کے لیے کام میں لایا جاتا ہے اور اُس موٹے، چوڑے اور مضبوط فیتے کے معنیٰ میں ہے، جو حیوان کے پیٹ کے نیچے سے گزار کر پالان کے دونوں اطراف سے نکال کر کسا جاتا ہے کہ کہیں پالان الٹ نہ جائے۔

https://downloadshiabooks.com/

آخری جملے میں ایک اور تنبیہہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

فَلَا يَغُرَّنَّكُمْ مَا أَصْبَحَ فِيهِ أَهْلُ الْغُرُورِ، فَإِنَّمَا هُوَ ظِلٌّ مَمْدُودٌ، إِلَى أَجَلٍ مَعْدُودٍ

"لہٰذا خبردار! تمہیں پچھلے فریب خوردہ لوگوں کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے کہ یہ عیشِ دنیا ایک پھیلا ہوا سایہ ہے جس کی مدت معین ہے اور پھر سمٹ جائے گا۔"

https://downloadshiabooks.com/

https://downloadshiabooks.com/

نوّےواں خطبہ

ومن خطبة له علیه السّلام [1]

وتشتمل علی قِدَم الخالق وعظم مخلوقاته، ویختمها بالوعظ

یہ خطبہ خداوند کریم کے قدیم ہونے اور اُس کی مخلوقات کی عظمت سے متعلق ہے اور اسے وعظ و نصیحت کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

خطبہ، ایک نگاہ میں

اس خطبے کے چار حصّے ہیں جن کے مفاہیم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پہلے حصے میں خداوند عالم کے قدیم ہونے کی بہت خوبصورت تعبیرات سے تشریح کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں بندوں کی نسبت خداوند عالم کے علم کا مختلف زاویوں سے احاطہ کیا گیا ہے، تیسرے حصے میں خدا کے دشمنوں کو سختی سے تنبیہہ کی گئی ہے اور پروردگار عالم کے فرماں برداروں کو بہترین صلے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ آخری حصے یعنی چوتھے حصے میں مختصر اور جامع جملوں میں بندگانِ خدا کو وعظ و نصیحت کی گئی ہے۔ گویا پہلے کے تین حصے جو انسان ساز ہیں، اس حصے کے لیے مقدمہ ہیں۔

پہلا حصّہ

اَلْحَمْدُلِلهِ الْمَعْرُوفِ مِنْ غَیْرِ رُؤْیَةٍ، وَالْخَالِقِ مِنْ غَیْرِ رَوِیَّةٍ، الَّذِی لَمْ یَزَلْ قَائِمًا دَائِمًا؛ إِذْ لَا سَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَلَا حُجُبٌ ذَاتُ إِرْتَاجٍ، وَلَا لَیْلٌ دَاجٍ، وَلَا بَحْرٌ سَاجٍ، وَلَا جَبَلٌ ذُو فِجَاجٍ، وَلَا فَجٌّ ذُو

[1] سند خطبہ: مصادر نہج البلاغہ میں اس خطبے کے ایک بڑے حصے کو عیون الحکم والمواعظ کے مصنف علی بن محمد واسطی سے نقل کیا ہے اور غرر الحکم میں، صرف اس کا ذیل کا حصّہ آیا ہے اور ان دونوں سے پتا چلتا ہے کہ نہج البلاغہ کے علاوہ کسی اور ماخذ سے اس خطبے کو لیا ہے، ورنہ یہ دونوں نہج البلاغہ کے متن کے ساتھ ہماہنگ ہوتے۔ ابن اثیر نے نہایہ میں اس خطبے کے الفاظ کی تفسیر کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ ان کے پاس تھا۔ (مصادرِ نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۱۴۱)

https://downloadshiabooks.com/

اعْوِجَاجٍ، وَلَا أَرْضٌ ذَاتُ مِهَادٍ، وَلَا خَلْقٌ ذُوْ اعْتِمَادٍ: ذٰلِكَ مُبْتَدِعُ الْخَلْقِ وَوَارِثُهُ، وَإِلٰهُ الْخَلْقِ وَرَازِقُهُ، وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ دَائِبَانِ فِيْ مَرْضَاتِهِ: يُبْلِيَانِ كُلَّ جَدِيْدٍ، وَيُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيْدٍ.

"ساری تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو بغیر دیکھے معروف ہے اور بغیر سوچے پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ سے قائم اور دائم ہے جب نہ یہ برجوں والے آسمان تھے اور نہ بلند دروازوں والے حجابات، نہ اندھیری رات تھی اور نہ ٹھہرے ہوئے سمندر، نہ لمبے چوڑے راستوں والے پہاڑ تھے اور نہ ٹیڑھی ترچھی پہاڑی راہیں، نہ بچھے ہوئے فرش والی زمین تھی اور نہ کس بل والی مخلوقات۔ وہی مخلوقات کا ایجاد کرنے والا ہے اور وہی آخر میں سب کا وارث ہے۔ وہی سب کا معبود ہے اور سب کا رازق ہے۔ شمس و قمر اُسی کی مرضی سے مسلسل حرکت میں ہیں، اپنی گردش کے ذریعے ہر نئے کو پرانا کردیتے ہیں اور ہر بعید کو قریب تر بنادیتے ہیں۔"

شرح و تفسیر

وہ تھا اور کوئی نہ تھا

امیر المومنینؑ نے اس حصے میں تین اوصاف الٰہی بیان کیے ہیں۔

پہلی صفت میں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةٍ

"تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو نظر آئے بغیر پہچانا جاتا ہے۔"

جی ہاں! اُس کا جسم نہیں، زمان و مکان اور سمت نہیں رکھتا، تاکہ اُسے آنکھوں سے دیکھا جاسکے، کیونکہ جسم ہونا خامی کی علامت ہے اور زمان و مکان کا محتاج ہونا ہے، جب کہ اللہ ہر جہت سے کامل ہے، لیکن اس کے باوجود اس نظام کائنات میں موجود بے شمار دلیلیں اُس کے وجودِ پاک کی خبر دیتی ہیں؛ آفاق اور ہماری ذات میں موجود نشانیاں اُس کی بے مثال ذات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اُسے دیکھا نہیں جاسکتا، لیکن جس چیز سے اُسے دیکھا جائے، پہلے سے زیادہ جانا پہچانا ہے۔ تمام کائنات کے ذرّات اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور اُس کے وجود پاک پر گواہ ہیں۔

دوسری صفت میں فرماتے ہیں:

https://downloadshiabooks.com/

وَالْخَالِقِ مِنْ غَيْرِ رَوِيَّةٍ ①

"وہ بغیر سوچے اور فکر کیے پیدا کرنے والا ہے۔"

وہ شخص سوچ وفکر کا محتاج ہوتا ہے جس کے لیے کوئی چیز مجہول اور نا معلوم ہو اور اپنی فکر کی پنجہ آزمائی کی مدد سے اس پر سے پردے ہٹانا چاہتا ہے، جس ذات کے لیے کوئی مجہول شے کا وجود ہی نہ ہو، اس کے لیے سوچنا محال ہے۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ غَيْرِ رَوِيَّةٍ کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو خلق کرنے کی صفت کا کوئی سابقہ نہیں ہے [جسے مشاہدہ کرنے کے بعد وہ تخلیق کرتا ہو]، جب کہ انسانوں میں اپنے روزمرّہ کے کاموں سے متعلق تخلیق کے عمل میں پہلے کوئی سابقہ موجود ہوتا ہے یا ان میں تخلیق کا وصف مشاہدات اور تجربات مجموعے کا مرکّب ہے۔

تیسری صفت میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْ لَمْ يَزَلْ قَائِمًا دَائِمًا

"وہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔"

ہمیشگی و دوام، جو کہ صرف ذاتِ مقدس پروردگار سے مخصوص ہے، اُس کی ذاتِ پاک کے لامحدود ہونے کا لازمہ ہے، کیونکہ اگر اس کے لیے آغاز یا اختتام کا تصور کیا جائے تو وہ حتمی طور پر محدود ہوگا؛ لامحدود اور غیر متناہی ذات کے لیے نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا؛ وہ عین وجود ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

پھر حضرت امام علی علیہ السلام نے خداوند کریم کے قدیم ہونے کی وضاحت کے سلسلے میں خوبصورت تعبیریں ارشاد فرمائی ہیں:

اِذْ لَا سَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَلَا حُجُبٌ ذَاتُ إِرْتَاجٍ ② وَلَا لَيْلٌ دَاجٍ ③ وَلَا بَحْرٌ سَاجٍ ④ وَلَا جَبَلٌ ذُوْ فِجَاجٍ ⑤ وَلَا فَجٌّ ذُوْ اعْوِجَاجٍ وَلَا أَرْضٌ ذَاتُ مِهَادٍ، وَلَا خَلْقٌ ذُوْ اعْتِمَادٍ

"جب نہ یہ برجوں والے آسمان تھے اور نہ بلند دروازوں والے حجابات، نہ اندھیری رات تھی اور نہ ٹھہرے ہوئے

---

① رویّۃ، رَیّ (حیّ کا ہم وزن) کے مادّے سے، دراصل سیراب ہونے کے معنیٰ میں ہے۔ جب ہم اسے باب تفعیل میں لے جاتے ہیں تو غور و فکر کرنے کے معنی میں آتا ہے، اور چوں کہ انسان غور و فکر کرتے وقت کسی کام یا چیز کی سابقہ حالت کو مدنظر رکھتا ہے، ممکن ہے یہ بے سابقہ اُمور کے لیے کنایتاً استعمال کیا جائے۔

② ارتاج، رتج (بند کرنا) کے مادّے سے باب افعال کا مصدر ہے، جب باب افعال میں جائے تو اس کے معنی مظبوطی سے باندھنے کے ہوں گے۔

③ داج، دجو کے مادّے سے اسم فاعل ہے اور تاریک کے معنی میں ہے۔

④ ساج، سجو سے اسم فاعل ہے، ساکن اور آرام کے معنی میں آیا ہے۔

⑤ فجاج، فجّ کی جمع ہے، دو پہاڑوں کے درمیان کا فاصلے یعنی درّہ کے معنیٰ میں ہے۔ پھر کشادہ سڑکوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ بعض ارباب لغت کے بقول دراصل انسان کے قیام کی حالت میں دونوں ٹانگوں کے درمیانی پیدا ہونے والے فاصلے کو فجاج کہا جاتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

سمندر، نہ لمبے چوڑے راستوں والے پہاڑ تھے اور نہ ٹیڑھی ترچھی پہاڑی راہیں، نہ بچھے ہوئے فرش والی زمین تھی اور نہ کس بل والی مخلوقات۔"

حُجُب" (پردے) اور ذَاتُ إِرْتَاجٍ (بندھ ہوا) کی تعبیر، ممکن ہے اُس چیز کی طرف اشارہ ہو جو متعدد روایات میں آئی ہے کہ آسمان کی بلندی اور خدا کے عرش کے نیچے نور کے حجابات موجود ہیں کہ کوئی مخلوق (سوائے اس کے جس کے لیے اللہ کی منشا ہو) اُس کے نزدیک نہیں جا سکتی؛ یہ حجابات، جو کہ نور کی شدت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے یا عبور نہیں کیے جا سکتے ہیں، خدا کی ان چند مخلوقات میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ ہر عرش کی تخلیق کے بعد وجود میں آئی ہیں اور عرش اور آسمانوں کے درمیان جدائی ڈالی ہے۔

نماز کے آغاز میں سات تکبیروں کے فلسفے سے متعلق حضرت اما موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت میں امامؑ نے فرمایا:

اے ہشام! خداوند عالم نے سات آسمان، سات زمین اور سات حجابات خلق فرمائے....، پھر ذیلِ حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر گئے تو آپؐ کے سامنے سے حجابات یکے بعد دیگرے ہٹائے گئے، ہر حجاب کے ہٹائے جانے پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہتے تھے، یہی ہے سات تکبیروں کے کہنے کا فلسفہ۔ (جب انسان نماز، جو کہ مؤمن کی معراج ہے، کا آغاز کرتا ہے تو حجابات کو ہٹانے کے لیے سات تکبیریں پڑھتا ہے) [1]

مناجاتِ شعبانیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نورانی حجاب، جو عظمتِ خداوندی کے مکمل دیدار کے لیے رکاوٹ ہیں، اولیاء اللہ کے سامنے سے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ [2]

البتہ ان حجابوں کی حقیقت و ماہیت سے متعلق ہم زیادہ اطلاع نہیں رکھتے، مناجاتِ شعبانیہ میں دل کی آنکھوں کے مقابل نوری حجابات کا، جو ذکر آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوق الفطرت مفاہیم کا ایک سلسلہ ہے۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں **حجب نوریۃ** [نوری حجابات] کے موضوع کی طرف اشارہ کرنے کے بعد تشریح بیان کی ہے، جس میں جسمانی و روحانی، مادّی و معنوی حجابات سے متعلق تفسیر بیان ہوئی ہے۔ [3]

"وَلَا لَيْلٌ دَاجٍ وَلَا بَحْرٌ" سَاجٍ کے جملے یقیناً خداوند عالم کے ازلی ہونے اور تخلیقِ کائنات سے پہلے اس کے

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۷۲۳، حدیث ۷، تکبیرۃ الاحرام کے ابواب میں سے ۷واں باب: يَا هِشَامُ إِنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ سَبْعًا وَ الْأَرَضِينَ سَبْعًا وَ الْحُجُبَ سَبْعًا۔

[2] مناجات کی عبارت یہ ہے: إِلٰهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ إِلَيْكَ وَ أَنِرْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إِلٰى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ۔

[3] مزید وضاحت کے لے بحار الانوار، ج ۵۵، ص ۴۶ پر رجوع کریں۔

https://downloadshiabooks.com/

وجودِ مقدس سے متعلق ہیں؛اس کے علاوہ ان جملوں میں کائنات میں پھیلی ہوئی اُس کی عظیم نعمتوں کی طرف بامعنیٰ اشارے پائے جاتے ہیں؛ کیونکہ شب کی تاریکی اور دریا کا ٹھہراؤ، دونوں اُس کی نعمتیں ہیں؛رات کی تاریکی آرام بخش ہے اور تاریکی میں نیند جسم و روح کی تر و تازگی میں گہرا اثر رکھتی ہے،جیسا کہ ٹھہرا ہوا سمندر کشتی رانی، ماہی گیری اور لؤلؤ و مرجان کے نکالنے کے لیے مناسب اور آمادہ ہوتا ہے۔

"جبل ذو فجاج" (کشادہ راستوں والے پہاڑ)،اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر پہاڑ اونچی دیواروں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے تو زمینی علاقے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے اور سطح زمین پر رفت و آمد مشکل ہو جاتی،مگر خداوند عالم نے اپنی حکمت سے انھیں ایک دوسرے سے جدا کیا اور ان کے درمیان گزرنے اور عبور کرنے کے لیے کشادہ راستے بنا دیے۔

"فجّ ذو اعوجاج" (پیچ و خم والے درّے) ممکن ہے اس لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہو کہ اگر پیچ و خم والے درّے نہ ہوں اور سیلابی ریلا آگے کی سمت تیزی سے حرکت کرے، تو اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر دے گا؛ لیکن یہ پیچ و خم والے درّے سیلابوں کو لگام دے کر قابو کر لیتے ہیں۔

"ارض ذات مهاد" کشادہ و ساکن زمین کی طرف اشارہ ہے، اگر تھرتھراہٹ اور زلزلے [جس کے زمین کے اندر گوناگوں عوامل ہیں] سطح زمین پر بھونچال لے آتے، تو اُس پر نہ کوئی گھر، نہ آشیانہ بنایا جا سکتا اور نہ وہ انسانوں کے لیے آرام کا گہوارہ ہوتا۔

"خلق ذو اعتماد" (صاحبِ قدرت مخلوق) انسان کی اُن خداداد روحی و جسمانی توانائیوں کی طرف اشارہ ہے، جنہیں وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بروئے کار لاتا ہے۔

پھر امامؑ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ مُبْتَدِعُ الْخَلْقِ وَوَارِثُهُ

(وہ خدا جو ان صفات کا مالک ہے،اس کے وجود کی نشانیاں پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں؛ وہ ہر چیز پر قادر رہے اور ہمیشہ سے ہے) ان صفات کا حامل خدا، موجودات کا خالق اور ان کا وارث ہے۔

وَإِلٰهُ الْخَلْقِ وَرَازِقُهُ

(کیونکہ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی، مگر اُس کا وجود باقی رہے گا) جو تمام خلائق کا معبود اور رازق ہے۔

وہ معبود کیوں نہ ہو؟ جب کہ تمام صفات و کمالات کا حامل ہے، مزید یہ کہ سب کا رزق رساں ہے۔ اگر عبادت

https://downloadshiabooks.com/

عظمت کی خاطر ہوتو وہی اس کے لائق ہے اور اگر شکرِ منعم کے طور پر ہو، تب بھی وہ اس کا سزاوار ہے۔

اس حصّے کے اختتام پر اللہ کی قدرت وعظمت کی نشانیوں میں سے دو نعمتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ دَائِبَانِ (۱) فِي مَرْضَاتِهِ: يُبْلِيَانِ كُلَّ جَدِيدٍ، وَيُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيدٍ

"شمس وقمر اُسی کی مرضی سے مسلسل حرکت میں ہیں، وہ اپنی [پے در پے] گردش کے ذریعے ہر نئے کو پرانا کر دیتے ہیں اور ہر بعید کو قریب تر بنا دیتے ہیں۔"

بے شک چاند ہمیشہ حرکت کرتا ہے؛ لیکن سورج کی طرف حرکت کی نسبت دینا ممکن ہے، اس کی ظاہری حرکت کی جانب اشارہ ہو (ہر چند واقع میں وہ ثابت ہے اور زمین اس کے گرد چکر کاٹتی ہے) یا اُن دوسری حرکات کی طرف اشارہ ہو، جنہیں سورج، بلکہ کہکشاں کے مجموعے کے اندر تمام منظومۂ شمسی انجام دے رہا ہوتے ہیں۔

"يُبْلِيَانِ..." کے جملوں میں تمام انسانوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ جان لیں کہ عالمِ مادّہ کا انجام فرسودگی، بوسیدگی اور زوال ہے؛ سب کچھ دگرگوں ہونے والا ہے اور زوال کی جانب تیز گام ہے اور اسی لیے کسی بھی چیز سے دل نہیں لگانا چاہیے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں بہت سے لوگوں کی نظروں میں دور ہیں (بڑھاپا، بے بسی اور موت) وہ گردش لیل ونہار کی بدولت درجہ بدرجہ قریب سے قریب تر ہوتی جاتی ہیں۔ یہ بھی خدا کی ایک نعمت ہے، ورنہ انسان غرور اور غفلت میں اس قدر ڈوب جاتا کہ خدا سے مکمل طور پر بے گانہ ہو جاتا۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مذکورہ بالا تعبیرات میں سے اکثر آیاتِ قرآنی سے لی گئی ہیں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ (۲)

"اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تا کہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں پر چلو پھرو۔"

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿۶﴾ (۳)

"کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟"

---

(۱) دائبان، دائب کا تثنیہ ہے، اس کا مادّہ دأب اور دؤوب (قلب اور قلوب کے وزن پر) ہے، جو ایسے کام کے معنیٰ میں ہے جو عادت اور رواج بن جائے۔ اس بنا پر دائب کا معنیٰ، وہ شخص یا چیز جو کسی کام کو مسلسل اور ایک سنت اور عادت کے طور پر انجام دیتا ہے۔

(۲) سورۂ نوح، آیات ۱۹، ۲۰

(۳) سورۂ نباء، آیت ۶

https://downloadshiabooks.com/

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ①

"اور سورج چاند کو تمہارا تابعدار بنادیا تاکہ سدا گردش کرتے رہیں۔"

دوسرا حصّہ

قَسَمَ أَرْزَاقَهُمْ، وَأَحْصَى آثَارَهُمْ، وَأَعْمَالَهُمْ، وَعَدَدَ أَنْفُسِهِمْ، وَخَائِنَةَ أَعْيُنِهِمْ، وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ مِنَ الضَّمِيرِ، وَمُسْتَقَرَّهُمْ وَمُسْتَوْدَعَهُمْ مِنَ الْأَرْحَامِ وَالظُّهُورِ، إِلَى أَنْ تَتَنَاهَى بِهِمُ الْغَايَاتُ.

"اُس نے سب کے رزق کو تقسیم کیا ہے اور سب کے آثار و اعمال کا احصاء کیا ہے۔ اسی نے ہر ایک کی سانسوں کا شمار کیا ہے اور ہر ایک کی نگاہ کی خیانت اور سینے کے چھپے ہوئے اسرار اور اصلاب وارحام میں ان کے مراکز کا حساب رکھا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی آخری منزل تک پہنچ جائیں۔"

شرح وتفسیر

وہ تمھارے وجود کے تمام رازوں سے واقف ہے

خطبے کے اس حصے میں امیرالمومنینؑ نے ایک مرتبہ پھر صفات خداوندی کے کچھ حصے بیان فرمائے ہیں؛ وہ صفات جو انسان کے حالات اور اس کی تقدیر سے مربوط ہیں، تاکہ آنے والے حصّوں میں ذکر ہونے والی نصیحتوں کے لیے مقدمہ ہوں۔ آپؑ نے فرماتے ہیں:

قَسَمَ أَرْزَاقَهُمْ

"اُس اللہ نے سب کی روزی بانٹ رکھی ہے۔"

تقسیم رزق سے مراد، کوششوں، تلاش اور لیاقت کے مطابق رزق کی تقسیم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا نے اس بات کی ضمانت لی ہو کہ ہر کسی کو اُس کی روزی اس کے گھر کی ڈیوڑھی پر اُس کے حوالے کرے گا؛ اگرچہ انسان کبھی مِنْ حَيْثُ

① سورۂ ابراہیم، آیت ۳۳۔

https://downloadshiabooks.com/

لَا یَحْتَسِبُ غیر متوقع جگہ سے مستفیض بھی ہوتا ہے، لیکن یہ کوئی کلیہ اور قانون نہیں ہے، بلکہ قانون یہ ہے کہ تلاش وکوشش کرے اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لے آئے۔

دوسری عبارت میں رزق وروزی کی دو اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے، جو تلاش اور کوشش سے مشروط ہے؛ اگر انسان اُس کے پیچھے نہ جائے اور روزگار کی تلاش نہ کرے تو اُس سے محروم ہو جائے گا۔ دوسری قسم کی روزی حتمی اور نا قابلِ تغیر ہے، کہ انسان تلاش کرے یا نہ کرے اُس کو مل جائے گی۔ بنیادو اساس پہلی قسم ہے، اگرچہ روایات میں دونوں اقسام کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ انہی امام بزرگوارؑ کے ایک دوسرے کلام میں ہم پڑھتے ہیں:

إِنَّ الرِّزْقَ رِزْقَانِ: رِزْقٌ تَطْلُبُهُ، وَرِزْقٌ يَطْلُبُكَ [۱]

"رزق وروزی دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ ہے، جسے تمہیں تلاش کرنا پڑتا ہے اور دوسرا رزق جو تمہیں تلاش کرتا ہے۔"

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ رزق سے صرف کھانا پینا مراد نہ لی جائے، بلکہ اس میں زندگی کے تمام مادّی ومعنوی بخششیں شامل ہیں۔

جی ہاں! خداوند عالم نے علم ودانش، ایمان، اجتماعی مقام ومرتبہ اور ان جیسے تمام عطایا تلاش وکوشش کے زیرِ سایہ تقسیم کیے ہیں، لیکن کبھی یہ بتلانے کی خاطر کہ عالمِ اسباب کے پیچھے مسبّب الاسباب کا دستِ قدرت کارفرما ہے، تلاش وکوشش کو بے نتیجہ اور جنہوں نے تلاش نہیں کی ہوتی انہیں نتیجے تک پہنچا دیتا ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا، ایسا استثنائی حالات میں ہوتا ہے، جس کا مقصد انسان کا "مسبّب الاسباب" کی پاک ذات کی طرف متوجّہ رہنا ہے [انسان اپنی کوشش اور صلاحیت پر گھمنڈ نہ کرے]۔

پھر امامؑ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَحْصَى آثَارَهُمْ، وَأَعْمَالَهُمْ، وَعَدَدَ أَنْفُسِهِمْ، وَخَائِنَةَ أَعْيُنِهِمْ، وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ مِنَ الضَّمِيرِ

"اور سب کے آثار واعمال کا احصاء کیا ہے؛ اسی نے ہر ایک کی سانسوں کا شمار کیا ہے اور ہر ایک کی نگاہ کی خیانت اور سینے کے چھپے ہوئے اسرار کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

امامؑ مزید فرماتے ہیں:

وَمُسْتَقَرَّهُمْ وَمُسْتَوْدَعَهُمْ مِنَ الْأَرْحَامِ وَالظُّهُورِ، إِلَى أَنْ تَتَنَاهَى بِهِمُ الْغَايَاتُ

"ارحام میں ان کے ٹھکانوں اور صلب میں سونپے جانے کی جگہوں کا حساب رکھا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی آخری

---

[۱] نہج البلاغہ، نامہ ۳۱

https://downloadshiabooks.com/

منزل تک پہنچ جائیں۔"

نہج البلاغہ کے مفسرین نے آثار کی کبھی پاؤں کے نشان اور کبھی انسان کے دنیا میں باقیماندہ آثار سے تفسیر کی ہے اور عدد انفس ہر زمان اور مکان میں انسانوں کی تعداد کے معنیٰ میں ہے اور کبھی سانسوں کی تعداد سے تفسیر کی گئی ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ جب کتابت میں لفظ انفاس آیا ہو؛ چنانچہ نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے نقل کیا ہے، کہ البتہ پہلے اور بعد کے جملے کے لحاظ سے یہی مناسب ہے۔

آنکھوں کی خیانت سے مراد، جن چیزوں کی طرف دیکھنا حرام ہے، اُن کی طرف ہوس آلود نظر کرنا ہے یا آنکھوں کے ذریعے پاک دامن اور بے گناہ لوگوں کی طرف توہین آمیز اشارہ کرنا ہے۔

"وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ" کے جملے سے مراد بُری، اچھی، پاک اور آلودہ نیتیں اور اس طرح مختلف عقائد ہیں۔

"مستقرّ"، رحم مادر کی جانب اشارہ ہے کہ جس میں نسبتاً ایک لمبی مدت تک نطفہ ٹھہرتا ہے۔"مستودع"، صلب پدری کی جانب اشارہ ہے کہ جہاں نطفہ رحمِ مادر میں منتقل ہونے سے پہلے ایک مختصر مدت تک رہتا ہے اور مستقرّ اور مستودع کے مفہوم کا فرق اسی غور طلب نکتے کی طرف اشارہ ہے۔

"إِلَى أَنْ تَتَنَاهَى بِهِمُ الْغَايَاتُ"

اس جملے سے پیدائش سے پیری تک کے زمانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس بنا پر غایات کا معنیٰ موت اور زندگی کا خاتمہ ہے۔ اور یہ جو نہج البلاغہ کے بعض مفسرین نے بہشت اور دوزخ کے معنیٰ سے تفسیر کی ہے، پہلے کے جملوں کے ساتھ ذرا سا بھی مناسبت نہیں رکھتا۔

بہرحال مذکورہ بالا جملوں میں انسانوں کے سات موضوعات سے متعلق علمِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے [انسان کے اعمال، آنکھوں کی حرکات اور سانسوں سے عقائد و نیتّوں تک؛ صلبِ پدری میں نطفے کی پیدائش سے لے کر رحم مادر میں منتقل ہونے تک اور ولادت کے وقت، زندگی کے مراحل اور عمر کے اختتام تک کے یہ مراحل، ان میں ہم انسانوں کے لیے تنبیہ ہے تا کہ ہم یہ جان لیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہم پروردگار کے بیکراں علم کے احاطے سے باہر نہیں ہیں اور وہ ہر حال میں حاضر و ناظر ہے اور ہمارے اعمال کا نگراں ہے۔ اس حقیقت کی طرف توجّہ دینے سے یقیناً ہمارے اعمال دوسرے رنگ اور شکل میں ڈھل جائیں گے۔

مذکورہ بیانات امیر المومنینؑ کے دوسرے کلام کی طرح آیاتِ قرآنی سے ماخوذ ہیں۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

https://downloadshiabooks.com/

وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕوَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ

"اور جو کچھ لوگ پہلے کر چکے ہیں (ان کو) اور ان کی (اچھی یا بُری باقی ماندہ) نشانیوں کو لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے۔"[۱]

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾

"خدا تو آنکھوں کی دزدیدہ نگاہ کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں۔"[۲]

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶﴾

"خدا ان کے ٹھکانے اور (مرنے کے بعد) ان کے سونپے جانے کی جگہ (قبر) کو بھی جانتا ہے۔ سب کچھ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔"[۳]

تیسرا حصّہ

هُوَ الَّذِي اشْتَدَّتْ نِقْمَتُهُ عَلَى أَعْدَائِهِ فِي سَعَةِ رَحْمَتِهِ، وَ اتَّسَعَتْ رَحْمَتُهُ لِأَوْلِيَائِهِ فِي شِدَّةِ نِقْمَتِهِ، قَاهِرُ مَنْ عَازَّهُ، وَ مُدَمِّرُ مَنْ شَاقَّهُ، وَ مُذِلُّ مَنْ نَاوَاهُ، وَ غَالِبُ مَنْ عَادَاهُ. مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ، وَ مَنْ سَأَلَهُ أَعْطَاهُ، وَ مَنْ أَقْرَضَهُ قَضَاهُ، وَ مَنْ شَكَرَهُ جَزَاهُ.

"وہی ہے جس کا غضب دشمنوں پر اُس کی وسعتِ رحمت کے باوجود شدید ہے اور اُس کی رحمت اُس کے دوستوں کے لیے اُس کی شدت غضب کے باوجود وسیع ہے۔ جو اس پر غلبہ پیدا کرنا چاہے اس کے حق میں قاہر ہے اور جو کوئی اس سے جھگڑا کرنا چاہے اس کے حق میں تباہ کرنے والا ہے۔ ہر مخالفت کرنے والے کو ذلیل کرنے والا اور ہر دشمنی کرنے والے پر غالب آنے والا ہے۔ جو اُس پر توکل کرتا ہے اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور جو اُس سے سوال کرتا ہے اُسے عطا کر دیتا ہے۔ جو اُسے قرض دیتا ہے اسے ادا کر دیتا ہے اور جو اُس کا شکریہ ادا کرتا ہے اُس کو جزا دیتا ہے۔"

---

[۱] سورۂ یٰسین، آیت ۱۲
[۲] سورۂ غافر، آیت ۱۹
[۳] سورۂ ھود، آیت ۶

https://downloadshiabooks.com/

شرح وتفسیر

کوئی بھی اُس کا مثل نہیں ہے

اس خطبے میں امامؑ پروردگار عالم کی عظیم قدرت اور جزا وسزا کے معاملے میں شدّت کے باوجود بندوں پر اُس کی سایہ فگن رحمت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور چھ مختصر اور بامعنیٰ جملوں کے ضمن میں اس حقیقت کی تشریح فرماتے ہیں۔

پہلے جملے میں فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِی اشْتَدَّتْ نِقْمَتُهُ عَلَیٰ أَعْدَائِهِ فِی سَعَةِ رَحْمَتِهِ

"وہ ذات ہے جس کا عتاب دشمنوں پر سخت ہے، جبکہ اُس کی رحمت پھیلی ہوئی ہے۔"

دوسرے جملے میں فرماتے ہیں:

وَاتَّسَعَتْ رَحْمَتُهُ لِأَوْلِيَائِهِ فِی شِدَّةِ نِقْمَتِهِ

اپنے دوستوں کے لیے اُس کی رحمت وسیع ہے، حالانکہ اُس کا عتاب [دشمنوں کے لیے] سخت ہے۔

یہ دونوں جملے دو زاویوں سے ایک ہی حقیقت کی طرف نشاندہی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ کی وسیع رحمت اُس کے عذاب سے مانع نہیں ہے، جس طرح سے اُس کا سخت عتاب اُس کی رحمتِ واسعہ سے مانع نہیں ہے، درحقیقت ان دو عبارتوں میں خوف اور رجاء [امید وبیم] کے مسئلے، جو کہ کمالات کی طرف حرکت کرنے کا لازمی عنصر ہے، کو اعلیٰ ترین انداز میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ بندے ایک طرف رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہوں اور دوسری طرف اس کے عذاب وعقاب کو بھی مدّنظر رکھیں خوف بھی رکھیں، نہ غافل ہوں اور نہ مایوس، بلکہ خوف ورجا کے بال وپر کے ذریعے اس کی جانب محوِ پرواز ہوں۔

پھر امامؑ ایک اور وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَاهِرُ مَنْ عَازَّهُ[۱]

"جو اُس پر غلبہ پانا چاہے، وہ اُس پر قابو پانے والا ہے۔"

[۱] "عازّ"، معازۃ کے مادّے سے ہے، اس کی اصل عزّۃ ہے، جو غلبہ پانے کے معنیٰ میں ہے اور عزیز اسے کہتے ہیں جو دشمن پر غالب آجائے۔ مذکورہ بالا خطبے میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ "گر کوئی اللہ کے ارادے پر غلبہ پانا چاہے......"

https://downloadshiabooks.com/

وَمُدَمِّرٌ (۱) مَنْ شَاقَّهُ (۲)

"جو اُس سے ٹکر لیتا ہے، اُسے برباد کرنے والا ہے۔"

وَمُذِلٌّ مَنْ نَاوَاهُ (۳)

"جو اُس کی مخالفت کرتا ہے، اسے ذلیل وخوار کرنے والا ہے۔"

"وَغَالِبُ مَنْ عَادَاهُ"

"جو اُس سے دشمنی کرے، اس پر غلبہ پانے والا ہے۔"

ان چار اوصاف میں خداوندعالم کے اس جہان پر حاکمِ مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، گزشتہ جملوں میں خداوندعالم کی وسیع رحمت کے تذکرے کی دومرتبہ تکرار ہوئی ہے، لیکن اس کی رحمتِ واسعہ کا مطلب یہ نہیں کہ ظالم، ستمگر اور طاقتور افراد خداوندکریم کے ارادے کے سامنے ذراسی بھی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر پائیں اور اگر انھیں مہلت دی بھی جاتی ہے تو اس کی بھی وجوہات ہیں، مثلاً ان کو اور دوسرے بندوں کو آزمائش میں ڈالنا یا بعض ظالموں کے ذریعے دوسرے ظالموں کو مزا چکھانا۔

یہ تعبیریں بھی قرآن مجید سے ماخوذ ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ امامؑ ہر جگہ آیات قرآنی کے زیرِ سایہ ہیں۔

فرعون کے داستان میں ہم پڑھتے ہیں:

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

"فرعون نے کہا، میں تمھارا پروردگار ہوں، اس لیے اللہ نے دنیا وآخرت کے عذاب میں گرفتار کرلیا۔" (۴)

ان چھے اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد اس طرح نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ، وَمَنْ سَأَلَهُ أَعْطَاهُ، وَمَنْ أَقْرَضَهُ قَضَاهُ، وَمَنْ شَكَرَهُ جَزَاهُ

"جو اُس پر بھروسا کرتا ہے وہ اُس کے لیے کافی ہوجاتا ہے، جو کوئی اُس سے مانگتا ہے اُسے دے دیتا ہے اور جو اُسے قرضہ دیتا ہے (یعنی انفاق کرتا ہے) وہ اُسے ادا کرتا ہے اور جو شکر کرتا ہے اُسے بدلہ دیتا ہے۔"

---

(۱) "دمر"، تدمیر کے مادّے سے ہے جس کے معنی ہلاک کرنے کے ہیں۔ اس کی اصل دمار ہے، جو ہلاک کے معنیٰ میں ہے۔

(۲) شاق، مشاقّۃ کے مادّے سے ہے، جس کا معنیٰ مخالفت ودشمنی کے ہیں اور اس کی اصل شقاق ہے، جو شگاف کے معنیٰ میں ہے۔ اور چوں کہ دشمن ہمیشہ مقابل میں ہوتا ہے اور خود کو جدا کرتا ہے، اُس کے عمل کو شقاق کہا جاتا ہے۔

(۳) ناوا، نوء (نوع کا ہم وزن) سے ہے، جس کے معنیٰ، زحمت کے ساتھ کسی کے مقابل اٹھنا اور قیام کرنا، کے ہیں۔ مذکورہ خطبے میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ارادۂ پروردگار کے سامنے زحمت کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور خدا انھیں ذلیل کرتا ہے۔

(۴) سورۂ نازعات، آیات ۲۴، ۲۵

https://downloadshiabooks.com/

گزشتہ چار اوصاف کے نتائج، درحقیقت ان کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ وہ جو برتر قدرتوں کا مالک ہے اور وسیع رحمت والا ہے، وہی توکّل کرنے والوں کی جائے پناہ، سوالیوں کا عطا کرنے والا، انفاق کرنے والوں اور شکرگزار بندوں کو پاداش دینے والا ہو۔

اس بنا پر جو اس کی رحمت، عطا اور بخشش سے محروم ہو جائے، تو حقیقت میں اُس نے خود کوتاہی کی ہے،۔اس کے در پر دستک نہیں دی، اُسے قرض نہ دیا، یا اُس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا۔

ضرورت مندوں پر انفاق کے لیے قرض کی تعبیر یا تو اس لیے ہے کہ خداوند متعال اُن کا کفیل ہے اور جو کوئی ان ضرورت مندوں کو کچھ دے، تو گویا اس نے خدا کو دیا ہے یا اس لیے ہے کہ اپنے بے حساب لطف کو تعبیرات میں دکھلائے، تا کہ سب کا رجحان اس طرف ہو، کیونکہ اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی کہ تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا، جس کے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں، سراپا نیاز انسان سے کہے کہ مجھے قرض دے! میری راہ میں انفاق کر! میں تجھے اس کے دسیوں گنا، سیکڑوں گنا، ہزاروں گنا دوں گا اور یہ سودا اور فائدہ میرے اور تمھارے درمیان کوئی پیچیدگی پیدا نہیں کرے گا۔

امامؑ کے یہ خوبصورت بیانات قرآن کی طرح ہی فصاحت رکھتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ ؕ

"اور جو خدا پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اُس کے لیے وہی کافی ہے۔"(۱)

اور ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ

"ہے کوئی جو خدا کو قرض حسنہ دے تا کہ خدا اس کے مال کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے۔"(۲)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ

"اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا تو میں تمھارے مال میں اضافہ کروں گا۔"(۳)

---

(۱) سورۂ طلاق، آیت ۳

(۲) سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۵

(۳) سورۂ ابراہیم، آیت ۷

https://downloadshiabooks.com/

چوتھا حصّہ

عِبَادَاللّٰهِ! زِنُوا أَنْفُسَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُوْزَنُوا، وَ حَاسِبُوْهَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تُحَاسَبُوْا، وَ تَنَفَّسُوْا قَبْلَ ضِيْقِ الْخِنَاقِ، وَ انْقَادُوْا قَبْلَ عُنْفِ السِّيَاقِ، وَ اعْلَمُوْا أَنَّهُ مَنْ لَمْ يُعَنْ عَلٰى نَفْسِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ لَهٗ مِنْهَا وَاعِظٌ وَزَاجِرٌ، لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَنْ غَيْرِهَا لَا زَاجِرٌ وَلَا وَاعِظٌ.

"بندگانِ خدا! اپنے آپ کو تول لو قبل اس کے کہ تمہارا وزن کیا جائے اور اپنے نفس کا محاسبہ کر لو قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے۔ گلے کا پھندہ تنگ ہونے سے پہلے سانس لے لو اور زبردستی لے جائے جانے سے پہلے از خود جانے کے لیے تیار ہو جاؤ اور یاد رکھو کہ جو شخص خود اپنے نفس کی مدد کر کے اسے نصیحت اور تنبیہ نہیں کرتا، اس کو کوئی دوسرا نہ نصیحت کر سکتا ہے اور نہ تنبیہ۔"

شرح وتفسیر

اپنا محاسبہ خود کرو

حضرت امام علی علیہ السلام اس آخری حصّے، جو کہ حقیقت میں گزشتہ تمام حصّوں کا خلاصہ ہے، میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، جو کہ بقول ابن ابی الحدید کے نہایت فصیح، بلیغ اور نادر تعبیرات میں سے ہیں۔ [۱]

پہلے امامؑ میں فرماتے ہیں:

عِبَادَاللّٰهِ! زِنُوا أَنْفُسَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُوْزَنُوا، وَ حَاسِبُوْهَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تُحَاسَبُوْا

"اے بندگانِ خدا! اپنے آپ کو تولو، اپنی قدر و قیمت کا اندازہ کر لو، قبل اس کے کہ تمہیں تولا جائے اور اپنا محاسبہ کرو، قبل اس کے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے۔"

ہم جانتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں اپنے معاملات طے کرتے وقت سب سے پہلے اپنے مدنظر مال کا وزن کرتا ہے، پھر اس کی قیمت چکاتا ہے، اگر وزن یا قیمت چکانے میں غلطی کرے تو اپنے سرمائے سے محروم ہو جائے گا اور نقصان

---

[۱] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۲۹۶

https://downloadshiabooks.com/

اٹھائے گا، معنوی معاملات میں بھی ایسا ہی کرے۔ اپنے اعمال کی قدر اور وزن کو جانچے، بلکہ خود کو ایمان و اخلاق کے اعتبار سے جانچے [کہ کہاں کھڑا ہے] اور بعد میں محاسبہ کرے، تاکہ اگر کسی قسم کا ضرر اور کمی اُسے دامنگیر ہو، تو جتنی جلدی ممکن ہو اس کا ازالہ اور جبران کرے، تاکہ آخرت میں محاسبے کی نوبت نہ پہنچے، اس لیے کہ وہاں ازالے کا موقع نہیں ملے گا اور بجز شرمندگی اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ قیامت کے میدان میں اعمال اور اشخاص کا وزن ہونا حق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ

"اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔"(۱)

اسی طرح اُس دن حساب کتاب ہونا مسلّمات میں سے ہے، اسی وجہ سے قیامت کے ناموں میں سے ایک نام یوم الحساب ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں اپنے پروردگار کی ہر اس متکبر سے پناہ مانگتا ہوں جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔"(۲)

پھر امامؑ مزید فرماتے ہیں:

وَ تَنَفَّسُوا قَبْلَ ضِيقِ الْخِنَاقِ.(۳)

"گلے کا پھندا تنگ ہونے سے پہلے سانس لے لو" (اور جب تک فرصت کے لمحات باقی ہیں اعمالِ صالح بجالاؤ).

اس مقام پر امامؑ نے تنفس [سانس لینے] کو اعمال صالح، علم وعمل، خود سازی اور تقویٰ کی جانب سبقت کے لیے کنائے کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ "ضیق خناق" یعنی سانس کی تنگی کی تعبیر موت کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾

---

(۱) سورۂ اعراف، آیت ۸

(۲) سورۂ غافر، آیت ۲۷

(۳) خناق، (نفاق کا ہم وزن)، گلے کے معنی میں ہے۔ رسّی اور اُس جیسی چیز، جو گلے کو دبائے، پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

https://downloadshiabooks.com/

"اور ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کر ڈالو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو (اس کی نوبت نہ آئے کہ) کہنے لگے کہ پروردگارا تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔"[۱]

چوتھے جملے میں اسی مطلب کو دوسری زندہ تعبیر کے ساتھ ارشاد فرمایا:

وَانْقَادُوْا قَبْلَ عُنْفِ السِّيَاقِ[۲]

"اور سختی سے ہانکے جانے سے پہلے مطیع بن جاؤ۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موت کے وقت فرعون اور نمرود جیسے سرکش لوگ اس قدر دباؤ میں ہوں گے کہ بے اختیار تسلیم کریں گے اور دل وجاں سے "آمَنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی صدا دیں گے، ایسا ایمان انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ انسان کو سلامتی اور آزادی کی حالت میں ایمان وتقویٰ کی طرف حرکت کرنی چاہیے، تا کہ دنیا اور آخرت میں اُس کے لیے کارساز ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب گنہگار کے پاس موت کا فرشتہ آپہنچے گا تو گنہگار فریاد کرے گا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

"کہنے لگے پروردگارا تو مجھے (ایک بار) اس مقام (دُنیا) میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں پھر واپس کردے تا کہ میں (اب کی دفعہ) اچھے اچھے کام کروں (جواب دیا جائے گا) ہرگز نہیں۔"[۳]

پانچویں اور آخری نصیحت میں فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوْا أَنَّهُ مَنْ لَمْ يُعَنْ عَلٰى نَفْسِهِ حَتّٰى يَكُوْنَ لَهُ مِنْهَا وَاعِظٌ وَزَاجِرٌ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا لَا زَاجِرٌ وَلَا وَاعِظٌ

"جان لو! جسے اپنے نفس کے لیے یہ توفیق نہ ہو کہ وہ اپنے نفس کو وعظ و پند کرے اور بُرائیوں سے متنبہ کردے، پھر کسی اور کی بھی پند ونصیحت اُس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہدایت انسان کے باطن سے پھوٹے، جب تک ذات کے اندر ہدایت کی

[۱] سورۂ منافقون، آیت ۱۰

[۲] سیاق، سوق کے مادّے سے ہانکنے کے معنی میں ہے، اس مقام پر حالتِ مرگ کی جانب اشارہ ہے کہ گویا انسان کو اس دنیا سے دوسری دنیا میں کی جانب ہانکتی ہے۔

[۳] سورۂ مومنون، آیات ۹۹، ۱۰۰

https://downloadshiabooks.com/

راہیں ہموار نہ ہوں، بیرونی واعظ کی باتیں اثر انداز نہیں ہوں گی۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ انسان اپنے وجدان کو زندہ و بیدار کرنے کا عزم کرے اور الٰہی کمک اُس کی مدد کو پہنچ جائے، تاکہ انسان کا باطنی واعظ وعظ کی کرسی پر براجمان ہو جائے اور ہوا و ہوس کا شور و غل تھم جائے اور اس واعظ کی آواز دل کے کانوں تک پہنچ جائے، یہ وہ وقت ہے کہ انسان ہر واعظ کی زبانی انبیاء، اولیاء کے فرامین اور پیغامِ حق سننے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اور یہ تربیتی اور خودسازی کے مسائل سے وابستہ ایک اہم نکتہ ہے۔

نکات

محشر میں میزان اور حساب

بہت ساری روایات اور آیاتِ قرآنی ہمیں بتاتی ہیں کہ قیامت کے دن میزان نصب کیے جائیں گے اور ہر چیز کا وزن کیا جائے گا۔ آیاتِ قرآنی کی تعبیرات سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ نہ صرف اعمال، بلکہ انسانوں کا بھی وزن کیا جائے گا، یعنی انسان کے اندر موجود اخلاق، نیتوں اور عقائد کا بھی وزن کیا جائے گا، اور ان کے ظاہری اعمال کا بھی وزن کیا جائے گا۔

بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ واقع میں، قیامت کے دن دنیاوی ترازوؤں جیسی ترازوئیں (لیکن انتہائی دقیق اور درست) نصب ہوں گی، اسی وجہ سے وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اعمال اور اخلاق کے مجسّم ہونے کی وجہ سے یہ معنوی اُمور وزن دار ہو جائیں گے اور وزن کیے جانے کے قابل ہو جائیں گے؛ لیکن بلا شبہ ایسا نہیں ہے، ہر چیز کا وزن اس چیز کی مناسبت سے ہوگا۔

آج کل میزان کا لفظ، میزان الحرارۃ [تھرمامیٹر]، اور میزان الھواء [بادپیما] اور ان جیسی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہاں ترازو کا نام ونشان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میزان کا لفظ معنوی اور مادّی اُمور میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم آخرت ایک دوسری دنیا ہے، ہماری اس محدود دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں، حدود اور جزئیات کا تصور کرنا ہم عالم دنیا کے باسیوں کے لیے مشکل ہے، اگرچہ اس کے کلیات کو اجمالی طور ہم پر

https://downloadshiabooks.com/

جانتے ہیں۔

بہرحال اُس دن ہمارے اعمال، نیتوں، اخلاق اور ایمان کا ایک مخصوص ترازو سے دقیق طور پر وزن کیا جائے گا، کیوں کہ دقیق وزن کے بغیر عدالت کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ خدا وزن سے پہلے ہی سب چیزوں سے باخبر ہے، لیکن اس کے باوجود ضروری ہے کہ انسانوں پر حجت تمام ہو اور وہ عدالت کے نفاذ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

اس کے بعد احتساب کا آغاز ہوگا، ایسا دقیق اور فوری احتساب کہ شاید اس میں پلک جھپکنے سے زیادہ وقت نہیں لگے، اس محاسبے کے نتیجے میں ہر شخص کا جزا یا سزا کا مستحق ہونا سب پر واضح ہو جائے گا۔

واضح ہے کہ اگر انسان لمبی مدت کے لیے میزان اور اپنی مادّی زندگی کے احتساب کو فراموش کر دے اور کسی دن اُسے یاد آجائے تو بسا اوقات وہ وحشت ناک زیاں کا شکار ہو جائے گا، جس کا ازالہ ناممکن ہوگا۔ اسی لیے ہوشیار لوگ گاہے بگاہے اپنے حساب و کتاب کی جانچ پڑتال کرتے رہتے ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام مذکورہ بالا جملوں میں فرماتے ہیں۔ روزِ قیامت میزان اور حساب و کتاب کی پشیمانی [جو کہ بے سود ہے] سے بچنے کے لیے اس دنیا میں اپنے اعمال و اخلاق اور نیتوں کا وزن کریں اور اپنا حساب رکھیں، اپنے نقصانات کا ازالہ کریں اور فراوانیوں پر شکر کریں۔ جی ہاں! عاقل وہی ہے جو میزان کے لیے بلائے جانے سے پہلے ہی اپنے اعمال کا وزن کر لیتا ہے، حساب و کتاب کے لیے پیش کیے جانے سے پہلے اپنا حساب و کتاب کر لیتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ، فَإِنْ عَمِلَ خَيْرًا اسْتَزَادَ اللهَ مِنْهُ، وَ حَمِدَ اللهَ عَلَيْهِ، وَإِنْ عَمِلَ شَيْئًا شَرًّا اسْتَغْفَرَ اللهَ وَتَابَ عَلَيْهِ

"جو کوئی ہر روز اپنا محاسبہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اگر نیک کام انجام دیا ہو تو اللہ سے مزید طلب کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے، اگر بُرا کام انجام دیا ہو تو استغفار اور توبہ کرے۔"[1]

آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا:

يَا أَبَاذَرٍّ! حَاسِبْ نَفْسَكَ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبَ، فَإِنَّهُ أَهْوَنُ لِحِسَابِكَ غَدًا، وَزِنْ نَفْسَكَ قَبْلَ أَنْ تُوْزَنَ

"اے ابوذرؓ! قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنا محاسبہ کرو، کیوں کہ کل بروزِ قیامت تم پر حساب آسان کیا

[1] میزان الحکمۃ، ج ۱، شمارہ حدیث ۳۸۴۵ (مادّہ حساب)

https://downloadshiabooks.com/

جائے گا، اور میزان پر جانے سے پہلے اپنا وزن کرلو۔"[۱]

علّامہ مجلسیؒ بحارالانوار میں مواعظِ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں ایک دوسری حدیث نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا:

يَا أَبَاذَرٍّ! لَايَكُوْنُ الرَّجُلُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ، حَتّٰى يُحَاسِبَ نَفْسَهُ أَشَدَّ مِنْ مُحَاسَبَةِ الشَّرِيْكِ شَرِيْكَهُ، فَيَعْلَمَ مِنْ أَيْنَ مَطْعَمُهُ، وَمِنْ أَيْنَ مَشْرَبُهُ، وَمِنْ أَيْنَ مَلْبَسُهُ; أَمِنْ حِلٍّ ذٰلِكَ، أَمْ مِنْ حَرَامٍ.

"اے ابوذرؓ! انسان اُس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنا محاسبہ نہ کرے۔ سب سے سخت محاسبہ وہ ہے جو ساتھی اپنے ساتھی کا کرے تاکہ جان لے کہ اس کی غذا کہاں ہے، اسی طرح پینے کی چیزیں اور لباس، کیا یہ حلال ہے یا حرام؟"[۲]

اندرونی ناصح

ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی کام میں مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے تک پہنچنے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: مناسب جگہ اور صحیح نظم ونسق، دوسرے الفاظ میں قابل شخص کی قابلیت اور فاعل کی فعالیت۔ بہترین باغبان، اعلیٰ ترین بیج، پودوں کی پابندی کے ساتھ آبپاشی، کسی بنجر زمین میں ایک چھوٹا سا پودا بھی اگا کر نہیں دے سکتے، کیوں کہ جگہ کی عدم صلاحیت وقابلیت کی وجہ سے ساری زحمتیں اکارت جائیں گی۔

انسانی نفوس کی تربیت میں بھی یہی اُصول کارفرما ہے: جب تک انسان کے باطن میں کوئی واعظ و ناصح نہ ہو اور انصاف وحق جوئی اور حق طلبی انسان کی روح پر حاکم نہ ہو، دوسرے واعظوں سے کچھ نہیں بن پڑے گا۔ اسی وجہ سے کئی ابوجہل اور ابولہب وحی کے چشمے سے پیاسے لوٹتے تھے، جب کہ اویس قرنیؒ جیسے افراد ایک ہی اشارے پر سرِ تسلیم خم کردیتے تھے۔

البتہ اس گفتگو کو ایک جبری مفہوم نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ انسان کا باطنی واعظ خودسازی اور اانسان کی اختیاری تربیت کی بدولت اپنے آپ تربیت اور پرورش پاتا ہے۔ باطنی واعظ کی صدا ہوا وہوس کے شور وغل میں دب جاتی ہے

اور پاک وپاکیزہ الٰہی فطرت بُرے اعمال کے زیر اثر روپوش ہوجاتی ہے، خداداد پاک دل ہوس رانی کی وجہ سے زنگ آلود ہوجاتا ہے اور یہ عین اختیار ہے، نہ کہ جبر ہے۔

---

[۱] مذکورہ بالا ماخذ، حدیث ۳۸۴۱

[۲] بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۸۶۔

https://downloadshiabooks.com/

بحمد للہ مذکورہ بالا تفسیر کے ساتھ تیسری جلد کا یہ نوے واں خطبہ اپنے اختتام کو پہنچا اور اس توفیقِ گرانبار پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

پروردگارا! تیرے پیغمبران اور اُن کے اوصیاء علیہم السلام نے تیری دعوت کی تبلیغ اور ہدایت وسعادت کے راستے کو پہنچوانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ہمیں بھی توفیق عطا فرما کہ ہم بھی اُن کی ہدایات پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

تمّت بحمد اللہ

https://downloadshiabooks.com/